www.KitaboSunnat.com

تفسیر

أحسن الكلام

للشیخ أبی زکریا سید عبد السلام الرستمی ؒ

ترجمہ و تخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد چہارم

سورۃ ابراہیم تا سورۃ عنکبوت

مکتبہ محمدیہ

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

حقوقِ طبع محفوظ ہیں

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تفسیر

أحسن الكلام

للشيخ أبي زكريا سيد عبد السلام الرستمي رحمه الله

ترجمہ وتخریج

نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی

جلد چہارم

سورۃ ابراہیم تا سورۃ عنکبوت

مکتبہ محمدیہ

نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0343-5302948

(تمام جملہ حقوق محفوظ ہیں)

کتاب کا نام	:	تفسیر حسن الکلام
مصنف	:	شیخ القرآن سید عبدالسلام رستمی رحمہ اللہ
مترجم	:	شیخ نصیب شاہ سلفی منجاکوٹی حفظہ اللہ
اشاعت اول	:	2021
ملنے کا پتہ	:	مکتبہ محمدیہ نیو حاجی کیمپ سلطان آباد کراچی

0300-2615407 - 0347-5114825

جامعہ عربیہ لاشاعۃ التوحید والسنۃ بڈھ بیر، پشاور۔ 0313-8580079

اسکے علاوہ پاکستان کے ہر بڑے شہر کے معروف مکتبہ سے حاصل کریں

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
.1	سورۃ ابراہیم: سورۃ کا عنوان وخلاصہ	1
.2	ہر نبی کو قوم کی زبان میں بھیجا گیا تاکہ قوم کا کوئی عذر باقی نہ رہے	3
.3	کافروں کے اعمال کے لئے مثال	10
.4	مخلوقات کی تخلیق توحید کیلئے ہے نہ کہ نبی ﷺ کیلئے کیا گیا ہے	11
.5	مومن ومشرک کیلئے مثالیں	14
.6	قیامت کے دن شیطان اپنے پیروکاروں سے برأت کرے گا	12
.7	اس سورۃ کی خصوصیات	25
.8	سورۃ الحجر: روافض کے باطل عقیدہ کی تردید	28
.9	قرآن وحدیث محفوظ ہے	28
.10	جنوں کا باپ جان آدم علیہ السلام سے قبل پیدا ہوئے	33
.11	جہنم سات ہے	37
.12	ابلیس کی بڑے گروہ بھی سات ہے۔	37
.13	شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف گئے اسلئے ایک کے لئے اخوھم کہا گیا	45
.14	اس سورۃ کی خصوصیات	51
.15	سورۃ النحل: اس سورت میں 26 عقلی دلائل کا ذکر ہے	52
.16	یہ مردے ہیں زندہ نہیں	59
.17	اس آیت میں حبشہ کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے	68
.18	اہل علم سے مسائل پوچھنا تقلید نہیں تحقیق ہے	69
.19	اس آیت میں خیر اور شر دونوں جمع ہیں	90
.20	مکہ والوں کے لئے دنیاوی عذاب کا انتہاء	98
.21	دعوت کے پانچ آداب کا ذکر	104
.22	اس سورۃ کی خصوصیات	105
.23	سورۃ بنی اسرائیل: سورۃ کا عنوان	106
.24	سورۃ کا خلاصہ	106
.25	نبی کریم ﷺ کا واقعہ معراج	107
.26	محمد ابن اسحاق ثقہ اور مقبول ہے	108
.27	بنی اسرائیل کی تاریخ	110
.28	عذاب الٰہی سے بچاؤ کا طریقہ ذکر ہو رہا ہے	118
.29	والدین کے ساتھ احسان اور ان کیلئے دعائیں	119
.30	تین اعضاء سے سوال	124
.31	مکروہ کی اصطلاح حرام کے لئے ہے تنزیہی اصطلاح اختراع اور بدعت ہے	125
.32	قیامت کے منکرین کیلئے وعید	130
.33	شیطان کے چار حربے	137
.34	چار انعامات کا ذکر	140
.35	جس نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا وہ	141

	ضرور اللہ اور رسول پر جھوٹ باندھے گا	
36.	روح کے متعلق سوالات	147
37.	عنادی ضدی لوگوں کے طریقے	147
38.	معجزات کے مطالبے اور ان کے جوابات	150
39.	قیامت کے دن لوگوں کو منہ کے بل چلنے کا منظر	152
40.	موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا تذکرہ	154
41.	دعاؤں کیلئے قبولیت کی شرائط	157
42.	سورۃ کہف	159
43.	دنیا سے بے رغبتی	162
44.	نبی کیلئے تسلی اور اہل شرک کے عقیدے پر رد	163
45.	غار کی حالت اور اہل توحید کیلئے نظام کائنات بدلنے کا منظر	168
46.	دیندار لوگوں کی عادت ہے کہ وہ حرام نہیں کھاتے	170
47.	اصحاب کہف میں مختلف حکمتیں	171
48.	ایمان والوں کیلئے ادب	173
49.	اصحاب غار نے 309 سال غار میں گزارے	174
50.	جن لوگوں میں یہ صفات ہوں ان سے تعلق مت رکھو	176
51.	غریب دیندار کا واقعہ	181
52.	اختیارات صرف اللہ کے پاس ہے	181
53.	دنیا سے بے رغبتی	182
54.	شکوک وشبہات کا ازالہ	184
55.	رسولوں کے بھیجنے کا حکمت عذاب سے بچاؤ ہے	188
56.	خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا وحی کے ذریعے سے کیا تھا	190
57.	خضر علیہ السلام کے متعلق غلط خیالات اور انکی اصلاح	193
58.	دونوں نبیوں کے علمی سفر	195
59.	خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا وہ کافر تھا	200
60.	نیک اعمال میں بہت قوت ہے	201
61.	ذوالقرنین کا واقعہ	202
62.	اللہ کے علم کی بنسبت دو نبیوں کا علم	196
63.	جنت سے نکلنے کا کوئی سوچے گا بھی نہیں	211
64.	اس سورۃ کی خصوصیات	212
65.	سورۃ مریم	213
66.	اس سورۃ میں مختلف اشکالات کے جوابات	213
67.	مریم کے متعلق باطل عقیدہ اور اس کی تردید	219
68.	صالحین بدنامی سے بچنے کیلئے موت کو ترجیح دیتے ہیں	221
69.	ابراہیم علیہ السلام نے بیان حق میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا ہے	227

70.	انکار قیامت پر وعید	235
71.	جہنم پر ہر شخص کا گزر ہے	237
72.	قیامت میں شفاعت مشروط ہے	241
73.	شرک کا اثر کتنا سخت ہے	242
74.	سورۃ مریم کی خصوصیات	244
75.	سورۃ طٰہٰ	245
76.	سورۃ کا مرکزی عنوان	245
77.	موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بڑائے شجاعت ذکر ہے جو چھ مقامات پر منقسم ہے	247
78.	مدلل اور اخلاقی انداز میں دعوت توحید پر ترغیب	255
79.	موسیٰ علیہ السلام کا ساحرین سے مناظرہ اور غلبہ	259
80.	ساحرین کا ایمان لانا اور استقامت کا مظاہرہ	264
81.	برائی پر غضب ناک ہونا سنت انبیاء ہے	268
82.	آدم علیہ السلام کو شیطانی وسوسہ اور نتیجہ	279
83.	سورۃ طٰہٰ کی خصوصیات	285
84.	سورۃ انبیاء	286
85.	سورۃ کا مرکزی عنوان	286

86.	اہل علم سے مسائل پوچھنا اور تقلید کی تردید	289

87.	اگر کائنات میں زیادہ نہیں صرف دو الٰہ ہوتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا	294
88.	کائنات کی تخلیق کس طرح کی گئی	297
89.	ابراہیم علیہ السلام کا مجاہدہ	306
90.	سلیمان اور داؤد علیہم السلام کا واقعہ	314
91.	ایوب علیہ السلام کا واقعہ	317
92.	یونس علیہ السلام کا واقعہ	319
93.	انسانوں کی ضروریات ان چار نبیوں کی دعاؤں میں منحصر ہے	320
94.	مریم کی پاکدامنی اور یہودیوں پر تنقید	322
95.	مشرکین کے معبود خود جہنم میں ہونگے	325
96.	رحمۃ للعالمین کی تشریح بقول امام ابن قیمؒ	328
97.	امیر معاویہؓ کیلئے صالح ہونے کی بشارت	328
98.	سورۃ انبیاء کی خصوصیات	330
99.	سورۃ حج	331
100.	اس کی ابتداء سورۃ نساء کی طرح مگر	331
101.	منافق مفاد پرست کا تذکرہ	337
102.	گرم پانی کا عذاب	342
103.	حرم میں صرف برائی کے ارادے پر عذاب ہے	345
104.	حاجی کیلئے حج پر جانے سے قبل عقیدہ کی اصلاح لازم ہے	346
105.	بیت العتیق کی تشریح	347
106.	قبر نبی کی بھی عبادت کی جائے تو وہ	348

	وش کہلائے گا	
107.	توحید بلندی اور شرک پستی ہے	349
108.	واقعہ غرانیق جھوٹ پر مبنی ہے	360
109.	اثبات توحید کیلئے بہترین مثال	367
110.	کامیابی کے چار کام	369
111.	اس سورۃ کی خصوصیات	370
112.	سورۃ مومنون	372
113.	سورۃ کا مرکزی عنوان	372
114.	گروہ بندی کی مذمت	384
115.	مومن صالح اعمال کے باوجود اللہ سے ڈرتا ہے	386
116.	دلائل عقلیہ اعترافیہ	392
117.	عذاب کے سات احوال اور اسباب کا ذکر	398
118.	اس سورۃ کی خصوصیات	399
119.	سورۃ نور	402
120.	اس سورۃ کا مرکزی عنوان فحاشی و عریانی کا سد باب ہے۔ چوری میں سارق مقدم کیا تھا اور زنا میں عورت مقدم کیا ہے وجہ کیا ہے اس میں وجوہات ہیں	402
121.	چار قوانین جو فحاشی کی روک تھام کیلئے سبب ہیں	402
122.	قانون لعان کا ذکر	405
123.	عورت کیلئے غضب اور مرد کیلئے لعنت کیوں؟ اور صدیقہ کائنات پر تہمت	411

	لگانے والے لعنتیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے مسطح بن اثاثہ کا تذکرہ	
124.	ام المؤمنین صدیقہ کائنات کی پاکدامنی کی دلیل	412
125.	کسی کے گھر جانے کے آداب کا ذکر	413
126.	آداب شرعی میں نظروں کی حفاظت مقدم کی ہے	415
127.	مومن خواتین کے لئے پانچ آداب	416
128.	نکاح کی ترغیب	419
129.	اللہ نور السموٰت کی تشریح	422
130.	منافقین کی 9 بری صفات کا ذکر ہے	431
131.	اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم منافقین کیلئے خصوصاً ذکر ہے	433
132.	مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ اور غلبہ اسلام کی شرائط	434
133.	شرعی آداب و اوقات کے تعین اور تین وقتوں میں اجازت	436
134.	سورۃ نور کی خصوصیات	442
135.	سورۃ فرقان	443
136.	سورۃ کا مرکزی عنوان	443
137.	کافروں کے اعمال برباد	452
138.	جنت میں نیند نہیں ہوگی	452
139.	نبی کی اطاعت نہ کرنے پر افسوس	453
140.	خواہش کی عبادت کی	457
141.	برکت الٰہی کے دلائل	458

.142	قرآن کی دعوت وغیرہ پر اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنا جہاد کبیر ہے	461
.143	ایمان والوں کی 15 صفات	465
.144	اس سورۃ کی خصوصیات	471
.145	سورۃ شعراء	472
.146	سورۃ کا مرکزی عنوان	472
.147	فرعون کے موسیٰ علیہ السلام پہ اعتراضات اور انکی طرف سے جواب	476
.148	میں نے قتل کے ارادے سے نہیں مارا تھا	477
.149	موسیٰ علیہ السلام کا ساحرین سے مقابلہ اور ان کی شکست	480
.150	دلیل نہیں صرف بڑوں کی تقلید پیش کی	486
.151	ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو قیامت میں نہیں چھڑا سکتے	489
.152	قرآن اور صاحب قرآن کی سچائی دس طریقوں سے ثابت ہے	503
.153	مخالفین سے برأت اور اس برأت کو خالص کرنے کیلئے پانچ صفات	508
.154	شیاطین کے ساتھیوں کا ذکر	508
.155	سورۃ الشعراء سورۃ کی خصوصیات	510
.156	سورۃ نمل	511
.157	سورۃ کا مرکزی عنوان	511
.158	اللہ کیلئے ہجرت کرنے سے بہتر ساری خیر وبرکتیں	514
.159	اس سورۃ میں حکمتیں	516
.160	ھدھد کا واقعہ اور حکمتیں	520
.161	پہلے حق کی دعوت دے	523
.162	خط لکھنے کے آداب	524
.163	بلقیس خاتون تھیں مگر باشعور تھیں	525
.164	ھدیہ اور رشوت قدیم اصطلاح ہے	526
.165	سلیمان علیہ السلام کا معجزہ	527
.166	تخت بلقیس کا لانا	528
.167	بلقیس مسلمان ہوئی تو مردوں کی مجلس میں نہیں گھر میں داخل ہوئی اور پھر ان کا تذکرہ قرآن میں نہیں کیا	530
.168	انبیاء کرام محتاج ہیں	536
.169	قیامت کی بڑی علامات میں سے دابۃ الارض ہے	545
.170	سورۃ نمل کی خصوصیات	550
.171	سورۃ قصص	551
.172	سورۃ کا مرکزی عنوان	551
.173	موسیٰ علیہ السلام سے آسیہ زوجہ فرعون کو فائدہ	554
.174	غالباً فرعون نامرد تھا	554
.175	موسیٰ علیہ السلام واپس اپنی والدہ کی گود میں	555
.176	موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے قبطی قتل ہوا	557

.177	خبر واحد کی قبولیت قرآن سے ثابت	560
.178	موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی ابتداء	561
.179	شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں	563
.180	صالحین اپنی بیٹیاں خود بیاہ کرتے ہیں	564
.181	مشرکین مکہ لوگوں کے خوف سے ایمان نہیں لائے	576
.182	قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا	583
.183	گھر سمیت زمین میں اللہ نے دھنسایا	586
.184	آٹھ چیزیں اللہ نے پناہ کیلئے پیدا نہیں کی ہیں	590
.185	سورۃ قصص کی خصوصیات	591
.186	سورۃ عنکبوت کی تفسیر	592
.187	والدین کی اطاعت اللہ اور رسول کی نافرمانی میں جائز نہیں	594
.188	نوح علیہ السلام کی دعوت 950 سال طویل عرصہ پر محیط ہے	597
.189	باطل پرستوں کا آپس میں بحث مباحثہ	602
.190	مکڑی کا جالا مشرک کا باطل عقیدہ بطور مثال	608
.191	دعوت کیلئے چار آداب	610
.192	سورۃ العنکبوت کی خصوصیات	619

آیاتھا ۵۲ ﴿۱۴ سورۃ ابراھیم مکیۃ ۷۲﴾ رکوعاتھا ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے شروع کرنے میں مدد طلب کرتا ہوں

سورت رعد کی ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ رعد میں توحید کے متعلق عقلی دلائل بطور تنبیہ بیان کیے گئے ہیں جبکہ اس سورت میں دنیاوی اور اُخروی واقعات کے ذریعے وعظ اور نصیحت ہے۔ نیز اُس سورت میں قرآن و رسول کی سچائی بیان ہوئی ہے تو اس سورت میں ان دونوں کا مقصد ذکر ہوا ہے۔ [redacted] لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لانا یعنی قرآن اور تاریخی واقعات اور ایام اللہ کے ذکر کے ساتھ ان کو شرک و بدعات کے اندھیروں سے نجات دلانا اور توحید اور سنت سے ان کے سینوں کو منور کرنا۔ نیز ظلمات سے شرک کی چار اقسام مراد ہیں یعنی شرک فی العلم، شرک فی التصرف، شرک فی العبادات، شرک فی اللہ عاء۔ شرک کی مذکورہ اقسام پر اس سورت میں عقلی و نقلی دلائل سے رد کیا گیا ہے نیز مثالوں کے ساتھ بھی اس کا رد کیا ہے۔ اسی طرح نور سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کے مطابق توحید اور چودہ اسماء حسنیٰ کے ذریعے معرفت الٰہی مراد ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں پانچ ابواب ہیں، پہلا باب آیت 8 تک ہے، اس میں پہلے شجاعت (دلیری) کی ترغیب دی گئی ہے کہ دعوت حق پہنچادو یعنی لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف دعوت دو پھر آیت 2 میں مختصر دلیل عقلی تخویف کے ساتھ ذکر ہے۔ پھر آیت 3 میں بری صفات پر وعید ہے، پھر آیت 4 میں سورۃ کے عنوان کا ذکر ہے کہ رسولوں کو بھیجا ہی اس مقصد کیلئے تھا، پھر آیت 5 سے آیت 8 تک موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے تا کہ سورۃ کا عنوان مزید موکد ہو جائے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾

"اس کی مراد اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے ہم نے اس کو آپ کی طرف نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف ان کے رب کے حکم سے نکالیں اس کے راستہ کی طرف جو نہایت غالب اور خوب قابل تعریف ہے"[1]۔

[1]تفسیر: اس آیت میں سورت کا عنوان ہے کہ دعوت کو شجاعت کے ساتھ پہنچادو۔ اور اس میں قرآن کے نزول کی حکمت کا

بیان ہے اور ظلمات سے شرک بدعت جھل شکوک وشبہات وغیرہ مراد ہیں۔ جبکہ نور سے ایمان۔ توحید۔ سنت۔ علم اور یقین مراد ہے۔ فائدہ: اَلظُّلُمٰتِ: جمع ہے جب کہ: نُوْرٍ: مفرد یعنی واحد ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرک بدعت بے دینی کے راستے بہت ہیں اور خیر اور دین کا راستہ ایک ہی ہے: بِاِذْنِ رَبِّهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ نبی بھی گمراہی ظلمات سے ہدایت کی طرف لے آنے میں اللہ تعالی کی توفیق کے محتاج ہیں: اِلٰى صِرَاطِ: یہ بدل ہے: اِلَى النُّوْرِ: سے مراد یہ ہے کہ صراط المستقیم پر چلنے سے نور حاصل ہوتا ہے: اَلْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ: میں اشارہ ہے کہ یہ راستہ اللہ تعالی کی طرف سے عزت اور تعریف کا ہے۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ۝

"وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اس کی ملکیت ہے اور ان لوگوں پر افسوس ہے جو حق کا انکار کرتے ہیں کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے" [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں مختصر دلیل نقلی اور خوف دلانا مقصود ہے: لِّلْكَافِرِيْنَ: میں اصحاب ظلمات کی طرف اشارہ ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ: یعنی ملکیت اور بادشاہت صرف اللہ تعالی کیلئے ہے اور یہ: بِاِذْنِ رَبِّهِمْ: سے متعلق ہے اس کی اجازت کی ضرورت اس لئے ہے کہ ہر چیز کے اختیارات اسی کے پاس ہیں۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَي الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝

"وہ لوگ جو آخرت کے بدلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور دوسروں کو اللہ تعالی کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں" [3]۔

تفسیر 3 اس آیت میں منکرین کی بری صفتوں کا ذکر ہے جو برائے وعید ہے اور یہ صفات ظلمات کیلئے اسباب ہیں۔ يَسْتَحِبُّوْنَ: اس میں: يُحِبُّوْنَ: کے نسبت زیادہ مبالغہ ہے یعنی اس لفظ میں ان کے دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے اور اس کی محبت کے اظہار پر دلیل ہے جبکہ اتنا مبالغہ: يُحِبُّوْنَ میں نہیں ہے: عِوَجًا: اس سے مراد شکوک اور شبہات ہے اور دین کو اپنی خواہش نفس اور مفادات کے تابع کرنا ہے: ضَلَالٍ بَعِيْدٍ: اس میں ظلمات کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ‌ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ‏ ۞

"اور ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا تو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ وہ ان کے سامنے حق کو اچھی طرح واضح کر سکے پھر جسکو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور وہی ہے جو غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی" [4]۔

تفسیر 4 اس آیت میں سورت کے عنوان کی تاکید ہے یعنی رسولوں کو ان کے قوموں کی طرف ان ہی کی زبانوں میں ارسال کرنے کی غرض وغایہ ہی یہی ہے کہ لوگوں کو شرک اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لے آئیں۔
فائدہ: اس آیت میں امت کی جگہ قوم کا لفظ مذکور ہے ہمارے نبی کریم ﷺ کو بھی اپنی قوم کی زبان میں رسالت دی گئی اور قوم ان کی عرب تھی اور ان کی امت میں پوری دنیا کے انس وجن شامل ہیں: فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ: اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء کی ذمہ داری حق کی طرف دعوت دینا ہے باقی رہی ہدایت اور گمراہی تو یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: الۡعَزِيۡزُ کا يَهۡدِىۡ: کے ساتھ اور: الۡحَكِيۡمُ: کا يُضِلُّ: کے ساتھ واضح مناسبت ہے۔

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ۙ وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰٮمِ اللّٰهِ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لّـِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ‏ ۞

"اور یقیناً موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے اپنی آیتیں دے کر بھیجا تا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کے عبرت ناک واقعات کا تذکرہ کریں حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات میں ہر اس شخص کیلئے جو صبر اور شکر کا خوگر ہو بڑی نشانیاں ہیں" [5]۔

تفسیر 5 اس آیت میں سورت کے دعویٰ کی تاکید کے لیے موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی بیان کی گئی ہے اور اندھیروں سے نور کی طرف لانے کے دو طریقے بیان ہوئے ہیں۔ (۱) آیت الٰہیہ کے ساتھ (۲) ایام اللہ اور گزشتہ اقوام کی بربادی کے واقعات کرنے کے ساتھ: وَذَكِّرۡهُمۡ بِاَيّٰٮمِ اللّٰهِ: ایام اللہ سے مراد وہ واقعات اور تاریخی عذاب کے دن یا خصوصی انعامات ہیں جو سابقہ امتوں پر کئے گئے تھے۔ اس میں دلیل ہے کہ وعظ ونصیحت جائز ہے اور اس انداز سے کرنا چاہئے جس سے لوگوں کے دل

نرم ہوجائیں اور بندوں کو خوف الٰہی یا امید پیدا ہوجائے نیز وعظ بدعات اور ہر قسم کی گمراہی اور شکوک وشبہات سے خالی ہو۔ امام قرطبیؒ نے بھی اس طرح نقل کیا ہے۔ جو لوگ عید میلاد النبی یا عرس میلوں کے قائل ہیں وہ ان الفاظ سے دلیل لیتے ہیں کہ: وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ: **جواب** یہ استدلال باطل ہے اسلئے کہ اس آیت سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب الرسول اور دیگر سلف صالحین نے ان بدعات کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں لی ہے اور نہ ہی ان بدعات کو انہوں نے اپنایا ہے جبکہ تفسیر کیلئے یہ قاعدہ ہے کہ جو تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے نقل نہ ہو تو وہ بدعت اور تحریف شمار ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف ایام ولادت یا وفات منانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ ان کی زندگی کی سیرت کو اپنانا اور اس پر عمل پیرا ہونا سبب نجات ہے: صَبَّارٍ شَكُورٍ: یہ مبالغہ کے صیغے ہیں کیونکہ کبھی کبھار تھوڑا بہت صبر تو مشرک بھی کر لیتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾

"اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ اس نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور ان تمام کاموں میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر زبردست امتحان تھا" [6]۔

تفسیر 6 اس آیت میں بنی اسرائیل پر آنے والے عذاب اور ان کی نجات کا تذکرہ ہے چونکہ اس سورۃ میں حادثات اور نعمتوں کا تذکرہ مقصود ہے اس لیے: يُذَبِّحُونَ: کو: يَسُومُونَكُمْ: پر عطف کیا ہے۔ جو کثرت پر دلالت کرتا ہے۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿٧﴾

"اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہارے رب نے تمہیں خبر دی کہ اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جان لو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے" [7]۔

تفسیر 7 شکر میں توحید قبول کرنا سنت کی اطاعت اور دعوت دین وغیرہ شامل ہے امام قرطبیؒ نے شکر کے معنیٰ ذکر کیے ہیں کہ انعام کرنے والے کی نعمت کا اقرار اور نعمت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کرنا نیز زیادت سے مراد یہ ہے کہ اجر وثواب کو بڑھانا اور نعمتوں میں مزید ترقی کرتے رہنا ہے۔ بہتر قول یہ ہے کہ یہ آیت بھی موسیٰ علیہ السلام کی تذکیر وتبلیغ میں داخل ہے اور یہ سابقہ آیت میں نعمت پر عطف ہے۔

وَقَالَ مُوسَىٰٓ إِن تَكۡفُرُوٓاْ أَنتُمۡ وَمَن فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا فَإِنَّ ٱللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٨﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم اور جو بھی لوگ زمین پر ہیں اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرے (تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں کیونکہ) اللہ بڑا بے نیاز اور خود قابل تعریف ہے" [8]۔

تفسیر 8 اس آیت میں خوف دلانا مقصود ہے اور سابقہ آیت کی تاکید بھی ہے: إِن تَكۡفُرُوٓاْ: اس کی جزاء مقدر ہے یعنی تمہاری ناشکری اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں دے سکتی۔ اور اسی طرح سورۃ زمر میں بھی ہے۔

أَلَمۡ يَأۡتِكُمۡ نَبَؤُاْ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوحٖ وَعَادٖ وَثَمُودَ وَٱلَّذِينَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ لَا يَعۡلَمُهُمۡ إِلَّا ٱللَّهُ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُم بِٱلۡبَيِّنَٰتِ فَرَدُّوٓاْ أَيۡدِيَهُمۡ فِيٓ أَفۡوَٰهِهِمۡ وَقَالُوٓاْ إِنَّا كَفَرۡنَا بِمَآ أُرۡسِلۡتُم بِهِۦ وَإِنَّا لَفِي شَكّٖ مِّمَّا تَدۡعُونَنَآ إِلَيۡهِ مُرِيبٖ ﴿٩﴾

"کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قوم نوح، عاد، ثمود اور جو ان کے بعد آئے، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان سب کے پاس پیغمبر واضح دلائل لے کر آئے تو انہوں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیئے اور کہا کہ جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس کے بارے میں ہمیں بڑا بھاری شک ہے" [9]۔

خلاصہ اس آیت سے دوسرا باب آیت 18 تک ہے۔ اس کے شروع میں لفظ أَلَمۡ: برائے تذکیر ہے اور اس میں سابقہ نبیوں کے اپنے قوموں سے مقابلوں کا ذکر ہے جو نور اور ظلمات کیلئے ایک مثال بھی ہے یعنی انبیاء کرام نے کتاب و سنت (دین حق) کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکالنا چاہا مگر قوموں نے بجائے ظلمات سے نکلنے کے رسولوں کو اپنی بستیوں سے نکالا اور ان کی تکذیب اور مخالفت کی۔ نیز رسولوں کے صبر کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کا ذکر اور منکرین کی ہلاکت کا بیان ہے یہ مضمون آیت 9 سے آیت 14 تک ہے پھر تین آیتوں میں تخویف اخروی کا بیان ہے پھر اعمال کے ضائع ہونے کے متعلق مشرک کے عمل کی ایک مثال آیت 18 میں ذکر کی ہے۔

تفسیر 9 اس آیت میں ان گزشتہ اقوام کا بیان ہے جنہوں نے اپنے انبیاء اور رسولوں کے ساتھ تین طریقوں سے مقابلہ کیا تھا۔ پہلا طریقہ "فَرَدُّوٓاْ أَيۡدِيَهُمۡ فِيٓ أَفۡوَٰهِهِمۡ: اس میں تین طرح کی تفسیریں ہیں۔ اول: منکرین نے اپنے

ہاتھوں کو ہی منہ میں ڈالا تا کہ رسولوں پر غصہ کی وجہ سے انہیں دانتوں سے کاٹیں یعنی اپنے ہاتھوں کو چبایا۔ دوم: نبیوں کے منہ پر اپنے ہاتھوں کو رکھنا تا کہ وہ دعوت حق سے خاموش ہو جائیں۔ بقول امام بخاری: هَذَا مَثَلٌ كَفُّوا عَمَّا أُمِرُوا بِهِ: یعنی یہ بطور مثال ہے کہ ان کو احکام بیان کرنے سے روکے رکھا جن کا انہیں بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ کتاب التفسیر صحیح البخاری سوم: یہ نبیوں کو دعوت سے روکنے کیلئے بطور کنایہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرا طریقہ: إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ: یعنی انہوں نے کہا کہ جو دین تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس سے انکار کرتے ہیں۔ تیسرا طریقہ: وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ: ہمارا گمان یہ ہے کہ اس دعوت پر تم دنیا کی سرداری چاہتے ہو: لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ: اس میں واضح دلیل ہے کہ علم غیب اور علم کلی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے انبیاء کرام بھی اس سے بے خبر ہے اور جب انبیاء کرام کو یہ علم حاصل نہیں ہے تو کسی اور کا تصور ہی غلط ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم کا نسب نامہ آدم علیہ السلام تک پہنچانا درست نہیں ہے بلکہ جھوٹ ہے۔ ان کا نسب صرف معد بن عدنان تک صحیح دلیل سے ثابت ہے اور اس سے آگے کا ثبوت نہیں ہے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ⑩

"ان کے نبیوں نے ان سے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق شک کرتے ہو حالانکہ اس نے (پہلی بار) آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے اور تمہیں وقت مقرر تک مہلت دے دے۔ انہوں نے کہا اس سے زیادہ تمہاری کوئی حقیقت نہیں کہ تم ہماری طرح بشر ہو بس تم یہ چاہتے ہو کہ جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے آئے ہیں اس سے ہمیں روک لو لہذا ہمیں کوئی واضح معجزہ دکھاؤ" [10]۔

تفسیر 10 اس میں رسولوں کا اپنی قوموں کو پہلا جواب ذکر ہوا ہے: أَفِي اللَّهِ شَكٌّ: اس سے توحید میں شک مراد ہے کیونکہ مشرکین وجود باری تعالیٰ سے منکر نہیں تھے اور یہ استفہام بطریقہ تعجب اور انکار ہے اور پھر: يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ: بیان کرنے میں دعوت کے دو فائدے ذکر ہیں ایک فائدہ مغفرت ہے اور دوسرا فائدہ مہلت دینا ہے۔ پھر قوموں کی طرف سے اپنے انبیاء کی مخالفت اور دشمنی کے تین طریقے ذکر ہوئے ہیں: پہلا طریقہ یہ ہے کہ تم ہماری طرح بشر ہو اور بشر نبی نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تم ہمیں ہمارے بڑوں کے طریقے سے منع کرتے ہو یعنی وہ اپنے بڑوں کی شرک میں تقلید

کرتے تھے۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ انبیاء کرام سے معجزات طلب کرتے تھے اور ان کا یہ گمان تھا کہ معجزات نبیوں کے اختیار میں ہوتے ہیں: قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا: اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانہ میں لوگوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ نبوت اور بشریت دو متضاد چیزیں ہیں یعنی رسول بشر نہیں ہوتا تو بشر رسول نہیں ہوسکتا ہے: تُرِیْدُوْنَ انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے ساتھ بشریت میں چل سکیں گے مگر تم ہمیں باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتے ہو لہٰذا: فَاْتُوْنَا معجزات ہم کو دکھا دو۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

"ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ یقیناً ہم تمہاری طرح انسان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے خصوصی احسان فرما دیتا ہے اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ حکم الٰہی کے بغیر تمہیں معجزہ دکھا سکے اور ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے" [11]۔

تفسیر 11 اس آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قوموں کو جواب دینا ذکر ہے اور یہ ان کے پہلے اور دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔ پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بشریت اور نبوت میں کوئی تضاد نہیں ہے اور تیسرے اعتراض کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ معجزات میں نبیوں کا کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے اور دوسرے اعتراض کا جواب ضروری نہیں تھا اس لیے کہ انبیاء کرام تو گمراہ قسم بڑوں کے رستے سے منع کرتے تھے: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ: آخر میں ایمان والوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ دشمنوں سے مقابلے کے وقت ذات الٰہی پر توکل، اعتماد اور بھروسہ کریں اس طرح سورۃ آل عمران آیت 160 میں بھی ہے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع

"اور آخر ہمیں کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ نہیں رکھیں جبکہ اس نے ہمیں ان راستوں کی ہدایت دی ہے جن پر ہم رواں دواں ہیں اور جو تکلیفیں تم نے ہمیں پہنچائی ہیں ان پر ہم ضرور صبر کریں گے اور جن لوگوں کو بھروسہ رکھنا ہو ان کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ رکھیں" [12]۔

تفسیر 12 اس آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے صبر اور توکل علی اللہ کا ذکر ہے جو کامیابی اور نجات کیلئے سبب ہے۔ اور اس

میں مشرکین کے سوال کا جواب ہے۔ انہوں نے اعتراض کیا کہ ہمارے معبودوں پر تم توکل نہیں کرتے ہو تو انبیاء کرام نے جواب دیا اور اس میں سابقہ جملہ: وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ: کیلئے علت کا ذکر ہے: وَقَدْ هَدٰىنَا: یعنی دنیاوی کامیابی ہو یا اخروی اس کے راستے اللہ تعالیٰ ہی نے ہم کو بتائے ہیں تو صرف اس پر بھروسہ کرنا لازم ہے کیونکہ توکل میں یقین کا معنیٰ ہے اور یقین تو ہدایت سے ہی حاصل ہوتا ہے: وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا: یہ خطاب مشرکین سے ہیں اور اس میں دلیل ہے کہ مشرکین نے ہمیشہ اہل حق کو تکلیفیں پہنچائی ہیں: فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ: مومن جب اللہ تعالیٰ پر خالص توکل کر لیتا ہے تو اس کی صفت متوکل بن جاتی ہے اسلئے پہلی آیت میں مومنین اور دوسری آیت میں متوکلین کہا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

"اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال کر رہیں گے یا تمہیں ہمارے دین میں آنا پڑے گا۔ چنانچہ ان کے رب نے ان پر وحی بھیجی کہ بلاشبہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے" [13]۔

تفسیر 13 اس آیت میں کافروں کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کو دھمکی دینے کا بیان ہے کہ تم ہمارے اس (رسمی) دین میں پلٹ کر آؤ گے یا پھر ہم تمہیں جلاوطن کر دیں گے۔ سورۃ اعراف آیت 88 میں بھی اس طرح گزر چکا ہے اور: لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا: کی تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے قوموں کی ہلاکت کی خبر دے کر تسلی دی گئی۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾

"اور ان کے بعد تمہیں زمین میں ضرور بسائیں گے یہ ہے ہر اس شخص کا صلہ جو میرے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا اور میری وعید سے ڈرتا ہو" [14]۔

تفسیر 14 اس آیت میں دوسری تسلی ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے خاص اور دیگر لوگوں کیلئے عام ہیں، اس کی مثال سورۃ بنی اسرائیل آیت 103 اور آیت 104 میں آنے کو ہے: ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ: اس میں ہر موحد کے ساتھ اس وعدے کے عموم کا ذکر ہے: مَقَامِيْ: مصدری معنیٰ میں ہے اور فاعل کی طرف مضاف ہے لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا قیام ہے جو بطریقہ علم وقدرت ہے جیسا کہ سورۃ رعد آیت 33 میں گزرا ہے۔ اور اس صورت میں: خَافَ: علم

اور یقین کے معنی میں ہے لہٰذا خاف سے مراد علم اور یقین ہے یا پھر مفعول کی طرف اضافت ہے تو پھر معنی ہوگا بندے کا روز قیامت مالک حقیقی کے سامنے قیام جیسا کہ سورۃ مطففین آیت 6 میں مذکور ہے اور اس صورت میں خوف اپنے معنی میں ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۵﴾

"اور انہوں نے خود ہی فیصلہ مانگا (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ڈینگیں مارنے والا سرکش اور ضدی نامراد اور ناکام ہوا" |15|۔

تفسیر 15 اس میں منکرین کیلئے تخویف کا بیان ہے: وَاسْتَفْتَحُوا: یعنی انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی یا کافروں نے اللہ تعالیٰ سے فیصلہ طلب کیا۔ اس طرح سورۃ انفال آیت 19 میں گزرا ہے: جَبَّارٍ: وہ شخص جو اپنا حق تو دوسروں پر منواتا ہو مگر کسی کا حق تسلیم نہ کرتا ہو: عَنِيدٍ: متکبر اور ضدی شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرتا ہو۔ اور وَخَابَ: میں: وَاسْتَفْتَحُوا: کے نتیجے کی طرف اشارہ ہے۔

مِنْ وَرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

"اس کے آگے جہنم ہے اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا |16|۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور وہ اسے آسانی سے حلق سے نہیں اتار سکے گا ہر طرف سے اس پر موت آرہی ہوگی حالانکہ وہ مرے گا نہیں اور اس کے آگے ایک اور ہمیشہ کیلئے سخت عذاب موجود ہوگا" |17|۔

تفسیر 16، 17 ان دونوں آیتوں میں تفصیلی تخویف اخروی چھ طریقوں سے بیان ہو رہی ہے: مِنْ وَرَآئِهٖ: یہ لفظ اضداد میں سے ہے یعنی آگے اور پیچھے دونوں معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں پر آگے مراد ہے یعنی دنیاوی عذاب کے بعد قبر اور اس کے بعد آخرت کا عذاب ہے: يَتَجَرَّعُهٗ: اس کا ایک سبب تو زیادہ گرم ہونے کا ہے اور دوسرا سبب انتہائی بدبو دار ہونے کا ہے: وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ: اس سے اسباب موت مراد ہے یعنی مختلف عذاب مراد ہیں جو ہر جانب سے ان کو گھیر لیتے ہونگے یا موت سے حزن اور غم مراد ہے۔ سورۃ فاطر آیت 36 میں بھی اس طرح ہے۔ فائدہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ جہنم والوں کیلئے فنا نہیں ہے: وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ: یہ تو گھونٹنے کا عذاب ہے جبکہ اس کے علاوہ غسلین، زقوم، ضریع یعنی جہنمیوں کے خون، پیپ، زقوم، حلق میں پھنسنے والی کانٹے دار خوراک وغیرہ اس کے علاوہ ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ اَعۡمَالُہُمۡ کَرَمَادِ ۣاشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ ﴿۱۸﴾

"جن لوگوں نے اپنے رب پر کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جسے آندھی وطوفان والے دن کی تیز ہوا اڑا کر لے جائے۔ انہوں نے جو کچھ کمائی کی ہوگی ان میں سے ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئیگا اور یہ تو پرلے درجے کی گمراہی ہے" [18]۔

تفسیر 18 جب سابقہ آیت میں کافروں کے عذاب کا ذکر ہوا تو اس پر اعتراض ہوا کہ ان کے تو نیک اعمال بھی ہیں تو اس آیت میں جواب دیا گیا کہ ان کے اعمال تو ضائع ہو گئے۔ مثال کا خلاصہ: یہ ہے کہ جس طرح راکھ کے ڈھیر پر تیز آندھی چل پڑتی ہے تو سارا دن جاری رہ کر اس ساری راکھ کو اڑا لے جاتی ہے تو اسی طرح جب مشرکین کے اعمال پر یوم الحساب کے سخت حساب کی آندھی چلے گی تو ان سے کوئی بچ نہیں سکتا اس لیے کہ ان کے اعمال میں کفر اور شرک شامل ہیں نیز ان کے اعمال کی مثال رماد (راکھ) کے ساتھ اس لیے دی ہے کہ راکھ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو مشرک کے اعمال بھی اسی طرح بے فائدہ ہیں اور راکھ لکڑی جلانے سے پیدا ہوتا ہے تو اسی طرح ان کے اعمال بھی آگ کے ذریعے جل جائیں گے اور اعمال سے مراد وہ ہیں جو بظاہر اچھے اعمال تھے: لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ: ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یا راکھ والوں کی طرف لیکن پہلا قول بہتر ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿ۙ۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیۡزٍ ﴿۲۰﴾

"کیا تمہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اظہار حق کیلئے پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق لے آئے [19]۔ اور یہ کام اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے" [20]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 23 تک تیسرا باب ہے اور یہ بھی: اَلَمۡ: کے ساتھ شروع ہوا ہے اس باب میں مختصر عقلی دلائل آیت 19 اور 20 میں ہیں پھر آیت 21، 22 میں آخرت میں معبودان باطلہ اور شیطان کا اپنی عبادت کرنے والوں کی عبادت سے انکار اور اظہار برأت ہے جو درس عبرت ہے اور آیت 23 میں خوشخبری ہے۔ ربط: اس آیت کا سابقہ آیت سے تعلق مثال

سے ثابت ہو چکا ہے کہ شرکیہ اعمال ضائع اور برباد ہیں اوراسی طرح دلائل عقلیہ سے بھی شرکیہ اعمال کی بربادی ثابت ہو چکی ہے ۔اور اللہ جس طرح مشرکین کے اعمال برباد کرنے پر قادر ہے تو ان کو ہلاک کرنے پر بھی قادر ہے۔إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ: تمہیں لے جانے پر بھی قادر ہے۔

تفسیر 19، 20 اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور قدرت کاملہ کا بیان ہے :بِالْحَقِّ :اس سے مراد اظہار توحید ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام مخلوقات کی پیدائش کی وجہ نبی کی ذات نہیں بلکہ توحید باری تعالیٰ کے اظہار کے لیے ہے باقی رہی وہ روایت کہ دنیا محمد ﷺ کی وجہ سے بنائی گئی ہے اگر محمد ﷺ کو پیدا نہ کرتے تو دنیا بھی نہ بناتے وہ من گھڑت اور موضوع ہے جیسا کہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے ۔ضعیف اور موضوع کے عنوان پر لکھی گئی کتابوں میں دیکھئے ۔سورۃ یونس آیت 5 کی تشریح میں مذکورہ روایت ملاحظہ ہو۔ نیز آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے اور خوف بھی دیا گیا ہے۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَحِيصٍ ۝

"اور یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے آگے پیش ہوں گے پھر جو لوگ دنیا میں کمزور تھے وہ بڑے سرداروں سے گذارش کریں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا تم ہم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ بچا سکتے ہو (وہ جواب دیں گے) کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دیتے تو ہم بھی تمہیں ہدایت دیتے چاہے ہم چیخیں چلائیں یا صبر کریں دونوں صورتیں ہمارے لئے برابر ہیں ہمارے لئے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں ہے" [21]۔

تفسیر 21 سابقہ آیت کے عنوان پر یہ عطف ہوا ہے یعنی :وَاسْتَفْتَحُوا فَاُهْلِكُوا وَالْعِقُوا لِلْحِسَابِ: یعنی ظاہر ہوجائے گا اس میں ماضی مستقبل کے معنی میں ہے ۔اس آیت میں تخویف اخروی کا بیان ہے باطل پرست سرداروں کی اپنے تابعداروں سے برأت کا ذکر کرکے اسی طرح اپنے متبعین سے عذاب دفع کرنے سے عاجز آنے کے ساتھ :اَلضُّعَفٰٓؤُا : اس سے وہ بے عقل جاہل اور کم فہم کے کمزور لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے بڑوں کی آندھی تقلید کی ہے :لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اس سے وہ پیر مولوی اور حکمران مراد ہیں جنہوں نے حق کے ساتھ ضد عناد اور مخالفت کی ہے جبکہ شرک ،کفر اور بدعت کو اپنا دین بنا رکھا ہے :اِسْتَكْبَرُوْا : یعنی انہوں نے توحید باری تعالیٰ اور اتباع رسول اللہ ﷺ سے تکبر کیا تھا :مُغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ : یعنی تم تو ہمارے ساتھ جنت کے وعدے کیا کرتے تھے اب ہمیں فقط عذاب سے تو بچالو۔

سورۃ مومن آیت 47 اور 48 میں بھی اس طرح ہے۔ ان کا یہ کلام و گفتگو میدان حشر میں ہوگا اس لئے ان کا جواب اس طرح فرمایا کہ: لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ: جبکہ سورۃ مومن آیت 48 کا مکالمہ جہنم کی آگ میں ہے۔ اسلئے وہاں فرمایا۔ اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ: ہم سب اس میں اکٹھے رہیں گے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

"اور جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان اپنے پیروکاروں سے کہے گا یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا میں نے اس کی خلاف ورزی کی ہے اور مجھے تم پر کوئی اختیار نہیں تھا فقط میں نے تمہیں اللہ کی نافرمانی کی دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی لہذا اب مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ کو ملامت کرو نہ تمہاری فریاد پر میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ ہی میری فریاد پر تم میری مدد کر سکتے ہو اس سے پہلے تم نے مجھے اللہ کا جو شریک مانا تھا میں نے آج اس سے انکار کر دیا ہے یقیناً ظالموں کیلئے دردناک عذاب ہے" [22]۔

تفسیر 22 سابقہ آیت میں ان شیطانوں کا تذکرہ ہوا جو انسانوں میں سے ہیں تو اب اس آیت میں پانچ طریقوں سے ابلیس یعنی شیطان جنی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلا طریقہ: إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس دلائل پر قائم حق دین بھیجا تھا جبکہ میں تم سے جھوٹ بولتا تھا۔ دوسرا طریقہ: وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ. سلطان سے دلیل اگر مراد لی جائے تو مقصد یہ ہوا کہ تم لوگوں نے بغیر کسی دلیل کے میری بات مان لی یا سلطان سے زور اور قوت مراد ہو تو معنی یہ ہوا کہ میں نے تمہارے اوپر زبردستی نہیں کی تھی۔ تیسرا طریقہ: فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ: دلائل حقہ کی پیروی تم لوگوں نے خود چھوڑ دی تھی تو افسوس اور ملامت تمہارے لئے ہے میرے لیے نہیں۔ چوتھا طریقہ: مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ: نہ تم میری مدد کر سکتے ہو اور نہ ہی میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ پانچواں طریقہ: إِنِّيْ كَفَرْتُ الخ مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے مجھے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شریک ٹھہرایا تھا میں اس کا انکار کرتا ہوں یا مطلب یہ ہے کہ تمہارا مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا میرے انکار کا سبب ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

"اور جولوگ ایمان لائے تھے اور نیک اعمال کئے تھے انہیں ایسے باغات میں داخل کیا جائیگا جن کے نیچے نہریں جاری ہونگی اپنے رب کے حکم سے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہ آپس میں ایک دوسرے کا استقبال سلام سے کریں گے" [23]۔

تفسیر 23 اس آیت میں ایمان والوں کو خوشخبری دی گئی ہے: بِاِذْنِ رَبِّهِمْ: جنت کا حصول خالص اللہ تعالیٰ کی مرضی اور چاہت پر منحصر ہے انسان کے ذاتی اعمال کا اس میں کوئی دخل نہیں: تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ: اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی طرف سے خوش آمدید ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے۔ وہ ایک پاکیزہ درخت کی ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں [24]۔ اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس طرح مثالیں دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں" [25]۔

خلاصہ: اس آیت سے چوتھا باب ہے آیت 27 تک۔ یہ باب بھی: اَلَمْ تَرَ سے شروع ہو رہی ہے۔ اس باب میں دو مثالوں کے ساتھ نصیحت بیان کی گئی ہے پہلی مثال توحید کے بیان کے لیے ہے جو آیت 24 اور 25 میں ہے دوسری مثال آیت 26 میں شرک کیلئے ہے پھر ایمان والوں کیلئے ان کے مضبوط ایمان پر بشارت ہے اور باطل پرستوں کیلئے تخویف کا بیان ہے۔

تفسیر 24، 25 اس میں کلمہ توحید کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہے مثال اس طرح ہے کہ کھجور کے درخت کے بہت سارے فائدے ہوتے ہیں جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں بلند اور پھل مختلف صورتوں میں سال کے بارہ مہینے موجود رہتا ہے۔ اسی طرح عقیدہ توحید ہے جس کی جڑ مضبوط ہے شکوک اور شبہات سے اس پر کوئی اثر نہیں آتا ہے اور یہ عقیدہ دل میں ہے اور اس عقیدہ کی بنیاد پر جو اعمال صادر ہوتے ہیں وہ آسمانوں پر چڑھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کو قبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے اس عقیدے کی برکات ہر وقت ملتی رہتی ہیں دنیا و آخرت اور قبر میں بھی: كَشَجَرَةٍ: صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت

ہے۔ کہ یہ کھجور کا درخت ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4698): طَيِّبَةٍ: صورت بھی خوبصورت تو فوائد بھی زیادہ ہیں پتوں لکڑیوں سب میں فائدے ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک درخت تین چیزوں پر قائم رہتا ہے جڑ، تنا شاخیں تو ایمان بھی تین بنیادوں پر قائم ہے۔ اسی طرح درخت میں تین بنیادی اجزاء ہیں (۱) جڑ (۲) تنا (۳) شاخیں۔ تو ایمان میں بھی تین اجزاء ہیں (۱) دل کا عقیدہ (۲) زبان سے اقرار (۳) عمل بالجوارح یعنی بدنی عمل: تُؤْتِيٓ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا: (ثمر) پھل اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ تو صرف موسم میں ہوتا ہے جبکہ کھجور سے تو سال بھر میں قسم قسم کی غذائی چیزیں بنائی جاتی ہیں جو ہر وقت پائی جاتی ہیں: لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ: یہاں پر مُشَبَّهٌ بِہٖ اور وجہ شِبَہْ محسوسات میں سے ہیں جس کا یاد میں لانا مشکل نہیں۔ اس کے برعکس سورۃ الحشر 21 میں پہاڑوں کی انکساری اور عاجزی کا ذکر ہے جو کہ عقلی اشیاء ہیں اسلئے وہاں: يَتَفَكَّرُوْنَ: فرمایا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶

"اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جس کو زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جائے اور اس میں ذرہ بھی جماؤ نہ ہو"[26]۔

تفسیر 26 اس آیت میں مشرک کی مثال ہے جس کی زبان اور دل میں شرک کا کلمہ ہے: كَشَجَرَةٍ: اس کو کھجور کی مشاکلت میں درخت قرار دیا ہے ورنہ وہ درخت نہیں بلکہ (حنظلہ) کڑوا تربوز ہے: خَبِيْثَةٍ بدبودار بے مزہ اور بے فائدہ ہے: اجْتُثَّتْ: کے معنی ہیں اکھاڑنا: مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ: زمین کے اوپر سے۔ یعنی اس کی شاخیں پتے زمین پر ہی پڑے رہتے ہیں بلند نہیں ہو سکتے: مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ: یعنی اس کی جڑ اور تنا نہیں ہے۔ تو اس طرح مشرک کی ذات نجس ہے اس کی باتیں بھی گندی ہیں جس نے اس کے اعمال کو بھی نجس بنا دیا ہے اسی طرح مشرک کا طعام جہنم میں نجس ہے دنیا میں بھی حرام کھاتا پیتا ہے اسلئے اس کا عمل آسمانوں کی طرف نہیں چڑھتا تاکہ وہ درجہ قبولیت حاصل کر سکے۔ توحید کے مقابلے کی سکت اس میں نہیں۔ یعنی موحد کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ اسکا عقیدہ کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں محض گمراہی پر مبنی ہے۔ جب بھی توحید پرست اس کو اکھاڑ لینا چاہے تو اکھاڑ سکتا ہے اس لئے کہ اکھاڑنے میں آسان ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ
وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝٢٧ ع ۱۲

"جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اس مضبوط بات کی وجہ سے دنیا میں بھی جماؤ دیتا ہے اور آخرت میں بھی اور ظالم لوگوں کو بھٹکا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے"[27]۔

تفسیر 27 اس آیت میں سابقہ دونوں مثالوں کی تشریح ہے جو بطریقہ لف نشر مرتب ذکر ہوئی ہے لہٰذا پہلے ایمان والوں کو خوشخبری دی ہے کہ کلمہ توحید کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں دشمنوں اور آزمائشوں کے مقابلے کے وقت مضبوط بنا دیتا ہے اسی طرح قبر میں سوال و جواب کے وقت بھی انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ کیونکہ آخرت سے مراد قبر کی زندگی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔(صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1369، صحیح مسلم کتاب الجنة حدیث 2817، ابن ماجه زهد 4269، ترمذی 3120، ابو داود کتاب السنة حدیث 4750) پھر اس جملہ میں ظالموں کیلئے ڈانٹ وعید ہے کہ: وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ : یعنی ظالموں کو دنیا میں دلیل سے اور قبر میں سوال جواب سے لاجواب کرے گا اور بہکا دیگا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ وہ کہے گا: لَا اَدْرِيْ اَقُوْلُ كَمَا يَقُوْلُ النَّاسُ: میں نہیں جانتا جو لوگ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا تھا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝٢٨ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝٢٩

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو تباہی میں لا ڈالا[28]۔ جہنم میں ان کو داخل کیا جائے گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے"[29]۔

خلاصہ: یہاں سے آخر تک پانچواں اور آخری باب ہے اور اس کی ابتداء بھی: اَلَمْ : سے کی گئی اس باب میں پہلے مشرکین کے لیے زجر اور تنبیہ بے تخویف کے ساتھ آیت 28، 29، 30 ہیں۔ پھر آیت 31 میں عذاب سے بچنے کیلئے تین امور کا ذکر ہوا ہے۔ پھر آیت 32، 33، 34 میں تین عقلی دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ پھر آیت 35 سے آیت 41 تک ابراہیم علیہ السلام سے نقلی دلیل مذکور ہے۔ پھر آیت 41 سے آیت 43 تک تخویف اخروی کا بیان ہے۔ اور آیت 44، 45 میں تخویف دنیاوی کا بیان ہے پھر تخویف اخروی آیت 47 سے آیت 51 تک ہے۔ اور سورۃ کا اختتام ترغیب قرآن مجید اور توحید پر کیا گیا ہے۔

تفسیر 29,28 میں مشرکین کیلئے وعید اور خوف کا ذکر ہے اور یہ سابقہ آیت کیلئے علت ہے: وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ: اور ان کی دو صفتوں کا ذکر ہے پہلی یہ کہ انہوں نے نعمتوں کی ناشکری کی ہے اور دوسری یہ کہ انہوں نے اپنی قوم کو شرک کی دعوت دی ہے اور یہ دونوں ابدی عذاب کیلئے سبب ہیں یعنی ضالین اور مضلین بن گئے: اَلْبَوَار: ہلاکت کے معنی میں ہے اور جہنم بھی تباہی کی جگہ ہے۔ آیت 29 میں اس کا ذکر ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝

"انہوں نے اللہ تعالی کے ساتھ اوروں کو اس کا شریک ٹھہرایا ہے تاکہ اللہ تعالی کے راستے سے لوگوں کو بہکا دیں آپ ان سے فرما دیجئے کہ تھوڑے سے مزے اڑا لو کیونکہ آخر کار تم نے جہنم ہی کی طرف جانا ہے" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں سابقہ آیت کی تفسیر ہے یعنی اس آیت میں بَدَّلُوْا: کی تفسیر: وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا: سے کی ہے اور أَحَلُّوْا کی تفسیر: لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ: کے ساتھ کی ہے اور اس آیت کی تائید سورۃ زمر آیت 8 میں ہے۔ قُلْ تَمَتَّعُوْا: تفسیر مدارک میں ہے کہ تمتع کا معنی ہے کہ انسان اپنی ہوس کے مطابق اپنی جملہ خواہشات پورے کرلیں نیز اس میں اشارہ ہے کہ ان کے لئے صرف دنیا کے مزے ہیں مگر آخرت سے محروم ہیں۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝

"میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے فرما دیجئے کہ نماز قائم کریں اور میں نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر بھی خرچ کریں اس دن کے آنے سے پہلے پہلے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ ہی دوستی کام آئیگی" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت میں ان اعمال کا ذکر ہے جو عذاب الہی سے بچاؤ کیلئے سبب ہیں اور یہ مشرکین کے ان اعمال اور صفات کے مقابل ہیں جو سابقہ آیتوں میں گزرے ہیں اور وہ عذاب الہی کیلئے اسباب ہیں: يُقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: اقامت الصلوۃ اور انفاق اموال یہ: تَمَتَّعُوْا: کے مقابلے میں ہے۔ اس میں لام مقدر ہے اور یہ قل کیلئے مقول ہے: سِرًّا وَّعَلَانِيَةً: یعنی حالات کے مناسب کبھی ظاہراً مال خرچ کرنا اور کبھی مخفی خرچ کرنا: لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا

خِلَالٌ: اس طرح سورۃ البقرۃ آیت 254 میں ذکر ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس دن اور چیزیں فائدہ نہیں دیں گی سوائے مذکورہ نیک اعمال کے اور اس کو تقوی کہا جاتا ہے۔ سورۃ بقرۃ میں دوستی کے فائدہ نہ پہنچانے کا ذکر ہے تاہم تقوی والے دوستی سورۃ زخرف آیت 67 کی دلیل سے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿٣٢﴾

"اللہ تعالی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے تمہارے لئے پھل اگائے اور کشتیوں کو تمہارے لئے سمندر میں پابند کیا تاکہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہاری خدمت میں لگا دیا" [32]۔

تفسیر 32 توحید باری تعالی کی یاد دہانی کے لیے یہاں دلیل عقلی ذکر ہورہی ہے اور یہ یاد دہانی اللہ تعالی کی پانچ صفات فعلیہ کے ساتھ ہے: وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ: چونکہ سمندر کا پانی فصلوں کی آبیاری یا انسانوں کے استعمال میں نہیں کرتا تو اس مقام میں: تَسْخِيْرِ فَلَكْ: کا ذکر کر دیا جو اس مقام کے مناسب ہے اور جبکہ دیگر چشموں، نہروں کے پانی سے ہر طریقے سے فائدہ اٹھائے جاسکتے ہیں تو وہاں: تَسْخِيْرُ الْأَنْهَار: کا ذکر کر دیا: بِأَمْرِهٖ: اس میں اشارہ ہے کہ سمندر نہروں چشموں سے فائدہ اللہ تعالی کے امر پر موقوف ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

"اور تمہاری خاطر چاند اور سورج کو اس طرح کام پر لگایا کہ وہ مسلسل سفر میں ہیں اور تمہارے لیے رات اور دن کو بھی کام پر لگایا۔" [33]۔

تفسیر 33 اس میں بھی عقلی دلیل ہے جو چار چیزوں کے مسخر ہونے پر توحید باری تعالی کا اظہار ہے۔ گزشتہ آیت میں مکانیات اور اس میں زمانیات کا ذکر ہے: دَآئِبَيْنِ: اس میں ہمیشگی کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ساتھ ساتھ مراد ہے کہ حال اور عادات میں بھی تبدیلی نہیں کرتے۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝۳۴

"اور اس سے جو کچھ تم نے مانگا تو (جو کچھ تمہارے لئے مناسب تھا) اس نے تمہیں دیا اور تم اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکو گے حقیقت یہ ہے کہ انسان بہت بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے" [34]۔

تفسیر 34 یہاں بھی نصیحت کے لیے دلیل عقلی ذکر ہو رہی ہے اور آخر میں ان انسانوں کیلئے وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلتے ہیں اور اس کی ناشکری کرتے ہیں: اَلْاِنْسَانَ: اس میں الف لام عہدی ہے یعنی ہر انسان مراد نہیں ہے بلکہ ناشکرا انسان مراد ہے: مَا سَاَلْتُمُوْهُ: اس مقام پر سوال سے مراد احتیاج و ضرورت مندی ہے خواہ انسان نے زبان سے طلب کیا ہو یا نہیں۔ اسی طرح سورۃ الرحمن آیت 29 میں بھی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵

"اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم (علیہ السلام) نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے) فرمایا تھا کہ اے میرے رب! اس شہر کو پر امن بنا دیجئے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے بچائیے" [35]۔

تفسیر 35 یہ دلیل نقلی ہے ابراہیم علیہ السلام سے جو اہل توحید کے امام ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نعمتوں کی شکر گزاری اس طرح کی تھی کہ ہر قسم کے شرک سے اجتناب کیا اور اپنے اہل کو مرکز توحید میں توحید کی نشر و اشاعت کیلئے بسایا نیز سورت کے دعویٰ اور عنوان سے بھی اس کا تعلق ہے کہ انہوں نے لوگوں کو اندھیروں سے نکالا وہاں نور کو عام کیا اپنے اہل کیلئے دعائیں طلب کیں تاکہ وہ شرک سے محفوظ ہو جائیں: اٰمِنًا: امن کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کو کوئی ویران نہیں کر سکے گا یعنی قرب قیامت تک آباد رہے گا اور قرب قیامت میں اس کا انہدام ہوگا جیسا کہ صحیح بخاری میں وارد ہے (صحیح بخاری کتاب الحج حدیث 1596)۔ یا مراد اہل مکہ کا امن کے ساتھ رہنا ہے: وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ: اس میں صلبی اولاد اور جو موجود تھیں سب اولاد قیامت تک مراد ہیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں مشرکین بھی پیدا ہوئے ہیں۔ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا مذکور ہے جو انہوں نے امن مکہ کیلئے طلب کی تھی۔ یہ دعا سورۃ البقرہ آیت 126 میں بھی گزری ہے نیز انہوں نے شرک سے بچنے کیلئے بھی دعا کی: اَلْاَصْنَامَ: یہ صنم کی جمع ہے اور صنم کے تین معنیٰ ہیں۔ پہلا معنیٰ: وہ مجسمہ جو لکڑی یا پتھر کا بنا ہوا ہو اور اس کی عبادت کی جا رہی ہو۔ دوسرا معنیٰ: اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جاتی ہو خواہ زندہ ہو یا مردہ ہو۔ تیسرا معنیٰ: یہ ہے کہ وہ چیز جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی سے اپنی طرف راغب کر کے مشغول کر دے یہ

معنی امام راغب نے المفردات میں ذکر کیا ہے۔ اس آیت میں آخری معنی مراد ہے جو کہ ابراہیم علیہ السلام کی شان کے ساتھ مناسب ہے یا مراد یہ ہے کہ ہمیں غیر اللہ کی بندگی سے محفوظ رکھنا یعنی ہمیشہ ہمیں توحید کی راہ پر استقامت نصیب فرما دیجئے۔

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾

"میرے رب! بتوں نے لوگوں کی بڑی تعداد کو گمراہ کیا ہے لہٰذا جو میری راہ پر چلے وہ تو میرا ہے اور جو میرا کہنا نہیں مانتے (وہ تیرے حوالے ہے) آپ بہت بخشنے والے بڑے مہربان ہیں" [36]۔

تفسیر 36 اس آیت میں بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت کی گئی ہے اور یہ نسبت سببیت کی وجہ سے ہوئی ہے یعنی بتوں کی بندگی لوگوں کی گمراہی کا سبب بنی ہے: وَمَنْ عَصَانِي: اس سے شرک کے ماسوا نافرمانی مراد ہے۔ اس لئے کہ شرک کی بخشش نہیں ہے یا عصیان میں شرک اور کفر بھی داخل ہے مگر ابراہیم علیہ السلام یہ چاہتے ہیں کہ ان کو توفیق عطا فرما دیجئے کہ وہ اسلام اور توحید میں داخل ہو جائیں۔

رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کو کچھ آپ کی حرمت والے گھر کے پاس جس وادی میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے ہمارے رب (یہ میں نے اس لئے کیا) تاکہ یہ نماز قائم کریں لہٰذا لوگوں کے دلوں میں ان کے لئے کشش پیدا کیجئے اور ان کو پھلوں کے رزق سے نوازتا کہ وہ شکر گزار رہیں" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام پر کیے گئے امتحانات کا ذکر ہے کہ انہوں نے اسماعیل علیہ السلام کو انکی ماں کے ساتھ غیر آباد جگہ میں اقامت الصلوۃ جو کہ اصل میں اقامت دین ہے کے لیے بسایا: مِّنَ النَّاسِ: من تبعیضیہ ہے یعنی بعض لوگ کعبۃ اللہ سے محبت کرتے ہیں: لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ: اس سے توحید قبول کرنے اور توحید کی طرف دعوت پر شکر کی ادائیگی مراد ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعائیں قبول ہوئیں۔ فائدہ 1: ابراہیم علیہ السلام نے یہ عمل فرمان الٰہی سے کیا تھا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے (صحیح بخاری کتاب احادیث انبیاء حدیث 3364)۔ لہٰذا معترضین کا یہ اعتراض باطل ہے کہ انہوں نے سارہ رضی اللہ عنہ کو خوش کرنے کیلئے ایسا کیا تھا جیسا کہ یہودیوں نے اعتراض کیا ہے نیز

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کیلئے اپنے اہل وعیال کو غیر آباد زمین میں چھوڑنا درست نہیں ہے۔ بعض صوفی ملنگ پیر وغیرہ ایسا کرتے ہیں جو کہ خلاف شریعت ہے۔ فائدہ ۲ لِيُقِيمُوا: میں مرکز توحید آباد ہونے کی طرف اشارہ ہے اور مرکز کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں: لوگوں کا اس کی طرف متوجہ ہونا یعنی میلان اختیار کرنا اور ان کیلئے کھانے کا انتظام کرنا اسلئے یہ دونوں دعائیں طلب کی ہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝

"اے ہمارے رب! جو کام ہم چھپ کر کرتے ہیں وہ بھی تیرے علم میں ہے اور جو کام ہم اعلانیہ کرتے ہیں وہ بھی اور اللہ تعالیٰ سے نہ زمین کی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے اور نہ ہی آسمان کی[38]۔ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق جیسے بیٹوں سے نوازا یقیناً میرا رب بڑا دعائیں سننے والا ہے"[39]۔

تفسیر 38,39 ان دونوں آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ بطور وسیلہ دعا طلب کی ہے جو کہ شرعی وسیلہ کہلاتا ہے: مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ: اس میں انسانوں کے تمام اقوال اور افعال شامل ہیں: وَمَا يَخْفٰى اس میں ماقبل سے زیادہ عموم ہے کیونکہ انسانوں کے ماسوا دیگر چیزوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے اور بعض نے اس کو اللہ تعالیٰ کا قول قرار دیا ہے تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے قول کی تکمیل ہو جائے۔ اسماعیل علیہ السلام کیلئے دعا طلب کی تھی جیسا کہ سورۃ صافات آیت 100 میں ہے جبکہ اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری بغیر دعا کے دی گئی ہے۔ سورۃ الصافات آیت 112: لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ: سمیع سے قبول کرنے والا مراد ہے اور یہ بھی دعا میں اہم صفت کو بطور وسیلہ پیش کرنا مراد ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

"اے ہمارے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دیجئے اور میری اولاد میں بھی (ایسے لوگ پیدا فرما جو نماز قائم کریں) اے ہمارے رب میری دعا قبول فرما دیجئے [40]۔ اے ہمارے رب! جس دن حساب قائم ہوگا میری بھی مغفرت فرمایئے میرے والدین کی بھی اور ان سب کی بھی جو ایمان رکھتے ہیں" [41]۔

تفسیر 40، 41 نماز کی اقامت سے پورے دین کی اقامت مراد ہے اور اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنی ذات کیلئے والدین اور اولاد کیلئے اور تمام ایمان والوں کیلئے بھی دعا کا ذکر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے والد کیلئے اس وقت دعا طلب کی تھی جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم نہیں تھا کہ والد اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے جیسا کہ سورۃ توبہ آیت 114 میں ہے۔ جب معلوم ہوا تو انہوں نے اس سے برأت کی۔ اس آیت میں مغفرت کو یَوْمُ الْحِسَابُ: یعنی قیامت کے ساتھ خاص کیا تاکہ مغفرت کا فائدہ اس دن ظاہر ہو جائے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝

"اور یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو کچھ یہ ظالم کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل ہے وہ تو ان لوگوں کو اس دن تک کیلئے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی [42]۔ وہ سروں کو اوپر اٹھائے دوڑ رہے ہونگے ان کی نگاہیں جھپکنے کو واپس نہیں آئیں گی اور ان کے دل (بدحواسی کی وجہ سے) اڑے جا رہے ہونگے" [43]۔

تفسیر 42، 43 اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کے متعلق تسلی دی گئی ہے کہ دین ابراہیم کی مخالفت کرنے والے ظالم جو کچھ بھی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اور دونوں آیتوں میں تخویف اخروی ذکر ہوا ہے کہ وہ انتہائی ہیبت ناک دن ہے۔ میمون بن مہران سے نقل ہے کہ اس آیت میں ظالموں کیلئے وعید ہے اور مظلوموں کیلئے تعزیت یعنی تسلی ہے۔ تَشْخَصُ، شُخُوص: کا معنی یہ ہے کہ آنکھیں خوف کی وجہ سے پتھرا جاتی ہیں اور کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ مُقْنِعِي: یہ اضداد میں سے ہے۔ یعنی اوپر کرنا اور نیچے کرنا دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر پہلا معنی مراد ہے جس کیلئے:

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ: قرینہ ہے: هَوَآءٌ: ہوش، حواس اور علم فکر سے خالی ہونا مراد ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہیبت کا اثر اتنا سخت ہوگا کہ ان کی آنکھوں سروں اور دلوں پر حاوی ہوگا۔

وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾

"اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اس دن کے عذاب سے خبردار کرو جب ان پر آن پڑے گا تو اس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مدت اور دے دے تاکہ ہم آپ کی دعوت کو قبول کریں اور نبیوں کی اتباع کریں (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے قسمیں کھا کھا کر اس سے قبل نہیں کہا تھا کہ تم پر کوئی زوال نہیں آئے گا" [44]۔

تفسیر 44 یہ وَلَا تَحْسَبَنَّ پر عطف ہے یعنی ان کو ڈرا دو۔ اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے اور لفظ رَبَّنَا أَخِّرْنَا اس پر دلیل ہے۔ جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک لفظ: يَوْمَ اور: الْعَذَابُ: سے قیامت کا عذاب مراد ہے اور: أَخِّرْنَا کا معنیٰ ارْجِعْنَا ہے۔ یعنی ہمیں دنیا میں لوٹا دو۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ ظالموں کی مخالفت دو طریقوں سے ہوتی ہے (۱) توحید کو قبول کرنے سے انکار اور (۲) اتباع رسول سے انکار: مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ: زوال سے فنا ہونا مراد ہے یا عذاب مراد ہے۔ یعنی تمہارا یہ عقیدہ اور خیال تھا کہ ہم اجتماعی ہلاک نہیں ہونگے مراد یہ ہے کہ دنیا کے ختم ہونے سے تمہارا انکار تھا۔ آج بھی ملحدین اور دہریوں کا یہ عقیدہ ہے انفرادی موت کو سب مانتے ہیں لیکن دنیا کو قدیم مانتے ہیں اور اس کے ختم ہونے اور دوبارہ زندہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔

وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾

"اور تم لوگ ان کی بستیوں میں رہ چکے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور یہ بات کھل کر تمہارے سامنے آچکی تھی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور ہم نے تمہیں مثالیں بھی دی تھیں" [45]۔

تفسیر 45 اس آیت میں منکرین کیلئے وعید ہے کہ تمہارے انکار کیلئے کوئی وجہ ان تینوں حالتوں کے بعد نہیں تھی: پہلی بات یہ ہے کہ گزرے ہوئے ظالموں کی آبادیاں تم دیکھ چکے تھے اور ان پر آنے والے عذابوں کی نشانیاں بھی تم دیکھ چکے تھے اور واقعات عذاب بھی تمہیں سنا دیئے گئے تھے تو پھر تم نے عبرت کیوں نہیں لی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ تمہیں (1) مشاہدے سے علم

حاصل ہوا (2) تاریخی واقعات سننے سے (3) وحی الٰہی کے سننے سے بھی۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۞

"اور وہ لوگ اپنی ساری چالیں چل چکے تھے اور ان کی ساری چالوں کا توڑ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا چاہے ان کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جس سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں" [46]۔

تفسیر 46 مکر سے مراد شرک کا ارتکاب اور رسولوں کا انکار یا اس سے مراد انبیائے کرام اور صالحین سے توحید وسنت میں اختلاف اور ان کے خلاف تدبیریں مراد ہیں: وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ: اس میں ایک توجیہ یہ ہے کہ ان کی چالیں کمزور ہیں اللہ تعالیٰ کے پہاڑوں کو زائل نہیں کر سکتیں اس توجیہ میں جبال اپنے اصل معنیٰ میں ہے اور ان کی چالوں کی حقارت مراد ہے۔ اس معنیٰ میں وَاِنْ: نافیہ ہے اور لِتَزُوْلَ: میں لام حتیٰ کے معنیٰ میں ہے۔ دوسری توجیہ: یہ ہے کہ جبال سے توحید اور دین مراد ہے جو انبیائے کرام لے کر آئے ہیں اور یہ بطریقہ مثال ہے تو جبال مثالی معنیٰ میں ہے۔ تیسری توجیہ: یہ ہے کہ ان کا شرک پہاڑوں اور دنیا کی تباہی کیلئے سبب ہے جیسا کہ سورۃ مریم آیت 90 میں ہے تو اس توجیہ کے اعتبار سے ان مخففہ ہے مثقلہ سے۔ یعنی شرک تو دنیا کے زوال کا سبب ہے لیکن ملائکہ کی دعا استغفار اس کے رکاوٹ ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الشوریٰ آیت 4 میں ہے۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اس سے ان کے مکر کا بڑا ہونا مراد ہے جیسا کہ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا: سورۃ نوح آیت 22 میں ہے تو اس توجیہ میں اِنْ وَصْلِيَه يُخَفَّفُ عَنِ الْمُثَقَّلِ ہے اور لام مفتوح ہے جیسا کہ قراۃ عبداللہ بن مسعود میں وارد ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۞

"لہٰذا اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ خیال بھی نہیں کرنا ہے کہ اس نے اپنے نبیوں سے جو وعدہ کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست غالب اور انتقام لینے والا ہے" [47]۔

تفسیر 47 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے لیکن ایک دوسرے انداز میں ہے اور وعدہ سے دنیا و آخرت میں نصرت مراد ہے چونکہ پہلے ان قوموں کے عذاب کا ذکر تھا جو جھٹلانے والی تھیں تو اس پر حرف فاء کے ذریعے تفریع وتشریح کی ہے اور اس میں نبی آخر الزمان ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

"اور اس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائیگی اور آسمان بھی اور سب کے سب رب واحد اور قہار کے سامنے پیش ہونگے" [48]۔

تفسیر 48 اس میں تخویف اخروی کا بیان ہے اور اس دن کا ذکر ہے جس میں وعدہ پورا ہوگا اور زمین آسمان کی تبدیلی کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ تبدیلی وصف اور ذات میں ہوئی یعنی یہ زمین و آسمان دونوں فنا ہو جائیں گے اور چونکہ ذات اور وصف دونوں تبدیل ہونگے اس لئے لفظ: تَبَدَّلُ اور لفظ: غَيْرَ لانے اور مسلم کی حدیث میں وارد ہے (صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث 2791، ابن ماجه في الزهد حدیث 4279، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3121، احمد 35/6) کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پیغمبر علیہ السلام سے سوال کیا کہ جب آسمان اور زمین تبدیل ہونگے تو اس وقت لوگ کہاں ہونگے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت لوگ: جسر: پل صراط پر ہونگے لہذا ان آسمانوں اور زمین کو تبدیل کیا جائیگا اور ان کی جگہ دوسرے آسمان زمین پیدا کئے جائیں گے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ تبدیلی وصفی ہے لہذا یہ موجودہ آسمان و زمین تبدیل کر دئے جائیں گے جیسا کہ جہنم والوں کے چمڑے بدل دیئے جائیں گے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

"اور اس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے" [49]۔

تفسیر 49 "مُقَرَّنِيْنَ: میں اشارہ ہے کہ ایک قسم کے مجرموں کو ایک ساتھ باندھ لیا جائیگا یا یہ مطلب ہے کہ ان کے ہاتھ یا پاؤں اکٹھے بندھے ہوئے ہونگے۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

"ان کی قمیص تارکول کی ہونگی اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی" [50]۔

تفسیر 50 اس آیت میں اشارہ ہے کہ جہنم کی آگ نے ان پر ہر طرف سے احاطہ کیا ہوا ہوگا جیسا کہ قمیص نے سارے وجود پر احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے البتہ سرابیل سے حقیقی معنیٰ مراد ہے: قَطِرَانٍ: سے مراد وہ دوا ہے جو خارشی اونٹوں کو بطور علاج لگائی جاتی ہے جس کی بدبو بھی بہت زیادہ ہے اور آگ بھی اس پر جلدی لگ جاتی ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جہنمیوں کو

جارش کی سزا ہوگی (اعاذنا اللہ)۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

"تاکہ اللہ تعالٰی ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے عمل کا بدلہ دے یقیناً اللہ تعالٰی جلد سزا چکانے والا ہے" [51]۔

تفسیر 51 "سَرِيعُ الْحِسَابِ": میں دو معانی ہیں (۱) حساب کا دن جلد آنے والا ہے (۲) دوسرا معنٰی یہ ہے کہ جب حساب شروع کرے گا تو جلدی ختم کرے گا۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوٓا أَنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

"یہ تمام لوگوں کیلئے ایک پیغام ہے اور اسلئے دیا جارہا ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے اور تاکہ وہ یہ جان لیں کہ معبود برحق فقط اللہ تعالٰی ہی کی ذات ہے اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کرلیں" [52]۔

تفسیر 52 اس کا تعلق سورۃ کی ابتداء سے ہے اور اس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ عذاب دنیاوی اور اخروی سے بچنے کیلئے قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور اس میں قرآن مجید کے چار فائدے بیان کئے ہیں: فائدہ ۱: قرآن مجید عام لوگوں کی دعوت و تبلیغ کیلئے ہے۔ فائدہ ۲: عذاب سے ڈرانے کیلئے پیغام ہے۔ فائدہ ۳: توحید کی تعلیم کیلئے واحد ذریعہ ہے۔ فائدہ ۴: یہ خالص عقل رکھنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔ اور اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ قرآن کا مرکزی موضوع توحید باری تعالٰی ہے۔ وَلِيَذَّكَّرَ: اس میں اشارہ ہے کہ أُولُوا الْأَلْبَابِ: لوگ اس سے احکام نکال سکتے ہیں جو تدبر اور تفکر کرتے ہیں۔

سورۃ ابراہیم کی خصوصیات:

۱۔ نبیوں کے واقعات اور ان کے قوموں کا تذکرہ۔

۲۔ آخرت کے واقعات کا تذکرہ۔

۳۔ شیطان کے پیروکاروں پر شیطان کی حجت و دلیل۔

۴۔ ابراہیم علیہ السلام کا خاص واقعہ۔

۵۔ اس سورۃ میں خاص مثالیں ہیں۔

غفور الرحیم کی توفیق اور فضل سے سورت ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتہا ۹۹ ۱۵ سورۃ الحجر مکیۃ ۵۴ رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے شروع کرنے میں مدد طلب کرتا ہوں

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

"ان حروف کے معنی اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب کی روشن آیتیں ہیں" [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے: الٓرٰ: قرآن کی ابتدا میں اس کا ذکر گزر چکا ہے اور یہ اعجاز قرآن کی دلیل ہے اور الْكِتٰبِ: اس سے سابقہ کتابیں مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس سورۃ میں سابقہ قوموں کے واقعات ذکر ہوئے۔ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ: اس میں بعد والی قوموں کی طرف اشارہ ہے یعنی مکہ کے دو گروہ مُقْتَسِمِيْنَ اور مُسْتَهْزِءِيْنَ مراد ہیں۔ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ، اَلْكِتَابِ: پر عطف ہے جو کہ صفت کو صفت پر عطف کیا گیا ہے جبکہ اس کا مصداق ایک ہی ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝

"ایک وقت آئے گا جب یہ کافر لوگ بڑی تمنائیں کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے" [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں مشرکین کے لئے تخویف ہے کہ مشرکین عذاب کے وقت افسوس کریں گے کہ کاش وہ ایمان لے آتے۔ رُبَمَا: کمی اور زیادت دونوں کیلئے آتا ہے۔ یہاں پر زیادت مراد ہے یعنی کثرت سے تمنا اور افسوس کریں گے بعض کا قول ہے کہ قلت مراد ہے یعنی ان کو عذاب سے فراغت نہیں ملے گی تو جب وقت مل جائے گا تو افسوس و تمنا و ارمان کریں گے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

"آپ ان کو ایسے حالات میں چھوڑ دیجئے کہ خوب کھائیں اور مزے اڑائیں اور خیالی امیدیں ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں پھر عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا (کہ حقیقت کیا تھی)" [3]۔

تفسیر 3 اس میں دنیا کی محبت پر وعید ہے کہ انسان کھانے پینے اور دیگر شہوات میں مگن ہو اور حقیقی زندگی یعنی آخرت اور توحید سے غافل ہو جانے اور یہ انکار حق کیلئے اسباب ہیں۔ اور مرفوع حدیث میں وارد ہے (مسند بزار فی کشف الاستار 3434 کامل لابن عدی 248/3 مجمع الزوائد 226/10، ابن جوزی موضوعات 125/3. ھانی بن متوکل کی وجہ سے مذکورہ محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے) کہ چار چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: (۱) آنکھوں کی خشک کیفیت یعنی نہ رونا۔ (۲) دل کا سخت ہو جانا۔ (۳) دنیا میں رہنے کیلئے لمبی لمبی امیدیں کرتے رہنا۔ (۴) دنیا کا حریص بن جانا۔ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا: اس میں دنیا کی حرص کی طرف اشارہ ہے۔ وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ: اس میں امیدوں کا ذکر ہے۔ حدیث میں ہے کہ انسان بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے جبکہ اس میں دو خصلتیں بڑھ جاتی ہیں: (۱) حرص (۲) امیدیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الزکوۃ حدیث 1047)

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝

"اور ہم نے جس بھی بستی کو ہلاک کیا تھا اس کیلئے ایک وقت متعین رکھا ہوا تھا [4]۔ کوئی قوم اپنے معین وقت سے نہ پہلے ہلاک ہوتی اور نہ ہی آگے جا سکتی ہے" [5]۔

تفسیر 4، 5 ان آیتوں میں تخویف دنیوی کا بیان ہے کہ عذاب نے تو آنا ہے اگرچہ ان کو کھانے پینے لذتوں کے حصول کیلئے مہلت دے دی گئی ہے البتہ عنقریب ان پر عذاب آئیگا کہ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا لیکن اس کیلئے وقت مقرر ہے اور یہ سورت کا عنوان بھی ہے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل ہوا ہے تم یقینی طور پر دیوانے ہو" [6]۔

تفسیر 6 اس میں رسول ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کیلئے زجر اور توبیخ ہے۔ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ: یعنی تمہارے خیال

کے مطابق۔ اور یہ آیت ۳ پر معطوف ہے نیز منکرین کیلئے ان کی قبیح صفات کا ذکر ہے۔

لَوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"اگر تم یقیناً سچے ہو تو ہمارے پاس ملائکہ کیوں نہیں لاتے" [7]۔

تفسیر 7: اس آیت میں منکرین کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی شہادت کیلئے ملائکہ طلب کئے گئے ہیں۔ یہ نبی کی مدد کیلئے ملائکہ کا مطالبہ ہے جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ (سورۃ زخرف آیت 53)

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝

"ہم جب ملائکہ کو اتارتے ہیں تو حتمی فیصلے کیلئے اور اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جاتی" [8]۔

تفسیر 8: نزدیک ہونے تیسرے سوال کا جواب ہے اور بالحق سے مراد عذاب الٰہی ہے یا وحی ربانی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

"حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (وحی) ہم ہی نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں" [9]۔

تفسیر 9: اس آیت میں پہلے اعتراض کا جواب ہے۔ اعتراض تھا کہ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ: اور قرآن کریم کی سچائی بیان ہوئی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین اور ضدی قسم کے لوگوں کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں اور وحی کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ قرآن مجید کی سچائی کی دلیل ہے کہ نبی مجنون نہیں ہے کیونکہ مجنون شخص کے ذریعے کسی بھی چیز کی حفاظت نہیں ہو سکتی اور حفاظت لفظی اور معنوی تغیر و تبدل وغیرہ سب اس آیت میں واضح تھا۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ صدیاں گزر گئیں اور دشمنان قرآن بھی بہت زیادہ ہیں اور لفظی و معنوی تحریف بھی کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن وہ تمام چالیں رائیگاں گئیں۔ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کا ایک مثالی واقعہ وہ ہے جو امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبوی کی حفاظت بھی کی ہے اور اس میں صحیح ضعیف و موضوع علمائے حق کے ذریعے الگ کی ہیں۔ اس آیت میں اہل تشیع پر رد ہے جو کہ قرآن مجید کی تحریف کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اس باطل عقیدہ پر ان کی کتابیں گواہ ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٠ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١١

"بلاشبہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے بھی ہم نے مختلف گروہ میں رسول بھیجے ہیں[10]۔اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا مگر ہر ایک کا مذاق اڑاتے رہے"[11]۔

تفسیر 11,10 ان دونوں آیتوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ یعنی اس قسم کے عنادی لوگوں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کا استہزاء کیا تھا: اَرْسَلْنَا: کا مفعول حذف ہے: شِيَعِ یہ شِيْعَةٌ: کی جمع ہے وہ گروہ جو کسی کے تابع ہو خواہ وہ اچھے کاموں میں پیروی کریں یا برے کاموں میں۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝١٢ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣

"مجرم لوگوں کے دلوں میں یہ بات ہم اسی طرح داخل کرتے ہیں[12]۔کہ وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پچھلے لوگوں کا بھی طریقہ یہی چلا آیا ہے"[13]۔

تفسیر 13,12 اس آیت میں منکرین کیلئے وعید ہے کہ ان کی عادت بھی سابقہ لوگوں کی طرح ہے۔نبیوں کے جھٹلانے اور ان کا مذاق اڑانے میں مشابہ ہے۔اور اس کی وجہ: نَسْلُكُهٗ: میں ذکر ہوئی ہے اور اس میں (ہ) ضمیر استہزاء اور تکذیب کی طرف راجع ہے۔ابن کثیر نے شرک کی طرف راجع کیا ہے لیکن مطلب ایک ہی ہے اس طرح سورۃ الشعرا آیت 200 اور 201 میں بھی ذکر ہوا ہے۔ یہاں آئندہ کے مجرمین کو شامل ہونے کی وجہ سے فعل مضارع ذکر کیا ہے جبکہ سورۃ شعراء میں سابقہ زمانے کے جھٹلانے والوں کا ذکر تھا اس لئے وہاں فعل ماضی ذکر ہوا ہے اور اس کا معنی و مدار بھی وہی ہے جو ختم اللہ اور طبع اللہ میں ہے نیز (ہ) ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع کرنا ضعیف قول ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝١٤ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝١٥ ع

"اور اگر بالفرض ہم ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول دیں اور وہ دن کی روشنی میں اس پر چڑھتے بھی چلے جائیں[14]۔تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کی گئی ہے بلکہ ہم لوگ جادو کے اثر میں آئے ہوئے ہیں"[15]۔

تفسیر 15,14 اس میں منکرین معجزات کیلئے وعید ہے بعض معجزات کا تعلق آسمان کی بلندی سے ہوتا ہے: فَظَلُّوْا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ آسمان کی طرف اٹھانا بالکل واضح اور ظاہر ہے کیونکہ: ظَلُّوْا: کا تعلق دن کے عمل سے ہے: اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا: سے مراد یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ ہم آسمان پر نہیں چڑھائے گئے بلکہ ہماری آنکھوں پر نظر بندی کی گئی ہے پھر کہیں

گئے آسمان پر چڑھا دیے گئے ہیں مگر جادو کے ذریعے ایسا کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ

"اور ہم نے آسمان میں بہت سے برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کیلئے اس کو مزین کیا ہے" [16]۔

تفسیر 16 اس آیت سے دوسرا باب ہے۔ اس باب میں عقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں آیت 16 سے آیت 20 تک پانچ دلائل میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کی 18 صفات مذکور ہیں پھر ملائکہ کا آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کا ذکر ہے جو سورۃ کے عنوان سے متعلق ہے جو کہ منکرین کیلئے تخویف اخروی ہے۔ آیت 44،43 میں تخویف اخروی ہے اور پھر آخرت کی خوشخبری 45-50 میں ہے۔ جب منکرین توحید کا ذکر ہوا تو اب توحید کے دلائل بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ ان پر واضح ہو جائے۔ بُرُوجًا بڑے ستاروں کو کہا جاتا ہے: وَزَيَّنَّاهَا اس کی دلیل ہے کیونکہ زینت ستاروں سے ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ الصافات آیت 6 اور سورۃ الملک آیت 5 میں ہے یا پھر بروج سے چاند و سورج کی وہ منزلیں مراد ہیں جس میں چاند سورج مختلف اوقات ظاہر ہوتے ہیں اسلئے کہ برج اصل میں ظاہر ہونے کو کہتے ہیں اس آیت میں قدرت الٰہی کی دو صفات ذکر ہوئی ہیں۔

وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ

"اور اس کو ہر مردود شیطان سے محفوظ رکھا ہے" [17]۔

تفسیر 17 اس آیت میں قدرت الٰہی کی تیسری صفت ذکر ہے جو کہ آسمانوں کی حفاظت ستاروں کے ذریعے ہے۔ جیسا سورۃ الملک 5 اور سورۃ الصافات 7 میں ہے۔

إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ

"البتہ جو کوئی چوری سے سننے کی کوشش کرے تو ایک روشن شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے" [18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں حفاظت کا طریقہ ذکر ہوا ہے جو کہ شیطانوں کو ہر جانب سے مار پڑتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ جن آیت 9،8 اور سورۃ الصافات آیت 10،9،8 میں ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۝

"اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ہے اور اس کو جمانے کیلئے اس میں پہاڑ ڈال رکھے ہیں اور اس میں ہر قسم کی چیزیں تو ازن کے ساتھ اگائی گئی ہیں" [19]۔

تفسیر 19 اس آیت میں قدرت الٰہی کی تین صفات ذکر ہوئی ہیں: مَدَدْنٰهَا: مد یعنی زمین کا پھیلانا اس طرح سورۃ رعد 13، سورۃ ق 7 اور دحو کا استعمال سورۃ نازعات آیت 30 میں ذکر ہوا ہے اور لفظ فرش سورۃ الذاریات آیت 48 میں اور سورۃ البقرۃ آیت 22 میں ذکر ہے اور ان سب سے مراد یہ ہے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے اس انداز میں بنایا کہ انسان اس سے فائدہ حاصل کریں اور علامات قیامت میں مد کا لفظ سورۃ انشقاق آیت 3 میں استعمال ہوا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین سے پہاڑوں، گھاٹیوں، ٹیلوں کو ہٹا کر ایک میدان بنا دیں گے: مَّوْزُوْنٍ: اس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو ترازو پر تولی جاتی ہیں یعنی سونا، پیتل، چاندی وغیرہ۔ یا موزون سے وہ چیز مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم مناسب ہو۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝

"اور اس میں تمہارے لئے بھی روزی کا سامان پیدا کیا ہے اور ان کیلئے بھی جن کو تم رزق نہیں دے سکتے" [20]۔

تفسیر 20 اس آیت میں قدرت الٰہی کی دو صفات ذکر ہیں: مَعَايِشَ: سے زندگی گزارنے کے اسباب مراد ہیں: لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ: اس سے وحشی جانور، درندے، پرندے، اولاد، خدمت گار غلام وغیرہ مراد ہیں جن سے تمام تر فائدے انسانوں کو ملتے ہیں جبکہ ان کو روزی اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝

"اور کوئی ایسی چیز نہیں (جو ضرورت کی ہو) اور اس کے خزانے میرے پاس نہ ہوں؟ مگر ہم اس کو ایک مقدار معین کے حساب سے اتارتے ہیں" [21]۔

تفسیر 21 اس آیت میں بھی قدرت الٰہی کی دو صفات ہیں اور اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ خزانے اپنے حکمت وعلم سے تقسیم کرتا ہے اور اس حکیم ذات پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ فائدہ: یہ آیت اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جو خزانوں کی نسبت کسی اور کی طرف کرتے ہیں وہ مشرک ہیں جیسا کہ بعض جاہلوں نے نبی ولی اور بزرگوں کو یہ اختیارات اپنے خیال

میں دے رکھے ہیں جیسے علی ہجویری لاہور والے کو داتا گنج بخش کہتے ہیں۔

وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

"اور وہ ہوائیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں ہم نے بھیجی ہیں پھر آسمان سے پانی ہم نے اتارا ہے پھر اس سے ہم نے تمہیں سیراب کیا ہے اور تمہارے بس میں یہ نہیں کہ تم اسکو ذخیرہ کر کے رکھ سکو [22]۔ ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں" [23]۔

تفسیر 23,22 ان آیتوں میں قدرت الٰہی کی تین صفات کا ذکر ہے اور آخر میں مخلوق کی کمزوری و عاجزی بیان ہوئی ہے۔ یعنی :وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ: میں انسانوں کی بے بسی بیان ہوئی ہے :لَوَاقِحَ یہ حَوَامِلَ :کے معنی میں ہے یعنی ہوائیں جو بادلوں اور گرد و غبار کو اٹھاتی ہیں اور درختوں میں پتے پھل وغیرہ پیدا کرتی ہیں :اَلْوَارِثُوْنَ: وارث سے مراد آخری مالک ہے۔ سورۃ آل عمران آیت 180 میں نیز سورۃ مریم 40،80 میں بھی وارد ہے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

"تم سے جو آگے نکل گئے ہیں ان کو بھی ہم جانتے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے ہیں ان سے بھی ہم واقف ہیں" [24]۔

تفسیر 24 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کیلئے علم کی عفت کا بیان ہوا ہے کہ اس نے ہر چیز کو اپنے علم کے احاطے میں لیا ہے :اَلْمُسْتَقْدِمِيْنَ اور اَلْمُسْتَاْخِرِيْنَ: عام الفاظ ہیں اس کے تحت وہ سب لوگ آگئے جو گزر چکے اور وہ بھی جو آئندہ زمانے میں آئیں گے یعنی جو فوت ہو گئے وہ بھی اور جو زندہ ہیں وہ بھی اور جو آئندہ پیدا ہونگے جو ابھی دنیا میں نہیں آئے ہیں وہ بھی۔ سابقہ امتیں اور اس امت کے لوگ بھی نیز وہ لوگ جو نیکی میں سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جو شر و فساد میں پیچھے رہ گئے۔ اسی طرح جہاد کی پہلے صفیں اور جہاد کی بعد والی صفیں نماز کی پہلی صفیں اور بعد والی صفیں۔ وہ لوگ جو جہاد میں شہید ہو گئے اور جو شہید نہیں ہوئے۔ سابقہ مخلوق اور بعد والی مخلوق۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں ہے۔

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

"اور یقیناً تیرا رب ہی ان کو میدان حشر میں اکٹھا کرے گا یقیناً اس کی حکمت بھی بڑی ہے اور اس کا علم بھی بڑا ہے" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت میں قدرت الٰہی کی ایک صفت ذکر ہوئی ہے اور دو اسمائے حسنیٰ کا ذکر ہوئے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾

"ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا" [26]۔

تفسیر 26 یہ بھی عقلی دلیل ہے اور سابقہ پر عطف ہے اور اس آیت میں بھی ایک صفت الٰہی ذکر ہے اور وہ خالقیت آدم ہے۔ صَلْصَالٍ: وہ خشک گارا جو مٹی کے ساتھ مکس ہوا اور اس میں کھنکھار کی آواز ہو مگر آگ سے پکائی ہوئی نہ ہو البتہ جب آگ سے پکایا جائے تو اس کو فخار کہتے ہیں اور: حَمَإٍ: وہ گارا ہے جو چھوڑا جائے پھر اس میں بدبو پیدا ہو اور رنگ کالا مائل ہو جائے۔ مَّسْنُونٍ یہ وہ گارا ہے جس پر کئی سال گزر جائیں تو پھر پرانا ہو جائے۔ فائدہ: آدم علیہ السلام کی پیدائش کی ترتیب کچھ اس طرح ہے اول مٹی "تراب" ہے پھر پانی سے اس کو بھگو دیا گیا تو: طِيْنٍ: کہا گیا پھر کچھ عرصہ چھوڑا گیا تو اس میں چکناہٹ پیدا ہوئی تو اس کو: طِيْنٍ لَّازِبٍ: کہا گیا۔ پھر جب خمیر بن کر اس میں بدبو پیدا ہوئی تو: حَمَإٍ مَّسْنُونٍ: کہا گیا پھر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد جب اس میں کھنکھناہٹ پیدا ہوئی تو پھر اسے: صَلْصَالٍ: کہا گیا ہے اور جب اس کی آواز مثل مٹی کے برتن کے کھنکھنانے لگی تو: كَالْفَخَّارِ: کہا گیا۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾

"اور جنات کو اس سے پہلے آگ کی لو سے ہم نے پیدا کیا تھا" [27]۔

تفسیر 27 اس آیت میں بھی قدرت الٰہی کی ایک صفت ذکر ہوئی ہے جو کہ پیدائش جان ہے جس کو اس آگ سے پیدا کیا جس کے ساتھ تیز گرم ہوا بھی تھی مگر بغیر دھویں کی۔ اور: وَالْجَآنَّ: میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جنات کا باپ ہے اور ابلیس سے قبل تھا اور ابلیس شیطانوں کا باپ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جان اور ابلیس ایک ہے۔ البتہ پہلا قول بہتر ہے: السَّمُوْمِ: اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرم ہو اور انسان کی نسوں میں بھی داخل ہوتی ہو۔ فائدہ: وہ روایت بعض علماء کے نزدیک مردود ہے جس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے جس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے کے متصل بعد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا ہے اس کی تفصیل ابن کثیر میں موجود ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

"اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے فرمایا تھا کہ میں گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت سے آیت 42 تک سجود ملائکہ یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے آگے ملائکہ کے سجود ہونے کا واقعہ ہے اور یہ قرآن میں تیسرا مقام ہے جہاں جو آدم علیہ السلام کے واقعہ کو اللہ تعالیٰ بیان کر رہا ہے اس میں بڑا مقصد انکار کرنے والوں کو ڈرانا ہے یعنی ابلیس نے تکبر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ٹکرایا تو نتیجہ میں راندۂ دربار الٰہی ہوا اور قیامت تک وہ لعنت کا مستحق ٹھہرا تو اسی طرح جو بھی ضد اور تکبر کر کے توحید باری تعالیٰ سے انکار کرے گا تو اس کا انجام بھی یہی ہے اور قیامت کے رسوائی اور عذاب ہے اور اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام بشر تھے لہٰذا ان کی اولاد بھی بشر ہی ہیں خواہ انبیاء و اولیاء ہوں یا عام انسان ہوں۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

"لہٰذا میں جب اس کو پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی جانب سے روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا" [29]۔

تفسیر 29 مِن رُّوحِی روح وہ چیز ہے جس سے بدن حرکت یعنی جان پیدا ہوتی ہے وہ بھی ایک مخلوق ہے مگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اکرام وعزت کیلئے کی گئی ہے سٰجِدِیْنَ: سجدہ کی تفصیل اور ابلیس کے مستثنیٰ کا مسئلہ سورۃ بقرہ آیت 134 اور سورۃ الاعراف آیت 11 میں گزرا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہاں سجدہ بطور عبادت نہیں بلکہ اسلام اور اکرام کے معنی میں ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

"چنانچہ سارے کے سارے ملائکہ نے سجدہ کیا [30]۔ سوائے ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کیا" [31]۔

فائدہ: سوال: سورۃ بقرۃ کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائک کو سجدہ کرنے کا حکم آدم علیہ السلام کی پیدائش اور خلافت دینے کے بعد ہوا ہے جبکہ اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدے کا حکم ان کی پیدائش سے پہلے ہوا ہے۔ بظاہر یہ تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تعلیقاً حکم تھا کہ جب میں انہیں پیدا کروں تو اس حکم کی تکمیل کرو پھر جب وہ پیدا ہوئے تو ملائک کو اس حکم کی تکمیل کا تنجیز اً امر ہوا۔ تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت 29 سے درمیان کلام محذوف ہے اور وہ کلام یہ ہے کہ آدم کو پیدا کیا پھر انہیں خلیفہ بنایا پھر انہیں اسماء کی تعلیم دی اور اس کے بعد ملائک کو سجدے کا حکم دیا کہ: اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ:

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝

"اللہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت سے ثابت ہوا کہ ابلیس نے ایک گناہ یہ کیا کہ اللہ تعالی کے امر سے انکار کیا۔ لفظ: أَبٰی: سے اس کا ذکر ہوا اور دوسرا گناہ یہ کیا کہ ملائک کی جماعت کی مخالفت کی: مَا لَكَ: تیرا کیا عذر اور دلیل ہے کہ ملائک کی جماعت میں عملاً شریک نہیں ہوا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝

"اس نے کہا کہ میں ایسا (گرا ہوا) نہیں ہوں کہ ایک ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہے" [33]۔

تفسیر 33 اس میں صریح انکار کا ذکر ہے جو اس نے حسد، عناد اور تکبر کی وجہ سے کیا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہو گیا ہے [34]۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک پھٹکار پڑتی رہے گی" [35]۔

تفسیر 35,34 ان آیتوں میں ابلیس پر عذاب کا ذکر ہے پہلے اس کو جنت اور ملائک کی جماعت سے اور آسمان سے اتارا۔ دوم اس کو رجیم قرار دینا یعنی اس کو ڈانٹ دینا اور دھتکار دینا اور دربار الٰہی سے محروم کرنا۔ نیز آگ کے شعلوں کے مارنے کی سزا اور اسی طرح یہی حال اس کے اولاد اور ذریت کا ہے۔ تیسرا عذاب لعنت کا ہے جو قیامت کے دن تک جاری رہے گا اور پھر قیامت کے دن اسے دائمی عذاب میں داخل کر دیا جائے گا۔ سورۃ ص آیت 77، 78 میں اس طرح وارد ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

"کہا اے میرے رب! مجھے اس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دے دے جب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے" [36]۔ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو مہلت دیئے گئے لوگوں میں سے ہے" [37]۔ "مگر ایک معین وقت تک" [38]۔

تفسیر 36 یہ اس کا دوگنا جرم ہے بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی گناہ اور اس نافرمانی کی معافی مانگتا اپنے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کے لیے مہلت مانگ رہا ہے: اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ: ابلیس کا ارادہ یہ تھا کہ مہلت کی وجہ سے موت سے بچ جاؤں گا کیونکہ بعثت والے دن اور اس کے بعد تو موت نہیں آئے گی۔

تفسیر 37 "الْمُنْظَرِيْنَ: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے صور کے وقت تک زندہ ہونگے اور پھر فنا ہو جائیں گے تو معلوم ہوا کہ ابلیس بھی اول صور میں فنا ہو جائیگا۔

تفسیر 38 اس سے ساری مخلوق کے فنا ہونے والا دن مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس بھی اس دن فنا ہو جائیگا جس کو وقت معلوم کہا گیا ہے جس کے حالات وصفات قرآن اور صحیح احادیث میں کثرت سے وارد ہیں۔ واضح رہے کہ یہ معنی نہیں ہے کہ اس دن کی تاریخ مخلوق میں سے کسی کو معلوم ہے کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۳۹﴾

" کہنے لگا یا رب تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اسلئے میں قسم کھاتا ہوں کہ انسانوں کیلئے دنیا میں دلکشی پیدا کردوں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے رہونگا" [39]۔

تفسیر 39 "بِمَآ اَغۡوَیۡتَنِیۡ: باء سببیہ ہے اور اغواء سے مراد گمراہ کرنا ہے یا اس کو جنت اور آسمانوں سے اترنے کا حکم مراد ہے: فِی الۡاَرۡضِ: اس سے زمین اور اس میں مال و دولت مراد ہے اور تزیین سے مراد ان کو دنیا کی محبت میں مشغول کرنا ہے اور یہ وسوسوں کے ذریعے سے شیطان کرتا ہے اور انسان کے اغواء سے مراد یہ ہے کہ گناہ کے کام ان کے سامنے مزین کرنا اور گناہوں پر ابھارنا اور اس کی طرف ترغیب دینا اور یہ سب کچھ وسوسوں کے ذریعے کرتا ہے۔

اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ ﴿۴۱﴾

" سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے اپنے لئے ان میں سے مخلص بنالیا ہو" [40]۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ہے وہ سیدھا راستہ جو مجھ تک پہنچتا ہے" [41]۔

تفسیر 40 اس آیت میں اشارہ ہے کہ مخلص بندے شیطان سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اسلئے مخلصین کو صیغہ مفعول سے ذکر کیا ہے۔ فائدہ: اس آیت میں عصمت انبیاء کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام ہر قسم کی گناہوں سے پاک ہے کیونکہ اگر انبیائے کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم قرار دیے جائیں تو پھر غیر انبیاء معصوم ہو کر ان سے درجات میں بلند ہو جائیں گے اور یہ تو اصول شرعی کے خلاف ہے کہ انبیاء پر عام صالحین کو فضیلت ہو۔

تفسیر 41 اس آیت میں ایک توجیہ یہ ہے کہ ہذا اشارہ عبدیت کی طرف ہے جو: عِبَادَکَ: میں ذکر ہوا تھا تو مراد یہ ہے کہ یہ بندگی جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے سیدھا راستہ ہے جس کا بیان کرنا ہمارے ذمہ حق ہے تو اس توجیہ میں لفظ: عَلَیَّ: کے ساتھ یہ عبارت مقدر ہے: عَلَیَّ بَیَانُهٗ وَهَدَایَتُهٗ: دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی سیدھا رستہ ہے اس معنی میں علی کا معنی الی ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ ہذا العدو والی آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے اور مخلصین میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے تو معنی یہ ہوا کہ یہ میرے نزدیک مضبوط فیصلہ ہے یعنی مستقیم سے عدل مراد ہے اور: عَلَیَّ: واجب کے معنی میں ہے یعنی: وَاجِبٌ عَلَیَّ

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝

"یقین رکھو لوگ جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان لوگوں کے جو تیری پیروی کریں گے گمراہوں میں سے"[42]۔

تفسیر 42 آخری توجیہ کے مطابق جو کہ ہذا صراط میں گزری ہے یہ تمہید ہے اور پہلے والی توجیہات کے مطابق یہ آیت 40 کیلئے علت ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سورۃ ابراہیم آیت 22 میں ہے کہ شیطان کا اپنے پیروکاروں پر کوئی زور نہیں چلاتا ہے اور اسی طرح سورۃ سبا آیت 21 میں بھی ہے جبکہ اس مقام سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اپنے پیروی کرنے والوں پر غلبہ ہے لہٰذا یہ ظاہری طور پر تعارض ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر سلطان سے مراد اغوا، گمراہ کرنا ہے یعنی ایسے طریقے سے گمراہ کرنا کہ اس کو توبہ کی توفیق ہی حاصل نہ ہو اور یہ سلطان شیطان کیلئے خاص ہے جو اس کو اپنے پیروی کرنے والوں پر حاصل ہے۔ جیسا کہ سورۃ النحل 100 میں ذکر ہے اور سورت ابراہیم 22 میں سلطان سے مراد دلیل یا زور ہے، نیز یہاں استثناء منقطع ہے: الْغَاوِينَ: اس میں اشارہ ہے کہ جو لوگ ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لیتے ہیں تو شیطان کو ان پر تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝

"اور جہنم ایسے لوگوں کیلئے طے شدہ ٹھکانہ ہے[43]۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے میں داخلے کیلئے ان میں سے ایک گروہ مختص کیا گیا ہے"[44]۔

تفسیر 44،43 ان آیتوں میں ابلیس کے ساتھیوں کیلئے تخویف اخروی کا بیان ہے۔ فائدہ: چونکہ ابلیس کے پیروکاروں کے بڑے بڑے سات گروہ ہیں۔ (۱) اس امت کے عام گنہگار لوگ (۲) نصاریٰ (۳) یہود (۴) صابئون (۵) مجوس (۶) غیر اہل کتاب مشرکین (۷) منافقین۔ ان کیلئے جہنم کے سات دروازوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ (۱) جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم (۷) ہاویہ۔ جہاں قرآن مجید میں ان سے کسی طبقے کا ذکر ہوا ہے تو اسی کے ساتھ جہنم کے کسی دروازے کا بھی ذکر ہوا ہے جہاں یہ لوگ جائیں گے جنہیں مقسوم کہا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٥﴾ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ
إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٧﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُم مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾

"متقی لوگ چشموں اور باغوں میں ہونگے [45]۔ ان سے کہا جائیگا ان باغوں میں سلامتی سے رہو بلا خوف و خطر [46]۔ ان کے دلوں میں جو رنجش ہوگی اسے ہم نکال پھینکیں گے وہ بھائی بھائی بن کر بلند تختوں پر بیٹھے ہوں گے [47]۔ وہاں نہ تو کوئی تھکان ان کے پاس آئے گی اور نہ ان کو نکالا جائے گا" [48]۔

تفسیر 48.45 ان آیتوں میں ان لوگوں کیلئے خوشخبری ہے جنہوں نے ابلیس کی تابعداری سے اپنے دامن کو بچایا اور اس خوشخبری میں دس امور ذکر ہوئے ہیں بِسَلٰمٍ: جنت میں داخل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی جانب سے سلام ان پر پیش کیا جائیگا۔ آمِنِینَ: ہر قسم کی مصیبت اور خوف سے امن میں رہیں گے یعنی ساری عمر ہر قسم کے خوف سے امن میں ہونگے۔ جنت سے نکل جانے کا خوف نہیں ہوگا نعمتوں کے خاتمے کا خوف نہیں ہوگا لذتوں سے محرومی نہیں ہوگی اور نہ ہی موت کا خوف ہوگا۔ غِلٍّ: اس سے وہ ناراضگی اور دل کی رنجش مراد ہے جو مرتبوں کے تفاوت سے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ نَصَبٌ: محنت مشقت کی وجہ سے تھکاوٹ ہو یا عبادت کی وجہ سے ہو، کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾

"میرے بندوں سے کہو کہ میں ہی بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہوں" [49]۔ اور یہ بھی بتادو کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے" [50]۔ "اور ان کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں کا حال سناؤ" [51]۔

تفسیر 50,49 البتہ آیتوں میں بشارت اور وعید گزر گئی تو اب ان آیتوں میں ان کا تذکرہ ہو رہا ہے جو لف نشر غیر مرتب کے طریقہ پر ذکر ہوا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے یعنی پہلی آیت میں امید اور دوسری میں خوف۔

خلاصہ: یہاں سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے۔ اس میں پہلے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر ہے جو واقعہ قوم لوط علیہ السلام کیلئے بطور تمہید ہے پھر تین قوموں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نزول کا ذکر ہے جو لوط، صالح اور شعیب علیہم السلام کی اقوام ہیں۔ ان تینوں کو اس لئے بطور خاص ذکر کیا ہے کہ لوط اور شعیب علیہم السلام کی قومیں حجاز کے راستے میں واقع ہیں جو قافلہ والوں کا راستہ ہے اور اسی طرح قوم صالح علیہ السلام بھی ان کے قریب بستی تھی پھر آیت 90 میں: مُقْتَسِمِیْنَ: سے

عذاب کا ذکر ہے اور مُسْتَهْزِئِيْنَ: کے عذاب کا ذکر 95 میں ہوا ہے اور دعوت دینے کیلئے شجاعت کی ترغیب دی پھر دعوت کے دس آداب بیان فرماتے ہیں اور سورۃ کا اختتام توحید پر کیا گیا ہے۔

تفسیر 51 اس آیت 51 سے آیت 60 تک ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا ذکر ہے اور اس کا ماقبل سے ربط یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ اور دیگر واقعات میں اہل ایمان کے لئے بشارت ہے کہ انبیاء کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے کامیاب اور سرخرو فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کے لئے تخویف ہے جس طرح گزشتہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمنوں کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک فرمایا اس امت کے دشمنوں اور ظالموں کو بھی اللہ تعالیٰ ہلاک فرمائے گا۔ للہذا اول آیت 49 کے ساتھ اور دوم آیت 50 کے ساتھ متعلق ہوا۔ اس قصہ کو مقدم لانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ دراصل یہ ملائک لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے لیے آئے تھے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت پر جو تکلیفیں ابراہیم علیہ السلام کو پہنچنے والی تھی ان کو زائل کرنے کیلئے پہلے ان کو خوشخبری سنائی۔ اس آیت میں ملائک پر ضیف کا اطلاق ابراہیم علیہ السلام کے خیال کے مطابق ہوا ہے۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿53﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿54﴾

"اس وقت کا حال جب وہ اس کے پاس پہنچے اور سلام پیش کیا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے" [52]۔ "انہوں نے فرمایا مت ڈریئے ہم تو آپ کو ایک صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دے رہے ہیں" [53]۔ "ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم مجھے اس حال میں خوشخبری دے رہے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا چھا چکا ہے پھر مجھے کس بنیاد پر خوشخبری دے رہے ہو" [54]۔

تفسیر 52 اس آیت میں اختصار کیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر سلام کا جواب ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ ہود آیت 69، سورۃ الذاریات آیت 25 میں ذکر ہوا ہے۔ اس میں ابراہیم علیہ السلام کا ملائک کو طعام پیش کرنا اور ان کے طعام نہ کھانے سے ابراہیم علیہ السلام کا خوف وغیرہ بھی ذکر نہیں ہوا ہے جبکہ مذکورہ دونوں سورتوں میں ذکر ہوا ہے اور اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کی نفی پر دلیل ہے کیونکہ وہ خوشخبری لے کر آئے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان سے خوفزدہ ہوئے ہیں۔

تفسیر 53 اس آیت میں غلام سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں اور علیم سے مراد صاحب نبوت ہیں۔

تفسیر 54 اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کا تعجب عام عادت کی وجہ سے ہے قدرت الہی کا انکار نہیں ہے فَبِمَ تُبَشِّرُونَ: اس میں استفہام حقیقی ہے یعنی میرے بڑھاپے کو بدلا جائیگا یا میں اسی حالت میں رہونگا۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۞ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۞ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۞

"انہوں نے فرمایا ہم نے آپ کو سچی خوشخبری دی ہے اور آپ ان لوگوں میں سے مت ہونا جو ناامید ہوجاتے ہیں" [55] "ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون ناامید ہوسکتا ہے" [56]۔ "انہوں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالی کے قاصدو! اب تمہارا کیا خاص مشن ہے" [57]۔

تفسیر 55 حق سے مراد یقین ہے یعنی وہ بات جس میں کوئی شک نہ ہو چونکہ تعجب کرنا ظاہراً ناامیدی کا سبب ہے تو ملائکہ نے اس ظاہر علامت پر یہ فرمایا کہ: فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ:

تفسیر 56 یعنی ابراہیم علیہ السلام کا تعجب رحمت الہی سے ناامیدی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ظاہری اسباب کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالی کی رحمت سے ناامیدی اسلئے گمراہی ہے کہ ناامید انسان اللہ تعالی کی رحمت سے جاہل ہوتا ہے اور قدرت باری تعالی سے منکر ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف آیت 78 میں ذکر ہوا ہے۔ فائدہ: سورۃ یوسف میں (ایاس) ناامیدی کے ساتھ کفر ذکر کیا ہے اور اس سورۃ میں (قنوط) ناامیدی کے ساتھ ضلال کا ذکر کیا ہے۔ اس کی یہ حکمت ہے کہ (ایاس) دل کی ناامیدی کو کہا جاتا ہے اور کفر بھی دل کا عمل ہے اور قنوط اس ناامیدی کو کہا جاتا ہے جس کی ناراضگی ظاہر ہونے کے آثار چہرے پر ظاہر ہوجائیں جبکہ ضلال بھی ظاہری گمراہی کیلئے استعمال ہوتا ہے لہذا اس میں ایک دوسرے کے ساتھ پوری پوری مناسبت ہے۔

تفسیر 57 چونکہ ابراہیم علیہ السلام کی خوشخبری کیلئے ایک ملک کافی تھا تو ایک جماعت کی کیا ضرورت تھی تو ابراہیم علیہ السلام جان گئے کہ بیٹے کی خوشخبری کے علاوہ ان کا دوسرا مشن ہے جس پر آئے ہیں (خطب بڑے حادثے پر بولا جاتا ہے)۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ
قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا
بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾

"انہوں نے کہا ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (تاکہ انہیں عذاب دیا جائے)[58]۔البتہ لوط (علیہ السلام) کے گھر والے اس سے مستثنیٰ ہیں ان سب کو ہم بچالیں گے[59]۔سوائے اس کی بیوی کے۔ہم نے یہ طے کر رکھا ہے کہ وہ ان لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے"[60]۔"لہٰذا جب لوط (علیہ السلام) کے گھر کے پاس ملائک آ پہنچے[61]۔تو لوط (علیہ السلام) نے فرمایا آپ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں[62]۔انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے[63]۔ہم آپ کے پاس اٹل فیصلہ لے کر آئے ہیں اور یقین جانیئے کہ ہم سچے ہیں"[64]۔

تفسیر 58,59,60 ان آیتوں میں ملائک کے دو مقاصد بیان ہوئے ہیں پہلا مقصد پتھروں کو برسانا اور (صیحہ) ایسی آواز جس سے ان کے دل پھٹ جائیں۔اور قوم لوط کی بستی کو آسمان پر اٹھا کر زمین پر واپس دے مارنا۔یہ سارے کام ان ملائک کے ذریعے سے کئے گئے تھے دوسرا مقصد یہ تھا کہ لوط علیہ السلام کے گھرانے کو بیوی کے علاوہ عذاب سے بچانا۔ فائدہ ۱: اگر مشرکین کی جانب سے یہ اعتراض آجائے کہ ملائک جب مصیبت سے نجات دے سکتے ہیں تو انبیاء کرام اور اولیاء کرام بھی دے سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ: اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ: بھی اِنَّآ اُرْسِلْنَا: عبارت کے تحت داخل ہے یعنی ہم کو ایک پیغام دینے کی ذمہ داری دی گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے کہ ہم ان کو نجات دینگے کیونکہ قانون یہ ہے کہ پیغام پہنچانے والا اپنا کلام نہیں بلکہ بھیجے جانے والے کا کلام سناتا ہے اور لفظ: قَدَّرْنَآ: اس پر واضح دلیل ہے کیونکہ کسی کام کی تقدیر بنانا ملائک کے اختیار میں نہیں ہے۔ نحوی فائدہ ۲: اس کلام میں دو استثنیٰ ہے چنانچہ دوسرا استثنیٰ پہلی والے استثنیٰ سے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ: لَهٗ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ اِلَّا اَرْبَعَةً اِلَّا دِرْهَمًا: فلاں شخص کا مجھ پر دس روپیہ ہے مگر چار روپے اور چار میں بھی ایک کم ہے مراد یہ ہے کہ تین روپیہ ہے۔لہٰذا یہ استثنیٰ من الاستثنیٰ ہے یعنی ایک مستثنیٰ میں سے دو استثنیٰ کیے گئے ہیں۔

تفسیر 61,64 یہ دلیل ہے کہ لوط علیہ السلام علم غیب نہیں جانتے تھے: بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ: اس سے عذاب مراد ہے جس کے متعلق ان کو شک تھا کہ ہم پہ عذاب نہیں آسکتا ہے یا اس سے مسئلہ توحید مراد ہے جس کے متعلق وہ شک کرتے

تھے۔ پھر کلام میں مقدر عبارت ہے یعنی: عِقَابُ مَا کَانُوْا یَمْتَرُوْنَ: یعنی جس سے یہ شک اور انکار کرتے تھے اس کا انجام۔ اور: وَاَتَیْنٰکَ بِالْحَقِّ: اس سے مراد سچی خبریں یا عذاب ہے: وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ: یہ بہت تاکید کیلئے ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

"لہٰذا آپ رات کے کسی حصے میں گھر والوں کو نکال لے جائیے اور آپ ان کے پیچھے پیچھے چلئے اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور وہیں جانے کیلئے چلتے رہے جہاں جانے کیلئے آپ کو حکم دیا جا رہا ہے" [65]۔

تفسیر 65 اس آیت میں نجات کیلئے چار اصول ذکر کئے گئے ہیں: (۱) رات کو بستی سے نکل جانا (۲) لشکر کے امیر کے پیچھے چلنا تاکہ ان کے حالات سے باخبر رہیں کہ کوئی رہ نہ جائے (۳) مڑ کر پیچھے نہ دیکھنا کیونکہ ایسا کرنے سے مقصد تک رسائی میں تاخیر آتی ہے۔ (۴) اس زمین کی طرف ہجرت کرنا جہاں کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا یعنی شام کی سرزمین۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

"اور اس طرح ہم نے اپنا پیغام لوط (علیہ السلام) تک پہنچایا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جائے گی" [66]۔ "اور شہر والے خوشی مناتے ہوئے لوط (علیہ السلام) کے پاس آ پہنچے" [67]۔

تفسیر 66 "دَابِر: میں اشارہ ہے کہ یہ عذاب چاروں طرف سے ان کا احاطہ کرے گا اور کوئی مجرم اس سے بچ نہیں سکے گا۔ اس طرح سورۃ الانعام آیت 45 میں عام قوموں کے متعلق ذکر گزر گیا ہے۔

تفسیر 67 اس سورۃ میں قصے کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے کیونکہ پہلے مہمانوں کے پیچھے لوط علیہ السلام کے قوم کے مجرمین کے آنے کا ذکر ہے پھر لوط علیہ السلام کے دفاع کا ذکر ہے اس کے بعد ملائک کی جانب سے لوط علیہ السلام کو تسلی کا پیغام دینا تھا۔ یہ واقعہ بالترتیب سورۃ ہود اور سورۃ الشعراء میں مذکور ہے۔ اس میں ایک وجہ یہ ہے کہ اس واقعے میں ایمان والوں کو خوشخبری دی ہے اسلئے اس کو پہلے ذکر کیا ہے پھر خوف دلانا مقصود تھا تو اس کو دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے اور لفظی وجہ یہ ہے: وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ: بصریوں کے نزدیک قد مقدر کے ساتھ یہ حال ہے جبکہ کوفیوں کے نزدیک بغیر قد مقدر کے بھی درست ہے اور واؤ بھی ترتیب پر دلالت نہیں کرتا ہے اس اعتبار سے معنیٰ یہ ہوا کہ شہر والے ان مہمانوں کی طرف غلط ارادے سے آئے تھے جب وہ (مہمان) لوط علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

"لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں لہٰذا مجھے رسوانہ کرنا [68]۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو" [69]۔ "کہنے لگے کیا تمہیں ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے تعلقات سے منع نہیں کیا تھا" [70]۔ "لوط (علیہ السلام) نے فرمایا اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ میری بیٹیاں (جو تمہارے نکاح میں ہیں) موجود ہیں" [71]۔ "اے نبی! تیری زندگی کی قسم وہ لوگ حقیقت میں بدمستی میں اندھے بنے ہوئے تھے" [72]۔

تفسیر 68، 69 "فَلَا تَفْضَحُوْنِ": یعنی مہمانوں کے سامنے مجھے شرمندہ مت کرو کیونکہ مہمانوں کی (بے عزتی) رسوائی گھر والوں کی رسوائی ہوتی ہے۔ "وَلَا تُخْزُوْنِ": خِزْيٌ: کسی بڑے کی بات کو نہ ماننا اس کی تذلیل ہے۔ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ": مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بات کو قبول کرو۔

تفسیر 70 یہ اس قوم کی انتہائی بے حیائی کی دلیل ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے تجھے مہمان نوازی سے منع کر رکھا ہے انہوں نے لوط علیہ السلام پہ پابندی لگائی تھی کہ تم نے کسی قسم کے مہمان اپنے پاس نہیں رکھنا یا مطلب یہ ہے کہ تجھے لوگوں کی سفارشوں سے منع کیا ہے۔

تفسیر 71 اس کی تشریح سورۃ ہود میں گزری ہے کہ بنات سے قوم کی خواتین مراد ہیں جو لوط علیہ السلام کی بیٹیوں کی طرح تھیں۔

تفسیر 72 اس میں مختلف اقوال ہیں جس میں بہتر قول یہ ہے کہ خطاب لوط علیہ السلام کو ہے یعنی سلسلہ کلام منقطع نہیں ہے یعنی اتنی نصیحتوں کے بعد بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے نشے اور جہالت میں اندھے ہیں۔ "لَعَمْرُكَ": لام برائے قسم ہے اور "عُمُرٌ" اور "عَمْرٌ" ایک جیسا ہے البتہ قسم کے وقت عین پر زبر استعمال ہوتا ہے۔ یہ قسم اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس کو کسی بھی چیز کی قسم کھانا درست ہے اور اللہ تعالیٰ کی کسی چیز پر قسم تاکید اور شہادت کیلئے ہوتی ہے جیسا کہ سورۃ یٰس کی ابتدا میں تفصیل ذکر ہوئی ہے۔ البتہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع ہیں لہٰذا نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا ترمذی کتاب النذور والایمان حدیث 1538: لہٰذا ہم اس حدیث کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے اس لیے امام مالک رحمہ اللہ سے قرطبی نے نقل کیا ہے کہ اس قسم کے موقعوں میں لفظ خالق مقدر

ہوتا ہے اور ابراہیم نخعی سے نقل ہے کہ اس قسم کی قسم کھانا بندوں کیلئے منع ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس قسم کی قسمیں کمزور لوگ اور خواتین کھاتی ہیں نیز اللہ تعالیٰ کے قول پر قیاس نہیں ہوسکتا ہے۔ فائدہ: اللہ تعالیٰ کی کسی چیز پر قسم برائے تاکید ہ شہادت ہوتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس چیز سے ڈرتا ہے نعوذ باللہ یا اس چیز سے امید رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اس مقام پر مراد یہ ہے کہ اے نبی! تیری زندگی اس قوم میں مصیبتوں اور تکلیفوں کے ساتھ گواہ ہے کہ یہ قوم جاہل اور اندھی ہے۔ انسانوں کی قسم کسی چیز پر یا تو اس لئے ہوتی ہے کہ اس سے خوف کھاتے ہیں یا فائدے کی امید رکھتے ہیں اور عقیدہ اس طرح رکھنا ذات باری تعالیٰ کیلئے خاص ہے اس لئے غیر اللہ کی قسم کو حدیث میں شرک کہا گیا ہے (ترمذی ،نسائی، دارمی، مسند احمد، ابو داؤد، سلسلة الصحيحة 95/1 غاية المرام 259 قال الباني حديث صحيح): سَكْرَتِهِمْ: اس سے انکی گمراہی مراد ہے۔ يَعْمَهُونَ: زندگی کے اصل مقاصد سے غافل رہ کر سرگرداں اور پریشان رہنا مراد ہے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ۝

"چنانچہ سورج نکلتے ہی انکو چنگھاڑ نے پکڑ لیا |73|۔ پھر ہم نے اس زمین کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور ان پر پکی مٹی کے پتھروں کی بارش برسا دی" |74|۔ "حقیقت یہ ہے کہ اس واقعہ میں ان لوگوں کیلئے بڑی نشانیاں جو عبرت کی نگاہ رکھتے ہوں" |75|۔

تفسیر 74,73 ان آیتوں میں اس قوم پر تین قسم کے عذاب بھیجنے کا ذکر ہے۔ سوال: سورۃ ہود میں ان کے عذاب کا وقت صبح بتایا ہے۔ جواب: عذاب کی ابتداء صبح سے ہوئی اور طلوع آفتاب پر ان کا معاملہ مکمل ہوا: وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ: واؤ برائے ترتیب نہیں ہے لہٰذا پہلے پتھروں کی بارش ان پر برسائی گئی اور پھر بستی کو الٹ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بھی کوئی بعید نہیں ہے کہ الٹ دی گئی بستی پر اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی بارش برسائی ہو۔ سورۃ ہود میں اس طرح گزر چکا ہے۔

تفسیر 75 "لِلْمُتَوَسِّمِينَ: یہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کو علامات سے نظر ڈالتے ہیں اور اس میں فکر کرتے ہوں۔ چونکہ اس علاقہ میں عذاب کے بعد علامات باقی رہ گئیں اس لئے ان کو: مُتَوَسِّمِينَ: ذکر کیا ہے اور فکر کرنے سے عبرتیں بہت حاصل ہوتی ہیں اس لیے آیات کو جمع ذکر کیا ہے۔

وَاِنَّهُمَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا
مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾

"اور یہ بستیاں ایک ایسے راستے پر واقع ہیں جس پر لوگ مستقل چلتے رہتے ہیں"[76]۔"یقیناً اس میں ایمان والوں کیلئے بڑی عبرت ہے"[77]۔"اور ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے"[78]۔"چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان دونوں قوموں کی بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں"[79]۔

تفسیر 76"لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ :اس سے وہ راستہ مراد ہے جو حجاز سے بحر میت کے راستے میں شام (سوریا) کی طرف گیا ہے۔ اس کا تذکرہ سورۃ الصافات آیت 73 میں بھی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ امام مبین یعنی بڑے راستے سے الگ ہوا ہے اسلئے اس کو الگ ذکر کیا ہے۔ پھر دونوں کو امام مبین میں ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر 77 ایمان والوں کیلئے ایک ہی آیت کافی ہوتی ہے اسلئے مفرد ذکر کیا ہے اور آیت سے دلیل مراد ہے کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

تفسیر 78 اس میں عذاب کا دوسرا نمونہ ذکر ہوا ہے یہ شعیب علیہ السلام کی قوم ہے اور جہاں درختوں کی کثرت ہو اس جگہ کو: اَلْاَيْكَةِ: کہتے ہیں جیسے جنگل وغیرہ۔ اس قوم کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں ان میں سے بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد قوم شعیب ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم اہل مدین ہلاک ہوئی تو انکی ہلاکت کے بعد سیدنا شعیب علیہ السلام کو ایکہ والوں کی جانب بھیجا گیا اور اس قوم پر یوم ظلہ کا عذاب آیا تھا جو سورۃ الشعراء آیت 189 میں ذکر ہوا ہے اور چونکہ شعیب علیہ السلام مدین والوں میں سے تھے اس لیے ان کے بارے میں: اَخُوْهُمْ: کہا گیا ہے اور ایکہ والوں کے جنس ونسب میں سے نہیں تھے اسلئے وہاں: اَخُوْهُمْ: نہیں فرمایا۔ دیکھئے سورۃ الشعراء آیت 186 تا 189: لَظٰلِمِيْنَ: ان کے مظالم کا ذکر سورۃ اعراف، شعراء اور ھود میں ہوا ہے: وَاِنْ كَانَ: اس میں ان مخفف عن المثقل ہے تو اصل میں: اِنَّهٗ: ہے۔

تفسیر 79 "لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ: امام سے شاہراہ عام مراد ہے جہاں سے لوگوں کا گزر زیادہ ہوتا ہو۔ قوم لوط علیہ السلام اور قوم شعیب علیہ السلام کی بستیاں مکہ والوں کے راستہ میں واقع تھیں جب مکہ والے شام کی طرف سفر کرتے تو ان بستیوں کا مشاہدہ کرتے تھے۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ﴿80﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ﴿81﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۙ﴿83﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾

"حجر کے باشندوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا" [80]۔ "اور ان کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے منہ موڑتے رہے" [81]۔ "اور وہ پہاڑوں کو تراش کر بلا خوف وخطر گھر تعمیر کرتے تھے" [82]۔ "آخر کار صبح صبح ایک چنگھاڑ نے انکو پکڑ لیا" [83]۔ "اور یہ نتیجہ ہوا کہ جس ہنر سے وہ کمائی کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہیں آیا" [84]۔

تفسیر 80 اس آیت میں عذاب کا تیسرا نمونہ ذکر ہے جو قوم صالح علیہ السلام کے متعلق اور اب بھی مدائن صالح کے نام سے وہ علاقہ معروف و مشہور ہے جو کہ مدینہ اور تبوک کے درمیان میں واقع ہے۔ حجر کے مختلف معنی ہیں یہاں پر ثمودیوں کا مرکزی شہر مراد ہے: وَلَقَدْ كَذَّبَ: اس لفظ میں سب عذاب ذکر ہو رہا ہے: اَلْمُرْسَلِيْنَ: ایک نبی کو جھٹلانا سب کو جھٹلانے کے مساوی ہے۔

تفسیر 81 "اٰيٰتِنَا: اس کو جمع اسلئے ذکر کیا ہے کہ اونٹنی میں کئی نشانیاں تھیں: (۱) پتھر کی چٹان سے زندہ اونٹنی کا نکل آنا (۲) جلد ہی بچہ کا پیدا کرنا (۳) کثرت سے قوم کے مقابل پانی پی جانا (۴) کثرت سے دودھ دینا (۵) وجود ضخیم بھاری ہونا یا مراد یہ ہے کہ اس اونٹنی کے علاوہ بھی نشانیاں و معجزات دیئے اگرچہ وہ ہمارے سامنے بیان نہیں ہوئی ہیں۔

تفسیر 82 اس میں ان کی دنیا پرستی کی طرف اشارہ ہے: اٰمِنِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ عذاب الٰہی سے ذرہ برابر بھی نہیں ڈرتے تھے۔

تفسیر 83 اکثر صبح کے وقت مجرم لوگ غفلت کی نیند سوتے ہیں تو اس وقت اچانک عذاب آتا ہے۔

تفسیر 84 "مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ: یعنی جو انہوں نے پختہ مضبوط مکانات بنائے تھے اور مضبوط قسم کے قلعے ان کو نہ بچا سکے یا مراد یہ ہے کہ ان کے شرکیہ اعمال عبادت غیر اللہ اور غیر اللہ کی نذریں شکرانے، نبیوں کی تکذیب اور اونٹنی کا قتل وغیرہ ان کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکا۔ اسی طرح سورۃ ھود 101 اور سورۃ احقاف آیت 28،26 میں ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝

"اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کو صرف اظہار حق کیلئے پیدا کیا ہے اور قیامت کی گھڑی آکر رہے گی لہٰذا ان کافروں کے طرز عمل پر درگزر سے کام لو" [85]۔

تفسیر 85 یہ گزشتہ اقوام کے عذاب کے لیے علت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین عدل وانصاف کے لیے بنائے تھے اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ مجرم کو اس کی سزا ملے اور حق یہاں عدل کے معنیٰ میں ہے اور یہ عذاب صرف دنیاوی نہیں بلکہ آگے فرمایا کہ: وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ: یا پھر حق سے توحید مراد ہے تو مقصد یہ ہے کہ سارے موجودات اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہیں تو لوگ کیوں اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس آیت میں مبلغ کیلئے دس آداب کا ذکر ہے اس آیت میں پہلا ادب ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کو تسلی بھی دی جارہی ہے: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ: پہلا ادب صفح جمیل ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ کیلئے کسی سے اعراض کیا جائے اور اس میں دنیا کا کوئی لالچ و مقصد نہ ہو اس طرح سورۃ مزمل آیت 10 میں بھی ہے اس میں اصل مراد یہ ہے کہ اپنے حقوق میں ان سے معافی کرتے ہوئے درگزر کرو اور مشرکین سے برأت کرو لہٰذا یہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ مشرکین سے تو برأت ہر وقت فرض ہے تو اس میں منسوخیت ہو نہیں سکتی ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝

"بلا شبہ تمہارا رب سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب کو جاننے والا ہے" [86]۔ "اور ہم نے تمہیں سات ایسی آیتیں دی ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطاء کیا ہے" [87]۔

تفسیر 86 یہ سابقہ جملے کیلئے دلیل ہے یعنی: وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کا خالق ہونا اور ہر چیز کا علم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوبارہ زندگی عطاء کرنا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

تفسیر 87 یہ فَاصْفَحْ: کیلئے علت ہے اور: لَا تَمُدَّنَّ: کیلئے بھی یعنی قرآن والوں کیلئے لازم ہے کہ مشرکین کی کوئی پرواہ نہ رکھیں: سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ: اس میں مختلف اقوال ہیں جن میں بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جیسا کہ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4704 کی مرفوع حدیث بروایت ابوسعید بن معلی میں ذکر ہوا ہے) (اس کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کی تلاوت ہوتی ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اس سورۃ کا عنوان و موضوع قرآن مجید میں بار بار مختلف سورتوں میں دہرایا جاتا ہے: وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ: اس سے بھی سورۃ فاتحہ ہی مراد ہے اور یہی

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اس سورۃ میں قرآن مجید کے بڑے بڑے مضامین ذکر ہوئے ہیں۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

"اور تم ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کیلئے دے رکھی ہیں اور ان پر غمزدہ بھی نہ ہو اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے اپنی شفقت کا بازو بچھا دو" [88]۔

تفسیر 88 اس آیت میں مبلغ کیلئے تین آداب کا ذکر ہے پہلا ادب یہ ہے کہ دنیا کی چیزوں اور دنیا داروں کی طرف میلان مت کرو: لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ: اس میں کنایہ ہے کہ حرص کی نظر سے لوگوں کے مال و دولت کو مت دیکھو؛ أَزْوَاجًا: ان کو ازواج کہا جاتا ہے جو مالداری میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں۔ سورۃ طٰہٰ آیت 131 میں بھی اسی طرح ہے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ: اگر یہ دنیا پرست مشرکین ایمان نہیں لاتے ہیں تو آپ پریشان مت ہونا۔ اس سے مراد وہ غم و حزن ہے جو انسان کے دعوت و تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کریں یعنی پریشانی سے تیرا دل اتنا تنگ ہو کہ دعوت چھوڑ جاؤ۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ ایمان والوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آنا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ: یعنی جس طرح مرغی اپنے بچوں کی محبت میں پر پھیلا کر ان کو اپنی آغوش میں لے کر چھپا دیتی ہے اس طرح تم اپنے ساتھیوں کیلئے نرم گوشہ ہو جاؤ۔ سورۃ الشعراء آیت 215 میں بھی اسی طرح ہے۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾

"اور کفر کرنے والوں کو متنبہ کرو کہ میں تو کھلے الفاظ میں ڈرانے والا ہوں" [89]۔ "یہ (تنبیہ قرآن عظیم کے ذریعے اسی طرح نازل کی گئی ہے) جیسا ہم نے ان تفرقہ کرنے والوں پر نازل کی تھی" [90]۔

تفسیر 89 اس آیت میں دوسرے ادب کا ذکر ہے: الْمُبِينُ: سے مراد یہ ہے کہ دین کے بیان میں کسی کی رعایت نہیں کرتا ہوں بلکہ کھول کر حق بیان کرتا ہوں۔

تفسیر 90 اس آیت میں تخویف دنیوی کی ایک مثال دی ہے جو مکہ کے لوگوں پر آئی تھی آیت میں مقصود یہ ہے کہ تمہیں اس عذاب سے ڈراتے ہیں جو ہم نے: مُقْتَسِمِينَ: پر نازل کیا تھا۔ اس میں مختلف اقوال ہیں جس میں افضل (راجح) قول یہ ہے کہ یہ سولہ افراد تھے جن کو ولید بن مغیرہ نے موسم حج کیلئے مقرر کیا تھا ان کا کام یہ تھا کہ مکہ کے مختلف راستوں میں لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیروی مت کرو ان پر اللہ نے عذاب نازل کیا۔ ان کو مُقْتَسِمِينَ: اس لئے کہا گیا

۔انہوں نے مکہ کے راستوں کو تقسیم کیا تھا۔دوسرا معنی یہ ہے کہ انہوں نے محمد ﷺ کی مخالفت کی قسمیں کھائی تھیں۔

الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

"جنہوں نے اپنی کتاب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے"[91]۔"لہٰذا تمہارے رب کی قسم ہم ایک ایک کر کے ان سب سے پوچھیں گے[92]۔کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے"[93]۔

تفسیر 91 ٹکڑے کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ اپنی مرضی کے مسائل اس میں سے مانتے ہیں اور باقی قرآن سے انکار کر دیتے ہیں یا ٹکڑے کرنے کا یہ معنیٰ ہیں کہ اس پر مختلف فتوے داغتے ہیں کبھی سحر قرار دیتے ہیں تو کبھی شعر تو کبھی کہانت قرار دے کر جان چھڑا لیتے ہیں۔

تفسیر 92 سورۃ الاعراف کی آیت 6 کے مطابق صحیح بات یہ ہے کہ تمام امتوں اور ان کے نبیوں سے روز قیامت سوالات ہونگے جو ان کے اقوال اور افعال دونوں کے متعلق ہونگے۔فائدہ ۱: اگر اعتراض کیا جائے کہ سورۃ قصص آیت 78، سورۃ رحمٰن آیت 39 میں تو ذکر ہے کہ ان سے سوالات ہی نہیں ہونگے لہٰذا یہ تو بظاہر تعارض ہے؟ اس سوال کے چار جوابات دیئے جا چکے ہیں۔ پہلا طریقہ: یہ ہے کہ ایک عمل کرنا اور نہ کرنا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ عمل کا باعث کیا ہے لہٰذا پہلے والی بات کا سوال نہیں ہوگا البتہ دوسری بات کا سوال ہوگا۔ دوسرا طریقہ: سوال دو طریقوں سے ہے پہلا یہ کہ معلومات کیلئے پوچھا جاتا ہے دوسرا یہ کہ ڈانٹنے کیلئے سوال کیا جائے لہٰذا پہلی قسم کی تو ضرورت نہیں اور دوسری قسم ہوگی۔ **تیسرا طریقہ:** قیامت میں مختلف مقامات ہیں بعض مقامات میں سوالات ہونگے اور بعض میں نہیں ہونگے یہ جوابات امام خازن رحمہ اللہ نے ذکر کئے ہیں۔ چوتھا طریقہ: سورۃ رحمٰن اور قصص میں بات یہ ہے کہ ایک شخص سے دوسرے فرد کے گناہ کا نہیں پوچھا جائیگا جبکہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ ہر شخص سے اس کے عمل کا سوال ہوگا۔ فائدہ ۲: سوال بنسبت حساب کے عموم ہے سوال ہر بندے سے ہوگا اور حساب ہر ایک کی نہیں ہوگا بلا حساب جنت میں جائیں گے۔جبکہ سوال عام ہے جو ہر بندے سے ہوگا۔
فائدہ ۳: يَعْمَلُوْنَ: میں اشارہ ہے کہ صرف قول کا اعتبار نہیں ہے بلکہ عمل ضروری ہے جبکہ قول کے متعلق بھی سوال ہوگا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٤﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿٩٥﴾

"لہٰذا جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسے علی الاعلان لوگوں کو بیان کرو (پھر بھی) جو لوگ شرک کریں ان کی پرواہ مت کرو" [94]۔

تفسیر 94 اس میں مبلغ کیلئے دو آداب کا ذکر ہے: فَاصْدَعْ: ایک معنی یہ ہے کہ وہ مسئلہ خوب وضاحت سے بیان کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ مشرکین کے دلوں کو مسئلہ توحید کے بیان سے پھیر دو۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ توحید کو اس انداز میں بیان کرو کہ مشرکین کے گروہوں کو تہس نہس کر دو۔ دوسرا ادب یہ ہے: وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ: مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے لعن طعن اور مقابلوں کی پرواہ مت کرو۔

"یقین رکھو کہ ہم تمہاری طرف سے ان لوگوں کیلئے کافی ہیں جو تمہارا مذاق اڑاتے ہیں" [95]۔

تفسیر 95 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اس میں تخویف دنیاوی کے عذاب کا ایک اور نمونہ ہے۔ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ: یہ مشرکین مکہ میں سے پانچ افراد تھے ان کو جنگ بدر میں یا اس کے علاوہ ہلاک کیا گیا تھا جس کی تفصیل تفسیر خازن میں مذکور ہے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾

"جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا رکھے ہیں لہٰذا عنقریب ان کو پتہ چل جائے گا" [96]۔

تفسیر 96 اس میں استہزاء کے سبب کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ توحید الوہیت میں شرک کرتے تھے اسلئے نبی کریم ﷺ کا مذاق اڑاتے تھے کہ وہ اس کے برخلاف توحید کی طرف دعوت دے رہے تھے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾

"یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو باتیں یہ بناتے ہیں ان سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے" [97]۔

تفسیر 97 اس میں نبی ﷺ کو دی گئی تسلی ہے اور دل تنگی ایک طبعی امر ہے

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

"لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ تم اپنے رب کی حمد کرتے رہو اور اس کی تسبیح بیان کرتے رہنا اور سجدہ بجالانے والوں میں شامل رہو [98]۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تجھ پر وہ وقت آجائے جس کا آنا یقینی ہے" [99]۔

تفسیر 99,98 ان آیتوں میں دل کی تنگی کا علاج ذکر ہوا ہے اور اس میں مبلغ کیلئے تین آداب بیان کئے گئے ہیں اور اس میں سورۃ کے اختتام پر توحید کا اعادہ ہے: اَلْيَقِيْنُ: اس سے مراد موت ہے جیسا کہ سورۃ مدثر آیت 47 میں مذکور ہے اور حدیث عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی آیا ہے کہ: فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ: (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1243، 3929، احمد 436/6) موت کو یقین اس لئے کہا گیا ہے کہ ہر نفس پر اس کا آنا اتفاقی مسئلہ ہے۔ فائدہ: صوفیاء ملحدین نے اس سے معرفت الٰہی مراد لی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسان جب عبادت کے مراحل طے کرتے ہوئے معرفت کے اس درجے تک پہنچ جاتا ہے تو اس سے عبادت ساقط ہو جاتی ہے اور عبادت کرنا اس کیلئے معاف ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ شمار نہیں ہوتا مگر یہ نظریہ بعض وجوہات کی بناء پر کفر، جہالت اور ضلالت پر مبنی ہے۔ پہلی وجہ: انبیائے کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام کامل اولیاء تھے مگر موت تک عبادت کرتے رہے۔ دوسری وجہ: یقین سے قبل شک کا مرتبہ ہوتا ہے اور مرتبہ شک میں کوئی عبادت جائز نہیں کیونکہ عبادت کی بنیاد نیت پر مبنی ہے جبکہ نیت اور شک دو متضاد چیزیں ہیں۔ تیسری وجہ: قرآن، صحیح حدیث اور اقوال سلف صالحین سے اس مقام پر تفسیر ثابت ہے کہ یقین سے موت مراد ہے اور جو کوئی تفسیر صحیح حدیث اور سلف کے اقوال کی مخالف ہو وہ تحریف شمار ہوتی ہے اور قرآن میں تحریف کفر ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں ان پر خوب رد کیا ہے۔

سورۃ الحجر کی خصوصیات:

۱۔ مشرکین آخرت میں توحید ماننے کا ارمان کریں گے۔

۲۔ قرآن مجید کی حفاظت باری تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

۳۔ آدم علیہ السلام و جان یعنی ابوالجن کے مادے کا ذکر ہے۔

۴۔ عرب کے دو جھٹلانے والے فرقوں کا ذکر۔

۵۔ داعی حق کے لئے آداب کا ذکر۔

الحمد للہ سورۃ حجر کی تفسیر مکمل ہوئی

ركوعاتها ١٦ | ١٦ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ٧٠ | اٰياتها ١٢٨

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کی مدد سے ابتداء کرتا ہوں جو رحمٰن اور رحیم ہے۔

ربط: اس سورۃ کا سورۃ حجر سے ربط یہ ہے کہ اس سورۃ میں منکرین کیلئے وعید تھی تو گزشتہ سورۃ میں مشرکین کے عذر باطل پر رد ہے۔ اس طرح سورۃ حجر میں کفار کو عذاب کی وعید دی تھی اب اس سورۃ میں سبب عذاب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ سورۃ کا عنوان (دعویٰ): مشرکین کے استدلال پر رد ہے کہ انہوں نے مشیت الٰہی کو دلیل بنایا تھا کہ ہمارے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ راضی ہے جیسا کہ آیت 25 میں ہے اور دس طریقوں سے اس پر رد کیا ہے۔ پہلا طریقہ: چار مختلف قسم کے 26 عقلی دلائل سے ان پر رد ہے۔ پہلی قسم میں 13 دلائل ہیں جو بڑی بڑی چیزوں کی پیدائش کے تذکرے پر مبنی ہیں۔ دوسری قسم کے تین عقلی دلائل ہیں جن میں تمام چیزوں کا انقیاد اور عاجزی اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوتی ہے۔ تیسری قسم چھ عقلی دلائل ہیں جن میں منافع بخش چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہے۔ چوتھی قسم وہ عقلی دلائل جن میں بڑی نعمتوں کا ذکر ہے۔ دوسرا طریقہ: شرک کی تمام اقسام پر رد ہے یعنی رد شرک فی العلم، فی التصرف، فی الدعاء فی التحلیل والتحریم وفی العبادات۔ تیسرا طریقہ: آیت 36 میں شرک پر رد کیا ہے دلیل نقلی کے ذریعے جو تمام نبیوں کی طرف سے ہے نیز ابراہیم علیہ السلام سے آیت 120 میں رد شرک کی نقلی دلیل بیان ہوئی ہے۔ چوتھا طریقہ: مشرکین پر تین مثالوں کے ذریعے رد کیا ہے۔ پانچواں طریقہ: مشرکین کے اوپر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر آیت 112 میں ہوا ہے۔ چھٹا طریقہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی تکمیل کی ترغیب ہے کہ توحید قائم کرکے وفاداری سے عہد کو نبھالو۔ نیز نقض عہد پر وعید سنائی ہے۔ ساتواں طریقہ: آیت 51 میں شرک کا رد دلیل وحی کے ذریعے سے کیا ہے۔ آٹھواں طریقہ: توحید کے عنوان کو مختلف تعبیرات کے ساتھ دہرایا ہے۔ نواں طریقہ: گیارہ اسماء حسنیٰ ذکر کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ دسواں طریقہ: آیت 86 میں روز قیامت اہل شرک شرکاء سے بیزاری کا اعلان ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ کا خلاصہ اس طرح ہے کہ اس میں سات ابواب ہیں پہلا باب پہلی آیت سے 34 تک ہے اس میں پہلے سورۃ کا عنوان یعنی دعویٰ ذکر کیا گیا ہے۔ پھر آیت 3 سے 14 تک، 13 عقلی دلائل ذکر کئے گئے ہیں جن میں تیں بڑی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے۔ پھر آیت 17 سے 22 تک رد شرک فی العلم، فی التصرف اور فی الدعاء ہے اور اثبات توحید

کی تشریح اور توضیح ہے۔ پھر آیت 24 میں منکر قرآن کیلئے وعید ہے اور آیت 25 میں اور 27، 28، 29 میں بھی تخویف اخروی اور آیت 26 اور 33، 34 میں تخویف دنیوی اور آیت 30، 31، 32 میں بشارت یعنی خوشخبری ہے۔

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١﴾

"اللہ تعالیٰ کا حکم آن پہنچا ہے لہٰذا اس پر جلدی مت کرو یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے" [1]۔

تفسیر 1 "أَمْرُ اللهِ: سے شرک کی وجہ سے دنیاوی عذاب مراد ہے یا قیامت یا اللہ تعالیٰ کی توحید مراد ہے جو آخری جملے میں ذکر ہے۔ یا اس سے قرآن مراد ہے اور آخری دو تفسیروں کی مناسبت سے: فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ: کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے انکار پر جلدی مت کرو یعنی قرآن کے اس مسئلہ یعنی مسئلہ توحید سے انکار مت کرو بلکہ غور و فکر کرو جب: أَمْرُ اللهِ سے قرآن مراد ہو تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے مضامین میں غور کرو: سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ: اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ﴿٢﴾

"وہ اپنے حکم سے ملائک کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے بھیجتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ جو اس نے اتاری ہے یہ کہ لوگوں کو آگاہ کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو کسی اور سے نہیں" [2]۔

تفسیر 2 یہ دلیل وحی ہے: بِالرُّوحِ: روح سے مراد وحی ہے اور مسئلہ توحید کا بیان ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مسئلہ توحید اللہ تعالیٰ نے ملائک کے ذریعے بھیجا ہے اور اس کی تبلیغ فرض کی گئی ہے اُن دلائل کی وجہ سے اور اس طریقے کے مطابق جو اس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے: أَنْ أَنذِرُوا: یہ روح سے بدل اشتمال ہے اور إِنَّهُ: انذار کیلئے تفسیر ہے۔

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣﴾

"اس نے آسمانوں اور زمین کو اظہار حق کیلئے پیدا کیا ہے جو یہ لوگ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں اس سے بہت ہی بلند و بالا ہے" [3]۔

تفسیر 3 یہ پہلی دلیل ہے: خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ: حق سے اظہار توحید یا حکمت مراد ہے: تَعَالَىٰ عَمَّا

یُشۡرِكُوۡنَ: پہلی آیت میں عذاب کا ذکر تھا جو ایک حیثیت میں تو نقصان کا سبب ہے تاہم دوسری حیثیت سے وہ قدرت باری تعالی کا اظہار بھی ہے تو پہلی حیثیت میں :سُبۡحٰنَهٗ: اور دوسری حیثیت میں :تَعٰلٰی: مناسب ہیں ۔ اس آیت میں صرف دنیا کی پیدائش ذکر کی گئی ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالی کے علو یعنی بلندی پر دلالت کرتی ہے۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ۝۴

"اس نے انسان کو نطفے سے پیدا کیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلم کھلا جھگڑے پر اتر آیا" [4]۔

تفسیر 4 یہ دوسری دلیل ہے جس میں زجر بھی ہے اور اس طرح سورۃ یٰس آیت 77 میں بھی ہے البتہ وہاں انکار قیامت کے حوالے سے انکا جھگڑا ہے اور یہاں پر توحید کے حوالے سے ہے۔

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَـكُمۡ فِيۡهَا دِفۡءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۝۵

"اور چوپائے اسی نے پیدا کئے جن میں تمہارے لئے سردی سے بچاؤ کا سامان اور دیگر فوائد ہیں اور انہیں میں سے تم کھاتے ہو" [5]۔

تفسیر 5 جب مکان اور مکین کا ذکر ہو گیا تو اب ان چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہے جن کی طرف بندہ زندگی گزارنے میں محتاج ہے اور یہ تیسری عقلی دلیل ہے :دِفۡءٌ: اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے انسان سردی سے بچاؤ حاصل کرتا ہے یعنی گرم لباس پہن کر سردی سے بچاؤ کا سامان کرتا ہے۔ بکریوں، اونٹوں اور مینڈھوں کے اون بالوں سے اور چمڑوں سے یہ چیزیں بنائی جاتی ہیں جبکہ گوشت، دودھ اور بچوں کی پیدائش اور افزائش نسل کی طرف لفظ :وَمَنَافِعُ: میں اشارہ ہے۔

وَلَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ حِيۡنَ تُرِيۡحُوۡنَ وَحِيۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۝۶

"اور جب تم (ان مویشیوں کو) شام کے وقت گھر میں واپس لاتے ہو اور جب انہیں صبح چرانے لے جاتے ہو ان میں تمہارے لئے ایک خوشنما منظر ہوتا ہے" [6]۔

تفسیر 6 یہ چوتھی عقلی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم جانوروں کو صحراؤں میں چرانے کیلئے لے جاتے ہو تو ایک اچھا منظر ہوتا ہے اس میں شام کی واپسی :تُرِيۡحُوۡنَ: مقدم ذکر کیا ہے سبب یہ ہے کہ واپسی میں جانور کھا پی کر بہت زیادہ خوشنما لگتے ہیں اس لیئے خوبصورتی کی وجہ سے شام کی واپسی کے منظر کو پہلے بیان کیا۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

"اور یہ تمہارے بوجھ لاد کر ایسے شہر تک لے جاتے ہیں جہاں جان تکلیف میں ڈالے بغیر نہیں لے جا سکتے بو حقیقت یہ ہے تمہارا رب بہت ہی شفیق اور بڑا مہربان ہے" [7]۔

تفسیر 7 اس میں پانچویں عقلی دلیل ہے اس میں بوجھ اٹھا کر لے جانے والے جانوروں کے فائدوں کا ذکر ہے کہ ان کی وجہ سے انسان بوجھ اٹھانے کے مشقت سے بچ جاتا ہے اسلئے آیت کا اختتام: لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ: پر کیا ہے: إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ: یعنی ان شہروں اور بستیوں میں بغیر وزن اٹھانے بھی تم نہیں پہنچ سکتے مگر بہت مشقت کے ساتھ۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

"اور گھوڑے خچر گدھے اسی نے پیدا کئے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ زینت کا سامان بنیں اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم بھی نہیں" [8]۔

تفسیر 8 یہ چھٹی دلیل اور اس میں حیوانات کی تین قسمیں ذکر ہوئی ہیں اور ان کے دو بڑے فائدوں کا ذکر ہوا ہے ایک فائدہ سواری کا ہے دوسرا فائدہ زینت کا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ دنیا کی چیزوں پر شریعت کے موافق زینت اختیار کرنا جائز ہے اور ان کے گوشت کا ذکر نہیں کیا ہے وجہ یہ ہے کہ گدھا اور خچر تو بالاتفاق حرام ہے اور گھوڑے میں علماء کا اختلاف منقول ہے مگر قوی دلائل کی بناء پر گھوڑے کا گوشت حلال ہے (متفق علیہ نیز اکثر کتب حدیث میں گھوڑے کی حلت کا ذکر ہے بلکہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو کھلایا ہے): وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ: اس میں ان حشرات اور جانوروں کی طرف اشارہ ہے جو سمندر یا خشکی میں ہوتے ہیں اور انسانوں نے ابھی تک انہیں نہیں دیکھا۔ نیز اس میں علم کلی کی نفی کی دلیل ہے کہ مخلوق میں کسی کے پاس خشکی اور تری کا علم نہیں: لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً: چونکہ سواری کبھی کبھار ہوتی ہے اس کو فعل کے صیغہ سے ذکر کیا ہے اور زینت تو ہر وقت ہوتی ہے تو اس کو مصدر سے ذکر کیا ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾

"اور سیدھا راستہ دکھانے کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے اور بہت سے راستے ٹیڑھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے راستے پر پہنچا دیتا" [9]۔

تفسیر 9: اس آیت میں دلائل حق کے راستے کے رہنمائی بیان کرتے ہیں مگر ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے فوائد کی طرف اشارہ ہے صرف دلائل کی بنیاد پر نہیں: وَمِنْهَا جَآئِرٌ: ایک معنی اس کا یہ ہے کہ بعض راستے حق راستے سے ٹیڑھے ہیں جائز طریق کیلئے صفت ہے یعنی طریق مقدر کیلئے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ حق کے راستے سے ٹیڑھے چلتے ہیں، تو اس صورت میں مبتدا محذوف ہے یعنی: مِنْهَا قَوْمٌ جَائِرٌ:

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿١٠﴾

"وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جس سے تمہیں پینے کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور اس سے وہ درخت لگتے ہیں جن میں تم مویشیوں کو چراتے ہو" [10]۔

تفسیر 10: یہ ساتویں دلیل ہے اس میں اشارہ ہے کہ بارش کا پانی اکثر پینے کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ الفرقان آیت 49،48 میں ہے جبکہ زمین یعنی سمندر کا پانی کم لوگ استعمال کرتے ہیں یعنی فلٹر کر کے استعمال کرتے ہیں۔

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○

"اسی سے تمہارے لئے کھیتیاں، زیتون کے درخت، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سب باتوں میں ان لوگوں کیلئے بڑی نشانی ہے جو سوچتے سمجھتے ہیں" [11]۔

تفسیر 11: یہ آٹھویں دلیل ہے جس میں چار اقسام کے نباتات کا تفصیلاً اور دیگر کا اجمالاً ذکر ہوا ہے: زَرْعٌ: میں غذا ہے اور زَيْتُونَ: میں تیل ہے کھجور میں پھل اور غذا دونوں ہیں اور انگور میں دوا (علاج) اور پھل دونوں ہیں ان سب میں بے شمار فائدے ہیں اس لیے ان کیلئے تفکر کو ضروری قرار دیا ہے: لَآيَةً: یہ مفرد مگر جمع کے معنی میں ہے یعنی بہت نشانیاں ہیں چونکہ ان کا فائدہ ایک صفت میں جمع ہے جو کہ اکل اور شرب ہے یعنی کھانا پینا تو اسلئے مفرد کر دیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

"اس نے دن اور رات کو اور سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اس کے حکم پر کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان باتوں میں ان لوگوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیں" [12]۔

تفسیر 12 یہ نویں دلیل ہے: مُسَخَّرَ: ہونے کا معنی یہ ہے کہ ان چیزوں کو اللہ نے اپنے حکم کا پابند کیا ہے انسان کے فائدے کیلئے اور ستاروں کے مسخر ہونے کا علم اور فائدے لوگ نہیں جانتے: لَاٰيٰتٍ: چونکہ فائدے اس کی الگ قسموں پر مشتمل تھا اسلئے جمع ذکر کیا ہے اور اس کے فائدے عقل سے معلوم ہوتے ہیں گہرا فہم و عقل استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے: يَعْقِلُوْنَ: فرمایا ہے۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

"اسی طرح رنگ برنگ کی وہ ساری چیزیں جو اس نے تمہارے لئے زمین میں پھیلا رکھی ہیں وہ بھی اس کی حکم سے کام پر لگے ہوئے ہیں یقیناً ان سب میں ان لوگوں کیلئے نشانی ہے جو سبق حاصل کرتے ہیں" [13]۔

تفسیر 13 یہ دسویں دلیل ہے اور یہ گزشتہ آیت میں اللیل پر عطف ہے اور اس آیت کی تفصیل سورۃ فاطر آیت 27، 28 میں کرے ہے چونکہ رنگوں کا اختلاف امر واحد ہے اسلئے: لَاٰيَةً: واحد صیغہ لایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

"اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے وہ زیورات نکالو جو تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ اس میں کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر گزار بنو" [14]۔

تفسیر 14 اس میں گیارہویں دلیل ہے۔ سابقہ آیتوں میں خشکی کے فائدے بیان ہوئے ہیں تو اس آیت میں سمندر کے فائدوں کا ذکر ہو رہا ہے اور اس آیت میں پانچ فائدے بیان ہوئے ہیں سمندر کو تابع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ اس میں کشتیاں چلائیں اور اس میں تیراکی کرتے ہوئے مختلف طریقوں سے فائدے اٹھائیں: حِلْيَةً: سے مراد: اَللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ: ہے۔ جیسا کہ سورۃ رحمان آیت 22 میں ذکر ہوا ہے اس کے علاوہ سمندر میں

سیپیاں وغیرہ ہیں جو خواتین ہاروں میں استعمال کرتی ہیں۔

وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾

"اور اس نے زمین پر مضبوط پہاڑوں کے لنگر ڈال دیے ہیں تاکہ وہ تمہیں لیکر ڈگمگائے نہیں اور دریا اور راستے بنائے ہیں تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو" [15]۔

تفسیر 15 اس میں بارہویں دلیل ذکر ہے: أَن تَمِيدَ بِكُمْ: مراد یہ ہے کہ زمین میں اگر بھونچال اور ڈگمگاہٹ ہوگی تو اس پر زندگی گزارنا مشکل ہوگا۔ لغت عربی میں (مید) کا معنی ہے مختلف سمتوں سے حرکت میں آنا یعنی گھومتے رہنا۔ اس میں لفظ: مَخَافَةً: بصریوں کے نزدیک اور لفظ: لِئَلَّا: کوفیوں کے نزدیک مقدر ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ: اس کا تعلق سبل سے ہے یا تینوں سے متعلق ہے کیونکہ پہاڑوں اور نہروں سے مختلف ممالک اور جغرافیائی حدود معلوم ہوتے ہیں اسی طرح سورۃ انبیاء آیت ۳۱ میں بھی ہے۔

وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾

"اور (راستوں کی پہچان کیلئے) بہت علامتیں بنائی ہیں اور ستاروں سے بھی لوگ راستے معلوم کرتے ہیں" [16]۔

تفسیر 16 اس میں تیرہویں دلیل ہے۔ علامات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو راستوں میں ہوتی ہیں اور ان کے ذریعے منزل مقصود تک بندہ پہنچتا ہے یا علامات سے مراد پہاڑ ہیں یعنی مختلف پہاڑوں کو مختلف ملکوں کیلئے بطور نشانی علامت بنایا ہیں اور نجم سے جدی اور فرقدین ستارے مراد ہے جو سمتوں کی معلومات اور قبلے کے معلوم کرنے کیلئے ذریعہ ہے۔

أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾

"اب تم بتاؤ کہ جو ذات یہ سب چیزیں پیدا کرتی ہے وہ ان کے برابر ہو سکتی ہے جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا پھر بھی تم سبق نہیں لیتے ہو" [17]۔

تفسیر 17 گزشتہ دلائل پر تفریع اور تشریح ہے اور مشرکین کیلئے وعید ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق کو برابر کیا ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو انہیں شمار نہیں کر سکتے حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [18]۔

تفسیر 18 اس میں تنبیہ ہے کہ گزشتہ آیات میں جن نعمتوں کا بیان ہو گیا صرف یہ نہیں اس کے علاوہ بھی لاتعداد نعمتیں ہیں جو انسانوں کے احاطے میں نہیں آتے اس میں توحید کی دلیل کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ انسان ان بیشمار نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا ہے تو اس لئے فرمایا کہ: اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو تم چھپ کر کرتے ہو اور وہ سب کچھ بھی جو تم علی الاعلان کرتے ہو" [19]۔

تفسیر 19 اس میں رد شرک فی العلم ہے اور اشارہ ہے کہ ناشکری مخفی ہو یا ظاہری سب کچھ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ؕ

"اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں" [20]۔

تفسیر 20 اس آیت میں شرک فی الدعاء اور شرک فی التصرف پر رد ہے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

"وہ (بے جان) مردے ہیں (ان میں دنیاوی حیات نہیں) اور ان کو اس بات کا بھی احساس نہیں کہ وہ دوبارہ کب زندہ کئے جائیں گے" [21]۔

تفسیر 21 اس آیت میں شرک فی التصرف اور فی العلم کا رد ہے یعنی ان مشرکین کے معبود اللہ کے سوا مردے ہیں لہٰذا ان میں تصرف اور علم کی قوت نہیں اور یہ ان سے مدد کی امید رکھتے ہیں۔ فائدہ: یہ آیت بتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ یہ صفات جو ذکر ہیں یہ تو عقل والوں کیلئے استعمال ہوتی ہیں بتوں پر مجازاً بولے جاتے ہے جبکہ انسانوں کیلئے حقیقتاً استعمال ہوتے ہیں مثلاً وہ مخلوق پیدا نہیں کر سکتے (۲) وہ پیدا کئے گئے ہیں (۳) مردے ہیں (۴) ان میں حیات نہیں ہے (۵) ان میں شعور نہیں ہے (۱) مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بات مسلم حقیقت ہے کہ حقیقت جہاں موجود ہو وہاں مجاز کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے تفسیر روح المعانی میں ہے کہ یہ آیت انبیائے کرام، ملائک اور اولیائے کرام کو

شامل ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ خواہ کسی کی بھی عبادت کریں وہ اس آیت کا موضوع ہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ملائکہ اور عیسیٰ زندہ ہیں جبکہ ان کی بھی عبادت کی گئی ہے۔ جواب ۱: یہ ہے کہ اموات کا معنیٰ یہ ہے کہ ان پر موت آسکتی ہے اگرچہ ابھی زندہ ہیں اور غیر احیاء کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمیشہ زندہ رہنا تو معنیٰ یہ ہوا کہ فی الحال اگرچہ زندہ ہو لیکن ان پر موت آئیگی لہٰذا مردوں اور زندوں سب پر (جو بھی اس میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہیں) اس کا اطلاق ہوگا۔ جواب ۲: یہ آیت ان معبودوں کیلئے خاص ہے جو فوت ہو چکے ہیں اور لوگ ان کو مدد کیلئے پکارتے ہیں اور ان کو حاجت روائی مشکل کشائی کیلئے پکارتے ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ قبر پرستو! تمہارے معبود تو فوت ہوئے ہیں۔ غیر احیاء اس میں دنیاوی زندگی کی نفی مراد ہے کیونکہ برزخی حیات تو بہت سارے دلائل سے ثابت ہے اور آخرت کی زندگی بھی یقینی دلائل سے ثابت ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیاء اور شہداء جو فوت ہوئے ہیں ان کیلئے دنیاوی حیات نہیں ہے بلکہ برزخی حیات ہے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

"تمہارا معبود برحق صرف اللہ ہے لہٰذا جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دلوں میں انکار پیوست ہو چکا ہے اور وہ گھمنڈ میں مبتلا ہیں" [22]۔

تفسیر 22 اس آیت میں سابقہ دلائل پر عنوان توحید کی مزید تشریح و توضیح ہے پھر منکرین کیلئے وعید ہے انکار دل کا عمل ہے جبکہ تکبر قول اور فعل دونوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو وہ چھپ کر کرتے ہیں اور وہ بھی جو علی الاعلان کرتے ہیں یقیناً وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا" [23]۔

تفسیر 23 اس آیت میں منکرین توحید اور منکرین دونوں کے لیے وعید اور تخویف کا بیان ہے "مَا يُسِرُّوْنَ: میں دل کے انکار کی طرف اشارہ ہے اور "وَمَا يُعْلِنُوْنَ: میں ظاہری تکبر کی طرف اشارہ ہے اور تکبر اور استکبار میں فرق یہ ہے کہ تکبر کبھی اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کو تکبر کرنے کا حق بنتا ہو اور اس معنیٰ میں اللہ کیلئے استعمال ہوا ہے یعنی متکبر اسماء الحسنیٰ میں آیا ہے جبکہ کبھی بلا جواز تکبر میں استعمال ہوتا ہے جبکہ استکبار ہمیشہ ناحق تکبر میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا تکبر کے مقابل اس صفت کا استعمال زیادہ قباحت کیلئے ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

"اور جب ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا بات نازل کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گزرے ہوئے لوگوں کے افسانے ہیں" [24]۔

تفسیر 24 اس آیت میں تنبیہ ہے ان لوگوں کیلئے جو قرآن سے انکار کرتے ہیں اور ان کا قرآن کریم کا انکار صرف مسئلہ توحید کی وجہ سے ہے یعنی جب مشرکین سے کہا جانے کہ اس قرآن کو ماننا چاہئے اسلئے کہ اس میں توحید کے دلائل اور سابقہ امتوں کے واقعات برائے توحید موجود ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اس میں ویسے جھوٹے قصے اور واقعات ہیں اور یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے۔ آج اگر دیکھا جائے تو ایسے لوگ موجود ہیں جن کو توحید کی آیتیں اور شرک پر واضح رد پیش کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں اور بتوں کے متعلق ہیں۔

لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

"تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کے پورے پورے بوجھ اپنے اوپر لاد دیں اور ان لوگوں کے بوجھ کا حصہ بھی جنہیں وہ بغیر علم گمراہ کر رہے ہیں۔ یاد رکھو بہت برا بوجھ ہے وہ جو وہ لاد رہے ہیں" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت میں تخویف ہے یعنی انہوں نے قرآن کو جھٹلایا تو ان کے پیروکاروں نے بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے جھٹلایا یعنی خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنے اس لئے قیامت کے دن ان پر ڈبل بوجھ ڈالا جائیگا۔ جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 13 میں ذکر ہے۔ کَامِلَةً: اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کا کوئی گناہ معاف نہیں ہوتا لہذا جتنا انہوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے اس کی پوری پوری سزا کا بوجھ وہ اٹھائیں گے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

"اس سے قبل بھی لوگوں نے (حق کے خلاف) منصوبے بنائے تھے پھر اس طرح ہوا کہ جو عمارتیں انہوں نے تعمیر کی تھیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اکھاڑ پھینکا پھر ان کے اوپر چھت بھی آگری اور ان پر ایسی جگہ سے عذاب ٹوٹ پڑا جس کا ان کو احساس تک نہیں تھا" [26]۔

تفسیر 26 اس آیت میں سابقہ لوگوں کے عذاب کی مثال دے کر تخویف دنیاوی بیان ہوا ہے۔ یہ آیت یا تو ظاہر پر محمول کی جائیگی اور مراد نمرود وثمود اور قوم لوط وغیرہ ہیں یا بطور مثال ہے جیسا کسی نے آبادی بنائی ہو اور بنیادیں بھی مضبوط بناڈالی ہوں مگر اچانک ان پر یہ آبادی چھت کی جانب سے گر جائے اور بنیادیں بھی برباد ہو جائیں۔ اس طرح مشرکین نے حق کے مقابل مضبوط تدبیر بنائی تھی تا کہ حق کو اس کے ذریعے سے مٹاڈالیں لیکن اللہ نے ان کی تدبیروں کو ضائع کیا اور ان کو ہلاک کر ڈالا۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

"ان کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کی خاطر تم مسلمانوں کے ساتھ جھگڑا کرتے تھے جن لوگوں کو علم نصیب ہوا ہے وہ اس دن کہیں گے آج بڑی رسوائی اور ذلت ان کافروں پر مسلط ہے" [27]۔

تفسیر 27 اس آیت میں تخویف اخروی ہے۔ قیامت کے دن ان کو شرمندہ کرنے کیلئے ان سے سوالات ہونگے۔ ان سے کہا جائیگا کہ جن معبودوں کی خاطر تم اہل توحید سے لڑتے تھے اب ان کو اپنی مدد کیلئے بلالو تو خاموش ہو جائیں گے اور ان کی اس خاموشی اور شرمندگی پر اہل توحید خوشی کا اظہار کریں گے۔ تُشَآقُّوْنَ: اس سے مراد موحدین کے ساتھ اپنے باطل معبودوں کی طرفداری میں جھگڑنا مراد ہے۔ فائدہ: سوال: سورۃ الانعام 32 اور سورۃ حم مومن 74 میں ذکر ہوا ہے کہ وہ انکار کریں گے جبکہ یہاں پر خاموشی ذکر ہوئی ہے تو یہ تو بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ جواب: قیامت میں یہ سوال وجواب کا سلسلہ مختلف مقامات پر ہوگا کبھی تو وہ جواب دیں گے کبھی وہ خاموش ہو جائیں گے کوئی تضاد نہیں۔ اُوْتُوا الْعِلْمَ: اس سے اہل توحید مراد ہے

کیونکہ اصل علم تو توحید ہے: اَلْخِزْيَ: نقصانات کے ظاہر ہونے پر شرمندہ ہونگے اور اَلسُّوْء سے عذاب مراد ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"جن کی روحیں ملائکہ نے اس حالت میں قبض کرلی جب انہوں نے اپنی جانوں پر (کفر) کی وجہ سے ظلم کر رکھا تھا اس دن کافر بڑی فرمانبرداری کا بول بولیں گے کہ ہم تو کوئی برا کام نہیں کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو" |28|۔

تفسیر 28 اس آیت میں کافروں کی موت کے وقت کا ذکر ہوا ہے کہ وہ بہت ہی اللہ کے تابعدار ہونگے مگر ایسے وقت میں توبہ قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ اپنے شرک کا بھی انکار کریں گے۔ جیسا کہ سورۃ مؤمن آیت 85 میں مذکور ہے: فَاَلْقَوُا السَّلَمَ: اس قول کے جواب میں ہے کہ: اَيْنَ شُرَكَآءِ: میرے شریک کہاں ہیں۔ جیسا کہ سورۃ انعام 32 سورۃ مؤمن 74 میں ہے: مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ: اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ شرک سے انکار کریں گے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ شرک کوئی برا عمل تو نہیں یہ تو بزرگوں کا احترام ہے جیسا کہ آج بھی مشرکین اس کو اچھا عمل تصور کرتے ہیں۔ یعنی وہ شرک کو گناہ نہیں مانتے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

"لہٰذا ہمیشہ رہنے کیلئے جہنم کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ کیونکہ تکبر کرنے والوں کا یہی برا ٹھکانا ہے" [29]۔

تفسیر 29 اس آیت میں تخویف اخروی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی ان کو آخرت میں کہا جائیگا کہ جہنم میں داخل ہوجاؤ یا ان کو موت کے وقت اس طرح کہا جائیگا اور ان کی ارواح کو عذاب جہنم میں ڈالا جائیگا تو یہ عذاب قبر کی دلیل ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کی ارواح کو موت کے وقت سے جہنم میں ڈالا جائیگا جبکہ قبروں میں ان کے اجسام کو عذاب ہوگا اور قیامت والے دن جسموں میں روح ڈالی جائیگی اور ہمیشگی والی جہنم کے عذاب میں انہیں ڈال دیا جائے گا۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

"اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو شرک سے محفوظ رکھا ہے جب ان سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا چیز نازل کی ہے تو جواب میں کہتے ہیں کہ خیر ہی خیر نازل کی ہے اسی طرح جن لوگوں نے توحید کو اپنایا ہے ان کیلئے اس دنیا میں بھی خیر ہے اور آخرت کا گھر تو متقیوں کیلئے بہت ہی بہتر ہے" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں قرآن مجید کے متعلق اہل توحید اور اہل ایمان کا قول نقل کیا ہے کہ یہ خیر اور فائدوں سے بھری کتاب ہے اور یہ مشرکین کے اس قول کے مقابل ہے جو گزر چکا ہے پھر اس آیت میں دنیاوی اور اخروی خوشخبری دی گئی ہے: أَحْسَنُوا: احسان سے توحید کا عقیدہ مراد ہے اور اس کی طرف دعوت دینا اور: حَسَنَةٌ: دنیا میں فتح و نصرت مراد ہے۔ فائدہ (۱): سابقہ آیت میں: أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ: رفع کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس آیت میں: خَيْرًا: نصب کے ساتھ ذکر کیا ہے ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مشرکین کا نزول قرآن پر ایمان نہیں تھا تو ان کے قول کا مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں وہ نازل نہیں ہوا ہے بلکہ: أَسَاطِيرُ: ہے اور ایمان والوں کا تو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو ان کے کلام کے تقدیری الفاظ یہ ہے کہ: أَنْزَلَ خَيْرًا: فائدہ (۲): گزشتہ آیت میں: مَثْوَى: فرمایا تھا اور اس آیت میں: دَارُ: فرمایا ہے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ مثوی اس مقام کو کہا جاتا ہے انسان کو اس کی مرضی اور خوشی کے بغیر حاصل ہو اور وہ جہنم ہے جبکہ دار وہ مقام ہے جو رضا اور اختیار سے حاصل ہوتا ہے اور وہ جنت ہے۔

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

"وہ ہمیشگی کے رہنے کیلئے باغات ہیں جن میں داخل ہونگے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی اور وہاں جو کچھ وہ چاہیں گے ان کو ملے گا ایسا ہی صلہ اللہ متقی لوگوں کو دیتا ہے" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت میں تفصیلی بشارت (خوشخبری) کا بیان پانچ حالتوں کے ذکر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آیت 30 میں: اتَّقَوْا: سے موحدین مراد تھے جبکہ اس آیت میں متقین سے کامل موحدین مراد ہیں یعنی وہ موحدین لوگ جنہوں نے دیگر گناہوں سے اجتناب کیا۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں ملائک ایسے حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر جو عمل تم کرتے رہے ہو اس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں موحدین کے سکرات الموت کے وقت کا حال ظالموں کے مقابلے میں بیان ہوا ہے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ: یہ خطاب یا تو ایمان والوں کی روحوں کے ساتھ اس وقت ہوگا جب انہیں جسموں نکالا جاتا ہو یا پھر قیامت کے دن یہ خطاب اہل توحید سے ہوگا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ: اس سے ہر مصیبت سے سلامتی کی خوشخبری مراد ہے: بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ: اس عمل سے توحید اور ایمان مراد ہے جو جنت کے دخول کیلئے سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کا رحم توحید اور ایمان کیلئے سبب ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾

"یہ کافر لوگ اس کے سوا کسی اور بات کے منتظر نہیں ہیں کہ ان کے پاس ملائک آ کھڑے ہوں (قیامت یا عذاب کی صورت میں) یا تمہارے رب کا حکم ہی آ جائے۔ جو امتیں ان سے پہلے گزر چکی ہیں انہوں نے بھی ایسا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم ڈھاتے رہے تھے" [33]۔

تفسیر 33 منکرین کیلئے اس آیت میں دنیاوی عذاب کا ذکر ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ متقیوں کی طرح ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ اس کے منتظر ہیں جب ملائک ان کی روح قبض کرنے کیلئے آ جائیں یا کوئی اور عذاب اللہ کی جانب سے آ جائے لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں۔ عذاب کے وقت تک ایمان نہ لانے کی تعبیر انتظار سے بطور تشبیہ کی ہے ورنہ انہوں نے تو انتظار نہیں کیا ہے: وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ: اس میں ان کے شرکیہ عقیدہ اور ظالمانہ عمل کی طرف اشارہ ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾

"اسلیئے کہ ان کے برے اعمال کا وبال ان پر پڑا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے اسی چیز نے آکر انکو گھیر لیا" [34]۔

تفسیر 34 اس آیت میں عذاب کا ذکر تخویف کے لیے ہے۔ سورۃ زمر آیت 35 میں بھی اس طرح ہے: سَيِّئَاتُ اس سے سخت سزائیں مراد ہیں جو مختلف اقسام کی ہیں اس لیے جمع ذکر کیا ہے۔ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ: وہ عذاب جس کا وہ استہزاء یعنی مذاق اڑاتے تھے۔ یا پھر (ما) مصدریہ ہے اور لفظ عقاب مقدر ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٥﴾

"اور جن لوگوں نے شرک کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو اس کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ جو امتیں ان سے پہلے گزری ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا لیکن نبیوں کے ذمہ داری تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ صاف صاف طریقے پر پیغام پہنچا دیں" [35]۔

خلاصہ: اس آیت سے 47 تک دوسرا باب ہے۔ اس میں پہلے مشرکین کی دلیل کا ذکر ہے پھر اس پر زجر اور وعید سنائی گئی ہے اور سورۃ کا عنوان بھی یہی ہے پھر آیت 36 میں اجمالی دلیل نقلی تمام نبیوں سے ذکر کی ہے جو مشرکین کی دلیل کا جواب ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر داعی کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ ہدایت دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پھر آیت 38 میں اور 39، 40 میں انکار قیامت والوں کیلئے وعید ہے اور اثبات قیامت کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔ پھر ظالموں کے ظلم سے بچنے کیلئے ہجرت کی ترغیب دی ہے پھر آیت 41، 42 میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت کی ہے اور منکرین کے سوالوں کا جواب بھی دیا ہے۔ پھر آیت 45، 46، 47 میں تخویف دنیوی کا بیان ہے۔

تفسیر 35 اس آیت میں مشرکین کی دلیل پر رد ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین بھی مشیت کونیہ کو اللہ تعالیٰ کیلئے تسلیم کرتے تھے جو کہ تقدیر بھی ہے اس بناء پر ان کا کہنا تھا کہ اللہ ہمارے اس عمل پر قادر ہے اگر ہم غلطی پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہماری غلطی کی اصلاح فرماتے لیکن جب اصلاح نہیں فرمائی تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال سے خوش ہیں۔ یا پھر انہوں نے یہ بات بطور الزام کہی کہ تم لوگ کہتے ہو کہ تقدیر حق ہے جبکہ ہمارا یہ عمل جس کو تم شرک کہتے ہو تقدیر میں ہی لکھا ہوا ہے لہٰذا پھر تو یہ حق ہے اور اس پر ہم گنہگار نہیں ہیں۔ چونکہ ان میں دو قسم کا شرک تھا (۱) شرك في العبادة اور شرك في التحليل

والتحریم اس لئے اس آیت میں دونوں کا ذکر ہوا ہے۔ چونکہ حقیقت میں یہ دلیل تو نہیں بلکہ کذب بیانی اور استہزاء تھا اسلئے اس کو سورۃ انعام میں کذب کہا ہے۔ اس سورۃ میں فعل کے ساتھ اس کی تعبیر کی ہے کیونکہ ان سے مشرکین کا استدلال مراد تھا لیکن یہاں پر بھی فعل سے مراد تکذیب یعنی جھٹلانا اور استہزاء مذاق اڑانا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشیت دو قسم پر ہے: ایک مشیت کونیہ اور دوسری شرعیہ اور بندوں کے افعال و اوصاف بھی دو قسم کے ہیں: ایک کونیہ ہے جیسا کہ انسان کا پیدا ہونا اس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ کالا ہو یا سفید، گورا، لمبا ہو یا ٹھگنا چھوٹے قد والا۔ لہٰذا مشیت کونیہ پر انسان استدلال کر سکتا ہے۔ ایک قسم افعال شرعیہ ہے جس پر انسان مکلف ہے اس میں انسان کیلئے بعض وجوہات سے کچھ اختیار ہے جیسا کہ سورۃ کہف میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ: لہٰذا انسان اس میں مشیت کونیہ سے استدلال نہیں کر سکتا ہے مگر جب اس سے کوئی مخالف عمل خوبصورت صادر ہو جائے پھر بذریعہ توبہ معاف ہو جائے تو اگر کوئی اس پر اعتراض کر لیتا ہے اور وہ تقدیر و مشیت کونیہ کا حوالہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے دلیل میں پیش کی تھی وہ بھی یہی طرز تھا۔ (صحیح بخاری کتاب القدر حدیث 6614)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

"اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ہر امت میں کوئی نہ کوئی نبی بنا کر پیغام ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو پھر ان میں کچھ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور کچھ پر گمراہی مسلط ہو گئی تو ذرا زمین میں گھوم پھر کر دیکھو کہ نبیوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا" [36]۔

تفسیر 36 اس میں دلیل اجمالی نقلی ہے جس میں تمام نبیوں سے توحید کا اثبات اور شرک کا رد کیا گیا ہے: أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ میں توحید ہے اور: وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ: میں رد شرک ہے اس میں مشرکین کی دلیل کا رد ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ شرک پر راضی ہوتے تو انبیائے کرام کو شرک کے رد کیلئے نہ بھیجتے اور اسی طرح ان مشرکین پر عذاب مسلط نہ کرتے یعنی مشیت شرعیہ مشیت کونیہ سے الگ ہے۔

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٧﴾

"اے نبی اگر تمہیں یہ حرص ہے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں گے تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (جن کو ان کے عناد کی وجہ سے) گمراہ کردیتا ہے ان کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا اور ایسے لوگوں کو کوئی مددگار بھی میسر نہیں ہوتا" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ آپ کے ذمہ تو صرف ہدایت کی تبلیغ ہے اور یہ معاملہ سابقہ نبیوں کے وقت بھی رہا کہ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ دیتا تھا۔ اور آپ کی امت کے لیے بھی یہی قانون ہے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

"اوران لوگوں نے بڑا زور لگا کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں اٹھائی ہیں کہ جو لوگ مرجاتے ہیں ان کو اللہ دوبارہ زندہ نہیں کرے گا بھلا کیوں نہیں کرے گا؟ یہ تو ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنے کی ذمہ داری اللہ نے لے رکھی ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں" [38]۔

تفسیر 38۔ ردشرک کے بعد اب اس آیت میں ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو قیامت کے منکر ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ شرک اور انکار قیامت اصول کفر ہے: جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کی ذات پر قسم اٹھانے کو بہت مضبوط تصور کرتے تھے۔ دور حاضر کے جاہلوں پر تعجب ہے کہ اولیائے کرام پر قسم مضبوط تصور کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کی لاج نہیں رکھتے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

"(دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ اللہ نے اسلئے کیا ہے) تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو اچھی طرح واضح کردے جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے" [39]۔

تفسیر 39 یہ آیت سابقہ آیت کی مقدر عبارت کے ساتھ متعلق ہے اور وہ عبارت ہے: بَلَىٰ لَيَبْعَثَنَّهُمْ لِيُبَيِّنَ اور اس آیت میں دوبارہ زندہ ہونے کے دو فائدے بیان کئے ہیں۔ پہلا فائدہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اختلاف کا فیصلہ کرے گا جیسا کہ اس سورۃ کی آیت 92 میں مذکور ہے اور فیصلے کی تعبیر سورۃ بقرہ آیت 113 میں وارد ہے۔ نیز سورۃ

النساء آیت 141 میں بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کی آیتوں میں ذکر ہے۔ دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ کافر اپنی باتوں کو جھوٹ تسلیم کر لیں گے جیسا کہ آیت 24، 35 اور 37 میں ان کا جھوٹ گزرا ہے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾

"اور جب ہم کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری طرف سے صرف اتنی بات ہوتی ہے کہ اسے کہتے ہیں کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے" [40]۔

تفسیر 40 اس آیت میں حیات اخروی کا بیان ہے اور اس کے ثبوت کیلئے قدرت تکوینی کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح سورۃ یٰس آیت 82 میں ذکر ہوا ہے۔ یہاں پر مشرکین کے جھوٹے اقوال کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا سچا قول ذکر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾

"اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنا وطن چھوڑا ہے یقین رکھو کہ انہیں ہم دنیا میں بھی اچھی طرح بسائیں گے اور اجر آخرت تو یقیناً سب سے بڑا ہے کاش کہ یہ لوگ جان لیتے" [41]۔

تفسیر 41 اس آیت میں ہجرت کی طرف ترغیب ہے اور مہاجرین کیلئے ظالموں کے ظلم کے بعد خوشخبری ہے یعنی جنہوں نے ظالموں کے ظلم سے بچنے کیلئے ہجرت کی اور گزشتہ آیت کے ساتھ ربط اور مناسبت کی وجہ بھی یہی ہے اور حَسَنَةً: سے مراد حلال رزق اور بعد والے لوگوں میں ذکر خیر اور نصرت الٰہی ہے لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ: اس میں ہجرت نہ کرنے والوں پر اشارۃً انکار کیا گیا ہے۔

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر سے کام لیا اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں دو اعمال کا بیان ہے جو ہجرت کیلئے لازم ہیں ان میں سے ایک صبر ہے اور دوسرا توکل علی اللہ ہے۔ اور مشرکین کی اذیتوں پر صبر ہے جو توحید کی وجہ سے موحد کرتا ہے اور اذیتوں کے بعد توکل کرتے ہوئے ہجرت کرتا ہے۔

فائدہ: ان آیتوں میں حبشہ کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے بعض صحابہ کرام نے پہلے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر ان کو وہاں (اصحمہ) بادشاہ کی معاونت ملی اس کے بعد پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور دیگر ممالک پر ان کو غلبہ حاصل ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴۳﴾

"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی انسانوں کو ہی نبی بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے اگر تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے تو علم والوں سے دریافت فرمائیں" [43]۔

تفسیر 43 اس آیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ذکر ہے اور کافروں کے اس تیسرے عقیدے پر رد ہے جو انکار رسالت ہے اور ان کے اس شبہ پر رد کیا گیا ہے کہ نبی بشر نہیں ہو سکتا لہٰذا اس آیت میں جواب دیا گیا کہ رسول بشر ہی ہوتا ہے: أَهْلَ الذِّكْرِ : سے مراد وہ علماء ہیں جو وحی سے وابستہ ہیں یعنی وہ وحی پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اسلئے اہل علم نہیں بلکہ اہل ذکر فرمایا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء کرام بشر تھے۔ سورۃ انبیاء آیت 7 میں بھی اس طرح ذکر ہے۔ فائدہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہیے اسلئے کہ جس مسئلہ پر عمل فرض ہے تو اس کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہے البتہ اس آیت سے تقلید پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ ذکر سے مراد وحی ہے یعنی اس شخص سے مسئلہ پوچھو جو مسئلہ کا جواب دلیل وحی سے پیش کرتا ہے یعنی قرآن و سنت اور قرآن سنت کی پیروی کو تقلید نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرا سبب یہ ہے علم نہ ہونے کے دو درجات ہیں (۱) حکم کا معلوم نہ ہونا (۲) دلیل کا علم نہ ہونا۔ دونوں کے متعلق سوال کرنا چاہیے اور دلیل معلوم ہو جائے تو یہ تقلید نہیں ہے۔ تیسرا سبب اللہ تعالیٰ نے اہل ذکر عام ذکر کیا ہے جبکہ حنفی مسلک والے شافعیوں سے مسئلہ دریافت کرنا تو درکنار ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو کتابوں میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چوتھا سبب اگر مانا جائے کہ یہ تقلید ہے تو جب اس مقلد کو بعد میں معلوم ہو جائے کہ صحیح حدیث اس کے خلاف ہے جو مجھے فتوی دیا گیا ہے تو وہ عامی شخص اس حدیث پر عمل کرے گا۔ شامی کے اندر علامہ بیری کا یہ قول جلد ا ص 46 میں موجود ہے لہٰذا جب انہوں نے حدیث ملنے پر اپنے سابقہ عمل کو ترک کیا اور حدیث کو اپنایا تو یہ تقلید مباح ہے۔ نوٹ کسی شخص کا عالم سے مسئلہ دریافت کرنا اور اس پر عمل کرنا درست ہے اور یہ تقلید نہیں ہے لیکن دلیل ملنے پر پھر بھی اس عمل کو نہ چھوڑنا یہ تقلید ہے جو کہ مذموم اور حرام ہے۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۗ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾

"ان پیغمبروں کو روشن دلائل اور آسمانی کتابیں دے کر بھیجا گیا تھا۔ اور ہم نے آپ پر بھی یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کی خوب تشریح کریں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں" [44]۔

تفسیر 44 یہ آیت بھی سابقہ آیت کے متعلق ہے اور اس میں رسول کی سچائی ثابت کرنے کے بعد ان کو قرآن کی دعوت شجاعت سے پیش کرنے کی ترغیب دی گئی ہے: بِالْبَيِّنَاتِ: یہ اَرْسَلْنَاهُمْ: مقدر کے ساتھ متعلق ہے یا: لَا تَعْلَمُوْنَ: سے متعلق ہے اس میں نبی کی ایک ذمہ داری بیان کی گئی ہے اور وہ قرآن مجید کی تشریح ہے اور دوسری ذمہ داری امت کے اہل فکر و اجتہاد کی ذکر ہوئی ہے: لِتُبَيِّنَ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ سنت رسول قرآن کی تشریح و تفسیر ہے اور اس کیلئے نبی کریم ﷺ کو بھیجا گیا تھا نیز اس میں منکرین حدیث پر واضح رد ہے۔ فائدہ: اس آیت میں شریعت کے دلائل کی طرف اشارہ ہے۔ (۱) پہلی دلیل قرآن مجید ہے جو لفظ ذکر میں مراد ہے۔ دوسری دلیل سنت رسول ہے جو: لِتُبَيِّنَ: میں مراد ہے۔ تیسری دلیل مجتہدین کا اجتہاد ہے اگر اتفاق سے ہو تو اس کو اجماع کہتے ہیں۔ اگر بعض کا قول ہو تو اس کو مجتہد کا قیاس کہتے ہیں۔ البتہ اجماع دلیل مثبتہ اس وقت ہے جب اس کا ثبوت قرآن و سنت سے ہو اور نص صریح کے مخالف نہ ہو۔ اجتہاد و قیاس تو حجت مثبتہ نہیں ہے یعنی ان سے کوئی چیز مسائل شریعت میں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ صرف مظہر ہے یعنی مسئلہ ظاہر کر سکتے ہیں مگر دلیل و حجت نہیں بن سکتے۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾

"کیا وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے بنا رہے ہیں اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسی جگہ سے آ جائے کہ ان کو احساس تک نہ ہو [45]۔ یا انہیں چلتے پھرتے سفر میں ہی اپنی پکڑ میں لے لیں کیونکہ وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے [46]۔ یا انہیں اس طرح گرفت میں لے کہ وہ خوف کے مارے (بے بس) ہو جائیں یقیناً تمہارا رب بہت ہی شفقت کرنے رحم کرنے والا ہے" [47]۔

تفسیر 45، 46، 47 چونکہ سابقہ آیتوں میں مشرکین کی جانب سے مخالفت، اسی طرح قرآن و سنت توحید قیامت کے

متعلق شکوک وشبہات ذکر ہونے تو اب ان کیلئے تخویف دنیوی بیان ہورہا ہے تین آیتوں میں بیان ہو رہا ہے: مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ: مذکورہ مخالفین کے اسلام کے متعلق شکوک وشبہات مراد ہیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے: تَقَلُّبِهِمْ: اس میں دنیا کے لئے مختلف اسفار کرنا مراد ہے۔ نیز ایسے اسفار میں پریشانی ضرور ہوتی ہے اسلئے اس کو صیغہ تفعل سے ذکر کیا ہے جو تکلیف اور مشقت پر دلالت کر رہا ہے۔ یہ وصف کافروں کا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 194 میں ہے۔ یا بستروں پر کروٹیں بدلنا مراد ہے: تَخَوُّفٍ: سے جانوروں، فصلوں، مالوں کا نقصان مراد ہے یا جلدی کا عذاب یا پھر دشمن کا خوف مراد ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿48﴾

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کے سائے بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں جھکتے رہتے ہیں اور وہ سب عاجزی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں" [48]۔

خلاصہ: یہاں سے آیت 64 تک تیسرا باب ہے۔ اس میں تین عقلی دلائل ہیں جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ سارا عالم اللہ تعالیٰ کا مسخر وفرمانبردار ہے۔ آیت 48، 52، 53 میں اور 51 میں دلیل وحی ہے پھر آیت 54، 55 میں شرک پر وعید ہے پھر غیر اللہ کی نذر پر آیت 56 میں تنبیہ کی گئی ہے۔ پھر شرک بالملائکہ پر آیت 57 سے 60 تک رد ہے۔ پھر آیت 61 میں تخویف دنیوی کا بیان ہے پھر آیت 62 میں شرک پر رد ہے پھر آیت 63 میں شیطان کی تابعداری پر تنبیہ اور وعید ہے پھر آیت 64 میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔

تفسیر 48: اس آیت میں سائے کے سجدے کا ذکر ہوا ہے اور اس کے سجدہ سے مراد سائے کا بڑھ جانا اور گھٹ جانا اور دائیں بائیں مائل ہونا ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر سے ہوتا ہے۔ اس آیت میں: الْيَمِينِ: مفرد صیغہ سے ذکر کیا ہے اور الشَّمَائِلِ: کو جمع سے ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سایہ یمین کی جانب سے ایک ساتھ شروع ہوتا ہے پھر شمال کی طرف آہستہ آہستہ جھک جاتا ہے اور یہ مختلف حالتوں میں ہوتا ہے اور یہ بھی وجہ ہے کہ عرب میں جب انسان مشرق کی جانب چہرہ کرتا ہے تو یمین کے جانب ممالک کم ہیں اور شمال کے جانب ممالک زیادہ ہیں (واللہ اعلم): مِن شَيْءٍ: سے مراد وہ اجسام ہیں جن کے سائے ہوتے ہیں۔ سورۃ رعد آیت 15 میں بھی اسی طرح ذکر ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

"اور آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں وہ سارے ملائکہ بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے" [49]۔

تفسیر 49 یہ آیت بھی سابقہ آیت سے منسلک ہے اس میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے: مِنْ دَآبَّةٍ: ظاہر بات یہ ہے کہ اس میں آسمان وزمین بھی شامل ہیں۔ جس کی دلیل سورۃ الشوریٰ آیت 29 ہے: وَالْمَلَآئِكَةُ: تخصیص کے بعد تعمیم ہے اس میں مقصود رد شرک بالملائکہ بھی ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ آیت میں لف نشر غیر مرتب ہے یعنی :مِنْ دَآبَّةٍ مَا فِي الْاَرْضِ: کیلئے بیان ہے اور: وَالْمَلَآئِكَةُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ: کیلئے بیان ہے: وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ: یہ دلیل ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تھا کیونکہ وہ تو متکبر تھا۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۩

"وہ اپنے اس رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے" [50]۔

تفسیر 50 سابقہ آیت سمیت اس آیت میں ملائکہ کے تین صفات ذکر ہوئی ہیں (۱) ان کی عاجزی (۲) اللہ تعالیٰ سے خوف (۳) اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سرتسلیم خم کرنا: يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ: اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے فوقیت بھی ہے جو معنی کے اعتبار سے محکم ہے اور کیفیت کے اعتبار سے متشابہ ہے اور اس کا غلبہ کے معنیٰ میں یا مخلوق کے ساتھ تشبیہ وتمثیل دینا دونوں غلط ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

"اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بنا بیٹھو وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اس لئے بس مجھی سے ڈرا کرو" [51]۔

تفسیر 51 اس آیت میں رد شرک کیلئے دلیل وحی کا ذکر ہے اور ماقبل کے معنیٰ پر بطور دلیل عطف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا سجدہ کسی کیلئے جائز نہیں ہے کیونکہ سجدہ میرا حق ہے یعنی سجدہ الٰہ کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے الٰہ کی نفی کی ہے چونکہ اکثر اوقات خوف کی حالت میں مشرکین اپنے معبودان باطلہ کو سجدہ ریز ہوتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ: فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ: اور: اثْنَيْنِ: برائے تاکید ذکر کیا ہے تاکہ تعدد:

کی نفی ہو جائے اصل الوھیت کی نفی مراد نہیں کیونکہ ایک الہ تو یقینی ہے جو کہ اللہ ہے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے اور اسی کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے کیا پھر بھی تم اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو" [52]۔

تفسیر 52 یہ دلیل عقلی ہے اور لَهٗ میں لام برائے اختیار و انقیاد ہے اور: اَلدِّيْنُ: عبادت کے معنیٰ میں ہے متصرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو معبود برحق بھی صرف وہی ہے: وَاصِبًا: لازم، ہمیشہ اور خالص کو کہتے ہیں: تَتَّقُوْنَ: تقویٰ اصل میں توحید فی العبادۃ کو کہتے ہیں اسلئے یہاں پر: اَلدِّيْنُ: جو کہ عبادت کے معنیٰ میں ہے اس کی مناسبت سے لفظ تقویٰ ذکر کیا ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ۝

"اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے فریادیں کرتے ہو" [53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں بھی دلیل عقلی ہے۔ اس میں (مَا) موصولہ ہے اور: مِنْ: برائے استغراق ہے تو ہر نعمت یعنی ظاہری، باطنی، بدنی، مالی، صحت، عافیت، مالداری وغیرہ سب کچھ شامل ہیں: فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ: مشرک کا بھی مصیبت کے وقت یہ نظریہ ہوتا ہے کہ مصیبتیں صرف وہی دور کر سکتا ہے۔ جوار بچھڑے یا گائے کے بچے کی آواز ہے۔ مراد اس سے مصیبت کے وقت پریشانی کی آوازیں نکالنا ہے۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اس کے بعد جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اچانک اپنے رب کے ساتھ شرک شروع کر دیتا ہے [54]۔ تاکہ ہم نے اسے جو نعمت دی تھی اس کی ناشکری کرے۔ اچھا کچھ عیش کر لو پھر عنقریب تمہیں پتہ چل جائیگا" [55]۔

تفسیر 54،55 یہ آیتیں بھی وعید میں شامل ہیں۔ یعنی بوقت تکلیف اس کو پکارتے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو اس کی نسبت کسی ولی بزرگ کی طرف کرتے ہیں: فَتَمَتَّعُوْا: اس میں اشارہ کہ اللہ تعالیٰ مشرکین

کی دعا اسلئے قبول کرتا ہے کہ یہ دنیاوی فائدہ ہے اور یہ فائدہ تو کافروں کو بھی ملتا ہے۔ اس طرح سورۃ روم آیت ۳۵، ۳۴ میں بھی ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

"اور ہم نے جو رزق ان کو دیا ہے اس میں وہ ان (بتوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کی حقیقت انہیں خود بھی معلوم نہیں ہے۔ اللہ کی قسم تم ضرور سوال کئے جاؤ جو تم جھوٹ بناتے ہو" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت میں غیر اللہ کی نذر پر وعید ہے اور یہ يُشْرِكُونَ: کی تفسیر اور اس پر عطف ہے۔ سورۃ انعام 136 میں بھی اسی طرح ہے: كُنتُمْ تَفْتَرُونَ: اس سے مشرکین کے جھوٹے قصے اور جھوٹ پر مبنی مسائل مراد ہیں: لَا يَعْلَمُونَ : ضمیر (مَا) کی طرف راجع ہے جو معبود کے معنیٰ میں ہے۔ ان کے معبود باطل ان کی نذروں سے بے خبر ہیں۔ یا ضمیر عبادت کرنے والوں کی طرف راجع ہے یعنی ان کو اپنے معبودان باطلہ کا حال معلوم نہیں کہ وہ عاجز بھی ہیں اور ان کے حالات سے بے خبر بھی ہیں: مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: اس سے کھانے پینے کی چیزیں، جانور، غلہ جات کپڑے وغیرہ مراد ہیں جو وہ غیر اللہ کے نام پر نذر کرتے ہیں۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾

"اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے بیٹیوں کا عقیدہ گھڑ لیا ہے وہ اللہ پاک ہے حالانکہ وہ اپنے لئے بیٹے چاہتے ہیں اور ان کیلئے وہی ہو جو ان کو پسند ہو" [57]۔

تفسیر 57 اس میں دوسرے قسم کے شرک پر رد ہے اور یہ سابقہ آیت پر عطف ہے اس میں ان مشرکین پر رد ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنے خیال میں ملائک کو بیٹیاں بنا رکھا تھا یہ عقیدہ مشرکین عرب کے بعض قبیلوں کا تھا۔ ان کا یہ عقیدہ سورۃ الصافات آیت 149، سورۃ الزخرف 16، سورۃ طور 39 میں ذکر ہے۔

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾

"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے تو ان کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے" [58]۔

تفسیر 58 اس آیت میں زمانہ جاہلیت کے اس رسم کا رد ہے جو مشرکین اور کفار لڑکی یعنی بیٹی پیدا ہونے پر بہت ہی ناراض ہوتے تھے اور: كَظِيْمٌ: اس غمگین شخص کو کہا جاتا ہے جو غم کی شدت سے باتیں روک لیتا ہے۔ بُشِّرَ: بشارت خوشی کی اس خبر کو کہتے ہیں جو پہلی بار ملتی ہے۔ یہاں صرف ابتدائی خبر کے معنی میں ہے کیونکہ وہ لڑکی کی اس خبر کو سن کر خوش تو نہیں ہوتے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

"اس خوشخبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھیں ہیں" [59]۔

تفسیر 59 اس آیت میں زمانہ جاہلیت کے مشرکین کا طریقہ بیان ہوا جب انہیں لڑکی کی خوشخبری دی جاتی تھی تو وہ شرم کے مارے چھپتے پھرتے تھے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے اور یہ فکر لے کر بیٹھتے کہ اس کو ذلت کے ساتھ زندہ رکھوں یا اسے زندہ ہی دفنا دوں: اَيُمْسِكُهٗ: اس سے قبل مقدر عبارت ہے یعنی: يَتَفَكَّرُ: اور (ہ) ضمیر مذکر کو حرف مَا بُشِّرَ: کی طرف راجع کیا ہے: عَلٰى هُوْنٍ: یعنی بیٹی کو ذلیل کر کے بساتے ہیں ان کو میراث نہیں دیتے اور بیٹے کو فوقیت دیتے ہیں۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

"جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے بری (حالت) مثال ہے اور اعلیٰ درجے کی صفات صرف اللہ تعالیٰ کی ہیں اور وہ حکمتوں والا غالب ذات ہے" [60]۔

تفسیر 60 اس آیت میں مشرکین بالملائکہ کیلئے وعید ہے: مَثَلُ السَّوْءِ: بری حالت سے مراد جہالت کفر وغیرہ ہے اور: اَلْمَثَلُ الْاَعْلٰى: سے مراد بلند صفات ہیں خواہ وہ ثبوتی ہوں یا سلبی ہوں جیسا کہ خالق، قادر، رازق، عالم یہ ثبوتی کی مثال ہے اور سلبی یہ ہے کہ اس کا شریک نہیں ہے مثل نہیں ہے ولد نہیں ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾

"اور اگر اللہ تعالٰی لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑنا چاہتا تو روئے زمین پر کوئی جاندار باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک معین وقت تک مہلت دیتا ہے پھر جب ان کا وہ معین وقت آجائیگا تو وہ گھڑی بھر بھی اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکیں گے" |61|۔

تفسیر 61 اس آیت میں تخویف دنیاوی کا بیان ہے اور اس سوال کا جواب ہے کہ ظالم جب اتنے مظالم ڈھار ہے ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے کیونکہ اتنے مظالم کی وجہ سے ان پر عذاب آنا چاہئے ؟ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالٰی انسانوں کا ان کے اعمال پر فوری پکڑ کرتا اور گنہگاروں کو معاف نہ کرتا اور بارشوں اور فصلوں کو روک لیتا تو جاندار سب مرجاتے جیسا کہ سورۃ فاطر آیت 45 میں ذکر ہے: فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ: اس طرح سورۃ اعراف اور سورۃ یونس آیت 49 میں گزرا ہے۔ فائدہ: جب سورۃ الاعراف اور اس سورۃ میں: إِذَا: پر (فا) داخل کیا تو اس کی جزاء پر (فا) داخل نہیں کیا تاکہ کلام کی فصاحت وبلاغت میں کمی واقع نہ ہو جبکہ سورۃ یونس میں پہلے (فا) نہیں ہے تو (فا) کو جزاء پر داخل کیا ہے پھر چونکہ سورۃ یونس میں عذاب کا صریح سوال تھا تو جواب میں (فا) کا ذکر نہیں کیا اور اس سورۃ میں اور اعراف میں عذاب کا سوال مذکور نہیں تھا تو اس لئے (فا) ذکر کیا ہے: وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِحِكَمِهِ: اللہ تعالٰی اپنی (کتاب کی) حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

"اور انہوں نے اللہ کیلئے وہ چیزیں گھڑ رکھی ہیں جنہیں خود ہی ناپسند کرتے ہیں پھر بھی ان کی زبانیں اپنی جھوٹی تعریف کرتی رہتی ہیں کہ ساری بھلائی انہی کے حصے میں ہے لازمی بات ہے کہ (اس وجہ سے) ان کے حصے میں تو دوزخ ہے اور انہیں اسی میں سب سے پہلے گرا دیا جائے گا" |62|۔

تفسیر 62 اس آیت میں رد شرک ہے اور ان کے جھوٹے دعوے پر رد ہے کہ بھلائی اچھائی ہمارے ہی مقدر میں ہے یعنی دنیا میں خوشی اور آخرت میں ثواب جنت اور مزے: مَا يَكْرَهُونَ: شریک حصہ دار اور بیٹی مراد ہے جو عام لوگوں کو ناپسند ہے: مُّفْرَطُونَ: فرط سے لیا گیا ہے یعنی آگے پیچھے جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ: (صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6583، صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 2291) میں

حوض کوثر پر تمہارا منتظر یا پیشوا ہوں گا یا: وَاجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا: (صحیح بخاری کتاب الجنائز) اس کو ہمارے لئے مقدم پیشوا بنا دیں یا مراد یہ ہے کہ آگ میں جلدی جائیں گے یا ان کو بھلا دیا جائے گا۔ یہ سب معانی درست ہیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

"اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو بھی امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تھے تو شیطان نے ان کو ان کے برے اعمال خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کئے لہٰذا وہی شیطان آج ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے"[63]۔

تفسیر 63 اس آیت میں نبی علیہ السلام کیلئے تسلی اور مخالفین منکرین کیلئے وعید ہے اور گمراہی کا سبب ذکر کیا ہے یعنی ان کا دعویٰ ہے کہ ہماری لئے حسنیٰ اچھا بدلہ ہے جبکہ ان کا عمل شرک و بدعت ہی پر مبنی ہے جو شیطان ان کو ثواب اور نیکی ظاہر کرتا ہے اور ان کو ان کاموں پر ابھارتا بھی ہے: فَزَيَّنَ: کی نسبت شیطان کے وسوسوں کی وجہ سے ہوئی ہے: فَهُوَ وَلِيُّهُمُ اس میں ایک توجیہ یہ ہے کہ: هُمْ: کی ضمیر موجود مشرکین کی طرف راجع ہے اور: اَلْيَوْمَ: سے مراد دنیا کی زندگی یا آخرت کی زندگی مراد ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ: هُمْ: ضمیر موجود مشرکین کی طرف راجع ہے یعنی جس طرح شیطان سابقہ لوگوں کا دوست تھا تو آج موجودہ مشرکین کا بھی دوست ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لئے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کر بیان کرو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کیلئے ہدایت اور سامان رحمت ہو"[64]۔

تفسیر 64 سابقہ آیت میں نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی تو اب اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو قرآن بیان کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے اور دعوت دین کے لیے آپ ﷺ کو شجاعت کی ترغیب دی ہے: اَلَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: توحید کا مسئلہ اور بعث بعد الموت یعنی دوبارہ زندگی وغیرہ مسائل مراد ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن مسائل اختلافیہ کیلئے فیصل ہے۔ چونکہ اصول ایمان کا مسئلہ قرآن مجید کے ساتھ مختص ہے اسلئے یہاں پر ما اور الا برائے حصر ذکر کیا ہے اور آیت 44 میں عام مسائل کی تشریح مراد تھی جو سنت نبویہ اور ذاتی سوچ اور فکر کی بھی محتاج ہوتی ہے تو وہاں پر حصر نہیں کیا۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾

''اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد اس میں جان ڈال دی یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے نشانی ہے جو بات سنتے ہیں'' [65]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 87 تک چوتھا باب ہے اس میں چھ عقلی دلائل ہیں جن میں فائدے والی چیزوں کی پیدائش کا ذکر ہوا ہے یعنی کھانا پینا، بیویاں، اولاد۔ آیت 65 میں بارش کے پانی کا بیان اور پودوں کا ذکر آیت 66 میں ہوا ہے آیت 67 میں شہد کا ذکر ہوا ہے اور آیت 70 میں انسانوں کی پیدائش کا بیان ہے اور آیت 72 میں بیویوں اولاد کی پیدائش کا ذکر ہے پھر رد شرک کیلئے آیت 71 میں مثال بیان کی ہے پھر آیت 73 میں رد شرک فی العبادۃ ہوا ہے پھر آیت 74 میں شرکیہ مثالوں سے منع فرمایا ہے پھر رد شرک کیلئے آیت 75، 76 میں دو مثالیں دی ہیں پھر آیت 77 میں تخویف اخروی کا بیان ہے۔

تفسیر 65 اس آیت میں: يَّسْمَعُوْنَ: ذکر ہے جس میں اشارہ ہے کہ اس مقام میں دیکھنا ضروری نہیں سننا کافی ہوسکتا ہے یعنی بارش کا ہونا پودوں اور فصلوں کا نکلنا ہر جگہ نہیں ہوتا لیکن صرف سن لینا کافی ہوتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾

''اور بیشک تمہارے لئے مویشیوں میں بھی البتہ زبردست عبرت ہے ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون ہے اس کے بیچ میں سے ہم تمہیں ایسا صاف ستھرا دودھ پینے کیلئے مہیا کرتے ہیں جو پینے والے آسانی اور مزے سے حلق سے گزار دیتے ہے'' [66]۔

تفسیر 66 یہ آیت دلیل عقلی ہے جس میں دودھ کی نعمت کا ذکر ہے بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ: یعنی جانور جو غذا کھاتا ہے اس میں سے بعض سے خون بنتا ہے تو بعض سے گوبر اور دیگر فضلات بن جاتے ہیں پھر اس خون وغیرہ میں سے سفید صاف ستھرا دودھ نکل آتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ غذا جانوروں کے معدے آنتوں وغیرہ میں گھل جاتی ہے ہضم ہونے کے بعد نیچے گوبر درمیان میں دودھ اور اوپر خون بنتا ہے۔ پھر جگر معدے کے ذریعے خون رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اور فضلات گوبر بن کر روجڑی میں جاتے ہیں۔ فائدہ: اس آیت میں بُطُوْنِهٖ: ضمیر مذکر ذکر کیا ہے جبکہ سورۃ المومنون آیت 21 میں ضمیر مونث ذکر کیا ہے تو یہاں پر بتاویل كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ: ہے یعنی ہر ایک ان میں سے۔ جبکہ سورۃ المومنون میں ظاہری جمع کے اعتبار سے ہے۔ پھر اس فرق کی ایک حکمت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس سورۃ میں جانوروں کا ایک فائدہ ذکر کیا ہے جو کہ دودھ

پینے کا فائدہ ہے اور سورۃ المومنون میں مزید فائدے ساتھ ذکر کیے ہیں تو وہاں اس کا لحاظ کرتے ہوئے جمع ذکر کیا ہے۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

"اور کھجور کے پھلوں اور انگور سے بھی جس سے تم شراب بھی بناتے ہو اور پاکیزہ رزق بھی۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے عبرت ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں" [67]۔

تفسیر 67 اس آیت میں بھی دلیل عقلی ہے اور سَكَرًا: سے مراد شراب ہے البتہ اس آیت کے نزول کے وقت شراب کی حرمت نہیں ہوئی تھی اس لیے سکر سے یا عصیر مراد ہے یعنی نچوڑا ہوا رس پھر کچھ عرصہ رہ جانے پر وہ سکر بن جاتا ہے یا سکر سے سرکہ مراد ہے: وَرِزْقًا حَسَنًا: کھانے پینے کی اُن تمام اشیاء کو رزق حسن کہتے ہیں جو ان دونوں سے تیار کیے جاتے ہیں اور ان میں نشہ نہیں ہوتا۔ اس آیت میں سکر کے پہلے معنی کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ خمر صرف انگور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دوسری چیزوں سے بھی خمر یعنی شراب تیار ہوسکتا ہے البتہ ان دونوں چیزوں کا ذکر اسلئے کیا کہ عرب میں یہ کثرت سے پیدا ہوتی تھیں۔ چونکہ ان چیزوں کے بنانے میں عقل وعمل کا دخل ہے اور نشے وغیرہ کا تعلق بھی عقل سے ہے تو اسلئے آخر میں: يَعْقِلُوْنَ: کا لفظ ذکر کیا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

"اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ پہاڑوں درختوں میں اور جو لوگ چھپر بناتے ہیں ان میں اپنا گھر بنا [68]۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے رزق کھا اور حاصل کر پھر ان راستوں پر چل جو تیرے رب نے تیرے لئے آسان کردیئے ہیں۔ اس مکھی کے پیٹ میں وہ مختلف رنگوں والا مشروب نکلتا ہے جس میں لوگوں کیلئے شفاء ہے یقیناً ان سب باتوں میں ان لوگوں کیلئے نشانی عبرت ہے جو سوچتے سمجھتے ہوں" [69]۔

تفسیر 68، 69 اس آیت میں بھی عقلی دلیل ہے جو شہد کی نعمت ذکر کی گئی ہے۔ پہلی آیت میں مکھی کیلئے گھر یعنی چھتے بنانے کا ذکر ہے جو درختوں، پہاڑوں میں ہوتے ہیں۔ جو کہ کسی کی ملکیت نہ ہو یا آبادیوں میں ہوتے ہیں۔ جو کہ ملکیت ہوتی ہے

جبکہ دوسری آیت میں شہد بنانے اور اس کو نچوڑنے کا ذکر ہے اور بُطُوْنِهَا: کا لفظ ظاہری دلیل ہے کہ مکھی کے پیٹ سے دبر کی جانب سے شہد نکلتا ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ شہد نکلنے کی سمت یعنی جانب معلوم نہیں ہے: فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ: شفاء نکرہ ہے اور مقام اثبات میں ہے جس سے عموم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا اس سے پتہ چلا کہ شہد بعض بیماریوں کا علاج ہے لیکن بعض سلف نے حسن ظن کی وجہ سے اسے عام بیماریوں کیلئے علاج قرار دیا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ امراض کا علاج کرنا جائز ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے: وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ: یہاں پر وحی (ایحاء) سے مراد مکھی کی فطرت میں یہ علم پیدا کرنا ہے: ذُلُلًا: اس میں اشارہ ہے کہ مکھی اپنے چھتے میں بآسانی پہنچ جاتی ہے اور راستہ نہیں بھولتی: شَرَابٌ: اس میں اشارہ ہے کہ شہد بطور مشروب استعمال کرنے میں فائدہ زیادہ ہے: يَتَفَكَّرُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ اہل فکر شہد سے مختلف فائدے لے سکتے ہیں اور مختلف نسخے وغیرہ بنا سکتے ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

"اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہ تمہاری روح قبض کرے گا اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے آخری حصہ تک پہنچا دیا جاتا ہے جس میں پہنچ کر سب کچھ جاننے کے باوجود کچھ نہیں جانتا بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور قدرت والے ہیں" [70]۔

تفسیر 70 اس آیت میں بھی دلیل عقلی ہے: أَرْذَلِ الْعُمُرِ: اس سے وہ حال مراد ہے جس میں انسان کی قوتیں ناقص ہو جاتی ہیں اور اس کی عقل ناکارہ ہو جاتی ہے اور اس کی عقل وفہم میں کمی آ جاتی ہے اس کو حدیث میں ھرم کہا گیا ہے۔ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ أَوْ أَرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ: (صحیح بخاری حدیث 6371، صحیح مسلم، فی الذکر و الدعا حدیث 2706) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کیفیت مومن پر نہیں آتی اور انہوں نے سورۃ التین آیت 5، 6 سے استدلال کیا ہے اور اسی طرح سورۃ حجر آیت 5 سے بھی استدلال کیا ہے: إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ذرہ برابر بھی نقصان نہیں آتا ہے: قَدِيْرٌ: اس میں اشارہ ہے پیدا کرنا، وفات کرنا اور بڑھاپے میں تبدیل کرنا قدرت الٰہی کی دلیل ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعضوں کو رزق میں بعضوں پر برتری دی ہے اب جن لوگوں کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو اس طرح نہیں لوٹا دیتے ہیں کہ وہ سب برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں" [71]۔

تفسیر 71 گزشتہ آیتوں میں رزق کی چیزوں اور نعمتوں کا ذکر ہوا تو اب اس میں تفاوت درجات کا ذکر ہو رہا ہے لہٰذا اس آیت کے پہلے جملے میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نظام درجات پر تقسیم ہے بعضوں کو مالدار اور بعضوں کو فقیر بنایا ہے اور بعضوں کو آزاد جبکہ بعضوں کو غلام بنایا ہے اسی طرح سورۃ الانعام آیت 165 اور سورۃ زخرف آیت 32 میں ہے اس آیت میں رد شرک کیلئے مثال بھی ہے جس کو شرک عطائی کہتے ہیں جو کہ رزق میں تفاوت کا اور درجہ بندی کا ذکر ہے اور سورۃ الروم آیت 28 میں بھی اس طرح ہے۔ مثال کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس بات کیلئے تیار نہیں ہے کہ اپنے غلام نوکر کو اتنا مال دے کہ اس کو اپنے ساتھ اختیار میں مساوی بنا دے ہرگز یہ کام تم میں سے کوئی نہیں کرتا۔ تو کس طرح تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (مملوک) بندوں انبیاء اولیاء اور ملائکہ کو اتنے اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیارات میں برابر ہو گئے ہیں یعنی مشکل کشا حاجت روا داتا متصرف بن گئے ہیں۔ یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری ہے اور اس مثال میں شرک عطائی پر رد ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے ہیں اور تمہیں اچھی اچھی چیزوں میں سے رزق فراہم کیا ہے کیا پھر بھی یہ لوگ بے بنیاد باتوں پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کے ناشکری کرتے ہیں" [72]۔

تفسیر 72 اس آیت میں دلیل عقلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ذات سے ان کیلئے جوڑے اور ان سے اولاد عطا کی

ہے: مِّنۡ أَنفُسِکُمۡ: یعنی تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسانوں کا نکاح جنوں سے نہیں ہوسکتا کیونکہ ان کی جنس مخالف ہے۔ البتہ جواز کا ایک قول ہے: وَحَفَدَةً: اس سے پوتے اور خادم مراد ہیں اسلئے کہ حفد اصل میں حرمت کو کہتے ہیں اور لفظ لَکُمۡ: میں اشارہ ہے کہ اولاد نسب میں والد کے تابع ہوتی ہے: أَفَبِالۡبَاطِلِ: اس سے مراد معبودان باطلہ ہیں۔ مشرکین اپنی بیویوں، اولادوں، اور اموال کی نسبت معبودان باطلہ کی طرف کرتے ہیں جو حقیقت میں باطل پر ایمان ہے۔

وَيَعۡبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡأَرۡضِ شَيۡـًٔا وَّلَا يَسۡتَطِيعُونَ ۝

"اور یہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کیلئے زمین اور آسمانوں میں سے رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی اور نہ ان کے بس میں ہیں" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں شرک فی العبادۃ اور شرک فی التصرف پر رد ہے اور یہ: أَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُونَ: کی تفسیر ہے۔ باطل پر ایمان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے نام کی نذریں مانتے ہیں اور قبروں کے طواف کرتے ہیں اور شرک کے دیگر اعمال کرتے ہیں جو حقیقت میں ان کی عبادت ہے: لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ: یعنی بارشوں کو برسانا، زمین سے فصلیں اگانا یہ ان کے معبودان تو اپنی ذات کا اختیار نہیں رکھتے تو دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں: وَلَا يَسۡتَطِيعُونَ: کسی اور کیلئے بھی اختیار نہیں رکھتے یا مطلب یہ ہے کہ اپنے لئے اختیار تو وہ ابھی بھی نہیں رکھتے اور آئندہ بھی امید نہیں ہے۔

فَلَا تَضۡرِبُوا لِلّٰهِ الۡأَمۡثَالَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ ۝

"لہٰذا تم اللہ کیلئے مثالیں نہ گھڑو یقیناً اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے" [74]۔

تفسیر 74 اس آیت میں ان تمام کفار اور مشرکین پر رد ہے جو اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ بغیر کسی واسطے مخلوق تک رسائی نہیں ہوسکتی اسی طرح کہتے ہیں کہ سفارش کیلئے کسی بااثر شخصیت یا اس کا دوست ہونا چاہیے جس سے اللہ تعالیٰ مجبور ہے۔ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ تک بغیر وسیلہ رسائی نہیں ہوسکتی اور نیک بندے اولیاء وغیرہ شفاعت قہریہ کے مالک ہیں نیز اس آیت میں مجسمہ اور مشبہ پر بھی رد ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تشبیہ مخلوق کے ساتھ دیتے ہیں اور اس ذات باری تعالیٰ کیلئے جسم ثابت کرتے ہیں۔ سورۃ شوریٰ آیت 11 اور سورۃ اخلاص آیت 4 میں بھی اس طرح ہے: إِنَّ اللّٰهَ

يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ: یہ ماقبل کیلئے علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا قیاس مخلوق پر نہیں ہوسکتا ہے مخلوق ہر چیز کا علم نہیں رکھتی اور لوگوں کی حاجتوں سے بے خبر ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر عالم ہے اسلئے مخلوق کو وسیلے کی ضرورت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کو کسی وسیلے یا نمائندے کی ضرورت نہیں۔ نیز اللہ اپنی شان اور صفات کو جانتا ہے لہٰذا وہ اپنے لئے اگر کوئی مثال ذکر کرتا ہے تو وہ صحیح اور درست ہے لیکن مخلوق اللہ تعالیٰ کی شان کو نہیں جانتی اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں پیش نہیں کرسکتی۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؁

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مثال بیان کی ہے کہ ایک طرف ایک غلام ہے جو کسی کی ملکیت میں ہے اس کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں دوسری طرف وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنی طرف سے عمدہ رزق عطا کیا ہے اور وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہرا خوب خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں۔ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے" [75]۔

تفسیر 75 اس آیت میں بطور مثال ان لوگوں پر رد کیا گیا ہے جو مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر تصور کرتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ تم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں پیش مت کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مثالوں کو متوجہ ہوکر سنو۔ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک غلام جو کسی قسم کا فائدہ دینے پر قادر نہیں یعنی کسی چیز پر اس کو قدرت اور تصرف حاصل نہ ہو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا ہو جبکہ اس کے مقابل دوسرا شخص ہو جو آزاد ہو اور ان کے پاس حلال مال بڑی فراوانی سے موجود ہو اور وہ اپنے اختیارات میں سے اس میں سے خرچ کرتا ہو تو یہ دونوں کسی بھی اعتبار سے برابر نہیں ہوسکتے یعنی غلام اور اس کا مالک برابر نہیں ہوسکتا تو کس طرح مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کہ متصرف اور مالک ہے اس مخلوق کو برابر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندے اور بے اختیار ہیں یعنی ملائک انسان پیر وغیرہ۔ مَّمْلُوْكًا: یہ لفظ اس لیے استعمال کیا ہے کہ عبد ہر انسان کو کہتے ہیں آزاد ہو یا غلام ہو۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ: اس صفت کے لوگ زیادہ ہیں یعنی غلام اور آزاد لہٰذا اس لیے ان کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ: یہ اس مثال کی وضاحت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ الوہیت کی تمام صفات اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہیں لہٰذا کوئی بھی مخلوق اس کی شریک برابر یا مشابہ نہیں ہوسکتی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀

"اور خدا ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک گونگا ہے جو کوئی کام نہیں کر سکتا اور اپنا آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، جہاں کہیں اسے بھیجا جاتا ہے تو وہ کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کرتا ایسا شخص اس دوسرے شخص کے برابر ہو سکتا ہے۔ جو دوسروں کو بھی اعتدال کا حکم دیتا ہے اور خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہو" [76]۔

تفسیر 76: اس آیت میں مشرکین پر رد کرنے کیلئے دوسری مثال دی گئی ہے۔ مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص جو گونگا ہو، وہ بات نہیں کر سکتا اور کسی قسم کی بھلائی پر قدرت نہیں رکھتا یعنی ہاتھوں پاؤں سے شل ہے اپنے مالک پر ایک مصیبت اور بوجھ بنا ہوا ہے مالک اس کو لئے پھرتا رہتا ہے اور دیکھ بھال کرتا ہے اس کو سنبھالتا ہے اور کسی قسم کا فائدہ دینے پر قادر نہیں کیونکہ نہ سن سکتا ہے نہ ہی سمجھ سکتا ہے جبکہ اس کے مقابل دوسرا شخص ہے جو عدل و انصاف کا حکم دے سکتا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور سیدھے راستے پر سفر کر سکتا ہے جو اسے منزل مقصود تک پہنچانے اور اس میں صحیح اور غلط راستے کا امتیاز کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ تو یہ دونوں کبھی بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ یہ مثال معبود باطل اور معبود برحق کی ہے۔ معبود باطل خواہ بت ہو یا قبر ہو، وہ کچھ کرنے سے بھی قاصر ہے ہاتھ پاؤں میں بھی دم نہیں ہے اپنے غسل اور قبر میں اتارنے کا محتاج ہے اور زندوں کے سہاروں کا محتاج ہے قبرستان میں خود چل کر نہیں جا سکتا اور اس سے کوئی حاجت طلب کی جائے تو پوری نہیں کر سکتا کیونکہ سمجھنے اور سننے سے قاصر ہے۔ اور معبود برحق ذات اللہ ہے جو انصاف کا حکم دیتا ہے ہر چیز پر قادر ہے نظام چلانے والا ہے سارے علم کا علم رکھتا ہے۔ دونوں مثالوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی مثال میں صرف تصرف کی نفی ہے جبکہ دوسری مثال میں علم، سماع، کلام اور قدرت سب کی نفی غیر اللہ سے کی گئی ہے۔ فائدہ: چونکہ جانبین کے متعلق دوسری مثال بہت واضح ہے اسلئے اس میں صرف فرمایا کہ ہَلْ يَسْتَوُونَ: کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ جبکہ پہلی والی مثال میں فرق کم تھا تو اس کے آخر میں: يَسْتَوُونَ: فرمایا ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور آسمانوں اور زمین کے سارے بھید اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں ہوگا بلکہ اس سے بھی کم۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے" [77]۔

تفسیر 77 اس آیت میں پہلی مثال کی تکمیل ہے اور شرک فی العلم والتصرف پر رد کیا گیا ہے اور ساعت سے کائنات کے فنا ہونے کا وقت مراد ہے جب صور پھونکا جائے گا یا اس سے مراد نفخہ ثانیہ کے ساتھ سب کا یکبارگی اُٹھنا ہے تو اس وقت کی مثال آنکھ جھپکنے کے ساتھ دی ہے یعنی وہ وقت آنکھ جھپکنے کے بقدر کم ہوگا۔ چونکہ آنکھ کا جھپکنا ایک زمانی امر ہے اور زمانے کا جزء ہے تو مثال میں ترقی کرتے ہوئے بتایا گیا کہ وقت آنی ہے زمانی نہیں جبکہ لَمۡحِ الۡبَصَرِ: زمانی ہے۔ اس طرح سورۃ قمر آیت 50 میں بھی ہے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَـيْـــــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـــِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

"اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بھی پیدا کئے تاکہ تم شکر ادا کرو" [78]۔

خلاصہ: اس آیت سے 73 آیت تک پانچواں باب ہے۔ اس میں چار عقلی دلائل ہیں۔ آیت 78، 79، 80 اور 81 میں اور اس میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو بدنی قوتیں ہیں یا پرندوں کے گھر ہیں اور خیمے ہیں۔ نیز سائے، غار، قمیص، زرعیں ہیں۔ پھر آیت 82 میں نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے اور 83 میں نعمتوں کی ناشکری پر وعید ہے۔

تفسیر 78 اس آیت میں عقلی دلیل ہے جس میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے اور اس میں ان کے تین قوتوں کا بھی ذکر ہے جو کہ تینوں علم اور شکر ادا کرنے کیلئے اسباب ہیں: وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡئِدَةَ: انسان کے ساتھ یہ قوتیں ساتھ ساتھ آتی ہیں لیکن ان کو الگ الگ ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان نعمتوں میں چالیس سال تک اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

اَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیۡ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمۡسِکُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۹﴾

"کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ وہ آسمان کی فضاء میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ تابع کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے ان کو نہیں تھاما ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں" [79]۔

تفسیر 79 یہ بھی عقلی دلیل ہے جس میں پرندوں کی نعمت اور ان کی حفاظت کا ذکر ہے۔ سورۃ ملک آیت 19 میں بھی اس طرح ہے: جَوّ: اصل میں جوف ہے۔ آسمان اور زمین کے درمیانی فضا پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا وَّ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ جُلُوۡدِ الۡاَنۡعَامِ بُیُوۡتًا تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا یَوۡمَ ظَعۡنِکُمۡ وَ یَوۡمَ اِقَامَتِکُمۡ ۙ وَ مِنۡ اَصۡوَافِہَا وَ اَوۡبَارِہَا وَ اَشۡعَارِہَاۤ اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۸۰﴾

"اور اس نے تمہارے لئے گھر کو سکون کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے مویشیوں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جنہیں تم سفر پر روانہ ہوتے وقت اور کسی جگہ ٹھہرتے وقت ہلکا پھلکا محسوس کرتے ہیں اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے گھریلو سامان اور ایسی چیزیں پیدا کیں جو ایک مدت تک تمہیں فائدہ پہنچاتی ہیں" [80]۔

تفسیر 80 یہ بھی دلیل عقلی ہے جس میں گھروں، خیموں، لباس، روئیں اون وغیرہ کی نعمتوں کا ذکر ہے: مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا: اس میں شہر اور دیہاتوں کی طرف اشارہ ہے: مِّنۡۢ بُیُوۡتِکُمۡ: لفظ: مِّنۡ: میں اشارہ ہے کہ مکان کے بعض حصہ میں رہائش ہوتی ہے: وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا: اس میں صحرائی زندگی کی طرف اشارہ ہے: تَسۡتَخِفُّوۡنَہَا: یعنی جب تک سفر کرتے ہو تو ان خیموں کا لیجانا آسان ہوتا ہے اور جب پڑاؤ ڈالتے ہو تو خیمہ لگانا بھی آسان ہوتا ہے: اَثَاثًا: وہ چیزیں جو گھر میں استعمال ہوتی ہیں اس میں لباس بھی داخل ہے: وَّمَتَاعًا: بالوں سے رسی بنانا اس سے دھاگہ بنانا اور اس سے دیگر فوائد حاصل کرنا مراد ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾

"اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کئے اور پہاڑوں میں تمہارے لئے پناہ گاہیں بنائیں اور تمہارے لئے ایسے لباس پیدا کئے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس جو تمہاری جنگ میں تمہیں محفوظ رکھتے ہیں اسی طرح وہ اپنی نعمتوں کو تم پر مکمل کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو" [81]۔

تفسیر 81 یہ بھی دلیل عقلی ہے اس میں سائے، درخت، پناہ گاہیں، غار اور اسکے علاوہ دیگر نعمتوں کا ذکر ہے: مِّمَّا خَلَقَ: اس سے مراد دیوار و درخت وغیرہ ہیں۔ صرف گرمی کا ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ مخاطب مکہ والے تھے جن پر سردی نہیں آتی تھی: تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ: اس میں دلیل ہے کہ انسان اپنے بچاؤ کیلئے مختلف قسم کے اسباب استعمال کر سکتا ہے۔ نِعْمَتَهٗ: اس سے مراد جنس نعمت ہے اور اتمام و اختتام میں فرق ہے: لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ: اسلام مکمل انقیاد کو کہتے ہیں یعنی جس پر انعام کیا گیا ہے اس پر لازم ہے کہ انعام کرنے والے کے مکمل تابع ہو ظاہراً باطناً اور یہ عقلاً نقلاً لازم ہے کہ منعم کا مطیع ہو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾

"پھر بھی اگر یہ (کافر) منہ موڑ رہے ہوں تو آپ کے ذمہ صرف حق کی بات واضح طور پر پہنچا دینا ہے" [82]۔

تفسیر 82 اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے: فَاِنْ تَوَلَّوْا: اس کی جزا اصل میں مقدر ہے یعنی اگر یہ اعراض کریں گے تو آپ پر کوئی وبال نہیں ہے صرف تبلیغ آپ کا فریضہ ہے۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾

"یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں" [83]۔

تفسیر 83 اس آیت میں وعید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرتے ہوں پھر اس کی نسبت معبودان باطلہ کی طرف کرتے ہو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرتے ہو جبکہ عملاً اس کا انکار کرتے ہو۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جانتے ہوں مگر زبان سے انکار کرتے ہوں: وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُوْنَ: اکثر اسلئے فرمایا کہ بعض لوگوں کا عملی انکار کفر تک نہیں پہنچتا ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

"اور اس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ کو کھڑا کریں گے پھر جن لوگوں نے کفر اپنایا تھا انہیں (عذر پیش کرنے کی) اجازت نہیں دی جائیگی اور ان سے توبہ بھی قبول نہیں ہوگی" [84]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 113 تک چھٹا باب ہے اس میں تخویف اخروی ہے۔ آیت 84 تا آیت 89 تک پھر عذاب سے نجات کیلئے قرآن کی طرف ترغیب دی ہے آیت 89 تک میں پھر مضامین قرآن کا خلاصہ آیت 90 میں ذکر کیا ہے پھر آیت 91 میں وفا پورا کرنے کی ترغیب دی گئی ہے پھر عہد شکنی سے مختلف طریقوں سے منع کیا گیا ہے آیت 91، 92، 94، 95، 96۔ آیت 93 میں خوف عذاب الٰہی کا ذکر ہے جو بطور سوال ذکر ہوا ہے۔ اور آیت ۹۷ میں خوشخبری ہے۔ پھر قرآن اور اس کے آداب کی طرف ترغیب ہے آیت 98، 99، 100 میں پھر ان منکرین کیلئے وعید ہے جو نسخ کے قائل نہیں ہیں آیت 101، 102 میں اور آیت 103 میں ان کیلئے وعید ہے جو قرآن کی نسبت انسانی کلام کی طرف کرتے ہیں۔ پھر آیت 104 میں تخویف اور آیت 105 میں وعید ہے۔ پھر وعدہ خلافی جو کہ ارتداد ہے پر وعید ہے آیت 106 تا 109 پھر آیت 110 میں خوشخبری ہے اور آیت 111 میں آخرت کے عذاب کا خوف ذکر ہے۔ پھر بطریق مثال تخویف دنیوی ہے آیت 112 اور 113 میں۔

تفسیر 84 اس آیت میں تخویف اخروی ہے: لَا يُؤْذَنُ: ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی جیسا کہ سورۃ مرسلت آیت 36 میں ہے: وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ: یہ لفظ عُتْبَا: سے لیا گیا ہے جس کا معنی رجوع کرنا اور توبہ کرنا ہے۔ یا عتاب سے لیا گیا ہے اس میں عتاب زائل کرنے کا ذکر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سے توبہ طلب نہیں کی جائیگی یا مطلب یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾

"اور جب یہ ظالم عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائیگی" [85]۔

تفسیر 85 اس آیت میں عذاب اخروی کا ذکر ہے اور جزاء اس کی حذف کی گئی ہے اور وہ تقدیری الفاظ یہ ہے: فَيُعَذَّبُونَ:

وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۸۶

"اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا تھا جب وہ اپنے (گھڑے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی ہمارے (بنائے ہوئے) وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے تھے اس موقع پر وہ (گھڑے ہوئے شریک) بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو" [86]۔

تفسیر 86 اس آیت میں تخویف اُخروی ہے کہ باطل الٰہ روز قیامت ان سے برأت کریں گے اور اس سے نیک بندے مراد ہیں۔ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ: یعنی ہم نے تمہیں اپنی بندگی کا حکم نہیں دیا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین جن کو پکارتے اور ان کی نذریں مانتے ہیں وہ ان کے پکار اور نذروں سے بے خبر ہیں جیسا سورۃ یونس آیت 28، 29 اور سورۃ احقاف آیت 5، 6 میں ذکر ہے۔

وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَىٕذِ لسَّلَمَ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝۸۷

"اور وہ اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری کی بول بولیں گے اور جو بہتان وہ باندھا کرتے تھے اس کا ان کو کوئی سراغ نہیں ملے گا" [87]۔

تفسیر 87 اس آیت میں تخویف ہے: وَضَلَّ عَنْهُمْ: ایک معنی یہ ہے کہ ان سے وہ بنائے ہوئے جھوٹے دلائل بھول جائیں گے یعنی وہ سب جھوٹ پر مبنی دلائل تھے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کے وہ جھوٹے معبود غائب ہو جائیں گے جن کو وہ معبود مانتے تھے۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ ان سے وہ جھوٹی امیدیں زائل ہو جائیں گی کہ وہ معبود ہماری سفارش کریں گے۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ۝۸۸

"جن لوگوں نے کفر کیا ہے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے منع کر لیا تھا ان کے عذاب میں ہم مزید اور اضافہ کرتے رہیں گے کیونکہ وہ فساد کیا کرتے تھے" [88]۔

تفسیر 88 گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کا ذکر تھا جن کو مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا تھا جبکہ عام مشرکین کو ذرا یا گیا تھا اور اس آیت میں ان لوگوں کو خوف دلانا مقصود ہے جنھوں نے اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ گمراہ کیا ہے:

يُفْسِدُوْنَ: مراد یہ ہے کہ اور لوگوں کو بھی بے دینی کی دعوت دے کر گمراہ کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ۗ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

"اور وہ دن بھی یاد رکھو کہ جب ہر ایک امت میں سے ایک گواہ انہیں میں سے کھڑا کریں گے اور اے نبی! آپ کو بھی ہم ان لوگوں کے خلاف گواہی دینے کیلئے لائیں گے اور ہم نے تم پر یہ کتاب اتار دی ہے تاکہ وہ ہر بات کھول کھول کر بیان کر دے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے"[89]۔

تفسیر 89 اس آیت کے شروع میں تخویف اخروی کا بیان ہے کہ ان پر انبیاء وعلماء شہادت (گواہی) دیں گے ہر امت پر ان کے علماء اور انبیاء شہادت میں پیش کریں گے اور یہ شہادت دعوت وتبلیغ کی ہوگی نیز اس طرح سورۃ النساء آیت 41 میں بھی ہے اور اس سورۃ کی 84 آیت میں جو گزرا ہے تو اس میں شہید سے صرف اعضاء یا صرف انبیاء مراد ہیں تو وہ شہادت خاص ہے اور یہ شہادت عام ہے۔ اس آیت کے دوسرے حصے میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور قرآن کی چار صفات بھی بیان ہوئیں ہیں تاکہ قیامت کے عذاب سے بچا جاسکے اور جملہ میں اشارہ ہے کہ دعوت دینے والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہے تو ان سے اس کے بارے میں سوال ہوگا: تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ: ہر وہ چیز مراد ہے جس کی ضرورت دین میں پڑ سکتی ہے یا پھر لِكُلِّ شَيْءٍ سے مراد اس سورۃ میں نعمتوں کے تمام اصول ہیں: وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ: کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کے دل قرآن سے خوش ہوتے ہیں۔ مسلمین وہ ہیں جو ایمان کے ساتھ اعمال ظاہری بھی بجا لاتے ہیں اور قرآن پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ انصاف کا، احسان کا اور رشتہ داروں کو ان کے حقوق دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی بدی اور ظلم سے روکتا ہے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو"[90]۔

تفسیر 90 سابقہ آیت میں: لِكُلِّ شَيْءٍ: گزرا ہے اس آیت میں اس کا خلاصہ ذکر ہوا ہے اس آیت کے متعلق عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ابتداء میں ایمان میں نے حیاء کی وجہ سے قبول کیا تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے

کریم ﷺ کے پاس موجود تھا تو اس کے سننے کے بعد میرے دل میں ایمان راسخ ہوگیا اور میری رسول کریم ﷺ سے محبت حد درجہ تک پہنچی اس روایت کو محققین علماء نے شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس آیت نے خیر اور شر دونوں کو اچھی طرح جمع کیا ہے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے خطباء کو اس کی تلاوت کا خطبے میں حکم دیا تھا اور ابن کثیر نے اکثم بن صیفی اور اس کی قوم والوں کے ایمان لانے کا سبب اس آیت کو قرار دیا تھا۔ اس آیت کی تشریح اس طرح ہے کہ احکام شرعی دو قسم کے ہیں: (۱) مامورات: جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۲) منہیات: جن سے منع کیا گیا ہے۔ پھر مامورات دو قسم کے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ کے حقوق (۲) بندوں کے حقوق یعنی حقوق اللہ، حقوق العباد اور پھر منہیات بھی اسی طرح دو قسم کے ہیں۔ پھر حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) عقائد اور عبادات (۲) انکے اوقات کیفیات مقدار طریقیں وغیرہ۔ تو عدل سے حقوق اللہ کی پہلی قسم یعنی عقائد وعبادات مراد ہے یعنی توحید اور سارے اعمال عدل ہے اس میں افراط اور تفریط درست نہیں ہے اور الاحسان سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی دوسری قسم مراد ہے۔ یعنی طریقہ، مقدار، اوقات، جس کو سنت بھی کہتے ہیں اور بندوں کے حقوق کو: وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ: سے ذکر کیا ہے یعنی قربت نسبی ہو یا سببی ہو۔ عام ایمان والوں کے دینی اور دنیاوی حقوق ادا کرنا مراد ہے۔ منہیات بھی دو قسم کی ہیں۔ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ پھر حقوق اللہ میں دو قسم ہیں: (۱) ایک وہ ہے جس کی برائی شریعت اور عقل دونوں سے ثابت ہے اس کو لفظ: اَلْفَحْشَآءِ: سے تعبیر کیا ہے اس میں کفر کے تمام اقسام اسی طرح شرک، چوری، جھوٹ، زنا وغیرہ بھی داخل ہیں۔ (۲) دوسری قسم وہ ہے جس کی قباحت صرف شریعت سے ثابت ہے یعنی عقائد اور اعمال میں نت نئی بدعات اور منکرات تو اس کیلئے: اَلْبَغْیِ: میں اشارہ ہوا ہے غرض یہ ہے کہ سارے دین کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: یَعِظُکُمْ: اس سے پتہ چلتا ہے کہ وعظ میں منہیات اور مامورات دونوں شامل ہیں۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

"اور جب تم نے کوئی معاہدہ کیا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم اپنے اوپر اللہ کو ضامن بنا چکے ہو تم جو کچھ بھی کرتے ہو بلاشبہ اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے" [91]۔

تفسیر 91 گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کا ذکر ہوا تو اس آیت میں عہد کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے اور عہد شکنی

سے منع کیا گیا ہے: وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا: اس میں اشارہ ہے کہ قسم کھاتے وقت اور عہد کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جا سکتا ہے: وَأَوْفُوا: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ ماقبل کے معنیٰ پر عطف ہے یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ نے نواہی اور اوامر کا حکم دیا ہے اور عہد کی وفا کا حکم دیا ہے: بِعَهْدِ اللّٰهِ: یہ لفظ عام ہے اس سے مراد ہر وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول کے ساتھ باندھا گیا ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ یا انسانوں کے آپس کے حقوق اور عہد مراد ہے۔ لیکن سب سے پہلا عہد قرآن وحدیث پر عمل اور توحید وسنت کے ساتھ وفاداری ہے اس وجہ سے اس کو: بِعَهْدِ اللّٰهِ: فرمایا ہے۔ اور عہد میں لفظ: أَشْهَدُ: مقدر ہوتا ہے۔ جو یمین یعنی قسم کے معنیٰ میں ہوتا ہے اس لیے الایمان فرمایا ہے اور چونکہ ہر ایمان کا دعویدار عہد کے وقت اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ذکر کرتا ہے اس لئے فرمایا کہ: جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾

"اور جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاتنے کے بعد ادھیڑ کر تار تار کر دیا تھا تم اس جیسے نہ بن جانا کہ تم بھی اپنی قسموں کو توڑ کر آپس کے فساد کا ذریعہ بنانے لگو صرف اس وجہ سے کہ کچھ لوگ دوسروں سے زیادہ فائدے حاصل کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہاری آزمائش کر رہا ہے اور قیامت کے دن وہ باتیں تمہیں ضرور کھول کر بتائے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے" [92]۔

تفسیر 92 اس آیت میں عہد شکنی سے مثال کے ذریعے منع کیا گیا ہے اور یہ: وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ: پر عطف ہے۔ مثال اس طرح دی گئی ہے کہ وہ خاتون جو بڑی مشکلوں سے سوت کاتے اور پھر اسے کھول کر ٹکڑے کر دیں یونہی عہد شکن انسان کی مثال ہے جو بے عقل بے شعور بھی ہو اور اپنے آپ کو نقصان بھی دیتی ہو: تَتَّخِذُونَ: میں همزہ استفہام برائے زجر وتوانت مخفی ہے: دَخَلًا بَيْنَكُمْ: دھوکہ کے معنیٰ میں ہے یعنی سبب الدخل۔ یا: دَخَلًا: فَاسِدًا: کے معنیٰ میں ہے اور سبب عہد شکنی قرار دیا ہے: أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ: کو یعنی اہل شرک وکفر کی مالداری دیکھ کر بے صبر ہو جاتے ہیں کہ وہ اتنی مالداری اور عیش میں زندگی گزار رہے ہیں تو یہ بھی توحید وسنت کا عہد چھوڑ کر بدعت وشرک وکفر میں کھو جاتے ہیں: أَنْ تَكُونَ: اس سے قبل لام مقدر ہے یعنی: لِأَنْ: إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهِ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار اور مشرکین کو خوب مالا مال کرتا ہے تاکہ ایمان والوں کا امتحان ہو جائے اس جملے میں بطور جواب کلام ذکر ہوا ہے۔

تَخۡتَلِفُوۡنَ: اس میں اشارہ ہے کہ نقض عہد سبب اختلاف ہے۔

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ يُّضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَلَـتُسۡـئَلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۹۳

''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک دین (توحید) پر جمع کر لیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے (اس کی ضد وعناد سے) گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچا دیتا ہے اور تم جو عمل بھی کرتے تھے ضرور تم سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی'' [93]۔

تفسیر 93 گزشتہ آیت میں سبب اختلاف ذکر ہوا کہ وہ عہد شکنی سے پیدا ہوتا ہے تو اس آیت میں ذکر ہے کہ یہ اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس آیت میں قدریہ معتزلہ پر رد ہے یعنی اضلال اور ہدایت کا معنی یہ ہے کہ کوئی عہد پر قائم رہتا ہے اور کوئی عہد شکنی کر لیتا ہے تو یہ اللہ کے اختیار سے ہوتا ہے: وَلَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ: عمل کے متعلق سوال کیا جائے گا تو اس میں جبریہ فرقہ کا رد ہوا ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اَيۡمَانَكُمۡ دَخَلًاۢ بَيۡنَكُمۡ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعۡدَ ثُبُوۡتِهَا وَتَذُوۡقُوا السُّوۡۤءَ بِمَا صَدَدْتُّمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ ۚ وَلَـكُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۹۴

''اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ جس کی وجہ سے کسی کے پاؤں جمنے کے بعد پھسل جائے پھر اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کی وجہ سے بری سزا چکھنی پڑے اور تمہیں بڑا عذاب ہوگا'' [94]۔

تفسیر 94 اس آیت میں پیشواؤں کو عہد شکنی اور قسم توڑنے سے منع کیا گیا ہے لہٰذا پچھلی آیت کے ساتھ تکرار نہیں ہے اور پیشواؤں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ بڑے کے پھسلنے سے مقتدی اور مرید وغیرہ بھی حق دین سے پھسل جاتے ہیں کیونکہ پیشواؤں کی پیروی میں اس طرح کر لیتے ہیں تو وہ ضال اور مضل یعنی خود بھی گمراہ اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنتے ہیں۔ قَدَمٌ: مقلدین مریدین کے قدم یا مقتدا کے قدم مراد ہے لیکن بِمَا صَدَدْتُّمۡ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ: سے پہلے معنی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت پر نہ بیچو اگر تم حقیقت سمجھو تو جو اجر اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لیے ہیں وہ کہیں زیادہ بہتر ہیں" [95]۔

تفسیر 95 اس آیت میں بھی دنیا کی مال وجاہ کی وجہ سے عہد شکنی سے منع کیا گیا ہے یعنی دنیا کے مال واقتدار کی حرص سے قرآن وسنت کے منہج، عقیدہ کو مت چھوڑو۔ اس کو سورۃ بقرہ آیت 41 میں اشتراء کہا گیا ہے وہاں تفسیر ملاحظہ ہو: ثَمَنًا قَلِيْلًا: دنیا کی تمام اشیاء کو کہا گیا ہے (سورۃ النساء آیت 77 سورۃ توبہ آیت 38): اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ: اس میں جنت وآخرت کی ترغیب ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جن لوگوں نے صبر کیا ہوگا ان کو ہم ان کے اچھے اعمال کے بدلے میں ضرور اجر عطا کریں گے" [96]۔

تفسیر 96 اس آیت میں ماقبل۔ خیر کیلئے علت ہے اور اس میں دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان پر کاربند رہنے سے جو اجر وثواب ملتا ہے وہ نہ ختم ہونے والا ہے جبکہ دنیا کا مال واقتدار ختم وفنا ہو جائے گا اور اس آیت میں عہد کی پابندی کو صبر قرار دیا ہے۔ لفظ حسن صرف مباح کو کہتے ہیں جبکہ مباح عمل پر اجر نہیں ملتا اور احسن فرض واجب سنت سب کو کہتے ہیں اسلئے یہاں پر احسن کا لفظ لایا گیا ہے اور احسن کی اضافت: مَا يَعْمَلُوْنَ: کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"جس شخص نے بھی ایمان کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ضرور اجر عطا کریں گے" [97]۔

تفسیر 97 عہد پر وفا کرنے والوں کو خوشخبری دی گئی ہے اور اس کی تعبیر ایمان اور عمل صالح سے کی گئی ہے: حَيَاةً طَيِّبَةً: ا

ں سے وہ تمام نعمتیں مراد ہیں جن کے ذریعہ دنیا و آخرت میں خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اس میں حلال رزق قناعت اور اطاعت کی توفیق شامل ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے جنت مراد ہے کیونکہ اچھی زندگی جنت کے بغیر نہیں ملتی ہے۔

أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ: گزشتہ آیت میں دنیا کی جزاء مراد ہے جبکہ یہاں پر آخرت کا بدلہ مراد ہے۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾

"لہذا جب تم پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو" [98]۔

تفسیر 98 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور اس کا ادب بھی ذکر ہے اور ربط بھی سابقہ آیت سے یہ ہے کہ اس میں عہد کا ذکر تھا تو قرآن عہد کی پاسداری کا حکم دیتا ہے لہذا شیطان کے وسوسوں سے پناہ طلب کرو تاکہ قرآن سے دور کاوٹ پیدا نہ کرے کیونکہ وہ غلط تاویلوں اور وسوسوں کے ذریعہ سے لوگوں کو عہد سے غافل کرتا ہے: الرَّجِيمِ جس پر قرآن میں لعنتیں پڑھی گئی ہے اور اسکے برے احوال بیان ہوتے ہیں: فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ: مراد قراۃ کا ارادہ ہے: فَاسْتَعِذْ: پناہ طلب کرنے کا امر ہوا ہے: أَعُوذُ بِاللَّهِ: حکم کی اطاعت کرتا ہے تو: أَعُوذُ بِاللَّهِ: پڑھنا بہتر کلام ہے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٩﴾

"اس کا بس ایسے لوگوں پر نہیں چلتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں" [99]۔

تفسیر 99 اس آیت میں سلطان سے مراد گناہ پر ایسا ابھارنا ہے کہ اس کی معافی نہ ہو جیسا کہ شرک وغیرہ۔ یا اس طرح بدعت وغیرہ جس سے توبہ نہ کرتا ہو یہ خاص سلطان کی نفی ہے اور اس طرح سورۃ الحجر آیت 42 میں ہے اور سلطان سے مراد اگر دلیل یا قوت ہو تو پھر نفی عام ہے جیسا کہ سورۃ ابراہیم 22 میں ہے۔

إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٠﴾ ع

"اس کا بس تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں" [100]۔

تفسیر 100 اس آیت میں سلطان خاص مراد ہے جس کی سابقہ آیت میں نفی کی گئی ہے: بِهِ مُشْرِكُونَ: بِهِ: کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں یا ضمیر شیطان کی طرف ہے معنی یہ ہے کہ بسبب إِغْوَائِهِ: یعنی شیطان کے وسوسوں سے شرک میں مبتلا ہوئے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب ہم ایک آیت دوسری آیت سے بدلتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا نازل کرتا ہے تو یہ کافر کہتے ہیں کہ تم تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے ہو حالانکہ ان میں سے اکثر حقیقت کا علم نہیں رکھتے" [101]۔

تفسیر 101 اس آیت میں منکرین قرآن پر رد ہے جو قرآن مجید پر اعتراضات کرتے ہیں کہ اس میں ناسخ ومنسوخ کیوں ہے لہٰذا یہ جھوٹ ہے ناسخ ومنسوخ کی بحث وتفسیر سورۃ البقرۃ 106 میں گزر گئی ہے: أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ: اس میں اشارہ ہے کہ ناسخ ومنسوخ کی حکمتوں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے: لَا يَعْلَمُوْنَ: یہ لوگ ناسخ ومنسوخ کی حکمتوں کو نہیں جانتے یعنی اعتراض کرنے والے جاہل ہیں۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝

"فرما دیجئے کہ یہ قرآن مجید تو جبرئیل علیہ السلام تمہارے رب کی جانب سے ٹھیک ٹھیک لے کر آئے ہیں تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت اور خوشخبری ہے" [102]۔

تفسیر 102 گزشتہ اعتراض کا اس آیت میں جواب ہے کہ یہ جھوٹ (افتراء) نہیں ہے بلکہ جبرئیل کے واسطے سے اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا ہے۔ اور اس میں قرآن کے تین فائدے ذکر کئے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ مضبوطی اور دین پر ثابت قدمی قرآن کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ: مکمل ہدایت یعنی عقائد واحکام پر مشتمل ہے۔ تیسرا فائدہ حقیقی خوشی اور اطمینان اسی سے حاصل ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝

"اور اے نبی! ہمیں معلوم ہے کہ یہ تمہارے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ لوگ غلط نسبت کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے جبکہ یہ قرآن صاف عربی میں ہے" [103]۔

تفسیر 103 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور منکرین کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے وہ اعتراض یہ تھا کہ اس نبی کو ایک نصرانی شخص تعلیم دیتا ہے اور وہ ہمارے دین یعنی شرک کے مخالف ہے اور وہ عجمی شخص ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بندہ عجمی ہے اور یہ کلام عربی فصیح ہے لہٰذا عجمی شخص ایسا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اھ۔ جو فصاحت وبلاغت سے نہیں بول سکتا ہے وہ خواہ عربی ہو یا عجمی ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے" [104]۔

تفسیر 104 جو لوگ قرآن کے منکر ہیں ان کیلئے وعید ہے اور اس میں دلیل ہے کہ قرآن کی مخالفت ہدایت سے محرومی کیلئے سبب ہے اور: لَا يُؤْمِنُونَ: اس سے عنادی ضدی لوگ مراد ہیں اسلئے وہ ایمان نہیں لاتے۔

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝

"اللہ پر جھوٹ وہ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیت پر ایمان نہیں لاتے اور وہی حقیقت میں جھوٹے ہیں" [105]۔

تفسیر 105 اس میں ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو انہوں نے نبی کی طرف جھوٹ منسوب کر کے کیا تھا یعنی منکرین قرآن اللہ پر بھی جھوٹ باندھتے ہیں کہ اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہیں اور حقیقت میں یہ لوگ مستقل جھوٹ بولنے والے تھا۔

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

"جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کرے۔ وہ نہیں جسے (کلمہ کفر پر) مجبور کیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کیلئے کھول دیا ہو۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے غضب نازل ہوگا اور ان کیلئے دردناک عذاب تیار ہے" [106]۔

تفسیر 106 اس آیت میں ارتداد کے ذریعے عہد شکنی کرنے والے مرتدین کیلئے تخویف کا ذکر ہے اور اس میں ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور یہ ماقبل سے ربط ہے: إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ: یہ کفر سے استثنیٰ ہے اور اس کا مطلب ہے کلمہ کفر کا تلفظ کرنا اور اکراہ کا مطلب بھی کلمہ کفر کے تلفظ پر مجبور کرنا ہے تو یہ استثنیٰ متصل صحیح ہے اور: شَرَحَ بِالْكُفْرِ: کے ساتھ اس کا تکرار لازم نہیں آتا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جبر کرنے والا قتل یا اعضاء کاٹنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اس موقع پر عزیمت پر عمل بہتر ہے یعنی قتل ہونے کی صورت میں شہید ہوگا جس کا اجر و درجہ عظیم ہے اور رخصت پر عمل جائز ہے

اور وہ یہ ہے کہ دل میں پختہ مومن ہو اور زبان پر کفر کا جملہ استعمال کر جائے: مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا: شرح سے مراد بلا شک وشبہ کفر کو اختیار کرنا ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿١٠٧﴾

"یہ اسلئے کہ ان لوگوں نے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں محبوب سمجھی اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ناشکرے لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ہے" [107]۔

تفسیر 107 اس آیت میں ماقبل کے دو سبب ذکر کئے گئے ہیں سبب دنیا کی محبت اور اس کو آخرت پر ترجیح دینا ہے اور آخرت سے غفلت ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عنادی کافر کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۖ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگادی ہے اور یہی لوگ ہیں جو اپنے انجام سے غافل ہیں" [108]۔

تفسیر 108 سابقہ برائیوں کا یہ دنیاوی نتیجہ ہے۔ آنکھوں کا طبع: غِشَاوَةٌ: سے سخت سزا ہے اور اس میں منکرین کی دو صفات ذکر ہوئی ہیں۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾

"لازمی بات ہے کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھائیں گے" [109]۔

تفسیر 109 یہ آخرت میں ماقبل کا نتیجہ ہے اور اس میں ان کی ایک صفت ذکر ہے جو کامل خسران ہے۔

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٠﴾

"پھر یقین جانو تمہارے رب کا معاملہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو تکلیفیں پہنچائی گئی ہوں پھر انہوں نے ہجرت کی اور پھر جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تو ان باتوں کے بعد تمہارا رب بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [110]۔

تفسیر 110 سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جبر کرنے والے کافروں سے بچاؤ اختیار کرو اور وہ ہجرت سے حاصل ہو سکتا ہے یعنی ظالموں کی بستیوں سے نکل کر ہجرت کرو تاکہ یہ نوبت ہی پیدا نہ ہو۔ اور: فُتِنُوا: سے مراد جبر ہے اور آیت میں اشارہ

ہے کہ ہجرت کرنے کے بعد جہاد اور صبر کرنا لازم ہے: مِنۢ بَعۡدِهَا: یہ ضمیر خصلت کی تاویل کے ساتھ ہجرت اور صبر کی طرف راجع ہے۔

يَوۡمَ تَأۡتِي كُلُّ نَفۡسٍ تُجَٰدِلُ عَن نَّفۡسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ ﴿١١١﴾

"یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا" [111]۔

تفسیر 111 اس آیت میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو طاقت کے باوجود ہجرت نہیں کرتے: تُجَٰدِلُ عَن نَّفۡسِهَا: اپنے عذروں کو پیش کرنے کیلئے ان کو وقت دیا جائے گا اور سورۃ المرسلات میں جو آیا ہے کہ ان کے عذروں کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی وہ الگ مرحلہ ہے: وَلَا يُؤۡذَنُ لَهُمۡ فَيَعۡتَذِرُونَ: آیت 36: لہٰذا ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے: عَن نَّفۡسِهَا: اس کی طرف سے والد، بھائی، بیٹا وغیرہ کوئی دفاع نہیں کریگا اس لئے وہ خود اپنی ذات کا دفاع کرنے پر مجبور ہوگا۔

وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلٗا قَرۡيَةٗ كَانَتۡ ءَامِنَةٗ مُّطۡمَئِنَّةٗ يَأۡتِيهَا رِزۡقُهَا رَغَدٗا مِّن كُلِّ مَكَانٖ فَكَفَرَتۡ بِأَنۡعُمِ ٱللَّهِ فَأَذَٰقَهَا ٱللَّهُ لِبَاسَ ٱلۡجُوعِ وَٱلۡخَوۡفِ بِمَا كَانُواْ يَصۡنَعُونَ ﴿١١٢﴾

"اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پرامن اور مطمئن تھی اس کا رزق اس کو بڑی فراوانی کے ساتھ پہنچ رہا تھا پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی بے قدری اور ناشکری کی تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف ان کا پہننا اوڑھنا بن گیا" [112]۔

تفسیر 112 اس آیت میں مشرکین کو دنیاوی عذاب کی وعید دی گئی ہے اور اہل مکہ پر دنیاوی عذاب قحط وغیرہ آنے کا اشارہ ہے۔ اور دیگر لوگوں کیلئے اس کو مثال بنایا ہے یا قریہ سے کوئی اور بستی مراد ہے جو بطور مثال ذکر کی گئی ہے جیسا کہ سباء والوں کی بستی کا ذکر سورۃ سباء آیت 15 تا 16 میں ذکر ہوا ہے اور مثال کیلئے یہ لازم بھی نہیں ہے کہ کوئی حقیقی بستی مراد ہو۔ پہلے قول کے مطابق جب مکہ والوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو حرم مکہ کے باوجود ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ان سے نعمتیں زائل ہوئیں اور قحط کی لپیٹ میں آئے تو جب اللہ کی نافرمانی کی صورت میں وہ نہیں بچ سکتے ہیں تو اور کونسی بستی ہوگی جو شرک و کفر کے باوجود عذاب الٰہی سے محفوظ ہوگی: فَأَذَٰقَهَا ٱللَّهُ لِبَاسَ ٱلۡجُوعِ: بھوک اور قحط کو لباس کے ساتھ

مشابہت دی یعنی جس طرح لباس سے بدن ڈھانپا ہوا ہوتا ہے اس کی لپیٹ میں ہوتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے خوف اور بھوک کو ان کا لباس بنا دیا۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان پر قحط و بھوک کے آثار ایسے ظاہر ہوئے جیسے بدن پر لباس ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء تھی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: اَللّٰھُمَّ سَبْعًا کَسَبْعِ یُوْسَفَ (صحیح بخاری حدیث 1007، صحیح مسلم حدیث 2798) اور اللہ نے ان پر قحط سالی مسلط کر دی جیسا مصر والوں پر دور یوسف علیہ السلام میں مسلط کی گئی تھی اور اس کی طرف سورۃ دخان آیت 10، 11 میں اشارہ ہوا ہے۔ لفظ: ذَوَقَ: سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ: ذُوْقُوْا الْعَذَابَ: یعنی پیوست ہونا چپک جانا۔ یا ذَوَقَ: اپنے مشہور معنیٰ پر ہے اور مراد یہ ہے کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابل مثل چکھنے کی ہے: فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ: اس سورت میں کثرت سے نعمتوں کا ذکر ہوا ہے اس لیے فرمایا کہ نعمتوں کی ناشکری کی اور رسول کا انکار کیا اور شرک کا ارتکاب کیا۔ چونکہ اس سورۃ میں نعمتوں کا ذکر زیادہ ہے اسلئے ان لفظوں کی اس سورۃ میں تخصیص کی ہے: یَصْنَعُوْنَ: وہ اعمال جن کا انہوں نے معمول بنایا ہوا تھا اور انہیں اچھا بھی سمجھتے تھے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

"اور ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تھا مگر انہوں نے اس کو جھٹلایا لہٰذا جب انہوں نے ظلم کو اختیار کیا تو ان کو عذاب نے پکڑ لیا" [113]۔

تفسیر 113 اس آیت میں نعمت عظیم کا ذکر ہے جو کہ انسانوں کے جنس و نسب میں سے ایک شخص کو رسول و نبی بنا کر بھیجنا ہے تو انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ وہ پہلے سے شرک میں مبتلا تھے مگر ان کے پاس نبی آیا ان پر حجت قائم کی پھر بھی انہوں نے انکار کیا تو قحط سالی ان پر مسلط کر دی گئی: فَكَذَّبُوْهُ: یہ: فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ: کی تفسیر ہے اور: فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ: یہ: فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ: کی تفسیر ہے: ظٰلِمُوْنَ: سے شرک کا ارتکاب مراد ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

"لہٰذا اس نے جو حلال اور پاکیزہ چیزیں تمہیں رزق کے طور پر دی ہیں انہیں کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو" [114]۔

خلاصہ: یہاں سے سورت کے اختتام کے تک ساتواں باب ہے اس میں آیت 117 تک شرک: فِي التَّحْلِيْلِ

وَالتَّخْرِيْمِ پر رد ہے اور آیت 118 میں بطور وعید نقلی جبری حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے پھر آیت 119 میں توبہ کرنے والوں کیلئے خوشخبری ہے پھر مشرکین پر رد کرنے کیلئے ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر ہے اور ان کے دس احوال و اوصاف ذکر ہیں۔ جو آیت 120 تا 135 تک ہیں اور آیت 124 میں سوال کا جواب ہے اور پھر دعوت حق و تبلیغ کی طرف ترغیب دی ہے اور پانچ آداب کا ذکر سورۃ کے اختتام تک ہے۔

تفسیر 114 اس آیت میں غیر اللہ کی تحریم اور تحلیل پر رد ہے جس کی تشریح سورۃ بقرۃ اور سورۃ مائدۃ میں گزر چکی ہے۔ اس میں مشرکین کی ناشکری کا ذکر ہے کہ وہ اپنی طرف سے تحریم یعنی کچھ چیزوں کو خود سے حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ سابقہ آیتوں میں گزرا ہے۔ اس میں ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کو حلال مان لو اور اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلال کو حلال ماننا بھی عبادت ہے: وَاشْكُرُوْا: یہ سورت چونکہ نعمتوں کی سورت ہے اس لئے اس میں فرمایا کہ: وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ:

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾

"اس نے تمہارے لئے صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو البتہ جو شخص بھوک سے بالکل بے تاب ہو لذت حاصل کرنے کیلئے نہ کھائے اور حد ضرورت سے آگے نہ بڑھے تو اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [115]۔

تفسیر 115 اس آیت میں تحریم اور نذر غیر اللہ پر رد کیا گیا ہے یعنی ان چاروں چیزوں کو مشرکین حلال مانتے تھے جبکہ یہ وہ چار چیزیں ہیں جو تمام ادیان میں حرام تھیں۔ اس کی تفسیر سورۃ بقرۃ آیت 173 میں گزر گئی ہے۔ اس آیت میں رزق کی نسبت صراحتاً اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے تو اسلئے حرمت کی نسبت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف صیغہ معلوم سے کی گئی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾

"اور جن چیزوں کے بارے میں تمہاری زبانیں جھوٹی باتیں بناتی ہیں ان کے بارے میں یہ مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھو گے بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پا سکتے" [116]-

تفسیر 116 گزشتہ دو آیتوں میں تحریم اور تحلیل کا حکم بیان ہوا تھا کہ یہ بندوں کے اختیار میں نہیں تو اس آیت میں مشرکین کے تحلیل و تحریم پر رد ہے اور اس آیت میں وضاحت ہے کہ جو لوگ کسی چیز کو اپنی طرف سے حلال یا حرام قرار دیتے ہیں وہ سراسر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے: لِمَا تَصِفُ: اس میں لام اجلیہ ہے اور هٰذَا حَلٰلٌ: قول کا مقولہ ہے۔ یا لام شانیہ ہے یعنی جن کے متعلق تمہاری زبانیں بیان کرتی ہیں :اَلْكَذِبَ: یہ لَا تَقُوْلُ: کیلئے مفعول ہے۔ اور: هٰذَا حَلٰلٌ :اَلْكَذِبَ: کیلئے تفسیر ہے البتہ پہلی توجیہ بہتر ہے کیونکہ دوسری توجیہ میں اَلْكَذِبَ: مفرد مقولہ قول کا نہیں ہو سکتا مگر تاویل کے ساتھ۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

"ان کو جو عیش (دنیا میں) حاصل ہے وہ تو بہت تھوڑا سا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے" [117]-

تفسیر 117 اس آیت میں سوال کا جواب ہے یعنی مشرکین کو بہت ساری نعمتیں دی گئی ہیں تو کیا یہ لوگ حق پر ہیں؟ اس کا جواب ہے کہ دنیا کی نعمتیں بہت تھوڑی اور بہت جلد ختم ہونے والی ہیں: مَتَاعٌ قَلِيْلٌ: اس کی خبر حذف ہے یعنی لَهُمْ: یا اس کا مبتدا حذف ہے یعنی: مَتَاعُهُمْ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ:

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

"اور یہودیوں کیلئے ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جن کا تذکرہ ہم تم سے پہلے ہی کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے" [118]-

تفسیر 118 اس آیت میں خاص حرمت کا بیان ہے جو یہودیوں پر کیا گیا تھا۔ اس میں تخویف ہے یعنی جیسے ان کے برے

اعمال ان کیلئے حلال چیزوں کی حرمت کا سبب ہے تو اگر تم بھی ظلم کروگے تو تمہارے اوپر نعمتیں حرام ہو جائیں گی نیز اس آیت کی تشریح سورۃ انعام آیت 146 اور سورۃ نساء 160 میں گزر گئی ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

''پھر بھی تمہارا رب ایسا ہے کہ جن لوگوں نے نادانی میں برائی کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی تو ان سب باتوں کے باوجود تمہارا رب بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے''[119]۔

تفسیر 119 اس آیت میں توبہ کی ترغیب ہے: عَمِلُوا السُّوْٓءَ: تمام گناہوں کو کہتے ہیں: بِجَهَالَةٍ: اشارہ ہے کہ ہر گناہ کا ارتکاب کرنے والا گناہ کرتے وقت جاہل ہوتا ہے یعنی اس وقت گناہ کے انجام سے بے خبر ہوتا ہے: مِنْۢ بَعْدِهَا ضمیر بتاویل خصلت توبہ اور اصلاح کی طرف راجع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ توبہ کے ساتھ جب عمل صالح مل جائے تو مغفرت اور رحمت دونوں حاصل ہوتے ہیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

''یقیناً ابراہیم علیہ السلام ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کر لی تھی اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں[120]۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اس نے انہیں چن لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچا دیا تھا[121]۔ اور ہم نے انکو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو ان کا شمار یقیناً صالحین میں ہے'' [122]۔

تفسیر 120 تا 122 ان آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے کیونکہ وہ مشرکین مکہ کے دادا تھے اور یہود و نصاریٰ کے بھی اور مشرکین کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ ہم دین ابراہیم پر ہیں اس لئے ان پر ملت ابراہیمی کے ذریعے رد کیا گیا کہ وہ تو مشرک نہیں تھے ان آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کی پانچ صفتوں کا ذکر ہوا ہے: (۱) اُمَّةً (۲) قَانِتًا (۳) حَنِيْفًا (۴) لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۵) شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ: امت سے مراد یہ ہے کہ امت کی مانند مضبوط تھے یا مطلب یہ ہے کہ خیر کے داعی تھے۔ یا مراد امام الھدیٰ ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے پانچ احوال کا ذکر ہے (۱) اِجْتَبٰىهُ (۲) وَهَدٰىهُ مطلب یہ ہے کہ صراط المستقیم تک پہنچانے کا دعوتی طریقہ۔ یا مراد اللہ تعالیٰ کے دلائل ہیں جو ان کو اللہ نے سکھائے تھے (۳)

آتَیْنَاهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً: مراد یہ ہے کہ تمام انبیاء ان کی اولاد میں بھیج دیے گئے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان کا ذکر خیر آئندہ نسلوں میں رہے گا (۴) وَإِنَّهُ فِی الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِینَ: آخرت میں اعلیٰ درجہ صالحین میں سے ہیں اور پانچواں حال پچھلی آیت میں ہے۔

ثُمَّ أَوْحَیْنَا إِلَیْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِیمَ حَنِیفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِینَ ﴿١٢٣﴾

"پھر اے نبی! وحی کے ذریعے ہم نے تم پر بھی یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں" [123]۔

تفسیر 123 ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی معبودان باطلہ سے برأت کرنے میں اور ہر قسم کے شرک سے بیزاری اور اکثر فروعی احکام میں بھی ہے اس (تابعداری) کو وحی کے ذریعے آخری نبی پر فرض کیا گیا ہے۔

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِینَ اخْتَلَفُوا فِیهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَیَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیمَا كَانُوا فِیهِ یَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾

"ہفتہ کے دن کی تعظیم تو صرف ان لوگوں پر لازم تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا اور بلاشبہ تیرا رب ان کے درمیان ان تمام باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ لوگ اختلاف کیا کرتے تھے" [124]۔

تفسیر 124 اس آیت میں ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ تھا کہ دین ابراہیم میں ہفتہ کے دن کی تعظیم کا حکم تھا جبکہ تم اس کی مخالفت کرتے ہو۔ جواب ہوا کہ یہ فرضیت ان لوگوں کیلئے تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا: أَلَّذِینَ اخْتَلَفُوا فِیهِ: اور وہ تو یہود تھے لہذا یہ تعظیم دین ابراہیم میں نہیں ہے اور: أَلَّذِینَ اخْتَلَفُوا فِیهِ: کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو اختیار دیا تھا کہ ہفتہ وار ایک دن عبادت کیلئے پسند کرلو البتہ مجھے جمعہ کا دن پسند ہے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پسند کو ترک کرتے ہوئے ہفتہ کے دن کو پسند کیا حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر اپنی مرضی کو چھوڑ دیتے اور اس کے تابع ہو جاتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا (صحیح بخاری کتاب الجمعة حدیث 876 صحیح مسلم کتاب الجمعة حدیث 856)۔ لہذا یہود و نصاریٰ نے اس میں اختلاف کیا۔ یہودیوں کے مقابل نصاریٰ نے قسطنطین بادشاہ کے دور میں اتوار کو ترجیح دیدی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝١٢٥

"اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت اور حسن اسلوبی کے ساتھ بلاتے رہو اور اگر بحث کی نوبت آئے تو بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو یقیناً تمہارا رب ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر قائم ہیں" [125]۔

تفسیر 125 اس آیت میں دعوت کی ترغیب دینا مقصود ہے سورت کے آخر تک دعوت کے پانچ آداب ذکر ہیں۔ اُدْعُ: کے ذریعے اس آیت میں اور بعد والی آیت میں دعوت کا حکم ہے نیز دعوت کی خصوصیت اور اس کے مقاصد اسی طرح دعوت کا طریقہ اور نتیجہ یہاں بیان ہو رہی ہیں اور دعوت میں آنے والی مصیبتوں کا ذکر اور اس کا حکم بیان ہوا ہے اور مقاصد دعوت بھی: اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ: اس سے مراد توحید اور دیگر عقائد ہیں جو اس سورۃ میں مذکور ہیں۔ دعوت کا طریقہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے مدعی یعنی مقصد کو مضبوط اور پختہ دلائل سے ثابت کرنا ہے اور اس کو الحکمۃ کہتے ہیں کیونکہ حکمت علم اور عمل کی مضبوطی کو کہتے ہیں جس کی تفصیل سورۃ بنی اسرائیل آیت 39 میں ہے۔ جس سے قرآن اور صحیح حدیث مراد ہے۔ اس میں ان عقلی و نقلی دلائل کی طرف اشارہ ہے جو اس سورۃ میں ذکر ہوتے ہیں۔ دوسری بات مدعی کی طرف ترغیب بشارات اور منہیات کے ساتھ ترغیب ہے جس کو: اَلْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ: کہا گیا ہے۔ تیسری بات شکوک و شبہات کے جوابات احسن طریقہ اور لہجہ کے ساتھ دینا ہے جس سے مخاطب کو خاموش کیا جائے اس لیے فرمایا: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: اور اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ: اس میں اشارہ ہے کہ تمہارے ذمے دعوت ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور اس میں دعوت کا نتیجہ ذکر ہوا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝١٢٦

"اور اگر تم لوگ کسی کے ظلم کا بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی تھی اور اگر صبر کر لو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی بہتر ہے" [126]۔

تفسیر 126 اس آیت میں دعوت کی مصیبتوں کی طرف اشارہ ہے اور اس کا علاج دو طریقوں سے ہے پہلا طریقہ مُعَاقِبَةٌ: برابر بدلہ لینا ہے اور دوسرا طریقہ صبر کرنا ہے اور یہ دوسرا طریقہ بہتر ہے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾

"اور اے نبی! تم صبر سے کام لو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان کافروں پر صدمہ مت کرو اور جو مکاریاں یہ لوگ کر رہے ہیں اس کی وجہ سے تنگ دل مت ہونا" [127]۔ "یقین رکھو کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور احسان پر عمل پیرا ہیں" [128]۔

تفسیر 127 اس آیت میں داعی کیلئے تین آداب ذکر ہیں: پہلا ادب وَاصْبِرْ: گزرے ہوئے آیت میں بدلہ لینے اور معاف کرنے کا ذکر تھا تو اس آیت میں تعین کر لیا کہ صبر کرو دونوں میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں عام داعیوں کو حکم تھا اور اس آیت میں داعیوں کے امیر کو خطاب ہے سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر ان کے نائبین ہیں اور دونوں کے حالات میں فرق ہونا چاہئے۔ دوسرا ادب: وَلَا تَحْزَنْ: اس سے غم اور افسوس سے منع ہے جو اتنے غالب ہوں کہ انسان دیگر کاموں سے غافل ہوگا۔ اور تیسرا ادب: "وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ: اور اس سے غم اور بے صبری مراد ہے۔

تفسیر 128 اس آیت میں داعی کیلئے اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و مدد کی خوشخبری ہے۔ البتہ داعی کیلئے شرطیں لگائی ہیں (۱) تقویٰ اختیار کرنا۔ (۲) احسان یعنی اخلاص سے کام لینا۔ تقویٰ سے عقیدہ توحید اور شرک سے بچنا مراد ہے اور: مُحْسِنُونَ سے مراد اعمال صالحہ ہیں یا تقویٰ سے مراد ترک منہیات ہیں یعنی جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے رک جانا اور محسنون سے طاعات پر عمل پیرا ہونے والے مراد ہیں۔ فائدہ: ھرم بن حبان رضی اللہ عنہ کو موت کے وقت کہا گیا کہ ہمیں کچھ وصیت کریں تو انہوں نے کہا میں تمہیں آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں جو سورۃ النحل کے آخر میں مذکور ہیں۔

سورۃ نحل کی خصوصیات:

۱۔ کثرت کے ساتھ ادلہ عقلیہ اس سورۃ میں وارد ہے۔

۲۔ جو مختلف طور پر (4) قسموں میں وارد ہے۔

۳۔ کثرت سے مثالیں اس سورۃ میں وارد ہے۔

۴۔ وعدے توڑنے پر وعیدات اس سورۃ میں ذکر ہے۔

۵۔ مشرکین پر تنقید کہ وہ تو مردوں سے مدد کے طلبگار ہیں۔

الحمد للہ سورۃ النحل کی تفسیر مکمل ہوئی

رکوعاتها ١٢ ｜ ١٧ سُورَةُ بَنِيْ إِسْرَآءِيْلَ مَكِّيَّةٌ ٥٠ ｜ آياتها ١١١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ ہی کے نام سے ابتداء کرتا ہوں جو رحمن اور رحیم ہے۔

اس کو سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ اسراء وسورۃ سبحان بھی کہتے ہے۔

ربط: سابقہ سورت کے ساتھ تعلق یہ ہے کہ سورۃ نحل میں مشرکین کے استدلال پر رد اور ان کو عذاب کا خوف دلایا گیا تھا۔ تو اس سورۃ میں اسباب عذاب کا ذکر ہے۔ سورۃ نحل کے آخر میں دعوت کے طریقے میں لفظ حکمت ذکر ہوا ہے تو اس سورۃ میں حکمت کی تفسیر ہے۔ سورۃ نحل میں شہد سے شفاء لینے کا تذکرہ ہے تو اس سورۃ میں شفاء حاصل کرنے کیلئے قرآن مجید کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورۃ کا دعویٰ: عذاب کے چار اسباب کا ذکر ہے۔ اور اس میں عذاب سے لوگوں کو خبردار کیا گیا اسی طرح عذاب سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ پہلا سبب: توحید سے انکار ہے اور توحید کو چار طریقوں سے ثابت کیا ہے۔ **پہلا طریقہ** یہ ہے کہ تیرہ مرتبہ شرک کے اقسام اور مشرکین پر رد کیا ہے۔ **دوسرا طریقہ** اللہ تعالیٰ کے تیرہ اسماء الحسنیٰ ذکر کئے ہیں۔ **تیسرا طریقہ:** دلائل عقلیہ، دلائل نقلیہ وحی اور معجزات ذکر کئے ہیں۔ **چوتھا طریقہ** دعویٰ سورت جو کہ توحید ہے اسکو چھ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور بنی اسرائیل کو پہلی مثال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ **دوسرا سبب** آیات الٰہیہ اور معجزات سے انکا انکار تھا۔ اس کیلئے مثال میں واقعہ ثمود، آدم علیہ السلام اور ابلیس کا ذکر کیا ہے۔ **تیسرا سبب:** رسولوں کو بستیوں سے نکالنا تھا اور اس کیلئے مثال محمد ﷺ کی ہجرت ذکر کی ہے۔ **چوتھا سبب** رسولوں پر استہزاء کرنا تھا اور اس کیلئے مثال واقعہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں چار حصے ہیں اور ہر ایک حصہ میں ایک ایک سبب کا ذکر ہے۔ پہلا حصہ آیت 1 سے 58 تک ہے اس میں پہلے اثباتِ توحید ہے جس کیلئے دلیل کے طور پر معجزہ اور واقعہ اسراء ذکر کیا ہے اور دلیل عقلی بھی ذکر ہے پھر دلیل نقلی موسیٰ علیہ السلام کی کتاب سے بیان کی ہے اور آیت 2 میں توحید کی طرف ترغیب ہے۔ آیت 3 میں بنی اسرائیل کے عذاب کا نمونہ ذکر کیا ہے، آیت 4 سے آیت 8 تک اثبات توحید کے لئے قرآن کا معجزہ ہونا بیان کیا گیا ہے اور آیت 9، 10 میں تخویف اور بشارت کا بیان ہے۔ پھر آیت 11 میں وعید ہے برائی اور شر طلب کرنے والوں کے لیے پھر آیت 12 میں عقلی دلیل ذکر ہے پھر آیت 13 اور 14 میں تخویف اخروی کا بیان ہے، پھر آیت 15 میں رسول کو بھیجنے کی

حکمت ذکر کی گئی ہے۔ پھر دنیاوی عذاب کی وعید ہے اور اس کیلئے آیت 17 میں ایک نمونہ ذکر کیا ہے۔ پھر آیت 18 میں عذاب آخرت کا ذکر ہے پھر آیت 19، 20، 21 میں خوشخبری ہے اور پھر عذاب ٹالنے کیلئے تین کاموں کا تذکرہ ہے: اول: آیت 22، میں شرک سے اجتناب 23 دوم: مخلوق کے ساتھ بھلائی آیت 23 تا 30 سوم: دس امور کا ذکر ہے کہ ظالموں سے اجتناب کرو اور عدل قائم کرو۔ جو آیت 31 تا 39 میں ہے۔ پھر رد شرک بالملائک آیت 40 میں پھر آیت 43، 44 میں قرآن سے نفرت کرنے والوں کیلئے وعید ہے اور مسئلہ توحید کا بیان اور شرک کا رد کیا ہے۔ پھر چار وعیدیں ہیں پہلی وعید: قرآن سے انکار پر آیت 45 میں توحید سے انکار پر آیت 46 میں اور رسول کی رسالت سے انکار پر آیت 47 میں دوبارہ زندگی سے انکار پر آیت 49 سے آیت 52 تک پھر آیت 53، 54 میں توحید کی طرف ترغیب ہے۔ پھر آیت 55 میں دلیل عقلی ہے۔ پھر آیت 56، 57، 58 میں مشرکین بالجن پر رد کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ شرک فی التصرف، شرک فی الدعاء پر رد کیا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی جس کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں یقیناً وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز دیکھنے والا ہے" [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں توحید کا (دعویٰ) عنوان لفظ سبحان کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ اور اس کے ثبوت کیلئے معجزہ اسراء ذکر کیا ہے اور اس کو دلیل وحی بھی کہتے ہیں اور دلیل عقلی تو: إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ: میں ذکر ہے۔ أَسْرَىٰ اصل لغت میں رات کے وقت لیجانے کو کہتے ہیں۔ اور معراج عروج سے ہے اس کے معنی ہے اوپر کی طرف چڑھنا یا سفر کرنا۔ یعنی نبی کریم ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے وقت لیجانا یہ معجزہ ہے اس کو اسراء کہتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہوا ہے اور نبی کریم ﷺ کو آسمانوں پر لیجایا گیا اس رات میں تو اس کو معراج کہا گیا ہے۔ وہ بھی معجزہ ہے محدثین کرام نے ان دونوں لفظوں کا استعمال ایک دوسرے کی جگہ پر کیا ہے۔ یعنی سارے واقعہ کو معراج بھی کہتے ہیں اور اسراء بھی۔ اور اس آیت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لیجانے کا ذکر ہے جبکہ آسمانوں پر لے جانے کا ذکر سورۃ نجم میں ہوا ہے۔ واقعہ معراج کو نقل کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد 44 تک ہیں لہٰذا یہ حدیث متواتر ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور امام قرطبی

رحمہ اللہ نے اس طرح نقل کیا ہے۔لہٰذا یہ واقعہ دلیل قطعی سے ثابت ہے اور اس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے اس کا انکار کرنا زندیقیت اور الحاد ہے ابن کثیر نے بھی یہ حکم لگایا ہے۔ یہ واقعہ روح و بدن کے ساتھ حالات بیداری میں نبی کریم ﷺ کو پیش آیا ہے۔ اور اس کیفیت پر بھی اجماع ہے۔امام بیہقی رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ اسراء و معراج دونوں ایک ہی رات ہوئے ہیں اول اسراء مسجد اقصیٰ تک پھر معراج ہے آسمانوں پر اس کے برعکس قول بھی ہے مگر وہ قول مرجوح ہے۔

چند شبہات کے جوابات۔ پہلا شبہ: صحیح بخاری جلد میں روایت انس رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں کہ :فَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ :یعنی آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معراج خواب میں ہوا ہے۔ جواب یہ روایت شریک بن عبداللہ کی سند سے ہے جو کہ ضعیف ہے تہذیب التہذیب جلد 4 ص 338 میں فرمایا ہے کہ وہ قوی نہیں ہے اور کثیر الخطاء ہے نیز وہ تقدیر کے منکر تھے اور امام نووی نے شرح مسلم میں قاضی عیاض کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شریک کی روایت میں اوہام ہے اور امام بخاری نے شریک کے علاوہ جو روایتیں ذکر کی ہیں ان میں یہ الفاظ نہیں ہے۔ شریک بن عبداللہ قاضی بننے کے بعد اختلاط میں مبتلاء ہوئے تھے اور جمہور محدثین کے نزدیک اور ثقہ اور ثبت راوی ہے البتہ بعض مقام پر ان کے تفردات اور شذوذ ہیں تفصیل کے لئے فتح الباری مقالات ارشاد الحق آثری ملاحضہ ہو(مترجم) دوسرا شبہ: دلائل النبوۃ میں سیدنا ابن مسعود کی روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے؟ جواب: یہ ہے کہ اس کی سند میں ابوھارون عبدی راوی ہے جبکہ اس کو ابن کثیر نے بے اعتبار اور فرعون سے زیادہ جھوٹا قرار دیا ہے۔ تیسرا شبہ: ابن جریر رحمہ اللہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ یہ واقعہ روحانی ہے۔ جواب: اس واقعہ کی سند میں ایک راوی محمد بن حمید ہے جسکو امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد 3 ص 530 میں ردی المذھب اور کذاب کہا ہے اور دوسرا راوی محمد بن اسحاق ہے جس پر اصحاب الجرح والتعدیل نے کلام کیا ہے اور اس کا عنعنہ قبول نہیں ہے اور اس کو کذاب و دجال کہا ہے نوٹ: محمد بن اسحاق ثقہ مقبول راوی ہے تفصیل کیلئے ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب توضیح الکلام اور زبیر علی زئی رحمہ اللہ کی نور العینین ملاحظہ ہو)۔ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت کم تھی اور نبی کریم ﷺ سے ابھی تک نکاح نہیں ہوا تھا۔ چوتھا شبہ: ابن جریرؒ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے معراج کو رؤیا صالحہ صادقہ قرار دیا ہے۔ جواب: اس کی سند بھی سابقہ راوی کے وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ رؤیا خواب کی متعلق صریح نہیں ہے یہ بحث

اسی سورت کی آیت 60 میں آنے والی ہے۔ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا اس رات کو انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقاتیں ہوئیں ہیں اور آپ کی اقتداء میں سب نے نماز ادا کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے بار بار آپ ﷺ کو نماز کم کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجا ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام مرنے کے بعد بھی دنیاوی زندگی اور عبادت میں مکلّف و مصروف ہیں وغیرہ۔ جواب: معراج کا واقعہ معجزہ ہے اور اس میں عالم مثال کا ذکر ہے اس میں تمام نبیوں کے ارواح ممثل کیے گئے تھے۔ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے کیونکہ وہ حقیقی زندگی میں تھے۔ خازن، بیضاوی وغیرہ نے روایت نقل کیا ہے کہ: مُثِّلَتْ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ: ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں کثرت سے یہ وضاحت کی ہے کہ ارواح آپ کیلئے ممثل کئے گئے تھے جلد 11 ص 22-141-143-145 اور فتح الملہم شرح مسلم جلد 1 ص 315 میں ذکر ہے کہ یہ بات کسی سے بھی نقل نہیں ہے کہ اس رات انبیاء کرام دنیا کے قبروں سے آسمانوں پر منتقل ہو گئے تھے۔ اس رات کے واقعہ میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو دائیں جانب اور بائیں جانب دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس امت کے واعظین کو جہنم میں دیکھا جو بے عمل تھے جبکہ وہ لوگ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں تھے لہذا یہ سب: مُمَثِّلَاتٌ: ہیں۔ اس آیت میں بِعَبْدِهِ: سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی جسم اور روح کے ساتھ معراج پر گئے تھے۔ یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ نبی کی سب سے بڑی شان عبدیت ہے۔ لَيْلًا: کا لفظ نکرہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ رات کے مختصر وقت میں یہ سفر طے کیا گیا ہے۔

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ﴿٢﴾

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ تم میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز مت قرار دینا" [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے کتاب سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے اور اس آیت میں یہ بھی وضاحت کی ہے کہ وہ کتاب بھی توحید سمجھانے کیلئے اتاری گئی تھی۔ اور اس آیت میں تورات کا خلاصہ بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا کوئی ذمہ دار و کارساز مت بناؤ سورۃ مزمل آیت 9 میں بھی اس طرح ہے اور یہ معنی سبحان میں بھی ہے۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿٣﴾

"اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یقیناً وہ بڑے شکر گزار بندے تھے" [3]۔

تفسیر 3 اس آیت میں توحید کی طرف دو طریقوں سے ترغیب دی ہے۔ پہلا طریقہ یہ کہ تمہارے بڑوں کو نوح علیہ السلام

کے ساتھ کشتی میں طوفان سے بچایا تھا۔ دوسرا یہ کہ تمہارا باپ نوح علیہ السلام توحید والا تھا اور توحید کا مبلغ بھی تھا یہ شکورا: کا معنی ہے تو کیوں اپنے باپ دادوں کی مخالفت کرتے ہو: ذُرِّيَّةَ: سے قبل (یا) اور آیت کے آخر میں اُشْكُرُوْا مخفی ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

"اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کر کے بنی اسرائیل کو آگاہ کیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد کرو گے اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کرو گے" [4]۔

تفسیر 4 گزشتہ آیتوں میں مسئلہ توحید کو دلائل سے ثابت کیا تو اب بنی اسرائیل کے احوال بیان ہو رہے ہیں کہ انہوں نے اس مسئلہ سے دو مرتبہ اعراض کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ظالم بادشاہ مسلط کیے اور یہ اللہ تعالیٰ کے جانب سے توحید سے اعراض کی وجہ سے دنیاوی عذاب تھا جو لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ آج بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والے مختلف شرکیات بدعات میں مبتلا ہوئے ہیں جس کی وجہ سے یا تو ان پر ظالم حکمران مسلط ہیں یا دشمن کے مقابلہ میں بے بست نظر آتے ہیں۔ یہ سب عقائد کے بگاڑ اور دیگر مظالم اور خرافات میں مبتلاء ہونے کی وجہ سے ہیں۔ البتہ ایک جماعت اگرچہ کم افراد پر مشتمل ہوگی مگر عقیدہ توحید پر قائم ہوگی جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے: لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ: صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث 3640، صحیح مسلم کتاب الامارۃ حدیث 1921) خلاصہ یہ ہے کہ میری امت میں ایک جماعت حق پر قائم ہوگی یہاں تک کہ قیامت قائم ہوگی: قَضَيْنَا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ تورات میں بطور پیشن گوئی ذکر ہوا تھا جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ نے بہت سارے فتنوں اور جنگوں (ملاحم) کا ذکر کیا ہے جو بغیر کسی شک وشبہ کے یقینی ہیں: لَتُفْسِدُنَّ: فساد سے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت مراد ہے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ الیاس علیہ السلام اور عزیز علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں شرک کا ارتکاب کرتے رہے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھا لینے کے بعد ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور مذکورہ زمانوں میں انہوں اپنے پیروں اور مولویوں کو احکام میں تابعداری کے اعتبار سے رب کے ساتھ شریک ٹھہرایا اور انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تو یہ فساد ہے: وَلَتَعْلُنَّ: اس میں دیگر گناہوں یعنی بدعات مظالم ونافرمانیوں کی طرف اشارہ ہے اور حقوق العباد میں حد سے تجاوز کیا اس قسم کے مظالم اور فسادات کی وجہ سے: عُلُوًّا كَبِيْرًا: فرمایا ہے۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

"لہٰذا جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمہارے سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت جنگجو تھے اور تمہارے شہروں میں پھیل گئے اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جس نے پورا ہو کر رہنا تھا" [5]۔

تفسیر 5 اس آیت میں عِبَادًا لَّنَا سے مراد جالوت اور اس کے ساتھی ہیں ان کا واقعہ سورۃ بقرۃ میں گزر چکا ہے۔ فَجَاسُوْا: اس سے مراد گھروں کی تلاشی اور ان کی بے حرمتی کرنا ہے اور ان سے لوگوں کو بے دخل کرنا ہے اور لَّنَا: میں لام ملکیت کیلئے ہے۔ یعنی وہ بندے اگرچہ ظالم تھے مگر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تھے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

"پھر ہم نے تمہیں یہ موقعہ دیا کہ تم پلٹ کر ان پر غالب آؤ اور ہم نے تمہارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کیا اور تمہاری نفری پہلے سے بڑھا دی" [6]۔

تفسیر 6 اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ بقرۃ میں گزر چکا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور بنی اسرائیل کو فتح یابی ہوئی اور ان کی نسل کو بڑھایا توحید کی طرف پلٹنے کی وجہ سے اور یہ سب کچھ امور شریعت کے اطاعت کی وجہ سے ہوا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝

"اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے ہی فائدے کیلئے کرو گے اور برے کام کرو گے تو تب بھی تمہارے لئے ہی برا ہوگا لہٰذا جب دوسرے واقعہ کی معیاد آئی (تو ہم نے دشمنوں کو تمہارے اوپر مسلط کیا) تاکہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں اور تاکہ وہ اسی طرح مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے اور اور جس جس چیز پر ان کا بس چلے اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں" [7]۔

تفسیر 7 احسان سے مراد یہ ہے کہ تم کو توحید پر قائم رکھا لہٰذا تمہیں فائدہ حاصل ہوا: فَلَهَا: یعنی اس گناہ کی سزا نفس کیلئے خاص ہے یہ لام برائے تخصیص ہے برائے نفع نہیں ہے: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ: اس میں اشارہ ہے کہ جب وہ عیسیٰ کے دین

کے مخالف ہو گئے اور شرک کا ارتکاب کر چکے تو قسطنطین اور بخت نصر بادشاہ ان پر مسلط ہو گئے: لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ: یعنی تمہارے اوپر ایسے ظالم بادشاہ مقرر ہوئے کہ انہوں نے تمہارے چہرے بگاڑ کر رکھ دیئے۔ یا وجوہ سے سردار اور مالک مراد ہیں یعنی انہوں نے تمہارے بڑوں، سرداروں کو قتل کر ڈالا: وَلِيَدۡخُلُوا: یعنی تمہاری مسجدوں میں داخل ہو کر انہوں نے ان مسجدوں میں شرک کر ڈالا اور ان کو خراب و برباد کیا: تَتۡبِيۡرًا: کے الفاظ سے اشارہ ہے کہ ان کا فساد سابقہ فساد کے مقابل زیادہ تھا کیونکہ یہ مفعول مطلق اور باب تفعیل سے ہے جو بہت تاکید اور کثرت پر دلالت کرتا ہے۔

عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ ۚ وَاِنۡ عُدْتُّمۡ عُدۡنَا ۘ وَجَعَلۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا ﴿۸﴾

"ممکن ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے لیکن اگر تم وہی کرو گے تو ہم بھی دوبارہ وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ ہی بنا رکھا ہے۔" [8]۔

تفسیر 8 لفظ يَّرۡحَمَكُمۡ: لفظ میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ وَاِنۡ عُدْتُّمۡ عُدۡنَا: اس میں اشارہ ہے کہ جب انہوں نے آخری نبی کی مخالفت کی تو آپ نے بنو نضیر قبیلے کو جلا وطن کیا۔ بنو قریظہ والوں کی اکثریت کو قتل کیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جزیرۃ العرب سے جلا وطن کیا: حَصِيۡرًا: یہ حصر سے لیا گیا ہے جس کا معنی گھیر لینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہنم کافروں کو اس طرح گھیر لیگی کہ کسی طرف سے نکل نہیں سکیں گے۔

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ يَهۡدِىۡ لِلَّتِىۡ هِىَ اَقۡوَمُ وَيُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا

كَبِيۡرًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۰﴾ ع

"حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور جو لوگ اس پر ایمان لا کر نیک عمل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کیلئے بڑا اجر ہے" [9]۔ "اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہوا ہے" [10]۔

تفسیر 9، 10 یہ آیت دعویٰ توحید جو سبحان میں ذکر ہے سے متعلق ہے جو کہ اس کتاب کا اہم مسئلہ ہے اور یہ دلیل وحی کہلاتا ہے۔ یا پھر یہ يَرۡحَمَكُمۡ: کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ رحمت سے مراد آخری نبی کی بعثت اور نزول قرآن مجید ہے تو اسلئے قرآن کی طرف ترغیب ہے کہ ذلت اور عذاب سے بچ سکو۔ بنی اسرائیل اور اسی طرح جمیع انسانیت کو قرآن کی طرف ترغیب دی جا رہی ہے، اسی طرح قرآن کے نزول کی حکمت بیان ہو رہی ہے جو کہ انذار اور تبشیر پر مشتمل ہے: وَّاَنَّ الَّذِيۡنَ

اس سے قبل "یُخْبِرُ" یا "یُنْذِرُ" مقدر ہے اور یہ دونوں حکمتیں سورۃ کہف کے شروع میں تفصیلاً ذکر ہوئی ہیں: لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ: اس میں اشارہ ہے کہ آخرت سے انکار فساد اور مظالم کا سبب ہے۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

"اور انسان برائی کو اس طرح مانگتا ہے جیسے اسے بھلائی مانگنی چاہئے اور انسان جلد باز ہے" [11]۔

تفسیر 11 اس آیت میں جلد عذاب مانگنے پر وعید ہے یعنی انسانوں کو چاہئے کہ شکر بجالائیں مگر انہوں نے اس کے برعکس بد دعا مانگنا شروع کی جیسا کہ سورۃ الانفال آیت 32 میں ہے۔ اسی طرح: دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ: سورۃ حم سجدہ آیت 49 اور سورۃ روم آیت 33 میں بھی ہے: وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا: یعنی فطری طور پر انسان ہر کام میں جلد بازی کرتا ہے جیسا کہ سورۃ انبیاء آیت 37 میں ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ انسان جلدی ملنے والی چیز یعنی فانی دنیا کو طلب کرتا ہے اور آخرت یعنی دیر سے ملنے والی چیز کو چھوڑتا ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

"اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیوں کے طور پر پیدا کیا ہے۔ پھر رات کی نشانی کو تو اندھیرا بنا دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ تمہیں سالوں کی گنتی اور مہینوں کا حساب معلوم ہو سکے اور ہم نے ہر چیز کو الگ الگ واضح کر دیا ہے" [12]۔

تفسیر 12 یہ دلیل عقلی ہے جو توحید کے دعویٰ سے متعلق ہے اور وعید ہے کہ انسان عجلت سے کام لیتا ہے لیکن ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ لیل و نہار کی آیتوں میں غور کرنا چاہئے۔ چونکہ قرآن روحانی نعمت ہے تو اس کے بعد بدنی دنیاوی نعمتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ ان کا شکر ادا کریں: اٰيَتَيْنِ: یعنی رات اور دن اللہ تعالیٰ کی قدرت و توحید کی دو دلیلیں ہیں: اٰيَةَ الَّيْلِ وَاٰيَةَ النَّهَارِ: میں اضافت بیانیہ ہے یا اٰيَتَيْنِ: سے اگر مراد شمس و قمر ہے تو مقدر عبارت اس طرح ہوئی کہ: وَجَعَلْنَا لِلَّيْلِ وَالِلنَّهَارِ اٰيَتَيْنِ: ہم نے رات اور دن کیلئے دو الگ الگ نشانیاں بنائی ہیں تو پہلی توجیہ کے اعتبار سے (محو) مٹانے سے مراد رات کا اندھیرا ہے اور دوسری توجیہ کے لحاظ سے (محو) مٹانے سے مراد چاند میں کالا دھبہ ہے: لِتَبْتَغُوْا: یہ رات اور دن دونوں سے متعلق ہے کیونکہ عمومی طور پر دن کو تجارت و معاش طلب کیا جاتا ہے اور رات کو عبادت کے ذریعے

نعمت الٰہی کو طلب کیا جاتا ہے یا یہ صرف دن کے ساتھ متعلق ہے جبکہ رات سے متعلق مقدر ہے جیسا کہ سورۃ قصص آیت 73 میں مذکور ہے اس آیت سے سورج سے حساب کا جائزہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہلال سے حساب کرنا فرض کفائی ہے۔
وَالْحِسَابَ: اس سے حساب، دِنوں مہینوں، ہفتوں کا مراد ہے: فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا: یہ عبارت اس طرح ہے جس طرح تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ: میں ہے۔ اس سے مراد ضروریات دین ہے یا مراد یہ ہے کہ دن اور رات، نیز سورج اور چاند ہر ایک کو ہم نے الگ الگ کیا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝

"اور ہر شخص (کے عمل) کا انجام ہم نے اس کے اپنے گلے میں چپٹا دیا ہے اور قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا" [13]۔

تفسیر 13 اس آیت میں تخویف اخروی کا بیان ہے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ: طَائِرَهٗ: عمل کے معنیٰ میں ہے عمل اچھا ہو یا برا، دن کا ہو یا رات کا ہو لہٰذا پہلی آیت کے ساتھ ربط بھی پیدا ہوا۔ یعنی ہر انسان کے ساتھ اس کا عمل پیوست ہے لہٰذا اس کی جزاء یا سزا اس کو ضرور ملے گی۔ یا طائرہ کا معنیٰ قسمت ہے یعنی تقدیر کی وجہ سے ہر انسان کے ساتھ سعادت اور شقاوت لازم ہے: فِيْ عُنُقِهٖ: عربی میں لزوم اور ذمہ داری کیلئے آتا ہے: كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا: یہ عمل نامہ ہے جو کھلا ہوا ہوگا کھولنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

"کہا جائے گا لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ آج تم خود اپنا حساب لینے کیلئے کافی ہو" [14]۔

تفسیر 14 یہ بھی تخویف میں داخل ہے مطلب یہ ہے کہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھیگا اس طرح سورۃ قیامۃ آیت 14 میں بھی ہے۔ اور اِقْرَاْ: سے قبل لفظ يُقَالُ مقدر ہے۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

"جو شخص سیدھی راہ پر چلتا ہے تو وہ اپنے فائدے کیلئے چلتا ہے اور جو گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی نقصان کیلئے اختیار کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کبھی کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک ان کی طرف رسول نہ بھیج دیں" [15]۔

تفسیر 15 اس آیت میں ان اعمال کے آثار جو اعمال عمل نامہ میں درج کئے گئے اور حساب کا نتیجہ ذکر ہوا ہے یعنی ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ خیر ہو یا شر پالیگا کسی اور پر بوجھ نہیں آئے گا: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى: اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں ہمارے گناہوں کا ذمہ فلاں شخص پر ہے (ہمیں تو مولوی صاحب نے یا ہمارے پیر نے بتایا وہ آخرت کا ذمہ دار ہے) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ: اس سے دنیاوی عذاب مراد ہے جو کہ رسول کے بھیجنے یا خبر پہنچانے پر موقوف ہے اگرچہ نائب کے واسطے سے کیوں نہ ہو۔ اس طرح سورۃ ہود آیت 117 اور سورۃ انعام آیت 131 میں ذکر ہے اور اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس کو حق کی دعوت نہیں پہنچی ہو تو وہ عذاب کا حقدار نہیں ہے۔ اور آخرت کے عذاب کے متعلق بعض علماء کا جن میں امام ابو حنیفہ بھی شامل ہیں کہنا ہے کہ توحید اور ایمانیات میں صرف تنبیہ کافی ہے کیونکہ توحید تو عقل اور دواعی کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا جس میں عقل موجود ہو اور اسے دعوت توحید نہ پہنچی ہو تو اس سے ایمان اور توحید کا سوال ہوگا۔ اور محدثین کی اکثریت کا قول ہے کہ بغیر دعوت پہنچائے اخروی عذاب نہیں ہوگا جس کی دلیل یہ آیت اور اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ یہ قول بہتر ہے۔ صحیح بخاری میں ایک حدیث وارد ہے کہ قیامت میں جہنم کو بھرنے کیلئے ایک اور مخلوق کو پیدا کیا جائے گا حالانکہ ان کو تو کسی نے دعوت نہیں دی ہے؟ تو اس سوال و اعتراض کا جواب امام ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ اس میں راوی سے غلطی ہوئی ہے کیونکہ یہ بات جہنم کے متعلق نہیں بلکہ جنت کے متعلق ہے کہ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نئی مخلوق کو پیدا کریں گے۔ جبکہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ ق 4849) کہ جہنم میں اللہ تعالیٰ اپنا قدم رکھیں گے تو وہ بھر جائے گی۔ اس آیت کے ضمن میں امام ابن کثیر نے نابالغ بچوں۔ اھل فترۃ۔ مشرکین کے بچوں وغیرہ کا حکم تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

وَ إِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾

"اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو (ایمان واطاعت کا) حکم دیتے ہیں پھر وہ وہاں نافرمانیاں کرتے ہیں تو ان پر بات پوری ہوجاتی ہے لہٰذا ہم ان کو تباہ وبرباد کردیتے ہیں" [16]۔

تفسیر 16 اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے اور سابقہ آیت کی اس میں تشریح ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس قوم کے مالداروں کو اپنے رسولوں کے ذریعے سے توحید اور اپنی اطاعت یعنی رسالت ماننے کا حکم دیتا ہے تو وہ اس سے اعراض کرلیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیجتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کیلئے اسباب بناتا ہے: أَمَرْنَا: کا مطلب یہ ہوا کہ: أَمَرْنَاهُمْ بِالتَّوْحِيدِ وَالطَّاعَةِ: أَمَرْنَا: کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ان کے مال ودولت کو بڑھادیتے ہیں اور یہ استدراج کے طور پر ہوتا ہے۔ اور عربی زبان میں: أَمَرَ كَثُرَ: کے معنیٰ میں بھی آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے انکا مال زیادہ کیا۔ ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہ معنیٰ منقول ہے۔ امام بخاری نے بھی یہ معنیٰ نقل کیا ہے۔ (صحيح بخاری كتاب التفسير حديث 4711) یعنی: أَمَرْنَا بَنِي فُلَانٍ: فلاں قبیلہ ہم نے زیادہ کیا: فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا: لفظ: تَدْمِيرًا: اکثر وہاں استعمال ہوتا ہے جب کسی قوم پر اجتماعی ہلاکت واقع ہوجائے جبکہ تَتْبِيرًا: عام ہے اکٹھا ہو یا تھوڑا تھوڑا عذاب ہو۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

"کتنی ہی قومیں نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے ہلاک کردیں اور کافی ہے آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا" [17]۔

تفسیر 17 اس آیت میں تخویف دنیوی ہے کہ جن قوموں نے نبیوں کو جھٹلایا تھا انہیں عذاب دیا گیا لہٰذا تمہارا بھی یہی انجام ہوگا: مِن بَعْدِ نُوحٍ: آیت 3 میں اس قوم کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس لئے یہاں اس قوم کا ذکر کیا: مِن بَعْدِ نُوحٍ میں اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے نوح علیہ السلام تک لوگ توحید پر قائم تھے اس لئے ان پر عذاب نہیں آیا: خَبِيرًا: وہ ذات جو چیزوں کے ظاہر اور باطن کے حالات سے اور ان کے رازوں سے خبردار ہو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

"جو شخص دنیا کے فوری فائدے چاہتا ہے تو ہم جس کیلئے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں اسے یہیں پر جلدی دے دیتے ہیں پھر اس کیلئے ہم نے جہنم تیار کر رکھی ہے جس میں وہ ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوگا" [18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں تخویف اخروی ہے ان لوگوں کیلئے جو آخرت کے اعمال دنیا کمانے کے لیے کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کو چھوڑ دیتے ہیں اور: مَا نَشَآءُ: میں دلیل ہے کہ انسان کی تمام تمنائیں پوری نہیں ہوتیں: لِمَنْ نُّرِيْدُ: اس میں اشارہ ہے کہ ہر دنیا پرست کو دنیا نہیں ملتی ہے بلکہ مشیت الٰہی پر اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ اس طرح سورۃ شوریٰ کی آیت 20 میں ہے لیکن وہ مطلق ہے جو اس آیت کے ذریعے مقید کیا گیا ہے: مَذْمُوْمًا: جس کی برائی بیان کی گئی اور مذمت کی گئی ہو: مَّدْحُوْرًا: دھتکارا ہوا راندہ درگاہ: مَذْمُوْمًا: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتبار سے اور: مَدْحُوْرًا: اللہ تعالیٰ کے انتقام کے اعتبار سے ہے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

"اور جو آخرت کا فائدہ چاہتا ہو اور اس کیلئے ویسے ہی کوشش بھی کرتا ہو جیسی اس کیلئے کرنی چاہیے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش کی قدردانی کی جائے گی" [19]۔

تفسیر 19 اس آیت میں خوشخبری ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے وہ عمل مراد ہے جو سنت کے موافق ہو۔ اس آیت میں اعمال کی قبولیت کیلئے دو شرطیں ذکر ہوئی ہیں۔ (1) ایمان (2) سنت کی موافقت۔ مَّشْكُوْرًا: اعمال کو اس انداز سے قبول کرنا کہ ان کی برکات دنیا میں بھی ظاہر ہو جائیں اور آخرت میں بھی۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾

"اے نبی! ہم ہر ایک کے ساتھ مدد کرتے ہیں، دنیا پرستوں کے ساتھ بھی اور دینداروں کے ساتھ بھی اور دنیا میں تمہارے رب کا دین (عطا) کسی کیلئے بند نہیں ہے" [20]۔

تفسیر 20 یہ آیت سابقہ دونوں آیتوں کے ساتھ متعلق ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ایمان والوں اور مشرکین کی بھی حاجتیں پوری کرتے ہیں: عَطَآءِ رَبِّكَ: اس سے دنیا کی عطا مراد ہے اور یہ رحمانیت کے اظہار میں سے ہے۔ اس میں مشرکین پر رد ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شرک کی وجہ سے ان کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور اسے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿٢١﴾

"دیکھو ہم نے کس طرح ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور یقین جانو کہ آخرت درجات کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت زیادہ ہے"[21]۔

تفسیر 21 اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم برابر نہیں ہے بلکہ تفاوت کے ساتھ ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ: اس میں دلیل ہے کہ دنیا کی ترقی کے بجائے آخرت کے درجات کو طلب کرنا چاہئے اور اس میں دلیل ہے کہ دنیا میں بڑے درجے ہیں مگر آخرت کے درجات بہت بڑے ہیں۔

ع۲ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ ورنہ تم قابل ملامت اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھ جاؤ گے"[22]۔

تفسیر 22 اس آیت سے ان تین امور کا ذکر شروع ہوتا ہے جو عذاب الٰہی سے بچاؤ کیلئے سبب ہے اور ان درجات کے حصول کیلئے سبب ہے جو لفظ: أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ: میں ذکر ہے۔ ان میں سے ایک شرک سے اپنے دامن کو پاک رکھنا ہے اور اس میں شرک فی الالوھیت سے منع ذکر ہوا ہے۔ مَذْمُوْمًا: اس آدمی کو کہتے ہیں جسکے عیوب اور برائیاں بیان ہوتی ہوں جبکہ مَخْذُوْلًا: اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ضرورت کے وقت یار و مددگار نہ ہو۔ اس دن مشرک کا یہ حال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد نہیں کریں گے اور اس مشرک کے معبودان باطلہ بھی مدد نہیں کرسکیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَخْذُوْلًا: ہوگا اور بندوں کی طرف سے: مَذْمُوْمًا: یعنی مذمت کیا ہوا ہوگا: فَتَقْعُدَ: یہ ہمیشگی کی حالات پر دلالت کرتا ہے کیونکہ قعود میں مضبوط ہونے کی دلیل ہے اور مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا: میں اشارہ ہے کہ مذکورہ صفتوں کا مالک قیام کی طاقت نہیں رکھے گا تو مجبوراً بیٹھا رہے گا۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا
تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝23

"اور تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، والدین میں کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف تک نہ کہنا اور انہیں جھڑکو بھی نہیں بلکہ ان سے عزت سے گفتگو کرنا" [23]۔

تفسیر 23 پہلے اس آیت میں شرک فی العبادات کا رد ہے اور گزشتہ آیت کے لیے علت ہے: وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: اس مقام سے دوسرے اُمر کا ذکر ہے جو عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے اور وہ مخلوق کے ساتھ احسان ہے اور اس آیت میں تین آداب کا ذکر ہے۔ نیز دو نہی اور ایک اُمر ذکر ہوا ہے۔ والدین کا احسان توحید کے ساتھ متصل ذکر ہوا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرۃ آیت 83 سورۃ نساء آیت 36 میں بھی ہے۔ اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں والدین بھی شریک نہیں ہو سکتے ان کے ساتھ صرف احسان کیا جائے گا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ والدین کا حق یہ نہیں ہے کہ گناہ اور شرک میں ان کی اطاعت کی جائے بلکہ ان کا حق تو احسان ہے اور احسان کے تین طریقے ہیں: پہلا طریقہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کو دعوت حق دینا۔ دوسرا طریقہ: ان کی خدمت کرنا۔ تیسرا طریقہ: ان پر مال خرچ کرنا وَلَا تَنْهَرْهُمَا: ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے ان پر مارنے کیلئے ہاتھ اٹھانا۔ ڈانٹ کے کلمات، غصہ کا اظہار اور قبیح قسم تمام اعمال مراد ہیں: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ: لفظ (اُف) وہ الفاظ ہے جو زبان پر اس وقت آتے ہیں جب کوئی ناگوار معاملہ پیش آئے۔ لہٰذا (اُف) سے وہ ناپسندیدہ کلام مراد ہے جس سے والدین کو تکلیف پہنچتی ہو: قَوْلًا كَرِيْمًا: ہر وہ کلام جو اکرام پر دلالت کرے۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝24

"اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکائے رکھو اور یہ دعا کرو کہ یارب ان پر رحم فرمانا جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا" [24]۔

تفسیر 24 "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ": اس آیت میں امر کے صیغہ کے ساتھ دو آداب کا ذکر ہے۔ اور یہ ان کے ساتھ شفقت اور رحمت سے کنایہ الفاظ ادا ہوئے ہیں جیسا سورۃ حجر آیت 28 میں ہے۔ لفظ ذُلِّ: میں اشارہ ہے کہ شفقت د

اطاعت دل کے رحم سے کرے گا۔ ریاء اور عادت سے نہیں: رَبَّیٰنِیْ: یہ أصل ربانی تھا لیکن قاعدہ یہ ہے کہ ایسے مقام میں دوسرے (با) کو (یا) سے بدل دیا جائے گا: وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا: اس میں اشارہ ہے کہ اولاد ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کر سکتے ہیں تو یہ دعا ان کے لیے ادائیگی حقوق کا ذریعہ ہے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٥﴾

"تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کیا ہے اگر تم نیک بن جاؤ تو وہ ان لوگوں کی خطائیں معاف کرتا ہے جو کثرت سے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں" [25]۔

تفسیر 25 اس میں اشارہ ہے کہ والدین کی خدمت میں نیت صحیح ہونی چاہیے: صَالِحِينَ: مراد وہ لوگ ہیں جو والدین کے ساتھ احسان صحیح نیت سے کرتے ہیں: فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا: اس میں اشارہ ہے کہ صالحین اور اوابین صفات لازم وملزوم ہے: أَوَّاب: اس کو کہتے ہیں جو گناہ سے تائب ہوتا ہے پھر جب اس کو گناہ یاد آتا ہے تو استغفار کرتا ہے۔

فائدہ: صحیح حدیث میں ہے کہ صلوۃ اوابین اس وقت ادا کیے جاتے ہیں جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں زمین گرم ہونے کی وجہ سے جلنے لگے ہو اور یہ ضحیٰ کا وقت ہے (صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافر باب صلوۃ الاوابین حین ترمض الفصال حدیث 748؛ احمد 367/4، ابو عوانہ 270/2، ابن خزیمہ 230/2، طبرانی 5108)

نوٹ: مغرب کے نماز کے بعد اوابین کی جو نماز عوام میں مشہور ہے وہ غلط ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾

"اور رشتہ دار کو ان کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں مت اڑاؤ" [26]۔

تفسیر 26 والدین کے حقوق کے بعد اس آیت میں مزید تین حقداروں کا ذکر ہے نیز آیت میں دو ادب ایک أمر اور ایک نہی کا ذکر ہوا ہے: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا: غیر اللہ کی نذر میں خرچ، بدعات، فضول خرچ، رسومات میں خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں۔

إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾

"یقین جانو کہ جو لوگ بے ہودہ کاموں میں اپنا مال اڑاتے ہیں وہ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے" [27]۔

تفسیر 27 یہ ماقبل نہی کیلئے علت ہے۔ فضول خرچ کرنے والے کو شیطان کا بھائی اس لئے فرمایا کہ شیطان باطل کی طرف دعوت دیتا ہے اور فضول خرچ کرنے والا بھی شیطان کا معاون بن جاتا ہے۔ شیطان رب کا ناشکرا ہے تو: مُبَذِّرْ: بھی ناشکرا ہے۔ تو دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہو گئے اسلئے ان کو بھائی قرار دیا۔

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ﴿٢٨﴾

"اور اگر کبھی تمہیں ان (رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں) سے اس لئے منہ پھیرنا پڑے کہ تمہیں اللہ کے متوقع رحمت کا انتظار ہو تو ایسے میں ان کے ساتھ نرمی سے بات کیا کرو" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں ایک قولی ادب کا ذکر ہے یعنی اگر تمہیں ان کے حق ادا کرنے پر قدرت نہ ہو تو اچھے انداز سے ان سے اعراض کرنا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ مساکین فقراء، اقرباء وغیرہ سے جب اعراض کرنا ہو تو انہیں ذلیل نہیں کرنا بلکہ آداب سے پیش آنا ہے اور رحمت سے مال اور حال کی وسعت مراد ہے: قَوْلًا مَّيْسُورًا: اس سے مراد اچھا نرم شائستہ کلام ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ ان کیلئے دعا کرو تاکہ ان پر تنگی ختم ہو اور ان کی مشکلات آسان ہو جائے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٩﴾

"اور نہ تو ایسے کنجوس بنو کہ اپنے ہاتھ کو اپنے گردن سے باندھ لو اور نہ ہی ایسے اسراف کرنے والے بنو کہ ہاتھ کو بالکل ہی کھلا چھوڑ دو جس کی وجہ سے تمہیں ملامت اور قلاش ہو کر بیٹھنا پڑے" [29]۔

تفسیر 29 اس آیت میں دو آداب کا ذکر نہی کے صیغہ کے ساتھ ہوا ہے اور دونوں آداب کا نتیجہ ایک ہے یعنی معتدل بنو۔ مسرف اور کنجوس نہ بنو۔ یعنی خرچ کرتے وقت اعتدال سے کام لو۔ پہلے جملے میں مشابہت اس شخص کے ساتھ دی ہے جس کے ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوتے ہوں اور اس کے دونوں ہاتھ مال خرچ کرنے پر قادر نہ ہوں۔ اس طرح جب بندہ کنجوسی کی روش اختیار کر لیتا ہے تو اس کے ہاتھ اپنے مال تک نہیں پہنچتے ہیں اور دوسرے جملے میں فرمایا کہ بے جا مال خرچ مت کرو۔ فَتَقْعُدَ: اس میں اشارہ ہے کہ کثرت ملامت و ندامت کی وجہ سے اس طرح ہو جاؤ گے کہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں

کر سکو گے یہ بھی ایک تنبیہ دی گئی ہے: مَلُوۡمًا: کا تعلق پہلے جملہ سے ہے اور: مَّحۡسُوۡرًا: کا تعلق دوسرے جملے سے ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ۞ ع

"حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگی پیدا کر دیتا ہے یقین رکھو کہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے انہیں پوری طرح دیکھ رہا ہے" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ مال خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ اس آیت میں گزشتہ آیتوں کی علت بیان ہو رہی ہے گزشتہ آیات مختلف آداب پر مشتمل تھیں۔ یعنی وہ بندوں کے متعلق خوب جانتا ہے کہ کس کو کتنی مقدار میں رزق دینا چاہیے۔ لہٰذا وہ بندوں کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اس لئے اس نے سابقہ آداب سکھائے جو تنگدستی و فراوانی والوں کیلئے ہے۔

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ۞

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی یقیناً ان کا قتل بڑی بھاری غلطی ہے" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت سے آیت 39 تک تیسری چیز کا ذکر ہے یعنی مظالم سے اجتناب کرو تا کہ عذاب سے بچ سکو۔ یہاں پر (7) منہیات (ممنوع) چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور تین مامورات (کرنے والی چیزوں) کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلی نہی اولاد کے قتل سے ہے اس آیت کی تشریح سورۃ انعام آیت 151 میں گزر چکی ہے: خِطۡاً: اس میں دلیل ہے کہ کبھی خطاء کا اطلاق کبیرہ گناہ پر ہوتا ہے۔

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰٓى‌ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ۞

"اور زنا کے پاس بھی نہ بھٹکو، وہ یقیناً بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں دوسری نہی ذکر ہے اور زنا بھی ظلم ہے۔ اور: وَلَا تَقۡرَبُوۡا: سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب زنا یعنی جو چیزیں زنا کیلئے سبب بنتی ہیں اس سے بھی بچنا ہے اور وہ بھی حرام ہے: وَسَآءَ سَبِيۡلًا: اس میں اشارہ ہے کہ زنا کاری سے انسان میں مزید دیگر عادات بھی پیدا ہوتی ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ﴿۳۳﴾

"اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اسے قتل مت کرو مگر یہ کہ تمہیں شرعی حق اس کے قتل پر حاصل ہو اور جو شخص مظلومانہ طور پر قتل ہو جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص) کا اختیار دیا ہے لہٰذا وہ قتل کرنے میں حد سے تجاوز نہ کرے یقیناً وہ حق دار ہے کہ اس کی مدد کی جائے" [33]۔

تفسیر 33 اس آیت میں تیسری نہی ظلم سے کی گئی ہے اور وہ بغیر عذر شرعی قتل ہے: سُلْطَانًا: اس سے مراد قصاص کا حق بادشاہ کے ذریعے دلانا ہے یا دلیل شرعی مراد ہے کہ اس کے ذریعے سے مقتول کو بدلہ دینا حاصل ہوا ہے: فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ: تین طریقوں سے قتل میں اسراف آتا ہے۔ (1) قاتل کی جگہ کسی اور کو قتل کر ڈالنا (2) ایک کے بدلہ میں زیادہ افراد قتل کرنا (3) مقتول کے اعضاء کاٹ لینا۔ یہ سب قتل میں اسراف ہے: إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا: یعنی اسلامی حکومت اور دیگر لوگوں کو چاہئے کہ اس مقتول کے ورثاء کی مدد کریں۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿۳۴﴾

"اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو اس کے حق میں بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو یقین جانو کہ عہد کے متعلق تمہاری باز پرس ہوگی" [34]۔

تفسیر 34 اس میں چوتھی نہی ہے جو یتیم کے مال کھانے سے متعلق ہے اس کی تشریح سورۃ انعام آیت 152 میں گزر چکی ہے۔ اس آیت میں ایک امر ہے اور عہد سے ہر وہ چیز مراد ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا اس سے منع کیا ہے۔ اور آپس کے وعدے بھی اس میں داخل ہیں: مَسْئُولًا: مراد یہ ہے کہ اس کی بے وفائی یا اس کے نقصان کے متعلق سوال ہو سکتا ہے۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۳۵﴾

"اور جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو اور تولنے کیلئے صحیح ترازو استعمال کرو یہی درست طریقہ ہے اور اسی کا انجام بھی بہتر ہے" [35]۔

تفسیر 35 اس آیت میں دو امر ذکر ہوئے ہیں۔ جن کی مخالفت ظلم ہے: وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ: عربی زبان میں

اَلْقِسْطَاسِ: ترازو کو کہتے ہیں۔ اگر چہ عام عرب اس نام سے واقف نہیں تھے یعنی ان کو اس کا علم نہیں تھا اور رومیوں کی لغت کی اس میں موافقت تھی البتہ یہ کہنا غلط ہے کہ یہ لفظ رومی زبان سے لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ قرآن خالص عربی کتاب ہے اس میں عجمی لفظ نہیں ہے: ذٰلِكَ خَيْرٌ: اس میں دنیاوی فائدوں کی طرف اشارہ ہے: وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا: آنے والے فائدوں کی طرف اشارہ ہے۔ تاویل۔ عاقبت، انجام اور نتیجے کو کہتے ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

"اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت پڑو۔ یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہوگا" [36]۔

تفسیر 36 اس آیت میں پانچویں نہی ظلم سے وارد ہے جو کہ بہتان تراشی اور بے دلیل باتوں کی پیروی ہے۔ وَلَا تَقْفُ: ایک معنی یہ ہے کہ کسی پر ان باتوں کی وجہ سے لعن طعن مت کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو یعنی کسی پر بہتان مت لگاؤ۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس بات اور عمل کی پیروی مت کرو جس پر دلیل نہ ہو یہ دونوں معنی امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کئے ہیں: عِلْمٌ: یہ یقین اور گمان ظن دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس آیت میں تین اعضاء کا ذکر ہے ان تینوں کے متعلق سوال ہوگا ان قدموں کو ناجائز کاموں میں کیوں استعمال کیا ہے اور یہ بھی سوال کیا جائے گا کہ جو بات کانوں نے نہیں سنی تھی اور یہ کہتا پھرتا تھا کہ میں نے سنی ہے اس طرح آنکھوں سے کوئی کام وغیرہ نہیں دیکھا ہے اور کہتا تھا کہ میں نے دیکھا ہے اور دل میں کسی چیز کی فکر نہیں کی ہے اور کہتا ہے کہ میں اس کو جانتا ہوں، میں اس کا علم رکھتا ہوں۔ تو ان جھوٹوں سے ان اعضاء کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

"اور زمین پر اکڑ کر مت چلو نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتے ہو" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں چھٹی نہی ہے جو تکبر اور فخر سے متعلق ہے: وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا: تکبر سے مراد چال میں اظہار تکبر ہے جبکہ تکبر دل میں ہوتا ہے پھر بھی ظاہر ہو جائے تو یہ بہت قبیح عمل ہے۔ ایمان والوں کی صفات میں اعتدال اور میانہ روی سے چلنا۔ سورۃ فرقان آیت 64 میں آیا ہے۔ اس کی مزید تشریح سورۃ لقمان آیت 19 ہے۔ اور تکبر والی مشی: مَرَحًا: میں ناچ وغیرہ بھی داخل ہے تفسیر قرطبی میں اس کی بہت برائی بیان کی گئی ہے۔ اور پیروں کے رقص وغیرہ پر انہوں

نے سخت رد کیا ہے: إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا: خلاصہ یہ ہے کہ تکبر تو بڑے پن اور جسامت اور بلند وجود سے ہوتا ہے۔ تو جب وزنی ہونے سے تم زمین چیر نہیں سکتے ہو اور قد و قامت کے اعتبار سے تم پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ نہیں سکتے تو پھر انسان میں تکبر کی کیا صفت باقی رہ سکتی ہے۔ یعنی جس عمل سے دوسرے مخلوقات عاجز اور بے بس ہیں اس سے تم بھی عاجز اور بے بس ہو تو مخلوق پر تکبر کیوں کرتے ہو۔ (ابن جریر)۔

كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

"یہ سارے برے کام ایسے ہیں جو تمہارے رب کو بالکل ناپسند ہیں" [38]۔

تفسیر 38 گزشتہ اوامر اور نواہی کی طرف ذَٰلِكَ میں اشارہ ہے۔ اور سَيِّئُهُ سے مراد ان حکموں کو چھوڑ دینا ہے جو اللہ تعالیٰ نے کرنے کو کہا ہے اور ان کاموں کا ارتکاب کرنا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے: مَكْرُوهًا: شریعت کی اصطلاح میں عین حرام چیز کو مکروہ کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر کرنا اختراع اور بدعت ہے۔

ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾

"اے نبی یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو تمہارے رب نے تم تک وحی کے ذریعے پہنچائی ہیں اور (اے انسان) کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر جہنم رسید کیا جائے گا" [39]۔

تفسیر 39 یہ گزشتہ احکامات کیلئے تاکید ہے یعنی یہ احکام اللہ تعالیٰ کی وحی سے کئے گئے ہیں اور اس میں حکمت ہے اور اس میں حکمت کی تفسیر کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ نحل آیت 125 میں گزری ہے۔ یعنی قرآن سب حکمت ہے اور گزشتہ احکامات اس حکمت کا حصہ ہیں: وَلَا تَجْعَلْ: اس میں ساتویں نہی بیان ہو رہی ہے جس میں شرک سے منع کیا گیا ہے جو کہ ظلم ہے اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ شرک سارے مظالم کی جڑ اور بنیاد ہے اور انسان میں جب شرک کے ساتھ اور بھی مظالم جمع ہو جائے تو وہ انتہائی ملامت اور وعید کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے: مَلُومًا اور مَّدْحُورًا: ذکر کیا ہے۔ آیت 22 میں فضیلتوں کا ذکر تھا اور مشرکین کا خیال ہے کہ ہمارے الٰہ بھی فضیلتیں اور مرتبے دے سکتے ہیں تو ان کے رد میں: مَذْمُومًا مَّخْذُولًا: فرمایا ہے۔

أَفَأَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِنَاثًا ۭ إِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

"یا تمہارے رب نے تمہیں بیٹے دینے کیلئے چن لیا ہے اور خود اپنے (پیدا کردہ) ملائک کو بیٹیاں بنالیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ بڑی سنگین بات کہہ رہے ہو" [40]۔

تفسیر 40 سابقہ آیت میں عام شرک سے منع کیا ہے جس میں شرک بالملائک بھی داخل ہے تو اب خصوصی طور پر شرک بالملائک پر رد کیا جاتا ہے، مشرکین مکہ اور دیگر عرب کے لوگوں میں ملائک کو بنات اللہ۔ اللہ کی بیٹیاں قرار دینے کا عقیدہ تھا اسلئے ان پر شدید رد کیا گیا۔ اور یہ: مَلُوْمًا اور مَدْحُوْرًا: کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں مشرکین کیلئے (زجر) وعید ہے اور یہی مدحوریت ہے کیونکہ اس وعید میں مذکورہ دونوں صفتیں ہیں۔ اور اس کی تفصیل سورت نحل آیت 57، سورت صافات آیت 149، سورت زخرف آیت 16 میں ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ إِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

"اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح وضاحتیں کی ہیں تاکہ لوگ ہوش میں آئیں مگر یہ لوگ ہیں کہ اس سے ان کے بدکنے ہی میں اضافہ ہو رہا ہے" [41]۔

تفسیر 41 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے پھر قرآن سے نفرت کرنے والوں کیلئے وعید ہے۔ اور قرآن سے انکی نفرت رد شرک اور ان کے مظالم پر تنقید کی وجہ سے تھی جیسا کہ گزر گیا ہے: لِيَذَّكَّرُوْا: توحید کا لفظ اس سے پہلے مقدر ہے۔ یعنی: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ التَّوْحِيْدَ: یعنی یقینی طور پر ہم نے توحید کے دلائل مختلف طریقوں اور قسموں کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ چونکہ یہاں پر مراد توحید ہے تو مفعول ذکر نہیں کیا کیونکہ اگلی پچھلی عبارتوں سے مفعول کا پتہ چلتا ہے۔ اس سورۃ کی آیت 89 میں دلائل اور وعظ ونصیحت مراد ہے اس لئے وہاں فرمایا کہ: مِنْ كُلِّ مَثَلٍ:

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

"فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی کوئی الہ ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے (حقیقی الہ) پر چڑھائی کرنے کیلئے کوئی راستہ ضرورت تلاش کرتے" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں شرک فی الالوہیت پر رد ہے: إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا: مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے معبودوں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں کوئی حصہ داری ہوتی تو عرش کی طرف جانے کیلئے راستہ تلاش کرتے اور اپنی

الوہیت کا حصہ طلب کرتے اور اس مطالبہ پر جدال جھگڑا پیدا ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ مومنون آیت 91 میں ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اپنے بڑوں کے متعلق عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں تو لا محالہ یہ سفارشی اللہ تعالیٰ کی قربت تلاش کریں گے اور جو قربت تلاش کرتا ہے تو وہ عاجز و کمزور ہے اور جو کمزور ہوتا ہے وہ الٰہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہاں پر دوسری توجیہ بہتر ہے۔ آیت 57 میں اس توجیہ کی تائید ہے جس میں ان صالحین کا ذکر ہے جنہیں یہ لوگ حاجت روا اور معبود مانتے ہیں۔ اور: كَمَا يَقُولُونَ: لفظ اس پر دلیل ہے اور آیت 91 میں پہلی توجیہ مراد ہے اور یہ فرق ان دونوں آیتوں میں ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

جو باتیں لوگ بناتے ہیں اس کی ذات ان باتوں سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے" [43]۔

تفسیر 43 اس میں ماقبل آیت کا نتیجہ ہے اور توحید کا دعویٰ بھی ہے: سُبْحَانَهُ: اس لفظ میں شرک بالملائکہ کی طرف اشارہ ہے اور: وَتَعٰلٰى: میں رد شرک فی الالوہیت اور دیگر صالحین بندوں کو معبود بنانے کے شرک پر رد ہے اور یہ دونوں قسمیں پہلے گزر گئی ہیں: عُلُوًّا كَبِيْرًا: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بلندی واضح دلائل سے ثابت ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

" ساتوں آسمان اور زمین اور ان کی ساری مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو یقیناً وہ بردبار بہت معاف کرنے والا ہے" [44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں دعویٰ توحید اور سبحان کیلئے علت ہے۔ اور اس میں تسبیح دلالۃً مراد ہے۔ یعنی ہر چیز کی عاجزی و انکساری اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل ہے لیکن اے سامعین مشرکین! تم غور و فکر نہیں کرتے۔ یا حقیقی تسبیح مراد ہے اور ہر چیز کی تسبیح اس کی شان کے موافق ہوتی ہے۔ اس توجیہ کی وجہ سے: وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ: میں تخصیص ہوگی یعنی کافروں اور مشرکین کے سوا ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے۔ لیکن دوسری توجیہ بہتر ہے اسلئے کہ کنکریوں، طعام، اونٹوں، درختوں، مسجد نبوی کے ستونوں، وغیرہ سے تسبیح پڑھنا صحیح حدیث میں ثابت ہے (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث 3585، اس عنوان کے کثیر تعداد میں احادیث مشکوٰۃ میں معجزات النبی میں ملاحظہ کیجئے): حَلِيْمًا: ان مخلوقات کی تسبیح کی وجہ

سے اللہ تعالیٰ عذاب کے مستحقین سے بھی درگزر کرتا ہے۔ اور: غَفُوْرًا: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہگاروں کے گناہ معاف کرتا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾

"اور اے نبی! جب آپ قرآن پڑھتے ہو تو ہم نے تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایسا پردہ حائل کیا ہے جو نظروں سے اوجھل ہے" [45]۔

تفسیر 45 اس آیت میں انکار قرآن پر وعید ہے اور اس پردے سے جہل، ضد، عناد کا پردہ یا حقیقی پردہ مراد ہے جو نظر نہیں آتا ہے۔ جو کہ بطریقہ خرق عادت ہے۔ یعنی ان کے آنکھوں پر ایسے پردے قرآن کے سننے وقت آتے ہیں کہ قرآن سنانے والے کو نظر نہیں آتے جیسا کہ: عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ: میں ذکر ہے۔ مستور سے مراد یہ ہے کہ یہ پردہ تمہاری آنکھوں سے پناہ اور اوجھل ہے۔ یا مَسْتُوْرًا ساتِرًا: کے معنی میں ہے یعنی چھپانے والا پردہ ہے۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿٤٦﴾

اور ہم ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھتے نہیں اور ان کے کانوں کو بوجھل کر دیتے ہیں اور جب تم قرآن میں اپنے رب کی وحدانیت بیان کرتے ہو تو یہ لوگ نفرت کے عالم میں پیٹھ پھیر کر چلدیتے ہیں" [46]۔

تفسیر 46 اس آیت میں کانوں اور آنکھوں کی آفت کا ذکر ہے جس طرح سورۃ بقرۃ آیت 7 میں فرمایا ہے کہ: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ: اس طرح سورۃ انعام آیت 25 میں بھی ہے: وَقْرًا اس سے مراد بہرا پن ہے جیسا کہ صم ہے۔ یا شرکیہ قصے اور خرافات مراد ہیں جس سے ان کے کان بہرے ہوئے ہیں اسلئے ان میں توحید اور حق بات داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ان تینوں میں اشارہ ہے کہ قرآن سے فائدہ اٹھانے کیلئے ان میں تین رکاوٹیں ہیں پھر انکار قرآن پر وعید ہے کہ قرآن سننے کیلئے متوجہ ہوتے ہیں مگر جب قرآن میں یہ مسئلہ آتا ہے کہ ایک اللہ سے ہی مدد طلب کرو اسی کے نام پر نیاز صدقہ وغیرہ دو اسی کی بندگی کرو اور کسی اور کو اس کا شریک مت ٹھہراؤ تو اس مسئلہ سے یہ لوگ نفرت شروع کرتے ہیں۔ سورۃ صافات آیت 35، سورۃ ص آیت 5، سورۃ زمر آیت 45، سورۃ مومن آیت 12 میں بھی اس طرح وارد ہے۔ اور لفظ توحید وحدہ سے لیا گیا ہے جو کہ شرعی لفظ ہے: نُفُوْرًا: یہ مصدر ہے جو کہ تمیز

اور علت ہے۔ وَلَّوْا: کیلئے اور بعض کے نزدیک یہ جمع اور حال ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظَّلِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ﴿٤٧﴾

"ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب یہ لوگ آپ کی بات کان لگا کر سنتے ہیں تو کس کیلئے سنتے ہیں اور جب یہ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں، جب یہ ظالم یوں کہتے ہیں کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کیا گیا ہے" [47]۔

تفسیر 47 اس آیت میں رسول کی رسالت سے انکار پر وعید ہے اور مَّسْحُورًا: کا معنیٰ دھوکہ کیا ہوا شخص ہے یا محتاج کے معنیٰ میں ہے کہ کھانے پینے کا محتاج ضرورت مند ہے یا جادو کے معنیٰ میں ہے یعنی وہ شخص جس کی عقل نے جادو کی وجہ سے کام چھوڑ دیا ہے یہ الزام مکہ میں آپ پر لگایا گیا جب کہ آپ پر جادو نہیں کیا گیا تھا لہٰذا یہ ان کا جھوٹا الزام تھا۔ پھر مدینہ میں آنے کے بعد آپ پر جادو کیا گیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث وارد ہے (صحیح بخاری کتاب الجزیۃ حدیث 3169) لہٰذا قرآن واحادیث میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔ اس کی تفصیل سورۃ فلق میں آئے گی ان شاء اللہ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ: یعنی پہلے قرآن کو اعتراض کی نیت سے کان لگا کر سنتے ہیں پھر آپس میں مل کر مشورہ کرتے ہیں کہ اس نبی پر کیا الزام (فتویٰ) لگائیں۔

انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿٤٨﴾

دیکھو انہوں نے آپ پر کیسی کیسی بے ہودہ باتیں گھڑ رکھی ہیں، یہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں لہٰذا یہ راہ راست پر نہیں آسکتے" [48]۔

تفسیر 48 یہ بھی سابقہ آیت کے حکم میں داخل ہے یعنی انکار رسالت پر وعید ہے، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ رسول پر الزامات لگانے سے انسان مستقل ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے: اَلْأَمْثَالَ: اس سے وہ بری صفات مراد ہیں جو سورۃ فرقان آیت 8، 9 وغیرہ میں ذکر ہوئی ہیں کہ یہ کاہن، شاعر، ساحر، مفتری وغیرہ ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

"اور یہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہمارا وجود ہڈیوں میں تبدیل ہو کر چورا چورا ہو جائے گا تو کیا ہمیں نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا" [49]۔

تفسیر 49 اس آیت میں انکار قیامت پر وعید ہے۔ اس طرح سورۃ یٰسین آیت 77، سورۃ صافات آیت 16 میں بھی ہے۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾

"فرما دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا بن جاؤ [50]۔ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کے بارے میں تم دل میں سوچتے ہو کہ (ان کو زندہ کرنا) اور بھی مشکل ہے (پھر بھی تم زندہ کئے جاؤ گے) اب وہ کہیں گے کون ہمیں زندہ کرے گا؟ فرما دیجئے وہی تمہیں زندہ کرے گا جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہ تمہارے سامنے سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ ایسا کب ہوگا؟ فرما دیجئے کہ کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آ گیا ہو" [51]۔

تفسیر 51 ان آیتوں میں ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو قیامت کے منکر ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مٹی سے پیدا کرنا تو آسان ہے اگر تم پتھر سے بنے ہوئے ہو یا لوہے سے اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی سخت مضبوط چیز تمہارے دلوں میں ہو جیسا کہ فولاد، آسمان، زمین، تو تب بھی وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ لفظ: كُوْنُوْا: شرط کے معنی میں ہے یعنی لَوْ كُنْتُمْ حِجَارَةً: اور یہ بھی امکان ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی بن جائے پھر نمک کی کان میں نمک یا لوہے کی کان میں لوہا یا فولاد میں بدل جائے۔ انکا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ یہ کام کون انجام دے گا تو جواب ہوا کہ: قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ: یعنی جس نے پہلی بار یہ کام کیا ہے وہی ذات یہ سب کام کریگی اور ان کا یہ سوال بطور استہزاء مذاق تھا۔ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ: انغاض: عرب کے عرف میں اس کو کہتے ہیں کہ بار بار سر اوپر اور نیچے کرتے رہے اور: عَسٰى: قربت کی تاکید کیلئے ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے: عَسٰى: برائے تاکید و یقین آتا ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾

"جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد پڑھتے ہوئے حکم کی تکمیل کروگے اور یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ تم تھوڑی ہی مدت (دنیا میں) رہے تھے" [52]۔

تفسیر 52 اس آیت میں قیامت کا حال بیان ہوا ہے یَدْعُوكُمْ: اس میں اسرافیل کے صور کا بلاوا مراد ہے اس سے اسرافیل علیہ السلام کا صور پھونکنے سے لوگوں کا میدان محشر میں حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زندہ ہونا مراد ہے جیسا کہ اسی سورۃ کی آیت 71 میں ہے اور سورۃ روم آیت 25 میں ہے: فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ: ایک معنی یہ ہے کہ اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے اور یہ اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ حمد و تسبیح کے حقدار ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تم اطاعت اور فرمانبرداری کروگے اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس معنی میں (بِا) سببیہ ہے اور حمد أمر کے معنی میں ہے: إِلَّا قَلِيلًا: سورۃ نازعات 46، سورۃ طٰہٰ 104، سورۃ مومنون آیت 114 میں بھی اس طرح ذکر ہوا ہے۔

وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿٥٣﴾

"میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کیا کریں جو بہترین ہو حقیقت یہ ہے کہ شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے، شیطان یقینی طور پر انسان کا کھلا دشمن ہے" [53]۔

تفسیر 53 منکرین کی بغاوت اور سرکشی ذکر کرنے کے بعد اب دعوت دینے والوں کیلئے آداب کا ذکر ہے۔ لِعِبَادِي: سے مومنین مراد ہیں یعنی مومنین سے کہو کہ جب مشرکین کفار کو دعوت دیتے ہو تو احسن انداز سے دعوت دو کیونکہ شیطان دعوت کے مواقع پر فساد ڈالتا ہے کہ حق بات نہ سنی جائے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس میں توحید کی دعوت مشرکین کو دی جاتی ہے۔ جبکہ پہلے ان کے خباثتوں کا ذکر کیا تھا۔ نیز: عِبَادِي: سے مشرک اور کافر بندے مراد ہیں اور: الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ: سے کلمہ توحید اور دیگر شرعی عقائد اور اقوال مراد ہیں اور یہ ماقبل آیت 51 پر عطف ہے۔

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِن يَشَأْ يَرْحَمْكُمْ أَوْ إِن يَشَأْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿٥٤﴾

"تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمادے اور چاہے تو تمہیں عذاب دے دے اور اے نبی! ہم نے آپ کو ان باتوں کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے" [54]۔

تفسیر 54 مشرکین کو دعوت توحید دینے کے بعد خطاب ہے اور توحید پر دلیل عقلی علمی ہے۔ یعنی ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے یا تو ہدایت دے کر تم پر رحم فرمادے گا یا شرک پر تمہارا خاتمہ ہوگا تو تمہیں عذاب دے گا۔ اور رسول کی اس میں ذمہ داری نہیں ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یا اس میں ایمان والوں کو خطاب ہے یعنی دعوت کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم دعوت جاری رکھو گے تو تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے گا اور تمہیں کافروں سے بچا کر رکھے گا اور اگر تم نے دعوت توحید کو چھوڑ دیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ عذاب دیگا اور رسول بھی تمہیں نہیں بچا سکیں گے۔

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿٥٥﴾

"اور تیرا رب خوب جانتا ہے حال ان کا جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور سے نوازا تھا" [55]۔

تفسیر 55 چونکہ پہلے گزر گیا کہ ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ کون ہیں تو اب اس آیت میں مرتبوں کے فرق کا بیان ہے کہ تمہاری اطاعت اور معصیت کے مراتب کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور آسمانوں کے ملائک اور زمین پر بسنے والوں کے مرتبوں کا بھی اللہ کو علم ہے اور یہ بھی توحید کیلئے دلیل عقلی اور علمی ہے۔ پھر فرمایا کہ انبیاء کے مرتبوں میں تفاوت ہے مگر یہ فضیلت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور وحی کی وجہ سے ہے بادشاہت یا دنیاداری کی وجہ سے نہیں ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام نبی تھے اور بادشاہ بھی تھے مگر ان کی فضیلت کتاب کی وجہ سے تھی بادشاہت کی وجہ سے نہیں تھی۔ **فائدہ:** زبور زبر سے لیا گیا ہے جس کا معنی نصیحت اور وعظ ہے۔ زبور کو اسلئے زبور کہتے ہیں کہ اس میں حلال اور حرام کے مسائل نہیں تھے یہ کتاب صرف اذکار تسبیحات اور وعظ نصیحت کی باتوں پر مشتمل تھی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿٥٦﴾

"(جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کو معبود مانتے ہیں) آپ ان سے فرما دیجئے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے انہیں پکار کر دیکھو وہ تم سے کوئی تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی (آسانی) کر سکتے ہیں" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت کا تعلق آیت 53 سے ہے یعنی توحید کا عقیدہ اپنا لو کیونکہ شرک باطل ہے۔ اور اس میں بھی دعوت کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس آیت میں رد شرک فی الدعاء ہے پھر رد شرک فی التصرف ہے اور بعد والا پہلے والے کیلئے علت ہے۔ اور اس آیت میں رد شرک بالجن اور بالعباد الصالحین ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4715 میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو جنات کی عبادت کرتے تھے ان جنات نے خود تو دعوت توحید قبول کیا اور ایمان لائے مگر ان کی پوجا کرنے والے ہنوز انکی پوجا کرتے رہے اور اس سے باز نہ آئے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے ان مشرکین کو اس آیت کے ضمن میں ذکر کیا ہے جنہوں نے سیدنا عزیر، عیسیٰ علیہما السلام، ملائک اور دیگر صالحین کی عبادت کی ہے خواہ وہ معبودین زندہ ہوں یا فوت شدہ ہوں وہ سب اس میں داخل ہیں۔ کشف کے معنی یہ ہے کہ ضرر پریشانی کو بنیاد اور جڑ سے ختم کرنا اور تحویل کا مطلب یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا یعنی مشکلات و تکلیف میں کمی لانا مراد ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾

"جن پیشواؤں کو یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب تک پہنچنے کیلئے وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ اللہ کے قریب ہو جائے اور وہ ان کے رحمت کی امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ یقیناً تمہارے رب کا عذاب ہی ڈرنے کی چیز ہے" [57]۔

تفسیر 57 گزشتہ آیت میں ان پیشواؤں کی عاجزی ثابت کی گئی جن کو لوگ معبود تصور کرتے تھے اور ان کے تصرف کی نفی کی گئی۔ تو اب ان تین باتوں کا ذکر ہے جن سے ان کی عبودیت ثابت ہوگی۔ (1) اللہ تعالیٰ سے محبت جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت تلاش کرنا (2) اللہ تعالیٰ کے رحم کی امید رکھنا (3) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اختیار کرنا۔ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ: الوسیلہ کی تفسیر ہے یعنی وسیلہ قربت کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ آیت 35 میں گزرا ہے: مَحْذُورًا: اس

طرح سورۃ معارج آیت 28 میں بھی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿58﴾

"اور ایسی کوئی بستی نہیں جسے ہم روز قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے سخت عذاب نہ دیں یہ بات تقدیر میں لکھی جا چکی ہے" [58]۔

تفسیر 58 اس آیت میں دنیاوی عذاب کی وعید ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی بستیوں پر عذاب آتا ہے لیکن ان کے معبود اس عذاب کو ٹال نہیں سکتے اگرچہ مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ ہماری بستیوں کی حفاظت کرنے والے ہمارے معبود ہیں: قَرْيَةٍ: سے مراد مشرکین اور نافرمانوں کی بستیاں ہیں جیسا کہ سورۃ طلاق میں واقع ہے: عَذَابًا شَدِيْدًا: اس سے ان کا قتل، فساد، قحط وغیرہ مراد ہے: اَلْكِتٰب: اس سے لوح محفوظ مراد ہے اور اس میں دلیل ہے کہ تقدیر لکھ دی گئی ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿59﴾

"اور ہم کو نشانیاں (معجزات) بھیجنے سے کسی اور چیز نے نہیں روکا ہے بلکہ اس بات نے روکا ہے کہ پچھلے لوگ ایسی نشانیاں جھٹلا چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کیلئے اونٹنی دی جو انکے آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھی مگر انہوں نے اس سے عناد کی وجہ سے (ظلم) انکار کیا اور ہم نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے ہی کیلئے بھیجتے ہیں" [59]۔

خلاصہ: اس آیت سے دوسرا حصہ ہے جو آیت 75 تک ہوگا۔ اس حصہ میں عذاب کا دوسرا سبب ذکر ہوا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار ہے یعنی خرق عادت (ناآشنا) کام۔ معجزات وغیرہ سے انکار کرتے ہیں۔ اس میں بطور مثال قوم صالح کی اونٹنی کا تذکرہ آیت 59 میں ذکر کیا ہے۔ واقعہ معراج و اسراء اور شجرِ زقوم آیت 60 میں ذکر کی ہے۔ پھر ابلیس کا سیدنا آدم علیہ السلام کی تعظیم اور ان کو سجدہ کرنے سے انکار، آیت 61 تا 65 میں ذکر کیا ہے پھر آیت 66 میں دلیل عقلی کا ذکر ہے پھر مشرک کیلئے آیت 67 میں وعید بیان کی ہے پھر آیت 68 اور آیت 69 میں عذاب دنیاوی کی وعید سنائی گئی ہے پھر نعمتوں کے تذکرہ کے ساتھ ترغیب دی گئی ہے۔ آیت 70 میں، تخویف اخروی آیت 71، 72 میں بیان ہوا ہے پھر آیت 73، 74، 75 میں مداہنت و سستی سے ڈرایا گیا ہے۔

تفسیر 59 اس آیت میں ایک شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ شبہ یہ تھا کہ جب ان پر رد کیا گیا تو انہوں نے معجزات طلب کئے تو سوال یہ ہے کہ ان کے مطالبے پر یہ معجزات کیوں نہیں بھیجے گئے؟ جواب دیا گیا کہ انکے مطالبے پر معجزات اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ اگر اس کے بعد بھی یہ لوگ انکار کریں گے تو سابقہ اقوام کی طرح انہیں عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کیلئے بطور نمونہ قوم صالح کا حال ذکر کیا۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ معجزات کا انکار عذاب الٰہی کا سبب ہے: وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا: مراد وہ آیات ہیں کہ ان کے آنے کے بعد انکار کرنے والوں کو عذاب دیا گیا۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آیات سے تمام معجزات مراد ہیں جو انکار کرنے والوں کے (تخویف) ڈرانے کیلئے اور ایمان والوں کیلئے رحمت ہے، لہٰذا آیت سے مراد وہ معجزات ہیں جو انہوں نے طلب کئے تھے یہ معجزات اس سورۃ کی آیت 90، 91، 92 اور 93 میں ذکر ہیں: فَظَلَمُوْا بِهَا: مراد اونٹنی کو قتل کرنا عناد اور حسد کی وجہ سے اس معجزے کا انکار کر دینا ہے۔

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰

"اور اے نبی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے کہا تھا کہ تمہارا رب اپنے علم سے لوگوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہم نے تمہیں جو نظارہ دکھایا ہے اس کو ہم نے لوگوں کیلئے امتحان بنا دیا ہے۔ اور وہ درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت آئی ہے۔ اور ہم ان کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن اس سے ان کی سخت سرکشی ہی میں اضافہ ہوتا ہے" [60]۔

تفسیر 60 آیت کی ابتدا میں نبی کریم ﷺ کو دعوت پر ابھارا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کریگا اور آپ تبلیغ کرتے رہو اور: أَحَاطَ: سے مراد تمام مخلوق کا احاطہ قدرت اور علم کے لحاظ سے ہے اور اس میں نبی کی حفاظت داخل ہے اور أَحَاطَ: میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا علم ہے کہ ان لوگوں کی طرف معجزات بھیجے اور یہ لوگ انکار کریں تو پھر اللہ ان کے عذاب پر قادر ہے۔ پھر دو آیتیں معراج کے واقعہ پر پیش کی ہیں اور جہنم میں درخت یعنی زقوم ذکر کیا ہے اور ان دونوں کے انکار پر عذاب ذکر کیا ہے: الرُّؤْيَا: صحیح قول یہ ہے کہ اس سے مراد حالت بیداری میں معراج کی رات آنکھوں دیکھا حال ہے کیونکہ رؤیا مصدر ہے جسکا معنیٰ رؤیت ہے اور یہ قول امام بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4716) اور اس سے مراد خواب دیکھنا نہیں ہے کیونکہ خواب دیکھنے سے امتحان نہیں ہوتا ہے کیونکہ خواب میں باری تعالیٰ کی رؤیت سے کافر بھی انکاری نہ تھے: وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ: یعنی جب اللہ تعالیٰ نے

سورۃ صافات آیت 62 سے 66 تک جہنم میں زقوم کے درخت پیدا ہونے کا ذکر کیا تو منکرین کیلئے یہ امتحان بنا کہ جہنم میں آگ ہوگی تو آگ میں درخت کا پیدا ہونا اور نشونما حاصل کرنا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اَلْمَلْعُوْنَةَ: وہ درخت جس کے کھانے والے پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے یا وہ درخت جس کی قرآن مجید میں بری صفات بیان کی گئی ہیں، جیسا کہ سورۃ دخان آیت 43 یا آیت 46 میں ذکر ہے اور سورۃ صافات میں بھی ذکر ہے اور جس نے اس سے مراد بنو امیہ قبیلہ مراد لیا ہے یہ قرآن میں تحریف ہے کیونکہ قرآن مجید میں بنو امیہ کا ذکر اور ان پر لعنت کا تذکرہ نہیں ہے۔ اور اس تفسیر کی نسبت عبداللہ بن عباس کی طرف کرنا بھی غلط ہے۔ طُغْيَانًا كَبِيْرًا: یعنی کفر کے ساتھ ساتھ دین کا مذاق بھی اڑاتے ہیں اور اعتراضات و مسخرے بھی کرتے ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾

"اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ملائک سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، اس نے کہا کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے" [61]۔

تفسیر 61 اس میں آدم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے اور اس واقعہ میں آدم علیہ السلام کا مٹی سے پیدا کرنا آیت اللہ (نشانی) ہے جو کہ قدرت الٰہی کا نمونہ ہے لیکن ابلیس نے اس سے انکار کرتے ہوئے اس کی توہین کی ہے۔ اس جملہ میں ءَاَسْجُدُ: اور اَرَءَيْتَكَ: ابلیس کے عذاب کیلئے سبب بنا اس لئے اس کو ماقبل پر عطف کیا ہے۔ طِيْنًا: مِنَ الطِّيْنِ: کے معنی میں ہے۔ ابلیس نے توہین کے طور پر یہ کلمہ ذکر کیا ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

"کہنے لگا (ابلیس) بھلا بتاؤ یہ ہے وہ مخلوق جس کو میرے مقابلے میں تو نے عزت دی ہے اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو میں اس کی اولاد میں سے تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ باقی سب کی جڑوں کو اکھاڑ دونگا" [62]۔

تفسیر 62 اس آیت میں اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو عزت اللہ تعالیٰ نے دی تھی ابلیس نے اس کی وجہ سے حسد کیا۔ اور هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ: یہ اس نے بطور استہزا کہا تھا۔ لَاَحْتَنِكَنَّ: اس کا مادہ حنک ہے یعنی جڑ سے اکھاڑنا، معنی یہ ہوا کہ میں اس کی اولاد کے جڑ کاٹ دونگا اور وہ اس طرح سے ہے کہ انکو شرک اور کفر پر لگا دوں گا۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے جبڑوں میں ایسے لگام ڈال دوں گا جس کی وجہ سے وہ میرے قابو میں رہیں گے یعنی ان کو توحید سے روکنے کیلئے شرک و

کفر پر امادہ کرنے کیلئے ان پر اپنا قبضہ اور تسلط جما لوں گے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

"اللہ تعالٰی نے فرمایا جاؤ پھر ان میں سے جو بھی تیرے پیچھے چلے گا تو جہنم ہی تم سب کی سزا ہوگی جو مکمل اور پوری سزا ہے" [63]۔

تفسیر 63 اس آیت میں تخویف اخروی ہے ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں کیلئے بیان کیا گیا ہے: اِذْهَبْ: اس میں اس مہلت کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ اعراف آیت 15 سورۃ حجر آیت 37 اور سورۃ ص آیت 80 میں ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

"اور ان میں سے جس جس پر تیرا بس چلے انہیں اپنی آواز سے بہکا لے اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کی فوج چڑھا لا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا حصہ بنا لے اور ان سے خوب وعدے کر لے اور شیطان ان سے جو بھی وعدہ کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہوتا ہے" [64]۔

تفسیر 64 اس آیت میں لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے شیطان کے چار حربوں کا ذکر ہوا ہے۔ پہلا طریقہ: ابلیس کا لوگوں کو اپنی آواز سے بہکانا ہے اور آواز سے ہر وہ دعوت جو اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی ہو مراد ہو سکتی ہے اس میں کفر۔ شرک۔ بدعت، غناء گانے بجانے وغیرہ داخل ہیں، اس قول کو ابن جریرؒ نے پسند کیا ہے۔ دوسرا طریقہ: وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ: یعنی ان کے گمراہ کرنے کیلئے اپنی تمام چالوں کو استعمال کرو۔ ابن عباسؓ اور مجاہد سے نقل ہے کہ اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ تعالٰی کا نافرمان ہو خواہ پیادہ چلے یا سواری پر ہو۔ تیسرا طریقہ: وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ: مراد یہ ہے کہ مال غیر اللہ کے نذر میں خرچ کرنا بدعات اور جاہلانہ رسومات میں اپنے اموال خرچ کرنا یا شرک کے کاموں میں لگا دینا جیسے گیارہویں، محرم کی سبیلوں اور چہلم وغیرہ میں صرف کرنا حلال مال اور حلال اشیاء اپنے اوپر غیر اللہ کے حکم پر حرام کرنا اور حرام کی کمائی میں یہ سب اس میں داخل ہیں۔ اولاد میں شراکت سے مراد ان کا غیر اللہ کی طرف نسبت یعنی فلاں بزرگ نے بیٹا بیٹی عطا کی ہے ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے نام رکھنا رسول بخش پیر بخش، عبد الحارث، عبد العزیٰ، عبد الرسول، بندہ علی وغیرہ۔ اولاد کی تربیت مشرکین کے طریقے پر کرنا یا بچپن سے ہی انہیں شرکیہ اعمال میں مبتلا کر دینا، اسی

طرح ظاہری وضع قطع وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ چوتھا طریقہ وَعِدْهُمْ : شرک اور بدعت کے کاموں میں ان سے وعدے کرنا مراد ہیں۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

"ان لو کہ میرے جو بندے ہیں ان پر تیرا بس گمراہ کرنے کیلئے نہیں چلے گا اور تیرا رب ان کی رکھوالی کیلئے کافی ہے"[65]۔

تفسیر 65 اس آیت میں بعض بندوں کا ابلیس سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے۔ لفظ عبادی میں اضافت برائے تخصیص ہے جن کو دوسرے مقامات میں مخلصین کہا گیا ہے: وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ بندے عصمت و پاکدامن رہنے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں: سُلْطَانٌ: سے گمراہ کرنے کا غلبہ یا دلیل مراد ہے۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾

"تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں لئے چلتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم کا معاملہ کرنے والا ہے۔"[66]۔

تفسیر 66 اس آیت میں دلیل عقلی کا ذکر ہے اور بعد والی وعید کیلئے ایک تمہید بھی ہے اور خاص انعام کے بعد عام انعام کا ذکر ہے اور ماقبل کے ساتھ یہ ربط بھی ہے یعنی شیطان سے محفوظ کرنا خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے اور سمندروں میں ڈوبنے سے بچانا عام انعام ہیں جس میں مشرکین بھی شامل ہیں۔ يُزْجِي: إِزْجَاءٌ: کا معنی ہے ہواؤں کے ذریعے چلانا جیسے سورۃ لقمان آیت 31 میں نعمت الٰہی بھی کہا گیا ہے۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾

"اور جب سمندر میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو بھول جاتے ہو جن کو تم اپنی حاجتوں میں (امن کے وقت) پکارتے ہو اور وہ سب غائب ہو جاتے ہیں سوائے اللہ کے، پھر جب اللہ تمہیں خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے"[67]۔

تفسیر 67 اس آیت میں مشرکین کیلئے ان کے کمزور عقیدے پر وعید ہے کہ سختی کے وقت تو صرف اللہ کو پکارتے ہو اور جب وہ تکلیفوں سے نجات دے کر امن میں لے آتا ہے تو پھر دوسرے لوگوں کو اپنے لیے مشکل کشا اور حاجت روا لگ جاتے

ہوں۔ اس طرح سورۃ یونس آیت 22، سورۃ عنکبوت آیت 65، اور سورۃ لقمان آیت 32 میں ہے۔

اَفَاَمِنۡتُمۡ اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ اَوۡ يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ وَكِيۡلًا ۝۶۸

"کیا تمہیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں رہا کہ اللہ تمہیں خشکی ہی میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے اور پھر تمہیں کوئی بچانے والا نہ ملے" [68]۔

تفسیر 68 اس آیت میں ان مشرکین کیلئے وعید ہے جن کا حال سابقہ آیت میں گزر چکا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ سمندری عذاب سے اگرچہ بچ نکلو مگر خشکی کے عذاب سے تو نہیں بچ سکتے: اَنۡ يَّخۡسِفَ بِكُمۡ جَانِبَ الۡبَرِّ: جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا تمہیں بھی کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اور يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا: لوط علیہ السلام کی قوم کی طرح عذاب آ جائے۔ سورۃ ملک آیت 16، 17 میں بھی اسی طرح ہے۔

اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ۝۶۹

"اور کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لے جائے پھر تم پر ہوا کا طوفان بھیج کر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں غرق کر ڈالے، پھر تمہیں کوئی نہ ملے جو اس معاملے میں ہمارا پیچھا کر سکے" [69]۔

تفسیر 69 یہ بھی سابقہ آیت کی طرح وعید ہے یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ پھر سمندر میں لوٹا دے اور اس کو غرق کر ڈالے تو انہیں کون بچائے گا۔ تَبِيۡعًا: اپنے دشمن سے بدلہ لینے والا ہو۔ اور مددگار کو بھی کہتے ہیں۔

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ۝۷۰ ع

"اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے اور انہیں خشکی اور سمندر میں سواریاں مہیا کی اور ان کو پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ہے اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطاء کی ہے" [70]۔

تفسیر 70 اس آیت میں چار عام انعامات کا ذکر ہے اور ان کی طرف ترغیب بھی ہے۔ تاکہ ان نعمتوں کا شکر توحید پر قائم رہنے کے ذریعے سے کیا جائے تو عذاب سے بچ جائیں گے جس عذاب کا ذکر سابقہ آیت میں گزر گیا ہے۔ پہلا انعام:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا: یہ کرامت (عزت) عام ہے اس میں کلام، عقل، تمیز، وجود کی بناوٹ سیدھا قامت، خوبصورت شکل وصورت، انگلیوں کے ذریعے کھانے سے اور دیگر مخلوق کو اس کے تابع کرنے سے اور مرد کو داڑھی سے اور عورتوں کو سر کی چوٹیوں کے ذریعے سے زینت بخشی ہے یہ سب اس کے اکرام میں داخل ہے۔ اور یہ اکرام سب آدم کی اولاد کو حاصل ہے البتہ کافر بے دین کو: شَرَّ الدَّوَابِّ: بدترین جاندار قرار دیا ہے۔ دوسرا انعام: سواری کا ہے خشکی میں گاڑیوں، اونٹوں، گھوڑوں، خچروں، گدھوں کے ذریعے دور دراز انعامات سفر کرنے کی سہولت دی اور سمندروں میں کشتیاں لانچ جہازوں کی سہولتیں دی ہیں۔ تیسرا انعام: کھانے پینے اور ستر ڈھانپنے کے لیے لباس کی ہے۔ اسمیں مختلف انواع اور مختلف رنگوں اور مختلف ذائقے اور خوشبو والی اشیاء مراد ہیں۔ چوتھا انعام: بڑی تعداد میں مخلوق پر ان کو فضیلت دینا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات، جنس ملائکہ بھی بعض اہل علم کے نزدیک اس میں داخل ہے۔ اگر ظاہری فضیلت مراد ہو تو اس کے مردمیں کفار بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور معنوی فضیلت ہو تو صرف مومن کیلئے ہے۔ سوال: کافر منافق کو تو سورۃ انفال اور سورۃ البینۃ میں: شَرَّ الدَّوَابِّ: اور شَرُّ الْبَرِيَّةِ کہا گیا ہے لہذا یہ تو کرامت کے منافی ہے۔ جواب (۱): یہاں پر کرامت سے ظاہری امور مراد ہیں جو کافروں، منافقوں کیلئے بھی عام ہے اگرچہ وہ بدترین لوگ ہیں۔ جواب (۲): یہاں بنی آدم سے ہر زمانے کے مومن مرد اور عورتیں مراد ہیں۔

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾

"اس دن کو یاد رکھو جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے، پھر جن کو ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال نامہ کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہوگا" [71]۔

تفسیر 71 اب دنیاوی فضیلت کے بعد ایمان والوں کیلئے آخرت کی فضیلت کا ذکر ہو رہا ہے: بِإِمَامِهِمْ: اس سے ہر وہ شخص مراد ہے جس کو دنیا میں پیشوا بنایا گیا ہے چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر ہو۔ یا اس سے مراد نامہ اعمال کی کتاب ہے پہلا قول بہتر ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں أصحاب الحدیث (اہل حدیث) کیلئے بہت بڑا اعزاز ہے اسلئے کہ ان کے امام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں: يَقْرَءُونَ: مراد یہ ہے کہ خوشی سے پڑھیں گے۔ اس جملہ میں خوشخبری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر آیت مذکورہ و تدریب الراوی للامام سیوطی فی النوع السابع والعشرون 116/2)

وَمَنۡ كَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۷۲﴾

"اور جو شخص دنیا میں اندھا (بے دلیل) بنا وہ آخرت میں بھی اندھا بلکہ راستے سے بھٹکا ہوا ہوگا" [72]۔

تفسیر 72 اس آیت میں تخویف اخروی ہے اور اعمیٰ اولیٰ سے دل کا اندھا مراد ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کیلئے سخت وعید ہے جو اقرار کرتے ہیں کہ ہم اندھے مقلد ہیں اور دوسرے اعمیٰ سے اندھا پن مراد ہے۔ یا اس سے بے دلیل شخص مراد ہے جیسا کہ: فَعَمِیَتۡ عَلَیۡهِمُ الۡاَنۡۢبَآءُ: سورۃ قصص آیت 66 میں ذکر ہے۔ اور اس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ آیت 124 میں ہے۔ فائدہ: اگر کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ سورۃ ق آیت 22 اور سورۃ مریم آیت 38 میں تو وضاحت ہے کہ قیامت میں ان کی نظریں تیز ہونگی۔ تو جواب یہ ہے کہ قیامت کے مناظر و مقامات میں فرق ہے بعث قبروں سے کھڑا ہونا ہے اور حشر کے میدان میں جمع ہونا ہے لہٰذا: اَعۡمٰی: حشر میں ہوگا یعنی قبر سے اٹھتے وقت بینا اور میدان محشر میں نابینا ہوگا: وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا: یعنی ان کی گمراہی قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گی۔ یا مراد یہ ہے کہ جنت کی راہ نہیں پائیں گے۔

وَاِنۡ كَادُوۡا لَیَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ لِتَفۡتَرِیَ عَلَیۡنَا غَیۡرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِیۡلًا ﴿۷۳﴾

"اور اے نبی! جو وحی ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے یہ لوگ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس سے ہٹانے لگے تھے تا کہ تم اس کے بجائے کوئی اور بات ہم پر گھڑ کر پیش کرو اور اس صورت میں وہ تمہیں گہرا دوست بنا لیتے" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں سختی سے تنبیہ کی گئی ہے یعنی مشرکین اور اہل باطل اہل حق پر کوشش کرتے ہیں کہ انہیں حق بیان کرنے سے روک لے یا انہیں مجبور کرتے ہیں کہ وہ پورا حق بیان نہ کریں بلکہ کچھ چھپا کر بیان کر دیں جیسے ہمارے دور میں مصلحت پسند کہتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ حق سے اندھے ہیں اور سابقہ آیت سے ربط بھی اس میں ہے مثلاً مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی کہ ہمارے الٰہ کے متعلق یہ اظہار کرو کہ وہ شفعاء یعنی سفارشی ہیں تو ہم آپ کے ساتھ جھگڑا ختم کر لیتے ہیں اور لفظ: لِتَفۡتَرِیَ: میں اشارہ ہے کہ جس نے بھی قرآن و سنت کو چھوڑ دیا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا: وَاِنۡ كَادُوۡا: یہ ان مخففہ ہے مثقلہ سے، یعنی اصل میں: اِنَّ: ہے۔ یہ ارادہ کرنے اور کوششیں کر لے کے معنی میں ہے اور: غَیۡرَهٗ: سے شرک مراد ہے: خَلِیۡلًا: خلیل اس دوست کو کہا جاتا ہے جو دل کی حاجت پوری کر سکتا ہو یا وہ دوست جس کی محبت دوسری محبتوں سے خالی ہو یعنی قریبی مخلص دوست مراد ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝

"اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تم بھی ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھکنے کے قریب جا پہنچے" [74]۔

تفسیر 74 اس آیت میں دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے ساتھ ذرہ برابر مداھنت سست روی سے کام نہیں لیا ہے بلکہ آپ معصوم رہے اور عصمت کی ثابت قدمی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے۔ اور اس میں بہت تاکیدات ہیں۔ (۱) كِدْتَّ (۲) تَرْكَنُ (۳) شَيْـًٔا (۴) قَلِيْلًا: ان چار تاکیدات سے یہ بات انتہائی طور پر واضح ہوتی ہے کہ ہمارے نبی نے دعوتِ حق میں مشرکین کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نرمی یا مداہنت سے کام نہیں لیا۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

"اگر ایسا ہوجاتا تو تمہیں ہم دگنی سزا دنیا میں دیتے اور مرنے کے بعد بھی دگنی، پھر تمہیں ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار نہیں ملتا" [75]۔

تفسیر 75 اس آیت میں امت کیلئے وعید ہے کہ جب ہم اپنے برحق نبی کو مداہنت یا نرمی پر معاف نہیں کرسکتے تو تمہیں کس طرح معاف کریں گے۔ اور آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جتنا کسی کا مرتبہ عظیم ہوتا ہے اتنا مخالفت کے وقت اس کی سزا دگنی ہوتی ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

"اور بلاشبہ وہ اس فکر میں بھی ہیں کہ اس سرزمین مکہ سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں تاکہ تمہیں یہاں سے نکال باہر کریں اور اگر ایسا ہوا تو یہ لوگ بھی زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکیں گے" [76]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 100 تک تیسرا حصہ ہے اس میں عذاب کے تیسرے سبب کا ذکر ہے اور وہ رسولوں کو ان کی بستیوں سے بے دخل کرنا ہے اور اس کی مثال کیلئے آیت 76، 77 میں ہمارے نبی مکرم کی ہجرت ذکر کی ہے پھر آیت 78 تا 81 میں امتحان پر صبر اور ثابت قدمی کیلئے چار آداب کا ذکر ہے پھر قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور قرآن کی سچائی بیان کی ہے اور مقابلے کا چیلنج بھی ہے آیت 82 پھر پانچ وعیدیں بیان کی ہیں پہلی وعید اعراض کرنے والوں کے حوالے سے ہے آیت 83، 84 میں دوسری وعید ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے لوگوں کے لیے جو سیکھنے کی نیت سے نہیں بلکہ انکار کرنے کے لیے سوال پوچھتے ہیں آیت 85، 86، 87 اور آیت 88 میں قرآن کی سچائی بطور چیلنج ہے۔ تیسری وعید قرآن سے

اعراض پر ہے۔آیت 89 میں چوتھی وعید معجزات طلب کرنے پر ہے جو کہ صرف عناد کے طور پر انہوں نے آٹھ مطالبے کئے تھے۔آیت 90،91،92۔پانچویں وعید رسول کی بشریت پر 94 اس کا جواب 95 میں ہے پھر اللہ کی شہادت رسول کی رسالت پر ذکر ہوئی ہے۔آیت 96 میں تخویف اخروی کا بیان ہے۔آیت 97 میں انکار قیامت کے لیے سبب نَشْأَةً ثَانِيَةً کا انکار بیان ہو رہا ہے یعنی جو لوگ قیامت کا اور اس سے انکار کرتے ہیں کہ وہ دوبارہ زندگی کا یقین نہیں رکھتے ان کے انکار کا بیان ہے آیت 98 میں اثبات قیامت اور اثبات توحید کا بیان آیت 99 میں ہے پھر انسان کے بخل پر رد ہوا ہے اور اس میں مقصد توحید اور رسالت ثابت کرنا ہے۔

تفسیر 76: اس آیت میں اشارہ ہے کہ مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کو ہجرت پر مجبور کرنے کیلئے کوششیں کی۔یعنی جب دیکھا کہ کسی بھی صورت میں یہ نبی ہمارے ساتھ شرک پر اور باپ دادا کے دین پر اتحاد کیلئے تیار نہیں ہے تو انہوں نے ان کو جلا وطن کرنے کی کوششیں شروع کی: وَإِذاً لَّا يَلْبَثُونَ خِلافَكَ إِلَّا قَلِيلاً: اس میں اہل مکہ کے عذاب کی طرف اشارہ ہے یعنی جب آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کریں گے تو یہ بھی زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے اور ایسا ہی ہوا کہ بعد میں ان پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوڑا برس گیا: اِسْتِفْزَاز: کے معنی ہے چال اور حیلے بہانے سے کسی کو پھسلا دینا یا بستی سے نکال دینا۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾

"یہ ہمارا وہ طریقہ ہے جو ہم نے اپنے ان نبیوں کے ساتھ بھی اختیار کیا تھا جو ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے" [77]۔

تفسیر 77 گزشتہ آیت میں جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس آیت میں اس کی تاکید بیان ہو رہی ہے یعنی ان پر عذاب آنے گا جیسا گزشتہ اقوام پر آیا تھا جب انہوں نے رسولوں کو بستیوں سے ہجرت پر مجبور کیا تھا لہذا جب مشرکین مکہ نے نبی کریم ﷺ کو تنگ اور پریشان کیا یہاں تک کہ وہ مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو ٹھیک ڈیڑھ سال بعد بدر میں ان پر عذاب کا کوڑا برسا اور وہ ذلیل و رسوا ہوئے: سُنَّةَ: اس میں مقدر عبارت اس طرح ہے: نَفْعَلُ لَكَ مِثْلَ سُنَّةَ مَنْ سابقہ رسولوں کی طرح آپ کیلئے بھی کریں گے۔

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

"اے نبی! سورج ڈھلنے کے وقت سے رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو اور فجر کی نماز کا اہتمام کرو فجر کی نماز میں (ملائکہ) کا مجمع حاضر ہوتا ہے" [78]۔

تفسیر 78 اس آیت میں پہلے ادب اور اصلاح کا ذکر ہے جو ثابت قدمی کیلئے ہے اور: أَقِمِ الصَّلَاةَ: سے تمام نمازوں کی پابندی مراد ہے۔ اور لِدُلُوكِ: سے مراد زوال الشمس ہے دوسرا معنی غروب الشمس ہے پہلے معنی کے اعتبار سے چار نمازوں یعنی ظہر۔عصر۔مغرب۔عشاء کی طرف اشارہ ہے کیونکہ: إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ: میں غایہ ماقبل میں داخل ہے۔ اور دوسرے معنی کے اعتبار سے صرف مغرب کی نماز مراد ہے۔ امام ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے پہلا قول صحابہ کرام و تابعین عظام کی بڑی تعداد سے نقل کیا ہے اور لِدُلُوكِ: کا معنی زوال ایک مرفوع حدیث سے پیش کیا ہے لہٰذا یہ قول بہتر ہے (ابن جریر 225803 اس روایت کو ابن کثیر کی تخریج میں شیخ غماوی، شیخ احمد شیخ حسن، شیخ مصطفیٰ و شیخ رشاد نے ضعیف ثابت کیا ہے) :وَقُرْآنَ: یہ مصدر ہے جو قرأت کے معنی میں ہے اور: قِرَأَت: سے مراد پوری نماز ہے اسلئے کہ قرآن پڑھنا نماز کا اصل رکن ہے: مَشْهُودًا: رات اور دن کے ملائکہ اس نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝

"اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھ لیا کرو جو تمہارے لئے ایک اضافی عبادت ہے، امید ہے تمہارا رب تمہیں مقام محمود تک پہنچا دے گا" [79]۔

تفسیر 79 اس آیت میں دوسرے امر اصلاحی اور ادب کا بیان ہے اور وہ قیام اللیل ہے جو رات کو بیدار ہونے کے بعد ادا ہوتا ہے: فَتَهَجَّدْ: هُجُود: (نیند) ترک کرنے کے معنی میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کا وقت رات بیدار ہونے کے بعد ہے اور افضل وقت نصف اللیل آدھی رات کے بعد شروع ہوتا ہے: نَافِلَةً لَّكَ: ایک معنی یہ ہے کہ یہ آپ کیلئے عزت واکرام کا اضافہ ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کیلئے عطیہ بخشش ہے اور لفظ نافلہ دلیل ہے کہ تہجد کی نماز نبی پر بھی فرض نہیں تھی یہ بہتر قول ہے۔ اور لفظ لَّكَ: میں آپ کا اکرام مقصود ہے۔ اور اس نماز پر نبی کے درجات بلند ہوتے ہیں اور امتیوں کے گناہ معاف ہوتے ہیں: مَقَامًا مَّحْمُودًا: اس سے مراد مقام شفاعت کبریٰ ہے یا قرب الٰہی میں اضافہ ہے لیکن پہلا قول بہتر ہے: مَّحْمُودًا: اسلئے کہا گیا ہے کہ یہ مقام قابل ستائش ہے یعنی جس انسان کو یہ مقام و مرتبہ ملے گا وہ قابل

تعریف اور قابل ستائش ہوگا۔ یا: مَّحْمُوْدًا: سے مراد مَحْمُوْدٌ فِیْهِ ہے یعنی کہ اس میں اس کی تعریف کی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے کہ مجھے وہ حمد وثناء سکھائی جائے گی جو اس سے قبل مجھے نہیں سکھائی گئی۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث 4718) اور یہ بھی احتمال ہے کہ دنیا میں نبی کا عظیم مرتبہ مراد ہو جیسا کہ: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

"اور یہ دعا کرو کہ رب مجھے جہاں داخل فرما اچھائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے نکال اچھائی کے ساتھ نکال اور مجھے خاص اپنے پاس سے اقتدار عطا فرما جس کے ساتھ مدد بھی ہو" [80]۔

تفسیر 80 اس آیت میں تیسرا اُمر برائے اصلاح اور ادب ہے: وَقُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ: اس میں خروج اور دخول سے مراد یہ ہے کہ خروج اور دخول اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو اور وہ رب کریم کے اُمر سے ہو اپنی خواہش اور دنیاوی مقاصد اس میں نہ ہوں۔ لہٰذا مخرج ومدخل اس میں مصدر میمی ہے: سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا: اس سے مراد حجت قوی یا اللہ تعالیٰ کی وہ مدد ہے جس سے غلبہ حاصل ہو جائے یعنی غلبہ کے بعد کمزوری نہ ہو اور اس میں اشارہ ہے کہ ہجرت کے بعد سلطان ونصرت حاصل ہوتی ہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

"اور فرما دیجئے حق آن پہنچا اور باطل مٹ گیا اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹ جانے والی ہے" [81]۔

تفسیر 81 اس آیت میں چوتھا اُمر ہے جو برائے اصلاح ہے اور ادب بھی ہے اور یہ بطور پیشگوئی خوشخبری اور تسلی کے ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیزہ کے ساتھ تین سو ساٹھ بتوں کو توڑا اور ہر بت کو توڑتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے۔ حق سے مراد توحید۔ قرآن اور رسول کی رسالت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم حدیث 2478 صحیح مسلم کتاب الجهاد حدیث 1718)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

"اور ہم وہ قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کیلئے شفاء اور رحمت ہے البتہ ظالموں کیلئے اس سے نقصان کے سوا کسی اور چیز کا اضافہ نہیں ہوتا" [82]۔

تفسیر 82 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اشارہ ہے کہ مہاجر کیلئے قرآن سے تعلق جوڑنا بہت ضروری ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ قرآن سے فائدہ تب ممکن ہے جب اس پر ایمان ہو لیکن اگر دل میں بغض اسی طرح ضد وعناد موجود ہوں تو پھر بجائے فائدہ کے یہ قرآن کریم اس کے لیے نقصان کا سبب بنتا ہے جیسا کہ سورۃ مائدہ آیت 64،68 میں ہے۔ شفاء سے امراض روحانی وجسمانی دونوں کی شفاء مراد ہے۔ روحانی بیماری شرک، کفر، شک، نفاق وغیرہ ہے جبکہ جسمانی بیماریوں کیلئے قرآن کا دم بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ تعویذ بنانا صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ موقوف حدیث اور بعض سلف کا عمل بطور جواز ثابت ہے لیکن اس زمانہ میں اس سے بہت مفاسد پیدا ہو رہے ہیں لہذا عام فتویٰ جواز کا دینا درست نہیں ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد اور روح المعانی میں اس آیت کے تحت تفصیل ذکر کی ہے: وَرَحْمَةٌ: اس سے ایمان کا بڑھنا، پختگی، اجر ثواب مراد ہے جو قرآن کریم کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں: مِنَ الْقُرْاٰنِ: مِنَ: بیانیہ ہے: مَا هُوَ: کیلئے اگرچہ مقدم ہے یا مِنَ برائے تبعیض ہے اور تبعیض سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے ہر ہر حصہ میں شفاء اور رحمت ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝

"اور جب ہم انسان کو نعمت سے نوازتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو بدل لیتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو مایوس ہو کر بیٹھتا ہے" [83]۔

تفسیر 83 یہ ظالموں کا حال ہے جیسا کہ پہلے آیت میں گزر چکا ہے، قرآن مجید کی طرف ترغیب کے بعد ان لوگوں کیلئے وعید ہے جنہوں نے توحید باری تعالیٰ اور قرآن سے اعراض کیا ہے۔ اور ان کا یہ اعراض مالداری صحت مندی، فراوانیوں کی وجہ سے ہے جیسا کہ: اَنْعَمْنَا: سے معلوم ہوتا ہے اور مصیبتوں کے وقت ناامیدی مایوسی کا اظہار کرنا یہ: وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ: میں ذکر ہے نیز اس سے مراد حق کے بیان سے دور جانا اور تکبر کرنا ہے وغیرہ: يَـُٔوْسًا: ایک معنیٰ اللہ تعالیٰ سے ناامیدی کا ہے جسکی تائید سورۃ یوسف آیت 87 میں ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اپنے باطل معبودوں سے مایوس ہو کر خالص اللہ

تعالی کو پکارتے ہیں یہ مشرکین عرب کا طریقہ تھا جیسا سورۃ ھود آیت 9، 10 میں ذکر ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾

"فرمادیجئے کہ ہر شخص اپنے اپنے طریقے پر عمل پیرا ہے تیرا رب ہی جانتا ہے کہ صحیح راستے پر کون ہے" [84]۔

تفسیر 84 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور مشرکین سے براءۃ ذکر ہوئی ہے جنکا ذکر سابقہ آیت میں گزرا ہے: شَاكِلَتِهٖ: نیت۔ طریقہ۔ طبیعت مراد ہے سورۃ ھود آیت 121 میں بھی گزرا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

"اے نبی یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں فرمادیجئے کہ وہ میرے رب کے اَمر سے بنتی ہے اور نہیں دیا گیا تمہیں علم مگر بہت تھوڑا" [85]۔

تفسیر 85 اس آیت میں ایسے سوالات کرنے والوں کے لیے وعید ہے جن کا مقصد صرف مخالفت ضد، اور تعصب ہو اور ان کے سوالات کا مقصد حق سیکھنا نہ ہو۔ یہ سوال مشرکین مکہ نے یہودیوں کے کہنے پر کیا تھا اسلئے دونوں کیلئے وعید ہے اور اس کا ربط سابقہ آیت میں: اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ: سے ہے یعنی اعراض کرنے والوں نے اس طرح سوالات کئے ہیں۔ روح کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: پہلا قول: زندگی کی روح ہے۔ ان کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ روح کہاں سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ بدن مٹی سے بنایا گیا ہے تو روح کس چیز سے بنائی گئی ہے۔ جواب: روح عالم اَمر سے اتری ہے اور اس سے زیادہ تفصیل تم نہیں جان سکتے کیونکہ بعض چیزیں متشابہات میں سے ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جواب لن کے سوال کے ساتھ موافق ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ روح سے مراد قرآن مجید ہے جیسا کہ سورۃ نحل آیت 2 میں قرآن مجید کو روح کہا گیا ہے لہٰذا ان کا سوال تھا کہ یہ قرآن تم نے بنا ڈالا ہے یا جبرائیل نے اپنے پاس سے بنایا ہے۔ جواب۔ یہ اللہ تعالی کے اَمر سے نازل ہوا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس روح سے جبرائیل مراد ہے کیونکہ اس کو قرآن مجید میں: رُوْحُ الْاَمِیْنِ رُوْحُ الْقُدُسِ: کہا گیا ہے یعنی انکا سوال ہے کہ جبرائیل کس چیز سے پیدا ہوئے اور کس طرح ہوئے ہیں۔ چوتھا قول۔ روح ایک خاص قسم کے ملائکہ میں سے ہے جن کی صفات صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ نفس اور روح کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ نفس وہ ہے جس پر ہر جاندار زندہ رہتا ہے اور روح ایک قسم مخلوق ہے قرآن میں موت کے وقت اطلاق نفس پر ہوا ہے: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ: سورۃ زمر آیت 42: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ سورۃ

العنکبوت آیت 57 روح پر نہیں ہے دوسرا قول یہ ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک چیز یعنی سانس کو کہتے ہیں البتہ جب بدن کے ساتھ منسلک ہو تو نفس کہلاتی ہیں اور جب جدا ہو جائے تو روح کہلاتی ہے۔ سوال: بخاری کی حدیث میں ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4721، 125) کہ یہ سوال یہودیوں نے مدینے میں کیا تھا جبکہ یہ آیت مکی ہے اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہودیوں نے یہ سوال مکہ والوں کو سمجھایا تھا۔ جواب نمبر 1: پہلے مکہ میں پوری آیت نازل ہوئی پھر مدینہ میں یہودیوں کے سوال پر جب نبی کریم نے وحی کا انتظار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وحی پر حوالہ دیا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ: اس میں خطاب عام ہے اور اس میں دلیل ہے مخلوق کے پاس علم قلیل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم محیط، علم کلی، علم غیب میں شریک نہیں ہو سکتے اور قلیل علم ہونے کی وجہ سے متشابہ چیزوں کو بھی نہیں جانتے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿٨٦﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿٨٧﴾

"اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے وہ ساری واپس لے جائیں پھر تم اسے واپس لانے کیلئے ہمارے مقابلے میں مددگار بھی نہ پاؤ [86]۔" "لیکن یہ تو تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے (کہ وحی کا سلسلہ جاری ہے) حقیقت یہ ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر جو فضل ہو رہا ہے وہ بڑا عظیم ہے" [87]۔

تفسیر 86، 87 ان آیتوں میں قرآن کی سچائی اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ معترضین کے اعتراضات کی وجہ سے آپ پر وحی اور رحمت کی بندش نہیں ہوتی۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ نبی وحی اپنے پاس سے نہیں بنا سکتا اور ان لفظوں میں عظمت رسول کا ذکر ہے کہ ان: فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا، رَحْمَةً: قرآن کی وحی کا سلسلہ باقی رکھنا نعمت خاصہ ہے اور فضل سے نبی کی دیگر فضیلتوں کی جانب اشارہ ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾

"فرما دیجئے کہ اگر تمام جنات و انسان اکھٹے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا لے آئیں تب بھی وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے چاہے وہ کتنی ہی ایک دوسرے کی مدد کر لیں" [88]۔

تفسیر 88 اس آیت میں قرآن کی سچائی اور پھر مناظرہ کی دعوت بھی ہے اور اعجاز قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ ساری مخلوق اس کے مقابلہ سے عاجز ہے لہٰذا جو قرآن کے مقابلے میں بے بس ہے وہ الٰہ نہیں ہو سکتے۔ سورۃ یونس آیت 38 میں ایک

سورۃ کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ سورۃ ھود آیت 13 میں دس سورتوں کا مطالبہ ہوا تھا اور سورۃ طور آیت 34 میں ایک حدیث یعنی بات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ چونکہ قرآن کے اولین مخاطب انسان ہے اسلئے ان کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔ اور پیدا کرنے میں جن مقدم تھے تو سورۃ ذاریات آیت 55 میں ان کو انسانوں سے پہلے ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾

"اور ہم نے انسانوں کی بھلائی کیلیے اس قرآن میں ہر قسم کی باتیں بیان کی ہیں مگر لوگوں کی اکثریت ناشکری ہی پر مصر ہے" [89]۔

تفسیر 89 اس آیت میں ان کے لیے قرآن سے انکار پر وعید ہے اور یہ اعجاز قرآن کیلئے علت بھی ہے جبکہ پہلے قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔ مِن كُلِّ مَثَلٍ: مثل میں مختلف طریقوں سے دلائل کا بیان مراد ہے یعنی کبھی وعید تو کبھی خوشخبری کبھی سمجھانے کیلئے مثالیں وغیرہ۔ فائدہ: لفظ فَأَبَىٰ: میں نفی کا معنی موجود ہے اس لئے اس سے استثنی درست ہے یعنی لَا يَفْعَلُ شَيْئًا: اور اس جملہ میں انکار پر بہت تاکید ہے۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾

"اور کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے لئے ایک چشمہ جاری نہ کردو [90]۔ یا پھر تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور تم اس کے بیچ میں زمین پھاڑ کر نہریں جاری کردو [91]۔ جیسے تم دعوے کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے ہم پر گرا دو یا اللہ کو اور ملائک کو ہمارے آمنے سامنے لے آؤ [92]۔ یا پھر تمہارے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک تم ہم پر ایسی کتاب نازل نہ کردو جسے ہم پڑھ سکیں۔ اے نبی! آپ فرما دیجئے سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں جسے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں" [93]۔

تفسیر 91، 92، تا 93 ان آیتوں میں معجزات طلب کرنے والوں کیلئے وعید ہے خصوصاً جو ضد و عناد کے طور پر ہوں نیز ان آیتوں میں آٹھ قسم کے معجزات طلب کرنے کا ذکر ہے۔ اول میں مکہ کی سرزمین سے چشمے جاری کرنا ہے تاکہ اس کا فائدہ عام ہو۔ دوم میں نہریں اور باغات پیدا کرنا جو آپ ہی کیلئے ہو اور یہ بھی زمین کے تصرفات میں سے ہیں۔ سوم میں آسمان کے تصرفات کا مطالبہ ہے۔ چہارم میں فقیری سے مالداری یا زمین سے آسمان کی جانب ترقی تاکہ آسمان تک پہنچ جائے لیکن جب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو معراج کی رات آسمانوں پر جاچکا ہوں تو انہوں نے بات بدل دی اور کہنے لگے کہ صرف آسمانوں پر چڑھ جانا کافی نہیں بلکہ اپنے ساتھ ایک ضخیم کتاب بھی لائی ہوگی۔ فائدہ: باطل پرستوں کا نیک لوگوں کے بارے میں یہ غلط عقیدہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس زمین وآسمان کے اختیارات ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ملائک سمیت ان کے تابع ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کی بناء پر انہوں نے رسول ﷺ سے اس قسم کے مطالبات کئے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میں تو صرف بشر اور رسول ہوں جبکہ بشر و رسول کے پاس اختیارات اور تصرفات نہیں ہوتے: كَمَا زَعَمْتَ: اس میں ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے جس میں آسمان پھٹنے یعنی انشقاق وانفطار کا ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے کفریہ عقیدہ کی وجہ سے اس کو زعم یعنی گمان قرار دیا: وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ: رُقِيِّكَ: مصدر ہے رَقِيَ اور اِرْتِقَاءٌ: سے چڑھنے کے معنیٰ میں ہے۔ نیز صحیفے یا چھوٹی کتاب کے معنیٰ میں تو ہرگز کسی لغت میں نہیں آیا ہے لہٰذا اس طرح معنیٰ کرنا غلط ہے: سُبْحَانَ رَبِّي: اس میں اشارہ ہے مذکورہ مطلوبہ صفات تو الوہیت کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں کوئی شریک نہیں ہے رسول بھی الٰہ نہیں صرف بشر اور رسول ہیں۔ سوال: مسند احمد میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا اگر آپ چاہیں تو بطحاء کی مٹی اور ریت کو تیرے لئے سونے کا بنادیں لیکن آپ نے انکار کیا؟ جواب: وہ روایت ضعیف ہے (ترمذی کتاب الزھد حدیث 2347، احمد 254/5، اس روایت کو شیخ البانی سمیت کئی علماء نے ضعیف کہا ہے، تخریج ابن کثیر) اس لیے کہ اس کی سند میں علی بن یزید راوی کمزور ہے نیز اس کے باوجود بھی اس میں اللہ تعالیٰ کے تصرف اور قدرت کا ذکر ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

"اور جب ان کے پاس ہدایت کا پیغام آیا تو ان کو اسی بات نے روکا کہ وہ کہتے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے" [94]۔

تفسیر 94 اس میں ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو رسول کی بشریت سے انکار کرتے ہیں۔ یہ سوال گزشتہ آیت سے پیدا ہوا کہ میں بشر اور رسول ہوں۔ تو انہوں نے اس وجہ سے انکار کیا۔ تو حاصل یہ ہے کہ صرف بشریت رسول کی رسالت پر ایمان لانے سے مانع ہے جبکہ سورۃ کہف آیت 55 میں عذاب کے انتظار کو توحید سے رکاوٹ قرار دیا ہے لہٰذا ان دونوں حصروں میں کوئی (منافات) تعارض نہیں ہے۔ آج بھی اہل شرک رسول کی بشریت سے انکار کرتے ہیں البتہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ انہوں نے رسول کو آنکھوں سے دیکھا تھا کہ یہ بشر ہے تو انہوں نے بشریت کا بہانہ بنا کر رسالت سے انکار کیا جبکہ موجودہ لوگوں نے رسول ﷺ کو نہیں دیکھا تو انہوں نے بشریت سے انکار کیا۔ اور یہ دونوں کفر کے اس عقیدہ میں مشترک ہیں کہ بشریت اور رسالت میں منافات اور تضاد ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

"فرمادیجئے اگر زمین پر ملائک اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو یقینا ہم آسمان سے ان پر کسی ملک کو نازل فرمادیتے" [95]۔

تفسیر 95 گزشتہ سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول جن کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس رسول یا نبی کا اس قوم کی جنس میں سے ہونا لازم ہے لہٰذا اگر زمین میں ملائک ہوتے تو ضرور ان کے لیے ملائک رسول بن کر آتے مگر چونکہ تم بشر ہو تو تمہارا رسول ضرور بشر ہوگا: يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ: یعنی ملک اگر اس طرح ہو جائیں کہ زمین میں بسنے اور آسمانوں پر چڑھنے سے قاصر ہو جائیں اور زمین میں ہی بسنے لگیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ ملائک تو زمین میں بھی رہتے ہیں لیکن وہ آسمانوں کی طرف چڑھتے اور پھر وہاں سے اترتے ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

"فرما دیجئے اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کیلئے کافی ہے بیشک وہ اپنے بندوں سے پوری طرح باخبر ہے، سب کچھ دیکھ رہا ہے" [96]۔

تفسیر 96 اس آیت میں بھی جواب ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت اللہ تعالیٰ کی شہادت سے دیا گیا ہے۔ سورۃ رعد آیت 43 میں بھی اس طرح ہے: شَهِيْدًا: اللہ تعالیٰ کی شہادت ان دلائل اور حجتوں کو کہتے ہیں جو قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ذکر ہوئی ہیں اور ان پر فریقین کے درمیان فیصلہ ہوتا ہے اسلئے فرمایا: بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ: یا شہادت سے اللہ تعالیٰ کے نبی کی نبوت کے متعلق علم ہے اور منکرین کے انکار کے متعلق بھی۔ یعنی اگر یہ نبی ناحق جھوٹا دعویٰ کرنے والے ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دیتے جیسا کہ سورۃ الحاقۃ آیت 45، 46 میں ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

"اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی سیدھے راستے پر ہوتا ہے اور جن لوگوں کو وہ گمراہی میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی تمہیں مددگار نہیں مل سکتے اور ہم انہیں قیامت کے دن اس طرح اکٹھا کریں گے کہ وہ اندھے، گونگے، بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب کبھی اس کی آگ دھیمی ہوگی ہم اسے زیادہ بھڑکا دیں گے" [97]۔

تفسیر 97 اس آیت میں رسول کی رسالت بیان کرنے کے بعد دو گروہوں کا ذکر ہے ماننے اور انکار کرنے والے پھر نہ ماننے والوں کیلئے تخویف اخروی بیان کی گئی ہے۔ اور اس سوال کا جواب بھی ہے کہ سائل اگر یہ اعتراض کرے کہ یہ رسول جب سچا ہے تو سب لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے تو جواب ہوا کہ ہدایت اور گمراہی رسول کی نہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ: سورۃ فرقان آیت 34 میں بھی اس طرح ہے: عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا یہ حقیقت ہے کہ قیامت کے دن انکا بعض مواقع پر یہ حال ہوگا۔ اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا: أَلَيْسَ الَّذِيْ أَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرًا عَلٰى أَنْ يُّمْشِيَهُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ: (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4760، صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین حدیث 2806) یعنی وہ ذات جس نے ان کو دو پاؤں پر دنیا میں چلایا کیا ان کو منہ کے بل قیامت کے دن نہیں چلا سکتا؟ چونکہ یہ بات نصوص سے ثابت ہے

کہ جہنم میں عذاب کی کوئی کمی نہیں ہوگی بلکہ اضافہ ہوتا رہے گا تو اس لئے فرمایا کہ: كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا: یعنی حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ عذاب میں ترقی مراد ہے یا: خَبَتْ: ان کے گمان کے مطابق فرمایا ہے۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

"یہ ان کی سزا ہے کیونکہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ جب مر کر ہم ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ جائیں گے اور چورا چورا ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھائیں جائیں گے" [98]۔

تفسیر 98 اس آیت میں عذاب کے اسباب کا ذکر ہے۔ یعنی آیتوں کا انکار کیا جو کہ توحید پر مبنی تھیں اور مرنے کے بعد پھر حیات سے انکار کیا۔ اس دوسرے سبب کا ذکر آیت 49 میں گزرا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۚ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

"کیا انہیں اتنی بات معلوم نہیں کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسوں کو پھر سے پیدا کرے اور اس نے ان کیلئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس کے آنے میں ذرہ برابر شک نہیں پھر بھی یہ لوگ انکار ہی کرتے ہیں" [99]۔

تفسیر 99 اس آیت میں دلیل عقلی سے دوبارہ زندگی اور توحید کو ثابت کیا گیا ہے: فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا اس میں لفظ ظالم اسلئے استعمال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکار بہت بڑا ظلم ہے اور آیت 89 میں لفظ الناس ذکر کیا ہے اسلئے کہ وہاں صرف للناس۔ کا ذکر ہے: عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ: سورہ یٰسین آیت 81 اور سورۃ احقاف آیت 33 میں بھی اس طرح ذکر ہوا ہے: مِثْلَهُمْ: سے ان کا نفس مراد ہے۔ یعنی ان کی ذات مراد ہے اسلئے کہ مثل ذات کے معنی میں بھی آتا ہے سورۃ احقاف آیت 33 اس کی تفسیر ہے اسلئے کہ وہاں پر: مِثْلَهُمْ کی جگہ: اَلْمَوْتٰى: ذکر کیا ہے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾ ع

"آپ فرما دیجئے اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کا اختیار رکھتے تو تم خرچ (ختم) ہونے کے خوف سے ہاتھ روک لیتے اور انسان ہے ہی بڑا تنگ دل" [100]۔

تفسیر 100 گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت ذکر ہوئی تو اب اس آیت میں انسانوں کے عاجزی اور کمزوری کا ذکر ہے کہ ان کے پاس خزانہ بھی نہیں ہے اور خزانوں کا اختیار بھی نہیں ہے اور بالفرض ان کو اختیار بھی دیا جائے تو پھر بھی خرچ نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر خزانوں کے ختم ہونے کا خوف طاری رہے گا اور یہ آیت ان لوگوں پر رد ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کرام خزانوں کے مالک ہیں اور یہ آیت بھی توحید کی دلیل ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (9) نشانیاں دی تھیں اب بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ ان لوگوں کے پاس گئے تو فرعون نے ان سے کہا اے موسیٰ! میرے خیال میں تجھ پر کسی نے جادو کر رکھا ہے" [101]۔

خلاصہ: اس آیت سے سورۃ کے آخر تک چوتھا حصہ ہے۔ اس میں عذاب کا چھٹا سبب ذکر ہے جو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء ہے اور اس کیلئے بطور مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ ذکر فرمایا آیت 101 تا 104 تک پھر آیت 105، 106 میں قرآن مجید کی طرف دعوت دی ہے پھر سابقہ اہل کتاب سے دلیل نقلی پیش کی ہے جو آیت 107، 108، 109 تک ہے۔ پھر سورۃ کا اختتام آیت 110 اور 111 میں توحید پر کیا ہے۔

تفسیر 101 "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ: اس سے موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے وہ معجزات مراد ہیں جو سورہ اعراف آیت 120 تا 133 میں بیان ہوئے ہیں بعض مفسرین نے اس سے 9 احکام مراد لیے ہیں۔ اور وہ صفوان بن عسال کی روایت میں ذکر ہے لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن سلمہ راوی کی وجہ سے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے اور اس نے اشتباہ کی وجہ سے فرمایا ہے کہ اس سے مراد حشر کے کلمات ہیں (ترمذی حدیث 3144، ابن ماجہ 3705، نسائی 4083، اس روایت کو امام نسائی رحمہ اللہ نے منکر اور شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے تفصیل کے لئے تخریج ابن کثیر ملاحظہ ہو) ماقبل سے تعلق یہ ہے کہ فرعون بہت سارے خزانوں کے مالک تھا مگر ان خزانوں کے سبب سے عذاب

الٰہی سے بچ نہ سکا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ خزانوں کے اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اور رسول کے مذاق اڑانے سے اس پر عذاب الٰہی آن پڑا تھا: مَسْحُوْرًا: اپنے معنی پر ہے یا ساحر کے معنی میں ہے کیونکہ کبھی مفعول فاعل کے معنی میں آتا ہے۔ مَسْحُوْرًا: کے معانی آیت 47 میں گزر چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے بہت تھے البتہ فرعون کی زندگی میں نو بڑے ظاہر ہوئے تھے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝

"موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ سارے معجزات کسی اور نے نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کے رب نے بصیرت پیدا کرنے کیلئے نازل کئے ہیں اور اے فرعون! میرا تجھے یہ گمان ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے" [102]۔

تفسیر 102 یہ خطاب موسیٰ (علیہ السلام) نے فرعون سے کیا ہے اور اس میں دلیل ہے کہ فرعون دل میں حق کو جانتا تھا مگر زبان سے عناد کی وجہ سے انکار کرتا رہا جیسا کہ سورۃ نمل آیت 14 میں ہے: مَثْبُوْرًا: کے معنی ہلاک کیا ہوا ناقص العقل، لعنتی۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝

"پھر فرعون نے ارادہ کیا تھا کہ سارے بنی اسرائیل کو اس سرزمین سے اکھاڑ پھینکے لیکن ہم نے اسے اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے ان سب کو غرق کیا" [103]۔

تفسیر 103 اس آیت میں فرعون کے ایک اور ظلم کا تذکرہ ہے اور وہ فرعون کا بنی اسرائیل کے مصر سے نکالنے پر مجبور کرنا تھا اور یہ بھی عذاب کیلئے سبب تھا: فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ: یہاں: اَرَادَ: کوشش کے معنی میں ہے پھر عذاب کا ذکر ہوا ہے۔ اور اس آیت میں وضاحت کی گئی ہے کہ فرعون عذاب سے نہیں بچ سکے۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝

"اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے" [104]۔

تفسیر 104 اس آیت میں بنی اسرائیل پر انعام کا ذکر ہے اور تخویف اخروی بھی ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور: اَرْض: سے شام کی زمین پھر مصر کی زمین داؤد علیہ السلام کے زمانے میں مراد ہے۔ ان آیتوں میں باریک اشارہ ہے کہ مکہ والے بھی

اس رسول کی تکذیب کریں گے پھر انہیں مکہ سے ہجرت پر مجبور کریں گے پھر ایمان والے مکہ اور مدینہ میں غلبہ حاصل کر لینے کے بعد آباد ہوں گے۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

"اور ہم نے اس قرآن کو حق ہی کے ساتھ نازل کرنا شروع کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ اترا ہے۔ اور اے نبی! ہم نے آپ کو صرف اسی لئے بھیجا ہے کہ (فرمانبرداروں) کو خوشخبری دو اور (نافرمانوں کو) ڈراؤ" [105]۔

تفسیر 105 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے کہ وہ تو حق ہی سے شروع ہوا ہے اور حق ہی پر دنیا تک پہنچا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں کسی قسم کی تبدیلی درمیان میں نہیں ہوئی ہے۔ اس میں تنبیہ بھی ہے کہ فرعون نے حق سے انکار کیا تو اس پر عذاب نازل ہوا اسی طرح اگر یہ موجود لوگ قرآن سے اعراض کریں گے تو ان پر بھی عذاب آئے گا۔ اور اس میں رسول کی سچائی بھی ذکر کی گئی ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

"اور ہم نے قرآن کے جدا جدا حصے بنائے تاکہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کے سامنے پڑھو اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے" [106]۔

تفسیر 106 یہ بھی سابقہ آیت کے ساتھ متعلق ہے: فَرَقْنٰهُ: اس قرآن کو ہم نے حصوں یعنی سورتوں آیتوں میں نازل فرمایا ہے کہ اس قرآن کو آپ آہستہ آہستہ پڑھ کر سنائے اور وہ سمجھ جائے: وَنَزَّلْنٰهُ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے: وَقُرْاٰنًا: یہ منصوب ہے بشرط تفسیر جو کہ مابعد میں ہے لہذا اس کا مناسب فعل مقدر ہے یعنی: وَاَنْزَلْنَا قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ: اس میں دو قراۃ ہے ایک قراۃ تشدید کے ساتھ دوسری قراۃ تخفیف کے ساتھ ہے اس میں بہتر طریقہ مخفف بمعنی مشدد ہے۔ اور اس سے مراد سورتوں اور آیتوں کی تقسیم ہے نیز اس میں ان کے سوال کا جواب ہے انہوں نے کہا تھا کہ قرآن یک مشت اکٹھا کیوں نازل نہیں ہوتا۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ

"آپ فرما دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ یقیناً جب یہ (قرآن) ان لوگوں پر پڑھا جاتا ہے جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا تھا تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گرتے ہیں" [107]۔

تفسیر 107 قرآن کی سچائی اور منکرین کے سوال کا جواب دینے کے بعد اب پہلے منکرین کیلئے وعید ہے اور پھر سابقہ صالحین اہل کتاب سے دلیل نقلی ذکر کی ہے: اَذْقَانِ: سے ماتھے اور چہرہ مراد ہے یعنی جزء کے ذکر سے کل مراد ہے۔ اور اس میں زیادہ خشوع کی طرف اشارہ ہے کہ کثرت عاجزی کی وجہ سے اپنے داڑھیوں کو زمین کے ساتھ لگا لیتے ہیں اور چونکہ عین داڑھی اور ٹھوڑی مراد نہیں ہے اسلئے لفظ: عَلَى الْاَذْقَانِ: نہیں فرمایا ہے: اُوْتُوا الْعِلْمَ: ان علماء کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ کو عملاً تھامے ہوئے ہوں۔ لہذا ان کی شہادت قابل قبول ہے۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

"اور کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب اور یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے" [108]۔

تفسیر 108 اس میں حالات سجدہ میں تسبیح پڑھنا مراد ہے۔ یعنی ان کے کتابوں میں آخری رسول کے متعلق پیشن گوئی ہوئی تھی لہذا اس کو وعدہ کہا گیا۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۩ ﴿۱۰۹﴾

"اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر جاتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے دلوں کی عاجزی کو اور بڑھا دیتا ہے" [109]۔

تفسیر 109 اس آیت میں ان کے دوسرے صفات کا بیان ہو رہا ہے یعنی رونے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی انکساری میں اضافہ ہے۔ اور تکرار میں کثرت سجود کی طرف اشارہ ہے۔ پہلی مرتبہ سجدہ کے لئے قرآن سننا سبب ہے اور دوبارہ سجدہ کیلئے سبب رونا اور خشوع ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ پہلے میں مراد سجدہ ہے اور دوسرے میں مراد رونے اور عاجزی کیلئے سر جھکانا ہے۔ اور یہ دلیل ہے کہ قرآن سننے سے انسان کے خشوع میں ترقی ہوتی ہے اور یہی ایمان ہے جو بڑھتا ہے۔ اور اس صفت میں اشارہ ہے کہ علماء میں یہ صفات ہونی چاہیے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

"فرما دیجئے کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو اس کو جس نام سے بھی پکارو گے اس کے تمام نام اچھے ہیں اور تم اپنی دعا بہت بلند آواز سے نہ پڑھو اور نہ ہی بہت آہستہ بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرو" |110|۔

تفسیر 110 اس میں ترغیب ہے کہ سجدہ کی حالت یا جب اللہ کے سامنے انتہائی عاجزی کا اظہار ہو تو دعائیں مانگی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں کو وسیلہ کے طور پر پیش کرنا چاہئے جنہیں اسماء حسنیٰ کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 180 میں ہے اور اس میں شرک فی الدعاء پر رد بھی ہے۔ **فائدہ:** دعاء کے وقت یا خدا کہنا درست نہیں اسلئے کہ اس آیت میں اور سورۃ اعراف 180 میں بھی اسماء حسنیٰ پڑھنے اور وسیلہ بنانے کی صراحت کی گئی ہے لہٰذا شرعی نام کے ساتھ الفاظ جوڑ نا درست نہیں کیونکہ عبادت شرعی لفظوں پر ادا کرنا لازم ہے اور لفظ خدا شرعاً ثابت نہیں ہے: **وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا:** یعنی دعا میں زیادہ جہر بھی مت کرو اور بالکل دل میں بھی مت پڑھو بلکہ زبان کی حرکت کے ساتھ پڑھو۔ اور یہ روایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4723، 4722) اور اس میں اشارہ ہے کہ شریعت میں جن مقامات میں جہراً الفاظ ادا کرنا ثابت ہے وہ سنت ہے اس کے علاوہ دعا بالجہر بدعت ہے۔ اس طرح سورۃ اعراف آیت 55، 205 میں بھی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ: صَلَاتِكَ: سے مراد قراۃ ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سب نمازوں میں قراۃ جہراً نہیں پڑھنا اور نہ ہی تمام میں خفی قراۃ کرنا ہے بلکہ بعضوں میں جہراً اور بعض میں سِرّاً کرو اور نماز کے علاوہ بھی اتنی بلند آواز سے قراۃ مت کرو کہ لوگ پریشان ہو جائیں اور صرف دل میں غور و فکر کرنا بھی کافی نہیں۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع

"اور" فرما دیجئے تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا اور نہ ہی اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے اور نہ ہی کمزوری سے بچانے کیلئے کوئی حمایتی مددگار ہے اور اس کی ایسی بڑھائی بیان کرو جیسی بڑھائی بیان کرنے کا اسے حق حاصل ہے" [111]۔

تفسیر 111 اس آیت میں حمد باری تعالیٰ کا حکم دیا گیا ہے، دعا کے شروع میں اور نعمت کے اختتام پر جو کہ یہ سورۃ ہے۔ اسماء حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کی طرف اشارہ کیا گیا تو اب صفات سلبیہ کا ذکر ہے اور اس سورۃ میں شرک کی تین قسموں پر رد ہے (1) ایک شریک ادنیٰ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ولد کا ثابت کرنا ہے پہلے اس کی نفی کی فرمایا لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا: (2) دوسرا شریک مساوی ہوتا ہے اس کو: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ: فرما کر نفی کی (3) تیسری قسم اعلیٰ شریک ہوتا ہے اس کا رد ان لفظوں میں کیا ہے: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ: یہ شرک صابئین مجوس میں ہے ان کا عقیدہ ہے کہ: لَوْلَا اَوْلِيَاءُهٗ لَذَلَّ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ: یعنی اگر اللہ کے اولیاء مددگار نہ ہوتے تو وہ کمزور پڑ جاتا، پھسل جاتا۔ اس امت میں ایسے لوگ ہیں جو اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ پر غالب تصور کرتے ہیں وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بزرگان دین و اولیاء شفاعت قہریہ یعنی زبردستی اللہ تعالیٰ سے مریدوں کو چھڑانے کی قوت رکھتے ہیں حالانکہ یہ کھلا شرک ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ عبد القادر جیلانی دستگیر ہے کیونکہ اس نے ایک دفعہ اللہ کی بھی مدد کی تھی۔ نعوذ باللہ۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ تکبیر اولیٰ پڑھنے سے پہلے شرک سے براءۃ لازم ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل خصوصیات:

۱۔ عذاب کے اسباب کا ذکر۔

۲۔ معراج و اسراء کے معجزے کا ذکر۔

۳۔ مظالم کی تفصیلات اس میں مذکور ہیں۔

۴۔ کثرت سے وعیدیں اس میں وارد ہیں۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ اس میں وارد ہے۔

الحمد للہ سورۃ بنی اسرائیل مکمل ہوئی۔

آیاتها ۱۱۰ ۱۸ سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ ۶۹ رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ترجمہ سورۃ کہف ۔ دوسرا نام سورۃ الحائلۃ

اس سورۃ سے سورۃ سبا تک قرآن مجید کے مضامین کا تیسرا حصہ ہے اس حصہ میں کل 16 سورتیں ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمانیت دو طریقوں سے ذکر ہوئی ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نظام خود سنبھال لیا ہے اور یہ ذمہ داری کسی دوسرے فرد کو نہیں دی ہے یعنی اس کا ولد نہیں ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ برکات صرف اسی کے پاس ہیں جس چیز میں وہ چاہے برکت ڈالتا ہے۔ سورۃ اسراء کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ اس میں یہ بات بیان ہوئی کہ شرک سبب عذاب ہے اور شرک پر تفصیلی رد کیا گیا۔ تو اب اس سورۃ میں توحید پر وارد ہونے والے شبہات کی تردید ہے۔ ربط ۲: سورۃ بنی اسرائیل میں نبی کی ہجرت کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں ہجرت کی تین اقسام ذکر ہیں۔ سورۃ کا عنوان مشرکین کے دلائل پر رد ہے جنہوں نے خرق عادت کاموں سے شرک پر استدلال کیا ہے۔ اور اس (دعویٰ) عنوان کا ذکر (ماخذ) ان لفظوں میں ہے: وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا: وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا: آیت 4 ایسا شخص نہیں ہے جس میں صفات الوہیت ہوں یعنی کامل قدرت اور علم غیب اس کو حاصل ہو جو کہ اللہ کا نائب بن جائے۔ توحید کو ثابت کیا اور شرک کی اقسام کا رد کیا ہے یعنی شرک فی العلم۔ شرک فی التصرف۔ شرک فی الدعا۔ دس 10 آیتوں میں ان کا رد کیا ہے اور 6 اسماء حسنیٰ کا بیان ہے۔ اس سورۃ کا خلاصہ اس طرح ہے کہ اس میں ایک مقدمہ ہے چار حصے اور ایک تتمہ ہے۔ آیت 8 تک مقدمہ ہے۔ اس میں پہلے الحمد للہ سے توحید کا دعویٰ ذکر کیا ہے اور اس کا ثبوت ایسی کتاب کے نزول سے کیا ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ آیت 1 میں پھر کتاب کا مقصد ذکر کیا ہے جو کہ عذاب اور نعمتوں کی خوشخبری پر مشتمل ہے آیت 2 اور 3 میں پھر (اتخاذ ولد) اللہ کیلئے ولد کے عقیدے پر رد کیا ہے جس کے رد کیلئے قرآن کا نزول ہوا ہے آیت 4، 5 اور نبی کو آیت 6 میں تسلی دی گئی ہے پھر آیت 7، 8 میں دنیا سے بے رغبتی بیان کی گئی ہے اور پھر ان مضامین کو قرآن میں تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۟ؕ

"تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کسی قسم کی خامی نہیں رکھی" [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں توحید کا دعویٰ الحمد للہ سے ثابت کیا ہے یعنی الوہیت کی تمام صفات (قدرت کامل وعلم غیب) اللہ کیلئے ہیں ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ پھر کتاب کے نزول کا ذکر ہے کہ اس میں شکوک وشبہات نہیں ہیں بلکہ یہ کتاب شبہات کو ختم کرتا ہے: عِوَجًا: سے شبہات مراد ہے کہ جنہیں توحید میں شبہات ہوں یا کوئی وسوسہ ہو تو اس قرآن کو پڑھ لے تو اس کا ازالہ ہو جائے گا۔

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۟ۙ

"قوی بیان کرنے والی (کتاب) ہے تا کہ اس کی طرف سے سخت عذاب سے (ان لوگوں کو ڈرائے جو ایمان نہیں لاتے) اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ ان کیلئے بہترین اجر ہے" [2]۔

تفسیر 2 "قَیِّمًا": مضبوط مضمون والی ہے توحید کو قوی دلائل سے ثابت کرتی ہے اور اہل توحید کو عقیدۂ توحید پر پختہ کرتی ہے۔ پھر انزال کی حکمت ذکر ہے اور وہ حکمت :اِنْذَار: اور :تَبْشِیْر: ہے۔ لہذا :اِنْذَار: کیلئے :مُنْذِر: اور :مُنْذَرْ لَهُمْ: اور :مُنْذَر مِنْهُ: تینوں ضروری ہیں۔ اسی طرح بشارت کیلئے :مُبَشِّر: اور :مُبَشَّر لَهُمْ: اور :مُبَشَّر بِهٖ: ضروری ہے۔ لہذا :لِیُنْذِرَ: میں جو ضمیر ہے وہ کتاب یا عبد۔ بندہ کی طرف راجع ہے اس میں منذر کی طرف اشارہ ہے :بَاْسًا شَدِیْدًا: اس میں :مُنْذَر مِنْهُ: کی طرف اشارہ ہے اور :مُنْذَرْ لَهُمْ: بعد میں ذکر ہوگا اور :یُبَشِّرُ: کی ضمیر میں :مُبَشِّر: جو کہ کتاب یا عبد ہے اس کی طرف اشارہ ہے :اَلْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ: اس میں :مُبَشَّر لَهُمْ: ذکر ہوا ہے۔ اور :اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا: اس میں :مُبَشَّر بِهٖ: ذکر کیا ہے اور :اَلْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اس میں اصحاب کہف، موسیٰ علیہ السلام، ذوالقرنین، خضر علیہ السلام کے واقعات کی طرف باریک اشارہ ہے اور اس آیت میں تخویف اور تبشیر: انذار یعنی ڈرانا اور خوشخبری دینا ہے۔

مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۟ۙ

"جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے" [3]۔

تفسیر 3 یہ آیت خوشخبری کے ساتھ متعلق ہے اور جنت والے اہل جنت کے ہمیشہ رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝

"اور تا کہ ان لوگوں کو متنبہ کرے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا رکھا ہے"[4]۔

تفسیر 4 اس آیت میں وَّيُنْذِرَ لَهُمْ: کا ذکر ہے۔ اشارہ ہے کہ قرآن ان لوگوں کا رد کرتا ہے جو اللہ کیلئے (ولد) بیٹا بنائے رکھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ مشرکین کا ولد کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے بندوں میں سے کسی کو اپنی صفات دے رکھی ہیں جس کی وجہ سے ان میں الوہیت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی بندگی جائز مانتے ہیں اور اس کو حاجت روا مشکل کشا مانتے ہیں کیونکہ وہ انہیں اللہ کا نائب مانتے ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

"اس کی کوئی علمی دلیل نہ انکے پاس ہے اور نہ ہی ان کے باپ دادا کے پاس تھی، بڑی سنگین بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں"[5]۔

تفسیر 5 اس آیت میں ان کے اس دعوے کی قباحت بیان کی گئی ہے کہ اس پر ان کے پاس کوئی دلیل وثبوت نہیں ہے اور کسی بات کی برائی کیلئے یہ کافی ہے کہ اس کو بے دلیل و بے بنیاد کہا جائے۔ جو صرف باپ دادا کی تقلید پر بنا ہو۔ پھر اس پر اعتراض ہوا کہ ٹھیک ہے بے دلیل تو ہے لیکن اس میں کوئی بڑی بات تو نہیں اگر کسی نے کہہ دیا تو خیر ہے تو جواب دیا گیا کہ: كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ: یعنی ان کے چھوٹے منہ سے اتنی بڑی بات نکلتی ہے اور وہ بھی انتہائی قبیح جس میں جھوٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے: اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا: یعنی اس بات میں جھوٹ کے سوا کچھ نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝

"کیا آپ افسوس کرتے ہوئے لوگوں پر اپنے آپ کو گھلا بیٹھو گے کہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے"[6]۔

تفسیر 6 اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ منکرین ومخالفین کے انکار پر اتنی پریشانی مت کرو کہ وہ آپ کیلئے سبب موت بن جائے: فَلَعَلَّكَ: اس میں: لَعَلَّ: استفہام انکاری کیلئے ذکر ہوا ہے اس طرح سورۃ الشعراء آیت 3 اور سورۃ فاطر آیت 8 میں ذکر ہوا ہے: بَاخِعٌ: اصل بخع اس رگ کو کہتے ہیں جس پر انسان کی موت وحیات کا دارومدار ہوتا ہے یعنی شہ رگ: اٰثَارِهِمْ: اس میں مشرکین کے مظالم اور شرک کے کاموں کی طرف اشارہ ہے: اَسَفًا: یہ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ: سے متعلق ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

"یقیناً ہم نے روئے زمین پر جتنی چیزیں سجا رکھی ہیں وہ اسلئے ہیں کہ ہم آزمائیں ان لوگوں کو کہ کون ان میں سے اچھا عمل کرتا ہے[7]۔ اور یہ بھی یقین جان لو کہ روئے زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے ہم چٹیل میدان بنا دیں گے"[8]۔

تفسیر8 ان دونوں آیتوں میں دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ہے یعنی ان لوگوں کا حق سے انکار صرف دنیا پرستی کی وجہ سے ہے مگر یہ دنیا چند دنوں کی زیب و زینت کے لئے ہے اور ایک امتحان گاہ ہے اس پر دھوکہ مت ہو جاؤ یہ تو فوری فنا ہونے والی ہے۔ زینۃ۔ اس سورۃ کی آیت 46 میں بھی ذکر ہے اور صحیح حدیث میں رسول کریم ﷺ سے اس کی تفسیر ذکر ہے کہ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ: (صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء حدیث 2842، ترمذی کتاب الفتن حدیث 2191، ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث 4000، احمد 19/3) یعنی جس پر آنکھیں خوش ہوتی ہیں اور منہ میں صرف میٹھا ذائقہ پیدا کرتا ہے۔ لِنَبْلُوَهُمْ: یعنی یہ زینت دنیا میں امتحان کیلئے ہے اور امتحان دو قسم کا ہوتا ہے (۱) ایک قسم امتحان میں (ممتحن) امتحان لینے والے کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ اس کو حقیقت حال معلوم ہو جاتی ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ کہ امتحان دینے والے کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ اس طرح کہ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کامیابی میں ہوں یا ناکامی میں یعنی امتحان سے اس کو اپنی حقیقت حال معلوم ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا امتحان بندوں پر اس دوسرے قسم میں سے ہے کہ ان کو حقیقت معلوم ہو جائے اس لئے :نَبْلُوَ: فرمایا جیسا سورۃ یونس آیت 30 میں ہے لہٰذا لِنَبْلُوَ: کا معنی یہ ہوا کہ ہم آزماتے ہیں تاکہ ان کو اپنی حقیقت معلوم ہو جائے :أَحْسَنُ عَمَلًا: اس طرح سورۃ ھود میں گزر گیا ہے۔ اور :صَعِيدًا جُرُزًا میں اشارہ ہے کہ دنیا کا سامان فنا ہونے والا ہے اور یہ الفاظ بطریقہ تشبیہ ہے یعنی جب زمین سے تمام درخت اور پودیں اور ہر چیز فنا ہو جائے تو چٹیل میدان رہ جائے گا۔

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ۝

"کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ غار اور رقیم والے ہمارے (توحید کی) نشانیوں میں سے کچھ (زیادہ) عجیب چیز تھے"[9]۔

خلاصہ: اس مقام سے پہلا حصہ آیت 49 تک ہے اس حصے کی تفصیل اس طرح ہے کہ مشرکین نے یہ شبہ پیش کیا کہ اصحاب کہف کے معاملے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑی قدرت کے مالک تھے یعنی طویل عمر سو جانا۔ بھوک پیاس کا نہ ہونا۔ زمین کے برے حالات سے محفوظ ہونا۔ سورج کی تپش سے محفوظ ہونا۔ آنے جانے والوں سے پناہ میں رہنا وغیرہ۔ جبکہ یہ امور خرق

عادت ہیں۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ تمام امور اللہ کی قدرت کی علامت ہیں ان کی قدرت کے نہیں۔ اسلئے کہ وہ اللہ کے محتاج اور اس کے سامنے عاجزی کرنے والے تھے آیت 10۔ سو جانے آرام کے بھی محتاج تھے آیت 11 اور نیند سے بیدار ہونے میں بھی محتاج تھے آیت 12 اور ہدایت کے حصول میں اور اس کے اضافے میں بھی آیت 13 میں اور ربط القلب یعنی استقامت میں بھی اللہ کے محتاج تھے آیت 14، 15 اور شرک پر رد کرنے والے تھے۔ اور اپنے آپ کو لوگوں سے رب کی رحمت کی امید پر الگ کیا تھا 16۔ پھر آیت 17، 18 میں انکی کرامتوں کا ذکر ہے مگر رب کی رحمت کے محتاج رہتے ہوئے اور آیت 19، 20 میں ان سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے پھر ان کے حال کا تذکرہ ہے جو بعث بعد الموت قیامت قائم ہونے کیلئے دلیل ہے اور ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جنہوں نے ان کے مرنے کے بعد ان کے متعلق اختلاف کیا تھا۔ پھر ان لوگوں کیلئے وعید ہے جنہوں نے ان کے قرب میں مسجد بنائی۔ 21 اور ان کے تعداد میں اختلاف پر تنبیہ کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کو چھ آداب آیت 22، 23، 24 میں سکھائے گئے ہیں پھر غار میں ان کے بیدار ہونے کا تذکرہ آیت 25 میں ہے پھر ان کے اس واقعہ پر چار تفریعات دی گئی ہیں۔ پہلی تفریع: اور ادب وضاحت آیت 26 میں رد شرک فی العلم اور فی الحکم ہے۔ دوسری تفریع: کتاب اللہ کی تبلیغ دعوت آیت 27 میں ذکر ہے۔ تیسری تفریع: موحدین کی جماعت کیلئے آداب اپنانے کا ذکر آیت 28 میں ہے۔ چوتھی تفریع: میں حق کا اظہار اور خوف آخرت اور خوشخبری کا ذکر آیت 29، 30 میں ہے 31 میں تفصیلی خوشخبری ہے پھر منکرین کی اصلاح کیلئے دنیا سے بے رغبتی کا ذکر تین باتوں میں کیا ہے پہلی بات یہ کہ دنیا کی محبت سبب شرک اور انکار قیامت ہے اور دنیا میں عذاب کا سبب ہے جو 32 تا 40 میں ہے دوسری بات یہ ہے کہ دنیا قلیل معمولی چیز ہے تو اس پر دھوکہ مت ہونا 45، 46 تیسری بات یہ ہے کہ دنیا سے محبت آخرت میں عذاب اور افسوس جو آیت 47، 48، 49 میں ہے۔

تفسیر 9 اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور یہ بات بتادی گئی ہے کہ یہ خیال و گمان مت کرو کہ اصحاب کہف اللہ کی قدرت سے کوئی عجیب بعید اور بڑی نشانی ہے کہ مشرکین نے آپ سے ان کے متعلق سوال کیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں جیسے قدرت کی نشانی جو آسمانوں اور زمین کی پیدائش معراج کا واقعہ وغیرہ ہے اس سے بڑھ کر ہیں اور اس میں مشرکین کے اس اشکال کا ازالہ ہے کہ انہوں نے استدلال کیا تھا کہ طویل مدت غار میں ان کا رہنا اور وہ بھی نیند کی حالت میں۔ جسموں میں کسی قسم نقصان کا واقع نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اللہ کی جانب سے

بہت بڑی قدرت حاصل ہے اور ان کو اختیارات دیدیئے گئے لہٰذا ہمارے لئے جائز ہے کہ اصحاب کہف سے مدد طلب کریں اور اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کریں کیونکہ وہ بندگی کے حقدار ہیں اللہ کیلئے مثل ولد ہے۔ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اصحاب کہف کے نام لکھ کر لوگوں کو بطور تعویذ پہناتے ہیں جو کہ یقیناً شرک ہے اور ان کے نام لکھ کر برکت شفا وغیرہ حاصل کرنا یہ سب شرکی عمل ہے۔ خلاصہ یہ حاصل ہوا کہ اصحاب کہف کے ان اعمال سے ان کے ذاتی کمالات نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی کے کمالات ثابت ہوتے ہیں: اَلرَّقِیْمِ: اس میں مختلف اقوال ہیں (۱) یہ وادی کا نام ہے (۲) اس پہاڑ کا نام ہے (۳) اس تختی کتاب کا نام ہے جس میں ان کے نام تحریر تھے۔ مذکورہ اقوال صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں لہٰذا یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کی بستی اردن شہر میں تھی اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور انہوں نے کعب سے نقل کیا ہے۔ روم میں اس کو پیٹرا کہتے ہیں اور مسلمانوں کے فتح کر لینے کے بعد اس کا نام بتراء رکھا اور سابقہ کتابوں میں اس کو رقیم کہا کرتے تھے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا ہے اور روم کے شہر میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾

"یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی اور کہا تھا اے ہمارے رب! ہم پر خاص اپنی طرف سے رحمت نازل فرمایئے اور ہماری اس صورتحال میں کامیابی کا راستہ مہیا کیجئے" [10]۔

تفسیر 10 اس آیت میں اصحاب کہف کی عاجزی وانکساری کا ذکر ہے اور ہجرت کرنے، غار میں پناہ لینے پر انکی دعا کا ذکر ہے کہ وہ رحمت اور ہدایت طلب کرنے میں اللہ کے محتاج تھے۔ ان کا یہ پناہ لینا غار میں وقت گزارنا ایک قول کے مطابق دین نصرانیت میں جائز کام تھا۔ فائدہ: اس میں دلیل ہے کہ فتنوں کے زمانہ میں دین کی حفاظت کیلئے ہجرت سنت انبیاء واولیاء ہے۔ نوٹ: اس سے ان لوگوں کو استدلال باطل ہے جو طاقت رکھنے کے باوجود با جماعت نماز چھوڑ غلط طریقے سے چلے کرتے ہیں پیر بن کر غاروں میں یا خیموں میں بیٹھے رہتے ہیں اور دین پر عمل اور اس کی طرف دعوت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾

"چنانچہ ان کے کانوں کو تھپکی دے کر کئی سال تک غار میں سلائے رکھا" [11]۔

تفسیر 11 اس آیت میں ہے کہ اصحاب کہف نیند کیلئے اللہ کے محتاج تھے۔ یعنی جب وہ دین کی خوب دعوت دے کر تھک

گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آرام سے نوازا: فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا: آذان کا خصوصی ذکر اسلئے کیا گیا کہ جب کان لوگوں کی باتوں اور عام آوازوں کے سننے سے رک جائے تو بندے کو نیند آتی ہے اور اس سلانے میں اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء بندوں سے شفقت کے ساتھ اشارہ ہے جیسا کہ ماں بچے کو سلاتے وقت شفقت کرتے ہوئے کان پر تھپکیاں دیتی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ⑫

"پھر ہم نے انکو جگایا تاکہ یہ دیکھیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے کونسا گروہ اپنی سوئی ہوئی مدت کو زیادہ یاد رکھتا ہے"|12|۔

تفسیر 12 اس آیت میں اصحاب کہف کے بیدار ہونے میں اللہ کے سامنے محتاجی کا ذکر ہے۔ اس لیے نیند سے بیداری کی دعاء میں الفاظ ہیں کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا: (صحیح بخاری کتاب الدعوات حدیث 6324) اس میں ان کے بیدار ہونے کی ایک حکمت ذکر ہے: لِنَعْلَمَ: اس علم کا اظہار مراد ہے۔ یعنی تاکہ ہم ظاہر کریں کیونکہ دیگر بہت سارے نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے: الْحِزْبَيْنِ: اس سے مراد وہ دو گروہ تھے جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ: لَبِثْنَا يَوْمًا: اور دوسرے نے کہا تھا کہ: أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ: یہ قول مختلف اقوال میں سے بہتر ہے۔ یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وہ دونوں گروہ اپنی گزاری ہوئی مدت سے بے خبر تھے لہذا وہ غیب نہیں جانتے تھے

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ⑬

"ہم تمہارے سامنے انکا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں۔ یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انکو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی"|13|۔

تفسیر 13 سابقہ آیتوں میں شبہات کے جوابات کیلئے اصحاب کہف کی عاجزی، علم غیب کی نفی اور محتاجی کا ذکر کیا تو اب اس آیت سے ان کے باقی حالات کا تفصیلی ذکر ہے کہ وہ دیانتدار اور داعیان حق تھے: بِالْحَقِّ: اس میں اشارہ ہے کہ قرآن نے اس واقعہ کو سچ بیان کیا ہے جبکہ اس کے برعکس یہودیوں نے اس میں جھوٹ سے کام لیا ہے اور اس میں اسرائیلیات اور خود ساختہ تفصیلات شامل کر دی ہیں۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس واقعہ کو اظہار حق کیلئے بیان کیا جاتا ہے جو اثبات توحید اور رد شرک ہے: فِتْيَةٌ: عمر کے لحاظ سے نوجوان اور قوم کے سرداروں کے بیٹے تھے اور اس قوم کی عادات کی وجہ

سے انہوں نے ہاتھ، کان، گلے میں سونے کے زیورات اور کنگن بالیاں زیب تن کی تھیں۔ توحید کے مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے والدین نے ان سے زیورات چھین لئے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ اکثر اولیاء اللہ نوجوان ہوتے ہیں بڑی عمر کے لوگ اکثر حق قبول کرنے سے گریز کرتے ہوئے محروم ہوتے ہیں: وَزِدْنٰهُمْ هُدًى: اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور اشارہ یہ بھی ہے کہ دعوتِ حق کیلئے قوی ایمان کی ضرورت ہے۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

"اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب وہ اٹھے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود بنا کر ہرگز نہیں پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم یقیناً انتہائی لغو بات کہیں گے" [14]۔

تفسیر 14 اس آیت میں ان کی محتاجی کا ذکر ہے کہ وہ اپنے دلوں کو ربط نہیں دے سکتے تھے یعنی دلوں کو مضبوط کرنا خاص کر مصائب اور امتحان کے وقت صابر رہنا وغیرہ اس کو ربط القلب کہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کرامات ہیں جو صالحین کو اللہ تعالیٰ دیتا ہے جیسا کہ سورۃ القصص آیت 10 میں ہے اس کے مقابل ختم القلب ہے جو عناد یوں کے دلوں کے ساتھ اللہ کا آخری معاملہ ہوتا ہے: قَامُوْا: اس وقت کا بادشاہ مشرک تھا اس نے ان کو بلوایا اور بالترتیب ان سے چند سوالات کئے۔ پہلا سوال: یہ کیا تھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: یعنی وہی ہمارا رب ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ دوسرا سوال: اس کے سوا بندگی بلا وے پکارنے کا کوئی حقدار ہے؟ انہوں نے جواب دیا: لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖ: ہرگز اس کے سوا ہم کسی کو نہیں پکارتے۔ اول سوال میں توحید ربوبیت کا سوال تھا دوم میں توحید الوہیت کا سوال ہے۔ سوم سوال: اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی اور کو مشکل کشائی کیلئے پکاریں تو اس کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا: لَقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا: یعنی حد سے تجاوز اور جھوٹ کا ارتکاب کریں گے۔ شَطَطًا: باطل، جھوٹ، تجاوز کو کہتے ہیں۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۝۱۵

" یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے رب کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں وہ اپنے معبودوں کے ثبوت میں کوئی ٹھوس دلیل پیش نہیں کرتے؟ بھلا اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو رب پر جھوٹ باندھے" [15]۔

تفسیر 15 یعنی چوتھا سوال یہ ہے کہ تم لوگ اپنے بڑوں کے دین سے کیوں اعراض کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ: لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ: یعنی بڑوں کو چاہئے کہ ان کے الوہیت پر ٹھوس دلیل دکھائیں جو انہوں نے معبود بنا رکھے ہیں۔ اس میں بڑوں کے دین کی تقلید پر رد ہے کہ وہ تو باطل ہے۔ پانچواں سوال اگر بڑوں کے پیروی کرلی تو کیا حرج اور جرم ہے؟۔ جواب ہوا کہ: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا: اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝۱۶

"اور جب تم نے ان لوگوں سے جو اللہ کو چھوڑ کو دوسروں کی بندگی کرتے ہیں علیحدگی اختیار کرلی اور ان سے بھی جن کے وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں تو چلو اس غار میں پناہ لے لو تمہارا رب تمہارے لئے وسعت رحمت کو پھیلادے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے اسباب مہیا فرمائے گا" [16]۔

تفسیر 16 جب وقت کے بادشاہ نے انکو مہلت دیدی تو وہ سمجھ گئے کہ وہ ہمیں صحیح دین سے پھیر دیں گے یا ہمیں سنگسار کر دیں گے تو یہ اپنے رشتہ داروں سے الگ ہو گئے۔ جیسا کہ آیت 20 میں مذکور ہے۔ تو انہوں نے اپنے دین کو بچانے کیلئے غار میں پناہ لینے کا مشورہ کیا اور آخر کار اس کیلئے ہجرت کرلی۔ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ: یہ اسلئے فرمایا کہ قوم سے علیحدگی کسی دنیاوی مقصد کیلئے نہیں ہے بلکہ توحید کیلئے تھی۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہجرت کرنے والوں کو اللہ کی رحمت پر بھروسہ کرنا چاہئے اور رحمت سے مراد قوم سے دفاع اور حفاظت ہے جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے غار ثور میں پناہ دی۔ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا: اس میں اشارہ ہے کہ مشکلات اور تکلیفوں کے بعد اللہ تعالیٰ آسانی لے آتا ہے۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

"اور تم سورج کو نکلتے وقت دیکھتے تو وہ غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا اور غروب ہوتا تو ان سے بائیں طرف کترا کر چلا جاتا اور وہ اس غار کے ایک کشادہ حصے میں تھے یہ سب کچھ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جسے اللہ ہدایت دیدے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کردے اس کا تمہیں کوئی مددگار ہرگز نہیں مل سکتا جو اسے ہدایت دے سکے" [17]۔

تفسیر 17 اس آیت میں غار کا حال ذکر ہوا ہے کہ ان سے اللہ تعالی نے دھوپ کو کس طرح طلوع اور غروب کے وقت پھیر دیا اور ان کو گرمی سے محفوظ رکھا: ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ: یہ ان کی کرامت کی دلیل ہے اور کرامت قدرت الٰہی کی علامت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولی اللہ کی حفاظت کرامت ربانی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعوت حق اور ہجرت میں کرامات حاصل ہوتے ہیں۔ اس آیت کی تشریح میں یہ قول صحیح اور درست ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان پر دھوپ نہیں لگتی تھی اسلئے کہ اس غار کو اس طرح بنایا گیا تھا کہ دروازہ (منہ) شمال کی جانب تھا مگر یہ قول درست نہیں ہے۔ تَّقْرِضُهُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ سورج کے غروب کے وقت کچھ دھوپ ان پر لگ جاتی تھی کیونکہ تھوڑی دھوپ بدن کی اصلاح کیلئے ضروری ہے اور تَقْرِضُهُمْ: قَرَاضَةَ الذَّهَبِ: سے لیا گیا ہے جس کے معنی ٹکڑا (حصہ) ہے: مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ: اشارہ ہے کہ قوم گمراہی میں مستغرق رہی اور اصحاب کہف کو اللہ نے ہدایت دی تو معلوم ہوا کہ ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے نیز اس واقعہ پر کسی کو ہدایت ملتی ہے اور کسی کو نہیں یہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

"آپ انہیں (دیکھ کر) سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ دلواتے رہتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں پنجے پھیلائے ہوئے تھا اور اگر آپ انہیں جھانک کر دیکھتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے اور تمہارے اندر ان کی دہشت سما جاتی" [18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں اصحاب کہف کی ایک دوسرے حالت بیان ہورہی ہے جو غار میں انہوں نے گزاری۔اس میں ان کے جسموں کی حفاظت کا ذکر ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی۔اللہ نے کتے کی چوکیداری کے ذریعے لوگوں کے شور شغب اور دیگر قسم کی پریشانی سے محفوظ رکھا اور آرام کی نیند سلایا: وَنُقَلِّبُهُمْ :یہ ایقاظ کیلئے علت ہے وہ جلدی جلدی کروٹ بدلتے رہتے ہیں جیسے بیدار شخص ہوتا ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کی آنکھیں حالت نیند میں کھلی تھیں اس قول کی نہ کوئی دلیل ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے: وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ: اس کتے کو اللہ تعالیٰ نے اہل توحید کی خدمت کی وجہ سے عظمت عطاء کی جسکا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔اس میں اشارہ ہے کہ کتے کو دروازے تک رکھ سکتے ہیں مگر گھر کے اندر رکھنا منع ہے: لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا :یہ بھی کرامت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے رعب سے نوازا تھا کہ غار کے قریب کوئی نہیں جاسکتا تھا۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ⑲

"اور اسی طرح ہم انہیں اٹھا دیا تا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم ان حالات میں کتنی دیر رہے ہونگے؟ کچھ لوگوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہوں گے۔دوسروں نے کہا تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر اس حالت میں رہے ہو۔اب اپنے میں سے کسی کو یہ سکہ دے کر شہر کی طرف بھیجو وہ جا کر دیکھ لے کہ کون ان میں سے پاکیزہ (حلال) طعام والا ہے پھر تمہارے پاس وہاں سے کچھ کھانا لے کر آئے اور اس کو چاہیے کہ ہوشیاری سے کام لے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے" [19]۔

تفسیر 19 اس آیت میں اصحاب کہف کی نیند سے بیداری کا ذکر ہے اور اس کی حکمت ذکر کی ہے کہ ان کو اس لئے جگایا تا کہ وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں کہ انہوں نے اس غار میں کتنا عرصہ گزارا ہے اور اس میں یہ معلوم ہوا کہ وہ اپنے حال سے بے خبر تھے تو اور لوگوں کے حالات کا علم ان کو کس طرح ہوسکتا ہے لہٰذا وہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے۔اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کرام حالت نیند میں اپنے حال سے بھی بے خبر ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد لوگوں کے حال کا علم رکھنا تو دور کی بات ہے: قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ :ان میں سے دو گروہ بنے

ایک گروہ نے کہا کہ ہم ایک دن ٹھہر چکے ہیں دوسرے نے کہا نہیں بلکہ دن کا کچھ حصہ ہم نے گزارا ہے پھر انہوں نے مل کر کہا یا تیسرے گروہ نے کہا کہ یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دو اسلئے کہ اس کی صحیح حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے: بِوَرِقِكُمْ: اس میں دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے لئے بطور خرچہ چاندی کے سکے لئے تھے: فَابْعَثُوٓا أَحَدَكُمْ: اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان کو بھوک لگی تھی لہذا کھانا خریدنے کیلئے انہوں نے تدبیر کی اور وہ اس طرح کہ ایک شخص مقرر کیا اور اس کو تین آداب سکھا دیئے۔ پہلا ادب: فَلْيَنظُرْ أَيُّهَآ أَزْكَىٰ طَعَامًا: یعنی موحد شخص سے خریداری کرو وجہ یہ تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ اس بستی میں ایسے لوگ بستے ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ دوسرا ادب: وَلْيَتَلَطَّفْ کھانے کی خریداری میں نرمی اور دیگر گفتگو میں احتیاط سے کام لو۔ تیسرا ادب: وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا: یعنی اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کرے۔

إِنَّهُمْ إِن يَظْهَرُوا۟ عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِى مِلَّتِهِمْ وَلَن تُفْلِحُوٓا۟ إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾

”کیونکہ ان لوگوں کو اگر تمہاری خبر مل گئی تو وہ تمہیں پکڑ وا کر ہلاک کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے دین میں واپس آنے کیلئے مجبور کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو تم ہرگز کامیابی نہیں پاؤ گے“ [20]۔

تفسیر 20 اس آیت میں ماقبل کی علت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ انہوں نے دین کے بچاؤ کیلئے ہجرت کی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کو علم غیب نہیں تھا اس لئے انہوں نے یہ سمجھا کہ اب بھی ان بے دین لوگوں کی حکومت ہے۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے جب ایک ساتھی کو روانہ کیا تو اس کو علاقہ کی آبادی اجنبی نا آشنا نظر آئی لیکن آخر ایک دکان میں داخل ہوا اور اپنا سکہ یعنی چاندی کا روپیہ پیش کیا تو دوکاندار اس کو دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ تو بازار میں نہیں ملتا البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں خزانہ مل گیا ہو ان کے شور وشغب پر لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے یہ جان لیا کہ شاید یہ وہ لوگ ہیں جو تین سو سال قبل ہجرت کر کے ملک چھوڑ گئے تھے۔ کیونکہ ان لوگوں کا واقعہ وہاں کافی مشہور تھا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝21

"اور یوں ہم نے ان کی خبر لوگوں تک پہنچائی تاکہ وہ یقین کر لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے نیز یہ کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ جب ان کے متعلق لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے، چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت قائم کردو۔ ان کا رب ہی ان کا معاملہ خوب جانتا ہے۔ جن لوگوں کو ان کے معاملات پر غلبہ حاصل ہوا تھا انہوں نے کہا کہ ہم تو ان پر ایک مسجد ضرور تعمیر کریں گے" |21|۔

تفسیر 21 اب اس آیت میں ان کے حال ظاہر کرنے کے مزید حکمتوں کا بیان ہے۔ **پہلی حکمت یہ ہے** کہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں سے جو وعدہ کرتا ہے اسے پورا کر لیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے ان کی حفاظت کی۔ **وَكَذٰلِكَ**: یعنی جس طرح ان پر نیند طاری کی پھر ان کو غار میں بحفاظت رکھا پھر انکو جگایا اور ان کے متعلق لوگوں کو مطلع کیا۔ **دوسری حکمت یہ تھی** کہ اس دور کے لوگ قیامت کے متعلق مختلف آراء رکھتے تھے تو یہ واقعہ اثبات قیامت کیلئے دلیل بنا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صالحین کے مقاصد کو پورا کرتا ہے اور کبھی اس طرح بھی کرتا ہے کہ ان کی خواہش اور منشاء کے خلاف کر دیتا ہے اپنی حکمت کے تقاضوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے حال سے باخبر کیا۔ **وَكَذٰلِكَ**: اس میں اشارہ ہے کہ یہ گزرا ہوا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ نے کیا تو ان کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پھیلائی۔ **وَعْدَ اللّٰهِ**: اس سے بدن اور روح کے ساتھ بندوں کو زندہ کرنا مراد ہے۔ **اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ**: **اَمْرَهُمْ**: سے قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا مراد ہے یعنی بعض لوگ قیامت کے متعلق منکر تھے بعض بدن زندہ کرنے کے منکر تھے بعض صرف بدن کے حیات کے قائل تھے اس لیے مختلف عقائد و نظریات کی وجہ سے تنازع اور اختلاف میں مبتلا تھے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ **اَمْرَهُمْ** کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہے اور ان کی وضاحت کے بعد لوگوں نے اختلاف کیا۔ یعنی مجوسیوں نے کہا یہ ہمارے مذہب والے تھے اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ ہمارے مذہب پر تھے لہذا مجوسیوں کی چاہت تھی کہ ان کے اردگرد ایک دیوار لگائی جائے اور نصاریٰ نے چاہا کہ ان کی قبروں کے پاس ایک عبادت گاہ تعمیر کی جائے: **الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ**: اس سے مراد نصاریٰ ہے کیونکہ ان کی حکومت تھی لہذا انہوں نے ان پر مسجد تعمیر کی۔ **فائدہ**: مبتدعین نے اس واقعہ سے دلیل لی ہے کہ نیک لوگوں صالحین کے قبروں پر مساجد بنانا جائز ہے۔ لیکن یہ استدلال باطل ہے۔ **پہلا سبب یہ ہے** کہ یہ عمل

نصاریٰ کا ہے اور اس آیت میں ان کی تعریف نہیں کی گئی صرف انکے غالب ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے دوسری وجہ اور سبب یہ ہے کہ صحیح اور صریح حدیث سے ثابت ہے کہ جو لوگ قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں ان پر سخت وعید آئی ہے یعنی جو لوگ نبیوں اور صالحین کی قبروں پر مسجد بناتے ہیں ان پر نبی کریم ﷺ نے بھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی طرف سے غضب اور لعنت کی ہے (صحیح بخاری کتاب الصلوۃ حدیث 435، صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 529) اس مقام پر امام ابن کثیر رحمہ اللہ، تفسیر قرطبی اور تفسیر روح المعانی وغیرہ نے رد کرتے ہوئے خوب تفصیل بیان کی ہے۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

"کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا یہ سب اٹکل کے تیر چلانے کی باتیں ہیں اور کچھ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا فرما دیجئے کہ میرا رب ہی ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا کسی کو ان کا پورا علم نہیں ہے لہٰذا ان کے بارے میں گفتگو سے آگے کچھ بحث مت کرو اور نہ ہی ان کے بارے میں کسی سے پوچھ گچھ کرو" [22]۔

تفسیر 22 اس آیت میں پہلے تو زجر ہے یعنی وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو بے دلیل اقوال ان کی تعداد کے متعلق کہتے رہتے ہیں: وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ: اس جملے کو الگ ذکر کیا ہے اسلئے کہ یہ عدد صحیح ہے اور یہ رَجْمًا بِالْغَيْبِ: نہیں ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ: مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ: اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں بھی ان قلیل لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے تعداد: سَبْعَةٌ: ذکر کی ہے: وَثَامِنُهُمْ: اس واو کو واو ثمانیہ کہا جاتا ہے جو سات کے عدد کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور بعض نحویوں کا مسلک ہے اور یہ بھی سبب ہے کہ یہ واؤ برائے تنبیہ ہے کہ یہ عدد حق ہے اور سابقہ عدد کے خلاف ہے: قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ: اس میں اچھے طریقے کی طرف اشارہ ہے یعنی جس چیز کی صراحت دلائل سے نہیں ملتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہئے ایسے مقام میں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے البتہ جو صحیح دلیل سے ثابت ہو وہ بیان کرنا چاہئے: فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا: اس میں پہلا ادب یہ بتایا کہ کسی کے ساتھ بے دلیل بحث مت کرو بلکہ مراء بحث ہے اور ظاہرا سے وہ بحث مراد ہے جو دلیل پر مبنی ہو یعنی قرآن اور صحیح حدیث سے ثابت ہو: وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا: اس میں دوسرے ادب کا ذکر ہے اور اس میں دلیل ہے کہ اہل

کتاب سے علم کے متعلق سوال نہیں کرنا چاہئے البتہ ایسے قصے اور واقعات جو قرآن اور صحیح حدیث سے متصادم نہ ہوں اور اگر عبرت ونصیحت پر مبنی ہوں تو انہیں بیان کیا جا سکتا ہے کیونکہ حدیث رسول ﷺ ہے کہ: وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ: (صحیح بخاری کتاب الانبیاء حدیث 3461)

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾

"اے نبی! کسی کام کے متعلق کبھی بھی مت کہو کہ میں کل یہ کام کرلوں گا|23|۔ہاں یہ کہو کہ اگر اللہ چاہے گا تو (کرلونگا) اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے رب کو یاد کرلو اور فرما دیجئے کہ مجھے امید ہے کہ مجھے میرا رب کسی ایسی بات کی طرف رہنمائی فرمائے گا جو ہدایت میں اس سے بھی قریب ہو"|24|۔

تفسیر 24،23 ان دونوں آیتوں میں تین آداب کا ذکر ہے پہلا ادب یہ ہے کہ مستقبل کے ہر عمل کے ساتھ ان شاء اللہ فرما لیا کرو: إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ: اس کو الگ آیت میں ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ مستقبل کے کسی بھی کام کے لئے بغیر ان شاء اللہ عزم کرنا منع ہے اور اس میں دلیل ہے کہ پیغمبر اسلام علم غیب نہیں رکھتا: وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ: اس میں ایک اور ادب کا بیان ہے اور اس جملے کے مفسرین نے چار معانی ذکر کئے ہیں پہلا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کو ان شاء اللہ کہتے سے یاد کرلو جب تم سے یہ ذکر بھول جائے اور پھر یاد آ جائے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کسی انسان کو ایسے موقع پر ان شاء اللہ یاد نہ آئے اور سال گزر جائے لیکن جب اس کو یاد آجائے تو پڑھ لے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس طرح پڑھنے سے سنت کی ادائیگی تو ہو جائے گی البتہ گزرے ہوئے کلام پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کو استغفار اور تسبیح کے ساتھ یاد کرو جب تم ان شاء اللہ کو بھلا بیٹھتے ہو اور پھر تمہیں یاد آتے ہو۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ اپنے رب کا عذاب یاد کرو جب تم اپنے رب کا کوئی حکم قصداً چھوڑ دو۔ چوتھا معنی یہ ہے کہ اپنے رب سے دعا طلب کرو جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ یعنی مجھے یاد کروا دو یہ ایک اور ادب ہے: وَقُلْ عَسَىٰ أَن يَهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشَدًا: مفسرین نے اس جملے کے تین معانی ذکر کئے ہیں: پہلا معنی یہ ہے فرما دیجئے کہ امید ہے کہ مجھے میرا رب بتا دے گا زیادہ اچھی خبر اصحاب کہف سے جو سبب ہدایت ہوگا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ قریب ہے کہ مجھے سکھا دے گا میرا رب تمہارے سوال کا جواب اس وقت سے قبل جو میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز تم یاد تو رب سے

دعا طلب کرو اس چیز کے متعلق اور جب تجھے یاد نہ آئے تو فرما دیجئے کہ مجھے میرا رب کوئی چیز یاد دلا دے گا جو اس گمشدہ چیز سے خیر اور فائدے میں بہتر ہوگی اور بعض علماء کے بقول یہ ذکر تہجد ہی ہے یعنی ان شاء اللہ بھول جانے پر یہ بطور عبادت پڑھنا ہے دونوں جملوں میں پہلے والے معانی بہتر ہیں کیونکہ وہ ان شاء اللہ سے متعلق ہے۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿٢٥﴾

"اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور (چاند کے حساب سے) مزید نو سال اضافی رہے" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اطلاع دی گئی ہے اس مدت کی مقدار کی جو انہوں نے غار میں جاگنے تک گزاری ہے۔ (۲) قول یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کے قول کو بطور حکایت ذکر کیا گیا ہے اس قول کی بناء پر یہ آیت 22 پر معطوف ہے لہٰذا یہ لوگوں کا قول ہے۔ لیکن پہلا قول بہتر ہے اسلئے کہ اہل کتاب کی کتابوں میں وَازْدَادُوا تِسْعًا: کا جملہ نہیں ہے۔ اس معطوف اور معطوف علیہ میں غیر متعلق کلام کی وجہ سے فاصلہ زیادہ ہے۔ اس قول کو امام ابن کثیر اور ابن جریر نے پسند کیا ہے :ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ: لفظ سنین :ثَلَاثَ مِائَةً: کیلئے بدل یا عطف بیان ہے البتہ تمیز نہیں ہے کیونکہ :مِائَةً: کی تمیز مفرد اور مجرور ہوتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جب :ثَلَاثَ مِئَةٍ: کہا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ اس سے کیا مراد ہے تو کہا گیا کہ :أَعْنِي سِنِينَ: لہٰذا اس میں لفظ :أَعْنِي: مقدر ہے :وَازْدَادُوا تِسْعًا اس کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ شمسی حساب سے :ثَلَاثَ مِئَةٍ: ہے یعنی تین سو سال۔ اور :تِسْعًا: قمری حساب سے اضافی ہے۔ اس لئے کہ شمسی حساب میں جب سو سال پورے ہوتے ہیں تو اس میں قمری تین سال اضافہ ہوتا ہے لہٰذا تین سو سال میں نو سال اضافہ ہوئے اور تین سو نو سال اس لئے فرمایا کہ تین سو میں اہل کتاب کی رعایت ہو جائے اور نو میں عرب امیین کی رعایت ہو جائے تو اس طرح دونوں کا لحاظ کیا گیا۔

قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ ۚ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ﴿٢٦﴾

"فرما دیجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت سوتے رہے آسمانوں اور زمین کے بھید اسی کے علم میں ہیں۔ وہ خوب دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے اور اس کے سوا انکا کوئی مددگار نہیں ہے اور وہ کسی کو اپنے اختیارات میں حصہ دار نہیں بناتا ہے" [26]۔

تفسیر 26 اس آیت میں پہلے اصحاب کہف کے واقعہ پر تفریع ہے اور اس آیت میں توحید کے پانچ جملے ہیں۔ اس سے مراد وہ دورانیہ ہے جو ان کے جاگ لینے کے بعد موت تک ہے لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے کا عدد ذکر کیا تو پھر اس کلام کا کیا معنیٰ ہے کہ: قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ: أَبْصِرْ بِهٖ وَأَسْمِعْ: پہلا معنیٰ یہ ہے کہ ضمیر وحی کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی کو سمجھ لو پھر اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ یہ صیغے برائے تعجب ہیں یعنی اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے: وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖ أَحَدًا: حُكْمِهٖ: سے تکوینی حکم مراد ہے یعنی نظام عالم چلانا اور حکم تشریعی بھی مراد ہے۔ اور اس جملہ میں شرک عطائی پر رد ہے یعنی جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ کو اپنے اختیار اور تصرف میں حصہ دار بنایا ہے جیسا کہ عام مشرکین کا یہ نظریہ ہے تو اس آیت میں ان پر رد ہے اس طرح سورۃ زخرف آیت 45 میں بھی ہے۔

وَاتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾

"اور تم پر وحی کے ذریعہ تمہارے رب کی جانب سے جو کتاب نازل کی گئی ہے اسے پڑھ کر سنا دو کوئی نہیں ہے جو اس کی باتوں کو بدل سکے اور اسے چھوڑ کر تمہیں ہرگز کوئی پناہ کی جگہ نہیں مل سکتی" [27]۔

تفسیر 27 اس آیت میں دوسری تفریع اور ایک ادب کا تذکرہ ہے یعنی قرآن کی دعوت پر ابھارنا۔ اس میں دوسری تفریع ہے اور دوسرا ادب ہے قرآن کی تبلیغ پر ابھارنا: لِكَلِمٰتِهٖ: اس سے سارا قرآن مراد ہے۔ اور گزرے ہوئے کلمات کی طرف بھی اشارہ ہے اور سورۃ انعام آیت 115 میں بھی اس طرح گزرا ہے: وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا: اس میں شرک فی التصرف پر رد ہے اور ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو قرآن چھوڑ دیتے ہیں اور ان کو خبر دی گئی ہے کہ وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿٢٨﴾

"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو اسلئے پکارتے ہیں کہ وہ اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں، اور تمہاری آنکھیں دنیاوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ان کا کہنا نہ مانو جن کے دل کو ہم نے اپنے یاد سے غافل کر رکھا ہے جو اپنی خواہشات کی طلب میں ہے اور ان کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں تفریع اور آداب بیان ہو رہے ہیں جس طرح اصحاب کہف عقیدہ کی وجہ سے دنیا پرستوں اور

مالداروں سے الگ ہو گئے اسی طرح ہر اہل توحید کو چاہئے کہ توحید والوں سے تعلق جوڑے رکھیں اگرچہ فقراء ومساکین ہو وَاصْبِرْ: میں اشارہ ہے کہ ان کے ساتھ ودّی کرنے میں تعلق جوڑنے میں ان کے اوپر مصیبتیں آئیں گی لیکن صبر کے دامن کو لازم تھامنا ہے: مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ: دعا کا ذکر ہے مراد اس سے اللہ تعالیٰ کو بطور توحید یاد کرنا ہے۔ چونکہ دعا اصل ہے عبادت میں تو تمام عبادات بطور توحید اس میں داخل ہیں: بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ: ان وقتوں کی تخصیص فضیلت کی وجہ سے کی ورنہ مراد تمام اوقات ہیں: وَجْهَهٗ: معنی کے اعتبار سے محکم ہے اور کیفیت کے اعتبار سے متشابہ ہے: وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ: دنیا پرستی کی وجہ سے اہل توحید کو چھوڑ دینے سے منع ہے۔ اور: تَعْدُ: کا فاعل: عَيْنَاكَ: ہے: تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا: یعنی دنیا پرستی کی وجہ سے اہل ایمان سے منہ پھیرنا ناجائز ہے البتہ کسی عذر یا سبب شرعی سے منہ پھیرنا جائز ہے: وَلَا تُطِعْ: اس میں وضاحت سے ان لوگوں سے اعراض کا حکم دیا گیا ہے جن میں یہ تین صفات ہوں۔ پہلی صفت أَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا: اس سے مراد وہ شخص جس کے دل پر شرک کی وجہ سے مہر لگا دی گئی ہے دوم صفت وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ: شرک اور بدعت اس سے مراد ہے سوم صفت: وَكَانَ أَمْرُهٗ فُرُطًا: اس نے افراط کیا ہے یعنی حدود شرعی سے عملا اور عقیدتا تجاوز کر چکا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۗ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ۗ بِئْسَ الشَّرَابُ ۗ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

"اور فرما دیجئے کہ حق تو تمہارے رب کی جانب سے آچکا ہے اب جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرے یقینا ہم نے ایسے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو گھیرے میں لیں گی اور وہ فریاد کریں گے تو ان کو جواب ایسے پانی سے دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا چہروں کو بھن کر رکھ دیگا کیسا بدترین پانی اور کیسی بری آرام گاہ ہے"۔[29]

تفسیر 29 اس میں چوتھی تفریع اور ادب کا ذکر ہے یعنی جس طرح اصحاب کہف نے حق گوئی کی اسی طرح حق بیان کرنا لازم ہے اور اس کے ساتھ خوشخبری اور وعید بھی ضروری ہے: اَلْحَقُّ: یہ محذوف مبتدا کیلئے خبر ہے یعنی یہ جو بیان ہو چکا ہے حق ہے یا: اَلْحَقُّ: مبتداء ہے اور: مِنْ رَّبِّكُمْ: اس کی خبر ہے اور اس میں حق کی تعریف کی گئی ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ اس میں فرقہ جبریہ پر رد ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کو ارادے اور اختیار کا کچھ حصہ دیا گیا ہے: اِنَّآ اَعْتَدْنَا: اس میں دلیل ہے

کہ پہلا قول جو کہ فَلْیَکْفُرْ : ہے بطور وعید ہے: سُرَادِقُهَا: ترمذی میں حدیث ہے سرادق جہنم کے چار دیواریں ہیں جن میں سے ہر ایک کی موٹائی چالیس سال کی مسافت کی ہے (مسند ابو یعلی حدیث 1389 حاکم 600/4، احمد 29/3، شیخ البانی نے اس کو تخریج ترمذی میں ضعیف کہا ہے): كَالْمُهْلِ: وہ تیل جو آخر میں رہ جاتا ہے یعنی تل چھٹ۔ دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبہ اور لوہا۔ تیسرا معنی پیپ اور خون جو جہنمیوں سے جاری ہونگے اور دیگر برے حالات کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورۃ محمد آیت 15 اور سورۃ ابراہیم آیت 16 میں ذکر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾

"البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے یقیناً ایسے لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے جو نیک کام کرتے ہیں" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں ایمان والوں کو بشارت ہے: اَحْسَنَ عَمَلاً: اس آیت میں اس کی طرف تفسیری اشارہ ہے جو کہ ایمان اور عمل صالح ہے چنانچہ اسی لئے ہم ضمیر کی جگہ: مَنْ اَحْسَنَ عَمَلاً: لائے ہیں اور احسن عملا اس سورت کے آیت 7 میں ذکر ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا

مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ ع

"ان لوگوں کے لئے ہمیشگی کے باغات ہیں کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اس میں انکو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے، سبز کپڑے پہنیں گے، باریک اور موٹے ریشم کے اس میں تختوں پر ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اچھا بدلہ ہے اور اچھی ہے فائدے کی جگہ" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت میں تفصیلی خوشخبری ذکر کی ہے اور دس خاص انعامات کا تذکرہ ہے، اس میں مساکین اور فقیروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بدلہ میں مالداروں کی نعمتوں کی خوشخبری دی گئی ہے: اَلْاَرَائِكِ: یہ اَرِیْكَةٌ: کی جمع ہے جو دلہن کے پلنگ کو کہا جاتا ہے جس پر دلہن آرام کرتی ہے: مُتَّكِئِيْنَ: ٹیک لگانے کو کہتے ہیں اور تربع یعنی چوکڑی لگا کر بیٹھنے کو بھی کہتے ہیں: نِعْمَ الثَّوَابُ: بِئْسَ الشَّرَابُ: کے مقابل ہے: حَسُنَتْ مُرْتَفَقًا: سَاءَتْ مُرْتَفَقًا: کے مقابل ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

"اوران لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں کی مثال پیش کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے اوران کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا اوران دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں مالدار مشرک کا حال بیان کیا گیا ہے اور اشارہ ہے کہ جنت مالداری سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ: سے متعلق ہے۔ یعنی مالداری کا لحاظ مت کرو اسلئے کہ وہ کفر اور عذاب کیلئے سبب ہے اور یہاں سے دنیا سے بے رغبتی کو تین طریقوں سے ذکر کیا ہے۔ پہلا طریقہ: دنیا کی محبت شرک کیلئے سبب ہے اور بَعْثَ بَعْدَ الْمَوْتِ: سے انکار کا سبب ہے اور دنیا میں عذاب کیلئے ذریعہ ہے اور اسی مقصد کیلئے اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے: رَّجُلَيْنِ ضروری نہیں ہے کہ یہ کوئی خاص دو افراد تھے بلکہ بطور مثال ہے البتہ بعض مفسرین کے بقول یہ واقعہ ملک شام کے شہر رملہ کا ہے اوران دونوں کے نام: يَهُوذَا اور فَطْرُوس تھے۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ﴿٣٦﴾

"دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے اور کوئی باغ پھل میں کمی نہیں کرتا تھا اوران دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر رکھی تھی [33]۔ اوراس شخص کو خوب مالداری حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے اور میری افرادی قوت جماعت بھی زیادہ ہیں [34]۔ اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا کہنے لگا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا [35]۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی بھی قائم نہیں ہوگی اور اگر مجھے اپنے رب کے پاس بھیجا بھی گیا تو تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی" [36]۔

تفسیر 33 تا 36 ان آیتوں میں مالدار آدمی کا تذکرہ ہے جو قیامت کا بھی منکر ہے اور مشرک بھی ہے: وَلَمْ تَظْلِمْ: لغت عربی میں ظلم نقصان کو کہتے ہیں اور یہاں پر یہی لغوی معنی مراد ہے: وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ: اس سے دوسرے اموال مراد ہیں جو بہت مالداری کیلئے سبب ہے۔ امام بخاری نے فرمایا ہے کہ سونا چاندی اور دیگر مختلف قسم کی آمدنیاں ہیں۔ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا: اس میں اپنی مالداری اور افرادی قوت پر فخر اور تکبر مراد ہے۔ نَفَرًا: اس سے مجلس کے ساتھی دوست احباب نوکر غلام اولاد وغیرہ مراد ہیں۔ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ: یہ دلیل ہے کہ وہ مشرک تھا۔ لِّنَفْسِهٖ: میں لام برائے لزوم ہے۔ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا: دنیا کے ختم ہونے اور زائل ہونے کا انکار ہے جو انتہائی بے عقلی ہے وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً: اس میں اشارہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد والی زندگی کا منکر تھا وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ: اس میں اس کا اپنی مالداری کی وجہ سے اپنی عزت اور کرامت ثابت کرنی ہے اور یہ تصور کرتا ہے کہ میں وہاں بھی عزت پاؤنگا۔ اس کا تذکرہ سورۃ مریم آیت 77 اور سورۃ حم سجدہ آیت 50 میں بھی ہے۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

"اس کے ساتھی نے باتیں کرتے ہوئے اس سے کہا کہ کیا تم اس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی اور پھر پانی کے نطفے سے پیدا کیا پھر تجھے اچھا بھلا انسان بنایا [37]۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا" [38]۔

تفسیر 37، 38 ان آیتوں میں موحد کا کلام ذکر ہوا ہے۔ پہلے اس مشرک کو اس کے شرک پر عقلی دلیل سے وعید کیا ہے اور وہ انسان کی تخلیق ہے اور یہ دلیل قرآن مجید کی کئی سورتوں میں ذکر ہے۔ يُحَاوِرُهٗ: اشارہ ہے کہ اظہار حق کیلئے مباحثہ ومناظرہ ضروری اور درست عمل ہے۔ اور باطل پرست کو جواب دینا ضروری ہے۔ صَاحِبُهٗ: اس کو صاحب اس لئے فرمایا کہ اس کے مجلس کا ساتھی تھا یا اس کے خاندان میں سے تھا یا صاحب بمعنیٰ ناصح ہے۔ اور دوسری آیت میں عقیدہ توحید کا اظہار لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ: مقدر کلام اس طرح ہے لٰكِنْ اَنَا لَآ اَقُوْلُ بِمَقَالَتِكَ بَلْ اَقُوْلُ هُوَ اللّٰهُ: یعنی میں تو آپ کی طرح نہیں کہتا ہوں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا معبود برحق ہے پہلے کلمہ میں توحید ہے اور دوسرے میں رد شرک ہے۔ اور لفظ اَحَدًا: ذی روح اور ذو العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے البتہ بت اس میں طبعاً داخل ہیں: لٰكِنَّا اصل میں لٰكِنْ اَنَا ہے لہٰذا الف کو درمیان سے ہٹا دیا ہے اور ایک نون کو دوسرے میں مدغم کیا گیا ہے (دیکھئے صحیح بخاری کتاب التفسیر فی توضیح الالفاظ سورۃ کہف)

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

"اور جب تم باغ میں داخل ہو رہے تھے اس وقت تم نے کیوں نہیں کہا کہ: مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ :(جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اس کی طاقت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا) اگر تمہیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری اولاد اور مال تم سے کم ہے [39]۔ تو میرے رب سے بعید نہیں کہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا کر دے اور تمہارے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے جس سے وہ چٹیل میدان بن جائے [40]۔ یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے پھر تم اس کو طلب بھی نہ کر سکو گے" [41]۔

تفسیر 39، 40، 41 ان آیتوں میں پہلے ایک مؤمن کی دعوت کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے درست باغ میں داخل ہوتے ہوئے وہ کی تھی اور اسی طرح ہر نعمت استعمال کرتے وقت کلمات توحید کی تعلیم دی ہے یعنی وحدانیت ربانی کا اقرار کرنا چاہئے ۔ اور اس پر مدد ان کلمات کی وجہ سے جو انہوں نے باغ میں داخل ہوتے وقت کہے تھے: مَآ شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ: مقصد یہ ہے کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے خواہ مالداری ہو یا مسکینی و فقیری ہو۔ اور جو کچھ لوگوں کو دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور طاقت سے ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہ کلمات ہر نعمت کے حصول کے وقت پڑھنے چاہئے۔ اس بارے میں جو مرفوع روایت نقل ہے مسند ابی یعلیٰ میں اس میں عیسیٰ ابن عون راوی ضعیف ہے تخریج ابن کثیر میں محققین نے اس روایت کو عبد الملک بن زرارہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے البتہ مسند احمد و حاکم کی صحیح سند سے مذکورہ ذکر ثابت ہے السلسلة الصحیحة حدیث 1528 ۔ اور: اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا: اس کی جزا محذوف ہے یعنی لَا یَضُرُّنِیْ ذٰلِكَ: مجھے اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا: حُسْبَانًا: اس کا واحد: حُسْبَانَةٌ: ہے ان پتھروں یا عذاب کو کہا جاتا ہے جو آسمان کی جانب سے ہو۔ اور حساب کو بھی حسبان کہا جاتا ہے۔ اس میں مضاف مقدر ہے یعنی عَذَابَ الْحِسَابِ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا کہ حسبان طوفانی بارش کو بھی کہتے ہیں اور یہ قول رجل مؤمن نے اللہ پر توکل کی بنیاد پر کہا تھا۔ اور اس قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ اور کرامات میں سے ہے جیسا کہ صحیح بخاری (کتاب الادب حدیث 6071، صحیح مسلم کتاب البر والصلة حدیث 2622) کی حدیث میں وارد ہے کہ: رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ: کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ گرد آلود بالوں والا شخص اللہ تعالیٰ کی ذات پر قسم اٹھاتا ہے تو اللہ

اس کی قسم کو پورا کرتا ہے۔ یا پھر یہ بمعنی دعا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو قبول فرمایا ہے۔

وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ۝

"اور اس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آ گئی تو اس حال میں اس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا جبکہ اس کا باغ اپنے چھتوں کے بل گر پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانتا" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں دنیاوی عذاب کا ذکر ہے اور کافر کی حسرت افسوس ذکر کی ہے کہ وہ انتہائی غم و افسوس سے اپنے ہاتھوں کو ملتا رہ گیا اور یہ عام لوگوں کا حال ہوتا ہے کہ مصیبت کی وجہ سے دونوں ہتھیلیوں کو ملتے ہیں۔ اور عذاب کی طرف اشارہ ان لفظوں میں کیا ہے۔ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا: اس سے معلوم ہوا کہ یہ شخص مشرک تھا اور افسوس وہ اپنی شرک پر نہیں بلکہ مال کی تباہی پر کرتا رہا جو بسبب شرک ہلاک ہوا۔ بِثَمَرِهٖ: یہ لفظ ان تمام اموال اور باغوں کیلئے مشترک ہے۔

وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝

"اور کوئی (جتھہ) جماعت میسر نہیں آئی کہ اس کی مدد کرتی اللہ کے سوا اور نہ وہ اس قابل تھا کہ خود اپنا دفاع کر سکے" [43]۔

تفسیر 43 اس میں رد شرک فی التصرف ہے یعنی باطل معبود اور دیگر قوتیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور مصیبت کو نہیں ٹال سکے۔ فِئَةٌ: وہ جماعت اور گروہ جس کی طرف مصیبت اور تکلیف کے وقت رجوع کیا جا سکے۔ یعنی معبودان باطلہ اور پیروں کا لوگ مراد ہیں۔

ع هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَیْرٌ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ عُقْبًا ۝

"ایسے موقع پر صرف اللہ تعالیٰ کو اختیار حاصل ہے وہی ہے جو ثواب دینے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے" [44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں ثابت کیا گیا ہے کہ اختیارات اور تصرف صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے: اَلْوَلَایَةُ: واؤ کے زبر اور زیر دونوں سے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت میں ذکر ہے جس کا معنیٰ قدرت اور سلطنت ہے اور مخلوق کی صفت میں قدرت کے معنیٰ میں ہے۔ اور ولایت دوستی کو بھی کہتے ہیں: هُنَالِكَ: عذاب کا وقت مراد ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں ہو۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا: یعنی جو عمل اللہ تعالی کی رضا کیلئے اخلاص کے ساتھ ادا کیا ہے وہ اجر وثواب کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔ اور لفظ: خَيْرٌ: یہاں پر خیر تفضیلی نہیں ہے بلکہ صفتی ہے یعنی کسی اور کی طرف نسبت مقصد نہیں ہے۔ ثَوَابًا اور عُقْبًا: یہاں پر: اِثَابَةً: اور: عَاقِبَةً: کے معنی میں ہے یعنی ثواب دینا اور اچھا انجام دینا۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝

"اور ان لوگوں کو دنیا کی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کرو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا۔ پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہو گیا کہ ہوائیں اسے اڑائے جاتی ہیں اور اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے" [45]۔

تفسیر 45 اس میں دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ایک اور انداز اور طریقہ سے ہوا ہے۔ اور وہ یہ کہ دنیا پر غرور مت کرو کیونکہ یہ فانی دنیا ہے پھر اس فنا اور حقارت کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے اس طرح مثال سورۃ یونس آیت 24 میں گزر چکی ہے۔ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بارش نازل ہونے کے بعد زمین پر گھنے سبز باغات اور پودے نظر آتے ہیں پھر کچھ عرصے کے بعد خشک ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں ریزہ ریزہ ہو کر ہوا کے ساتھ اڑتے پھرتے نظر آتے ہیں یہاں تک کہ زمین ایک چٹیل میدان بن جاتی ہے۔ لہٰذا دنیا پانی کی طرح ہے کہ ایک جگہ نہیں ٹہرتی ہے اور ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتی۔ جو پانی میں داخل ہوتا ہے وہ ضرور گیلا ہوتا ہے۔ اور پانی جب برابر ہوتا ہے تو فائدہ مند ہے اور جب حد سے تجاوز کر جائے تو پھر وہ تباہی مچاتا ہے سیلاب اور طوفان بن جاتا ہے۔ یہ ساری حالتیں دنیا کی ہیں۔ دنیا بھی ایک جگہ نہیں ٹھہرتی۔ اسی طرح انسان کے پاس دنیا ایک ہی حال پر نہیں ہوتی ہے بلکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی دنیا کی محبت میں داخل ہوتا ہے تو اس کے فتنہ سے بچ نہیں سکتا۔ دنیا داری جب حد سے بڑھ جائے تو بندے کو ہلاکت تباہی میں ڈال دیتی ہے۔ مختلف پودوں سے مراد دنیا کی مختلف مالداری ہے جس طرح دنیا کے پودے خشک ہو کر اڑ جاتے ہیں تو ایسی مالداری بھی فنا ہو کر ختم ہو جاتی ہے: مُّقْتَدِرًا: تا کے اضافے کے ساتھ قدرت میں مبالغہ ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

"مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہے اور نیکیاں باقی رہنے والی ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی اور امید کے وابستہ ہونے کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں" [46]۔

تفسیر 46 اس آیت میں دنیا کے دو اجزاء (مال اور اولاد) کا ذکر کیا ہے جو غرور اور تکبر کیلئے سبب ہے: اَلْمَالُ: مال (جمال) خوبصورتی اور فائدے کا سبب ہے اور تکبر کا بھی سبب ہے: وَالْبَنُوْنَ: اولاد قوت اور طاقت کا سبب ہے جو ظلم کا سبب ٹھہرتا ہے اور یہ دونوں اسباب زینت ہیں: وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ: اس میں آخرت کی ترغیب مراد ہے۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ ہر قول اور عمل جس میں اخلاص ہو اور سنت کے موافق ہو تو وہ آخرت کیلئے ذخیرہ بن جاتا ہے۔ پانچ نمازیں اور تمام صالح اعمال اس میں داخل ہیں۔ (احمد 71/1، مجمع الزوائد 297/1، شیخ ارناؤوط اور علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) میں کئی روایتیں وارد ہیں کہ پانچ کلمات اس سے مراد ہیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ: اَللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ: وَخَيْرٌ أَمَلًا: یعنی مالدار اور صاحب اولاد کی امیدیں رائیگاں ہو جائیں گی اور صاحب صالحات کی امیدیں بارآور اور مفید ثابت ہو جائیں گی۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا
لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى
الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا
أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿٤٩﴾

"اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ صاف کھلی ہوئی ہے اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے [47]۔ اور تم کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا آخر تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اس کے برعکس تمہارا یہ خیال تھا کہ ہم تمہارے لئے مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے [48]۔ اور کتاب (عملنامہ) سامنے رکھ دیا جائے گا چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس سے خوفزدہ ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ ہائے ہماری بربادی یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں چھوڑا اگر سب کا احاطہ کر لیا ہے اور وہ اپنا کیا ہوا سامنے موجود پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا" [49]۔

تفسیر 47، 48، 49 ان آیتوں میں تخویف اخروی کا بیان ہے اور اس میں دنیا سے بے رغبتی کا تیسرا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ دنیا کا سامان غرور اور دنیا سے محبت افسوس اور عذاب آخرت کیلئے سبب ہے۔ اور ان آیتوں میں قیامت کے گیارہ 11 حالات ذکر ہوئے ہیں پہلی آیت میں چار حالات قیامت اور دوسری آیت میں دو حالتیں ذکر ہیں۔ یعنی رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے پیش ہونا۔ دوبارہ اسی حال میں پیدا ہونا جس میں دنیا کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ خالی ہاتھ کہ مالداری نہیں تھی۔ بغیر ختنہ کے۔ بغیر لباس اور ننگے پاؤں جیسا کہ بخاری میں حدیث وارد ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6527) اور تیسری آیت میں قیامت کے پانچ حالات ذکر ہیں: صَفًّا: سب کی ایک صف ہو یا کثرت کے ساتھ صفوں میں ہونا مراد ہے: اَلْكِتَابُ: یہ اسم جنس ہے مراد بہت کتب ہیں جو اعمال ناموں کو کہا جاتا ہے۔ وُضِعَ: سے مراد لوگوں کے ہاتھوں میں تقسیم ہونا: مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ: یہ قول بہت تعجب کی وجہ سے کہیں گے: صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً: اس کا موصوف: خَصْلَةً: مقدر ہے جو ہر قول اور فعل کو شامل ہے۔

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ہُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

"اور وہ وقت یاد کرو کہ ہم نے ملائکہ سے کہا تھا کہ آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو (اطاعت میں) اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارا دشمن ہے۔ بہت برا ہے ظالموں کیلئے (جو) بدلے میں ملا"[50]۔

خلاصہ: اس مقام سے آیت 59 تک دوسرے حصے کا ذکر ہے۔ اس میں شبہات کے جوابات بیان ہوئے ہیں مشرکین شیطانی خوابوں اور دیگر شیطانی احوال کو تصرف لغیر اللہ کیلئے دلیل بناتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ خواب میں میرے پاس آئے تھے کہ میرے نذرانے میں ناغہ نہیں کرنا۔ میری قبر پر حاضری دے کر دعا مانگا کرو۔ میری قبر پر گنبد تعمیر کرو کبھی یہ وسوسے لوگوں کو ڈالتے ہیں کہ غیر اللہ کی نذر جس نے چھوڑ دی اور غیر اللہ کے نام پر دودھ دینا چھوڑ دیا اس کے جانور بھی دودھ نہیں دیں گے۔ اس قسم کے خوابوں اور حربوں سے غیر اللہ کے نذرانے ثابت کرتے ہیں۔ اس کا جواب واقعہ آدم علیہ السلام اور ابلیس سے دیا ہے۔ خلاصہ: یہ ہے کہ ابلیس تمہارا پرانا دشمن ہے لہذا یہ خوابوں کے ذریعے اور اس قسم کے حربوں کے ذریعے تمہارے اندر شرک پھیلانا چاہتا ہے اس کو آیت 51،50 میں ذکر کیا ہے پھر مشرکین کیلئے آخرت کے عذاب کی وعید آیت 53،52 میں ذکر کی ہے پھر چار وعیدیں بیان کی ہیں۔ پہلی وعید جدال فی القرآن کے متعلق ہے آیت 54 میں دوسری وعید عذاب کے انتظار پر ہے آیت 55 میں تیسری وعید باطل شبہات کے متعلق جدال پر ہے آیت 56 میں چوتھی وعید قرآن سے اعراض پر ہے آیت 57 میں پھر تخویف دنیاوی کا بیان ہے آیت 59،58 میں ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 50 اس آیت میں واقعہ آدم علیہ السلام اور واقعہ ابلیس کا بیان اس میں مشرکین کے شبہات کا جواب ہے اسلئے متصل فرمایا ہے کہ: اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ: یعنی ابلیس اور اس کی اولاد تمہاری قدیم دشمن ہیں پھر بھی تم ان کو ولایت والوہیت کا مرتبہ دیتے ہو؟ اور ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ پہلے مجرموں کے چھوٹے بڑے گناہوں کی طرف اشارہ کیا تو اب گناہوں کے اسباب کا ذکر ہے کہ وہ ابلیس اور اس کی اولاد کی پیروی ہے: کَانَ مِنَ الۡجِنِّ: بعض سلف سے نقل ہے کہ ابلیس ملائکہ میں سے تھا۔ اور: مِنَ الۡجِنِّ: کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ ایک قبیلہ ہے ملائکہ کا۔ دوسری تاویل انکی یہ ہے کہ: صَارَ مِنَ الۡجِنِّ بِسَبَبِ عَمَلِہٖ: اپنے اعمال کی وجہ سے جنات میں سے ہوگیا۔ لیکن صحیح قول جو اکثر سلف

صالحین سے نقل ہے کہ ابلیس جنات میں سے ہے اور وہ ملائک کے علاوہ الگ مخلوق ہیں اور اس کی تائید میں کثیر تعداد میں دلائل ہیں۔ پہلی دلیل۔ ان دونوں کے مادہ میں فرق ہے ایک نور سے پیدا کیا گیا ہے حدیث مسلم میں وارد ہے کہ ملائک نور سے اور جنات آگ کے شعلوں سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم کو (مٹی) سے پیدا کیا گیا ہے جس کی صفت تمہیں بیان کی گئی ہے :عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ : خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ، وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ، وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ : (صحیح مسلم کتاب الذھد حدیث 2996، معجم ابن عساکر حدیث 368، مسند احمد حدیث 25194 مصنف عبدالرزاق حدیث 20904) دوسری دلیل: ملائک میں نسب کا سلسلہ نہیں ہے اور جنات میں نسب اور نسل کا سلسلہ ثابت ہے یعنی: ذُرِّيَّةً: اس پر گواہ ہے تیسری دلیل: سورۃ سبا آیت 41 میں ہے :بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ : بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ جن ملائک سے الگ مخلوق ہیں اور سلف کی طرف منسوب قول کی صحیح سند ثابت نہیں ہے اور امام ابن کثیر نے پہلے والے قول پر تفصیلی رد کیا ہے :فَفَسَقَ :لغت میں اس کا معنی نکل جانا ہے تو معنی یہ ہوا کہ نافرمانی کی وجہ سے اس نے اپنے رب کے حکم سے خروج کیا ہے :أَوْلِيَاءَ: اس سے وہ دوست مراد ہیں جن کی اطاعت کی ہے یا مددگار مراد ہے یا بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو :عِبَادَ الشَّيْطٰنِ: کہا جاتا ہے۔ بلکہ دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو انسانوں اور جنوں میں سے ہیں اور ابلیس کی باقاعدہ عبادت کرتے ہیں۔

مَا أَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾

"میں نے انکو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت حاضر نہیں کیا تھا اور نہ انکے نفسوں کی پیدائش کے وقت اور میں گمراہوں کو مددگار پکڑنے والا نہیں ہوں" [51]۔

تفسیر 51 اس آیت میں ان لوگوں پر رد ہے جو شیاطین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اور رد کا طریقہ اور خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے وقت موجود نہیں تھے اور خود اپنی ہی پیدائش میں حاضر نہیں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے لہٰذا ان کے پاس اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوئی دلیل نہیں ہے :وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا : لفظ :مُضِلِّيْنَ: قید احترازی نہیں بلکہ قید اتفاقی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے جبکہ شیطان تو مضلین میں سے ہے تو اس لئے یہ قید لگایا۔ یا یہ قید احترازی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھار فاسقین اور

ضالین سے دین کی مدد لیتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے: وَاِنَّ اللّٰہَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ : یعنی اللہ تعالی اس دین کی نصرت فاجر آدمی سے بھی کرا لیتا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد حدیث 3062، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 6232)۔ لیکن: مُضِلِّيْنَ : جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ دین کے مددگار ثابت نہیں ہو سکتے ہے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

"اور اس (دن کو یاد کرو) جب اللہ کہے گا کہ پکارو ان کو جن کو تم (اپنے خیال میں) میرے شریک معبود سمجھ رہے تھے چنانچہ وہ پکاریں گے مگر وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک مہلک آڑ قائم کردیں گے" [52]۔

تفسیر 52 اس آیت میں تخویف اخروی کا بیان ہے کہ ان مشرکین سے اگلے معبودان باطلہ برات کرلیں گے اس آیت میں ان صالحین کا ذکر ہے جن کو لوگوں نے معبود بنا رکھا تھا۔ وہ قیامت کے دن اپنے عابدین سے برأت کرلیں گے اور کوئی بھی انکی مدد نہیں کرسکے گا لہذا اس آیت میں شرکاء سے وہ صالحین لوگ مراد ہیں جن کو لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تھا اور ان کی طرف شیطانوں نے لوگوں کو دعوت دی تھی یا اس میں دونوں معبودین مراد ہیں خواہ اچھے لوگ ہوں یا برے معبود جنہوں نے اپنی عبادت کا حکم دیا تھا: فَدَعَوْهُمْ : اس سے مراد مدد کیلئے پکارنا ہے تو معنوی استجابت نہیں کریں گے یعنی مدد نہیں کرسکیں گے، دوسرے جوابات دینگے جیسے سورۃ یونس آیت 28 اور سورۃ نحل 86 میں ہے: مَّوْبِقًا : ہلاکت کی جگہ۔ اور وہ سارا جہنم ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک کھائی کا نام ہے جو خون اور پیپ وغیرہ سے بھری ہوئی ہے، پہلا قول راجح ہے: بَيْنَهُمْ : ضمیر عبادت کرنے والوں اور جن کی عبادت کی گئی ہے یا مؤمنین اور کفار کی طرف راجع ہے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۳﴾ ع

"اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ اسی میں انہوں نے گرنا ہے اور اس سے بچ نکلنے کا راستہ نہیں پائیں گے" [53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں عابدین اور معبودین کے حال بیان کرنے سے تخویف اخروی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جہنم میں داخل ہونے سے پہلے آگ کو دیکھ لیں گے تو خوف اور پریشانی میں پڑ جائیں گے: فَظَنُّوْا : ظن سے مراد یقین ہے اور اسی طرح بہت سے آیتوں میں ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

"اور ہم نے لوگوں کے فائدے کیلئے اس قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کئے ہیں اور انسان ہر چیز سے جھگڑنے میں سبقت لے گیا ہے" [54]۔

تفسیر 54 اس آیت میں اعتراض کرنے اور جدال (جھگڑا) کرنے والوں کو وعید سنا دی گئی ہے: مِنْ كُلِّ مَثَلٍ: دلائل تخویفات وعیدیں وغیرہ مراد ہیں۔ اور: صَرَّفْنَا: میں اشارہ ہے کہ یہ مضامین مختلف طریقوں سے بیان ہوئے ہیں۔ اس سورۃ میں جدال کا ذکر کثرت سے اس لئے ہوا ہے کہ اس میں مجادلین کے شبہات کے جواب ذکر ہوئے ہیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

"اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو انکو ایمان لانے اور رب سے معافی مانگنے سے نہیں روکا ہے مگر یہ کہ ان کے پاس بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آجائیں یا عذاب بالکل سامنے آکھڑا ہو" [55]۔

تفسیر 55 اس آیت میں وعید دی گئی ہے کہ لوگ ہدایت آنے کے بعد ایمان کے بجائے عذاب کے منتظر ہیں۔ وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ: اس میں شرک سے تائب ہونے کی طرف اشارہ ہے: اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا: اس سے وہ عذاب مراد ہے جو بعض افراد پر آجائے اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں۔ فائدہ: سورہ بنی اسرائیل آیت 94 میں ذکر تھا کہ لوگ ایمان سے اسلئے رکے ہوئے تھے کہ یہ رسول بشر ہے اور یہاں پر لوگوں کا توحید تسلیم کرنے سے رک جانے کا سبب عذاب کا انتظار ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا

بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾

"اور ہم پیغمبروں کو صرف اسلئے ارسال کرتے ہیں تاکہ ایمان والوں کو خوشخبری اور کافروں کو عذاب سے متنبہ کریں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو ڈگمگا دیں اور انہوں نے میری آیتوں اور جو انہیں تنبیہ کی گئی تھی کو مذاق بنا رکھا ہے" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت میں رسولوں کے بھیجنے کی حکمت بیان ہوئی ہے کہ وہ عذاب سے بچانے کیلئے بھیجے گئے ہیں اور یہ ماقبل آیت کے ساتھ ربط کا سبب بھی ہے۔ پھر باطل شبہات کے ذریعے حق سے مقابلہ کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے جو حق کا مقابلہ کرتے ہیں اور اسکا استہزاء کرتے ہیں بِالْبَاطِلِ: اس سے مراد شکوک شبہات حق کے خلاف پیدا کرنا ہے اور باطل قسم کے اعتراضات وغیرہ ہیں جیسا کہ سورۃ غافر آیت 5، 35، 56 میں ہے لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ: اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ حق جاننے کیلئے اعتراضات نہیں کرتے بلکہ ضد و عناد کی وجہ سے کرتے ہیں: وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا: اس میں ایک وہم کا جواب ہے یعنی اگر کہا جائے کہ حق کی پہچان کیلئے تو آیتیں اور احادیث رسولوں نے پہنچائی ہیں پھر شبہات کے ذریعے جدال کیوں کرتے ہیں تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ان کی نظروں میں عبث ہیں اسلئے اسکا مذاق اڑاتے پھرتے ہیں۔ یہاں پر وَمَآ اُنْذِرُوْا: اسلئے ذکر کیا ہے کہ سابقہ آیت میں سابقہ قوموں کے عذاب کا ذکر گزرا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان کے اعمال کی وجہ) ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے ہیں جس کی وجہ سے وہ (قرآن) سمجھنے سے قاصر ہیں اور ان کے کانوں پر بوجھ ہے اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے" [57]۔

تفسیر 57 اس آیت میں قرآن کی نصیحت سے اعراض پر وعید ہے: وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ: اس میں سابقہ گناہوں پر

ندامت اور توبہ کرنے سے اعراض ہے: إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً: جب ان کے اعراض کو ذکر کیا گیا تو اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اس اعراض کے سبب سے ان کے دلوں پر ایسے پردے ڈال دیے گئے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلئے قرآن کی نصیحت سے محروم ہو گئے: فَلَن يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا: اس میں: غِشَاوَةٌ: کی طرف اشارہ ہے جو آنکھوں کیلئے آفت ہے

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾

"اور تمہارا رب بہت بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے انہوں نے جو کمائی کی ہے اگر اللہ تعالیٰ اس پر ان کو پکڑنے پر آتا تو انہیں جلد ہی عذاب دیتا لیکن ان کیلئے ایک وقت مقرر ہے جس سے بچنے کیلئے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی" [58]۔

تفسیر 58 اس آیت میں پہلے توبہ کی طرف ترغیب دی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف بھی کر دے گا اور رحم بھی فرمائے گا بشرطیکہ کفر وشرک سے توبہ کرلو۔ پھر منکرین کو دنیاوی عذاب کی دھمکی دی ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اور صفت غضب کا ذکر ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 133 میں ہے: مَّوْعِدٌ: اس سے مراد عذاب کا مقررہ وقت ہے۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

"یہ ساری بستیاں ہیں جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کیا اور ان کی ہلاکت کیلئے ایک وقت مقرر کیا تھا" [59]۔

تفسیر 59 اس آیت میں گزشتہ اقوام کے عذاب کا ذکر کرکے موجودہ مشرکین کو دنیوی عذاب سے ڈرایا جارہا ہے۔ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ: اس میں ان بستیوں کا ذکر ہے جو ہلاک کردیے گئے تھے وہ اگرچہ محسوس موجود نہیں تھی مگر چونکہ ان کے شہرت کی وجہ سے ان کو: تِلْكَ: اشارہ سے ذکر کیا ہے جیسے کہ وہ محسوس اور قریب ہیں: لَمَّا ظَلَمُوا: اس میں سبب عذاب کی طرف اشارہ ہے اور وہ آیت 57 میں ذکر ہوا ہے: بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا: یہ موجود لوگوں کے متعلق ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

"اور اس وقت کا ذکر سنو جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا میں اس وقت تک سفر جاری رکھوں گا جب تک میں سمندروں کے جمع ہونے کی جگہ تک پہنچ نہ جاؤں یا برسوں چلتا رہوں گا" [60]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 82 تک تیسرا حصہ ہے اس میں ان لوگوں کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے جو خضر علیہ السلام سے صادر ہونے والے خرق عادت کاموں کے اظہار پر ان کو عالم الغیب اور متصرف، صاحب قدرت تصور کرتے ہیں اور ان کو یا خضر مدد کہہ کر پکارتے ہیں جب ان کو کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام محتاج بندے تھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے محتاج تھے اور بعض چیزوں کا علم تھا۔ اور جو امور خارق عادت ان سے صادر ہوئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ: وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي: یعنی ان کاموں میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ اس واقعہ میں ایسے امور کا ذکر ہے جو عذاب سے بچنے کے اسباب ہیں۔ وہ اس واقعہ کی ضمن میں بیان ہوں گے اور یہ ماقبل کیلئے سبب ربط بھی ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کا علم حاصل کرنے کیلئے ہجرت کا ذکر ہے جو باذن اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کی جگہ ان کو وحی کے ذریعے سے بتادی اور ان سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ واقعہ حدیث میں تفصیل سے ذکر ہوا ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4725)۔

تفسیر 60 اس آیت میں اشارہ ہے کہ علم حاصل کرنے اور اضافہ کرنے سے بے پرواہ نہیں ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں علم کیلئے بہت سی آداب کا ذکر ہے: لِفَتَاهُ: اس کا نام یوشع بن نون ہے اور نوجوان ساتھی سفر میں ساتھ رکھنا چاہئے: لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا: اس میں اشارہ ہے کہ علم میں انسان کو بہت کوششیں کرنی چاہئے۔ اور ایک جگہ علم حاصل نہ ہو جائے تو دوسری جگہ جانا چاہئے: مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ: اس میں مختلف اقوال ہیں۔ اس میں ایک قول یہ ہے کہ مقام طنجہ ہے اور مقام طنجہ اسپانیا اور مغرب کے مابین واقعہ ہے اور بحرین سے مراد بحر الابیض المتوسط اور بحر محیط اطلسی ہے اور اس مقام کو مضیق بھی کہتے ہیں اور یہ جبل طارق کے پاس ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مجتمع بحیرہ روم اور بحیرہ فارس کا ہے پہلا قول زیادہ مناسب ہے: أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا: طویل زمانے کو حقب کہتے ہیں اور اس کی صحیح مقدار معلوم نہیں ہے۔ اشارہ ہے کہ علم کیلئے سفر عبادت ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجۡمَعَ بَیۡنِہِمَا نَسِیَا حُوۡتَہُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیۡلَہٗ فِی الۡبَحۡرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

"چنانچہ جب وہ اس مقام پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح راستہ بنا لیا"[61]۔

تفسیر 61 "نَسِیَا حُوۡتَہُمَا: اس مچھلی کو بطور زاد سفر اپنے ساتھ لیا تھا۔ اس میں اشارہ ہے کہ علم کے حصول کیلئے جب سفر کریں تو مناسب زادِ راہ برائے ضرورت لینا چاہئے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتایا گیا تھا کہ جہاں یہ مچھلی تم سے چھلانگ لگا دے وہیں تمہاری خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔ جب موسیٰ علیہ السلام سو گئے اور یوشع بیدار تھے تو اچانک مچھلی نے برتن سے چھلانگ ماری اور پانی میں داخل ہوگئی مگر پانی اپنی جگہ مثل سرنگ کے برقرار رہا اور مچھلی غائب ہوگئی۔ نَسِیَا: دونوں کی طرف اسلئے نسبت کی گئی ہے کہ یوشع، موسیٰ علیہ السلام کو مچھلی کا چھلانگ مارنا بتانا بھول گئے جبکہ موسیٰ علیہ السلام یوشع سے مچھلی کا حال معلوم کرنا بھول گئے یہ دلیل ہے کہ بھول جانا نبوت کے منافی عمل نہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ قدرت رکھتا ہے۔ اور باریک اشارہ یہ بھی ہے کہ جہاں پر مردہ مچھلی زندہ ہوسکتی ہے وہاں علم (جو کہ زندگی ہے) حاصل ہوسکتا ہے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىہُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا ہٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

"پھر جب دونوں آگے نکل گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ یقیناً ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ پہنچ گئی ہے"[62]۔

تفسیر 62 اس میں موسیٰ علیہ السلام سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اور ان کی عاجزی بھی اس میں بیان ہوئی ہے یعنی اگر وہ مچھلی کے حالات سے باخبر ہوتے تو آگے نہ بڑھتے اور نہ ہی کھانے کیلئے اپنے نوجوان ساتھی سے مچھلی طلب کرتے اور تھکاوٹ کا اظہار بھوک لگنا عاجزی کمزوری کی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بندے اور رسول تھے لہٰذا بندہ الٰہ نہیں ہوسکتا۔ ہٰذَا: اس میں اس سفر کی طرف اشارہ ہے جو مجمع البحرین کے بعد انہوں نے کیا تھا اس میں باریک اشارہ یہ بھی ہے ایک بندہ جہاں تک دل کے شوق سے سفر کرتا ہے اس میں تھکاوٹ محسوس نہیں کرتا اور جب اس مقصد سے مزید آگے سفر کرتا ہے تو وجود پر بھاری لگتا ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝

اس نے کہا دیکھا جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی بھول گیا تھا اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا ہو اور اس نے تو بڑے ہی عجیب طریقے پر پانی میں راستہ بنا لیا [63]۔

تفسیر 63 یوشع علیہ السلام نے بھولنے کی نسبت آپ کی وجہ سے صرف اپنی طرف کی حالانکہ اس میں اپنے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں کیا۔ پھر انہوں نے بے ادبی نہیں کی۔ پھر شیطان کی طرف بھولنے کی نسبت کی۔ اگرچہ نسیان بھول کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ہوتا ہے کہ جس کام سے شیطان خوش ہوتا ہے اگرچہ وہ گناہ نہ ہو مگر ہو سکتا ہے کہ اس سے تکلیف پہنچی ہو تو اس کی نسبت شیطان کی طرف ہوتی ہے کیونکہ اس پر شیطان خوش ہوتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کے قتل کی نسبت شیطان کی طرف کی ہے سورۃ القصص آیت 15 وہ بھی اس آخری کے تحت ہے۔ اور جمائی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے جو کہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے۔ (احمد 439/6، ابو داؤد حدیث 287، ترمذی حدیث 128، ابن ماجہ حدیث 627، قال الشیخ صحیح۔ حدیث حسنۃ۔) اور حیض کے بارے میں یہ ہے کہ استحاضہ کے سبب اگر شیطان کی طرف سے ہوتی ہے سبب کی وجہ سے شیطان کو نسبت ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے۔ اس لیے یہاں نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے کیونکہ اس کا سبب غفلت ہے جو شیطان کی وجہ سے ہوتا ہے: عَجَبًا: یہ مقدر فعل کے لیے منصوب مفعول ہے یعنی عَجِبْتُ عَجَبًا: یا مقدر موصوف کے لیے صفت ہے یعنی سَبِيْلًا عَجَبًا:

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی چنانچہ وہ اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس آئے [64]۔

تفسیر 64 موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خادم دونوں عمل کرتے ہوئے اپنے قدموں کے نشانات پر واپس لوٹ آئے تاکہ اس جگہ پر پہنچ جائیں اور غلطی نہ ہو جائے: قَصَصًا: مقدر فعل کے لیے مفعول مطلق ہے یعنی: يَقُصَّانِ قَصَصًا:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

"تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے خصوصی رحمت سے نوازا تھا اور خاص اپنی طرف سے علم سکھایا تھا" [65]۔

تفسیر 65 جب وہ دونوں مجمع البحرین میں جا پہنچے تو ایک شخص کو کپڑوں میں لپٹا ہوا ٹیک لگائے پایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ اس علاقے میں یہ نا آشنا کلام ہے وجہ یہ تھی کہ اکثر لوگ اس طریقے سے اس علاقے میں غافل تھے اور خضر علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے بھی اس پر سلام نہیں کرتے تھے۔ خضر علیہ السلام کے تعجب پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں موسیٰ علیہ السلام ہوں انہوں نے جواب میں فرمایا کون موسیٰ فرمایا میں بنی اسرائیل کا موسیٰ ہوں۔ عَبْدًا : اس لفظ میں اشارہ ہے کہ خضر علیہ السلام محتاج بندے تھے الوھیت کے حقدار نہیں تھے۔ خضر علیہ السلام کا نام بلیا بن ملکان تھا جو سام بن نوح کے اولاد میں سے تھے اور خضر انکا لقب تھا۔ اور اس لقب کی بھی وجہ یہ تھی کہ جہاں وہ بیٹھتا تو وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ جگہ سبز وشاداب ہو جاتی لہذا خضر سبز ہریالی کو کہتے ہیں۔ اور بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ اس کے متعلق دو قسم کا اختلاف ہے۔ سوال: یہ ہے کہ خضر ملک یا رسول یا ولی اللہ تھے۔ صحیح قول یہ ہے کہ نبی تھے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کی نبوت پر دلائل نقل کئے ہیں۔ دلیل ۱: یہ نبوت اور وحی کے معنی میں ہے۔ دلیل ۲: موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور نبی ہر اعتبار سے ولی سے افضل ہوتا ہے تو وہ کس طرح ولی سے علم حاصل کرنے کیلئے محتاج ہوں گے۔ دلیل ۳: غیر نبی تو مرتبہ ودرجہ میں نبی سے بلند نہیں ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ملک یا ولی کہا ہے مگر اس قول کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ شاذ قول ہے۔ دوسرا اختلاف: اس کے زندہ رہنے میں ہے کہ کیا وہ اب تک زندہ ہیں یا فوت ہوئے ہیں محدثین وعلماء کا نظریہ وعقیدہ یہ ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ پہلا قول صحیح ہے۔ تفسیر ابن کثیر البدایہ والنھایہ لابن کثیر تفسیر روح المعانی وکتاب الرد علی المنطقیین شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ میں تفصیل سے اسکے دلائل ذکر کئے ہیں۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جو لوگ خضر کے حیاۃ کے قائل ہیں ان کے پاس کوئی صحیح دلیل نہیں ہے سوائے ایک حدیث کے جو تعزیت کے حوالہ سے ہے جو کہ ضعیف حدیث ہے (اس روایت کو شیخ عبدالرزاق مھدی، مبشر احمد ربانی، زبیر علی زئی نے تخریج ابن کثیر میں ضعیف کہا ہے) اور اس مسئلے میں امام قرطبی رحمہ اللہ سے غلطی ہوئی ہے جو کہ حیاۃ خضر علیہ السلام کے قائل ہیں۔ اور تفسیر ابن کثیر میں سورۃ آل عمران کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ: لَوْ

کَانَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی حَیَّیْنِ: یعنی موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے لیکن یہ روایت بلا سند ہے اور اس میں لفظ عیسیٰ غلط ہے۔ اصل روایت میں صرف موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا ہے: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا: اس میں ایک خاص قسم کا علم مراد ہے۔ کیونکہ یہ نکرہ اثبات کے سیاق میں ہے تو تخصیص چاہتا ہے اور وہ بعض باطنی امور ہیں جو وحی کے ذریعے سے معلوم ہوتے ہیں اور اس کی طرف واقعہ کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ: اور اس طرح بعض امور جو مستقبل سے متعلق ہوں یا بعض امور جو غائب کے معاملات سے متعلق ہوں تمام نبیوں کیلئے بطور معجزہ ثابت ہیں البتہ درجات اور مراتب میں فرق و تفاوت ہے۔ فرقہ زنادقہ باطنیہ کے نزدیک اولیاء کرام اور بزرگان دین کے دلوں کے صفائی کی وجہ سے علوم باطنی ان کو حاصل ہیں اس علم کی وجہ سے کائنات کے اسرار اور مخفی چیزوں سے وہ باخبر ہوتے ہیں اور شریعت کے جزیات معلوم کر سکتے ہیں اور ان کو نصوص شریعت کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان باطل نظریات والوں کا قیاس واقعات خضر علیہ السلام کے علوم سے ہے۔ اور ان کا یہ بھی خیال ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور حقیقت اور چیز ہے۔ کبھی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صوفیوں کا علم شریعت کے علوم کا محتاج نہیں ہے۔ اس بہانے کو آڑ بنا کر صوفی عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور حلال وحرام کے امتیازی فرق کو بالائے طاق رکھ لیتے ہیں۔ جواب قرآن وسنت اور سلف وخلف سب کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت کے احکام تک رسائی کیلئے قرآن وسنت کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے اور جو یہ دعویٰ کرے کہ احکامِ شریعت تک رسائی کیلئے قرآن وسنت کی ضرورت نہیں ہے وہ زندیق وکافر ہے اور ان کا خضر علیہ السلام کے واقعات پر قیاس کرنا باطل ہے کیونکہ اس کو وحی کے ذریعے سے سب کچھ ملتا ہے اور صوفیوں کو تو وحی نہیں ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو اعتراضات خضر علیہ السلام پر کئے تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعمال اس کی شریعت میں ناجائز تھے جبکہ موسیٰ علیہ السلام علم غیب نہیں رکھتے تھے اور خضر علیہ السلام کو اس سلسلہ میں وحی کی جارہی تھی اور یہ دلیل ہے کہ شریعت کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو اس پر خاموش نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس پر رد کرنا چاہئے اور یہ معاملہ تو نبی کا نبی سے ہے اور جب غیر نبی کا معاملہ ہو تو پھر اعتراض کرنا فرض ہے۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو جو علم دیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں"|66|۔

تفسیر 66 اس میں استاد اور تعلیم کے آداب کا ذکر ہے یعنی استاد سے اجازت طلب کرنا اور اس کی شرعی امور میں پیروی کرنا

مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا: اس میں اشارہ ہے کہ استاد کو چاہئے کہ شاگرد کو علم مفید سکھائے اور اس کا وقت بے فائدہ ضائع نہ کریں۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾

"انہوں نے کہا مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے" [67]۔

تفسیر 67 یہ بات اس نے بطور تجربہ کہی ہے جس کی دلیل آیت 68 میں ہے خضر علیہ السلام نے یہ بات علم غیب سے نہیں کہی بلکہ انکو یہ بات معلوم تھی کہ جو کام مجھ سے صادر ہورہے ہیں وہ وحی الٰہی سے ہونگے مگر وہ بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہونگے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر موسیٰ علیہ السلام ضرور اعتراض کریں گے اس میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی استاد شریعت کے خلاف عمل کرتا ہے تو ضرور اس سے دریافت کرنا چاہئے۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

"اور ان باتوں پر کس طرح صبر کروگے جن باتوں کی تمہیں پوری واقفیت نہیں ہوگی" [68]۔

تفسیر 68 اس آیت میں گزری ہوئی آیت کی علت اور دلیل ذکر ہوئی ہے یعنی جس چیز کا کسی کو علم نہ ہو اس پر صبر بھی نہیں کرسکتے ہیں۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرونگا" [69]۔

تفسیر 69 موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری اعتبار سے صبر کا وعدہ کیا اور اس کو ان شاء اللہ کے ساتھ معلق کیا اسلئے کہ ان کے پاس علم غیب نہیں تھا۔ اس میں اشارہ ہے کہ استاد کے حکم کی نافرمانی شاگرد کیلئے درست نہیں۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾

"انہوں نے فرمایا آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو کسی بھی چیز کے متعلق مت پوچھو یہاں تک کہ میں خود آپ کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کروں" [70]۔

تفسیر 70 اشارہ ہے کہ استاد شاگرد پر مناسب شرائط لگا سکتا ہے اور یہ متعلمین کیلئے عام شرط ہے کہ استاد کی بات پوری ہونے کا انتظار کریں ان کی گفتگو کے دوران بات کر کے ان کے کلام کو منقطع نہ کریں۔

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾

"چنانچہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو چھیر دیا موسیٰ علیہ السلام بولے کیا آپ نے کشتی کو چھیر دیا تا کہ کشتی کے سواریوں کو ڈبو دالیں؟ یقیناً آپ نے ایک عجیب کام کر ڈالا" [71]۔

تفسیر 71 یہاں سے ان دونوں کے علمی سفر کا آغاز شروع ہوا ہے۔ یوشع علیہ السلام کا ذکر اسلئے نہیں ہے کہ وہ تو موسیٰ علیہ السلام کے تابع ہیں تابع کا ذکر ضروری نہیں ہوتا ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ اس نے خضر علیہ السلام کی اجازت کے بغیر آب حیات کا پانی پی لیا تو اس کو سمندر میں گرا دیا جو سمندر کے لہروں میں تا قیامت زندہ رہے گا یہ سب اسرائیلی موضوعی روایات ہیں۔ ظاہری کلام سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خضر علیہ السلام دعوت توحید کیلئے سفر کرتے رہتے تھے لہٰذا اس قسم کے واقعات آتے رہتے تھے اب موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام سمندر پار کرنے کی غرض سے کنارے پر آئے اور سمندر پار کرنے کا ارادہ کیا تو ایک کشتی میں دونوں سوار ہوئے چونکہ وہ کشتی اہل توحید کی تھی جو مساکین اور غرباء تھے انہوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا کہ وہ دعوت حق کیلئے مختلف سمتوں کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ انہوں ان سے کرایہ نہیں لیا اس طرح اخلاق عام مسلمانوں کو اختیار کرنا چاہئے کہ حق پرست علماء اور داعیان دین کا خیال رکھیں۔ جب کشتی سمندر کے درمیان پہنچ گئی تو خضر علیہ السلام نے قدوم کلہاڑی کے ذریعے کشتی کا ایک تختہ توڑ ڈالا تو موسیٰ علیہ السلام نے شرعی جذبے کے اعتبار سے اس پر اعتراض کیا اور صبر کا جو وعدہ کیا تھا وہ بھول گئے اور اعتراض کا سبب پہلے بیان کیا گیا ہے: لِتُغۡرِقَ أَھۡلَھَا: یہ ظاہری اعتبار سے تختہ توڑ دینے کا غایہ ہے یعنی لام برائے غایہ ہے برائے علت نہیں ہے اور باعتبار خرق عادت کے معجزہ کے ساتھ کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھ کر اپنی چونچ (منہ) میں سمندر سے پانی اٹھا کر اڑ گئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تیرا اور میرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابل

ایسا ہے جیسے اس چڑیا نے منہ میں پانی کا قطرہ لیا اور یہ سمندر اللہ کا علم ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4725)۔ یعنی ہم دونوں کا علم اللہ کے علم کے بنسبت سے اس چڑیا کی چونچ کے قطرے کی طرح ہیں اور ہمارے علم کی بنسبت اللہ کا علم سمندر ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝

”انہوں نے کہا کیا میں نے نہیں کہا کہ میرے ساتھ رہ کر آپ صبر نہیں کر سکیں گے [72]۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے جو بھول ہوگئی اس پر میری گرفت نہ کیجئے اور میرے کام کو مزید مشکل مت بنایئے“ [73]۔

تفسیر 72، 73 اس میں خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو ان کا وعدہ یاد دلانا ہے اور انہوں نے بھول جانے کا عذر پیش کیا اس میں اشارہ ہے انسان کے بھول جانے پر مواخذہ نہیں ہے۔ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا: اس میں اشارہ ہے کہ جو بھول پر مواخذہ کرتے ہیں تو وہ تنگی کرتے ہیں۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــــًٔا نُّكْرًا ۝

”وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو اس نے اس کو قتل کر ڈالا موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے۔ ارے! آپ نے تو پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا جبکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی جس کا بدلہ اس سے لیا جائے یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا“ [74]۔

تفسیر 74 جب یہ دونوں سلامتی کے ساتھ سمندر پار کر گئے، تو نوجوانوں کو دیکھا کہ کھیل کود میں مصروف ہیں تو جا کر ان میں سے ایک لڑکے کو قتل کیا یعنی زمین پر گرا کر ذبح کیا اور سر کو تن سے جدا کیا اس توجیہ سے کئی روایتوں کے درمیان تطبیق ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ بھی شرعی حکم کے خلاف نظر آیا اس لئے کہ مرتد ہونے یا کسی کے قتل کے بدلہ میں قصاص بھی نہیں ہے جو شرعی گواہوں سے ثابت ہوتا ہو اس لئے فرمایا کہ: زَكِيَّةً جب یہ کام ان کو خلاف شریعت نظر آیا تو اس لئے اعتراض کیا۔

فائدہ ا: بعض مفسرین کے نزدیک یہ نابالغ بچہ تھا اسلئے زَكِيَّةً فرمایا جبکہ اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ بالغ تھا اسلئے کہ اس لڑکے میں طغیان اور کفر تھا اور یہ صفات بالغ میں پائے جاتے ہیں اور نبی کا اسے قتل کرنا بھی بلوغت کی دلیل ہے کہ وہ قتل کا مستحق تھا جبکہ نابالغ تو مکلف ہی نہیں ہوتا ہے۔ اس مقام میں سرخسی نے مبسوط جلد 1 ص 30 میں امام طحاوی رحمہ اللہ سے ایک محاکمہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لڑکا عمر کے اعتبار سے نابالغ تھا اور عقل کے اعتبار سے بالغ تھا اور اس دور میں

بلوغت کا اعتبار عقل سے ہوتا تھا عمر کے اعتبار سے نہیں ۔ یہ قول بہتر ہے۔ فائدہ ۲: پہلی مرتبہ: اَمْرًا: فرمایا دوسری مرتبہ: نُّكْرًا: فرمایا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ: اِمْرًا: اس کام کو کہتے ہیں جس کی برائی کم ہو اور: نُكْرًا: اس عمل کو کہتے ہیں جس کی برائی زیادہ واضح ہو لہٰذا پہلی مرتبہ نقصان نہیں ہوا تو: اِمْرًا: فرمایا اور دوسری مرتبہ نقصان ہو گیا جو کہ قتل تھا اس لیے: نُّكْرًا: فرمایا۔ نیز: اِمْرًا: وہاں استعمال ہوتا ہے جو ہیبت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اگرچہ واقع نہ ہوا ہو۔ کیونکہ کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ سب کیلئے مصیبت ہے اور: نُكْرًا: وہاں استعمال ہوتا ہے جس کا نقصان فساد ظاہر ہوتا ہے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾

"انہوں نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے [75]۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا تو مجھے اپنے ساتھ مت رکھیں، یقیناً (اس وقت) آپ میری طرف سے معذور ہوں گے" [76]۔

تفسیر 75، 76 اس مرتبہ لفظ: لَّكَ: بڑھا دیا کیونکہ خضر علیہ السلام کے غصہ میں اضافہ ہوا ہے۔ موسیٰ نے فرمایا اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد تک پہنچ گئے ہیں: فَلَا تُصٰحِبْنِيْ: اس میں اشارہ ہے دو مرتبہ انسان کا عذر قبول کرنا چاہیے مگر تیسری مرتبہ عذر ختم ہو جاتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4727 کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے اگر وہ مزید صبر کرتے تو ہم بہت عجائبات سن پاتے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿٧٧﴾

"چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس بستی کے رہنے والوں سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے اُن کی مہمان نوازی سے انکار کیا پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرنا چاہتی تھی اس نے اُسے کھڑا کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے" [77]۔

تفسیر 77 " اسْتَطْعَمَا: سے مراد ضیافت طلب کرنا ہے لیکن اس پر یہاں طعام کا اطلاق کیا اور بعد میں ضیافت کا اطلاق کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے والوں کی طرف جب نسبت کی جائے تو طعام کہلاتا ہے اور جب گھر والوں کی طرف نسبت کی جائے تو اس کو ضیافت کہتے ہیں فائدہ: فقہ حنفی میں: طَعَامُ الْمَيِّتَةِ: جو کہ ایک قبیح بدعت ہے میں نزاتخاذ الضیافۃ: کالفظ ہے اس کو اطعام الطعام بھی کہا گیا ہے جس سے مراد میت کے گھر سے کھانا ہے خواہ کسی بھی تعبیر سے اس کو ذکر کیا جائے وہ بدعت اور جہالت کے رسموں میں سے ہے اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کو بدعت سیئہ کہا گیا ہے۔

اس آیت میں دلیل ہے کہ بوقت ضرورت کھانا طلب کرنا درست عمل ہے اور یہ نبوت کے منافی نہیں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تھے تو شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے جانوروں کو پانی پلایا تھا اور ان سے طعام کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور یہاں پر طعام طلب کیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان اکیلا ہو تو عزیمت پر عمل کرے لیکن جب ساتھی بھی سفر میں ساتھ ہوں تو رخصت پر عمل کرے یعنی ساتھی کا لحاظ کرنا چاہیے اعلیٰ درجہ کے بجائے ادنیٰ پر عمل کریں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں بھوک کی شدت کم تھی اس لئے کھانا طلب نہیں کیا اور یہاں پر شدت زیادہ تھی اسلئے طلب کیا۔ اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ وہ سفر ہجرت کا ہے اس میں صرف نصرت الٰہی پر ایمان اور یہ سفر آداب اور علم سیکھنے کا ہے اس میں تکلیف اور مشقت زیادہ ڈال دیا۔ اور اس بستی والوں میں بخل کا مسئلہ بھی تھا لیکن بڑا مسئلہ ان میں کفر و شرک کا تھا اور وہ خضر علیہ السلام کو جانتے تھے کہ یہ توحید کا داعی ہے اسلئے ان سے نفرت کرتے تھے: لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا: یہاں موسیٰ علیہ السلام کے اعتراض کا مطلب یہ تھا کہ یہ مشرک اور لئیم قوم ہے اور خیال تھا کہ دیوار بھی انہیں لوگوں کی ہے تو ان سے احسان کا کیا فائدہ بلکہ ضرورت کے مطابق ان سے اجرت لینی چاہیے۔ دوسری مراد یہ ہے کہ جب آپ دیواروں کے بنانے کے ماہر ہیں تو اس پر اجرت لیتے اور ہمیں کسی سے طعام کا مطالبہ نہ کرنا پڑتا اس اجرت پر طعام خرید لیتے۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾

"انہوں نے فرمایا اب میرے اور تیرے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتا ہی دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا" [78]۔

تفسیر 78 یہ خضر علیہ السلام کا کلام ہے اس شرط کے موافق جو موسیٰ نے کہا تھا خضر علیہ السلام نے یہ جوابات اسلئے دیئے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ انہوں نے شریعت کے خلاف کوئی کام نہیں کیا ہے یعنی اپنی صفائی بیان کی ہے جو ان کا شرعی حق تھا نکتہ: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بول اٹھے اور اپنے گزرے ہوئے حالات پر غور نہیں کیا ورنہ یہ اعتراضات نہ کرتے ۔ یعنی سوراخ کرنے کے باوجود کشتی کے بچ جانے کے اس نمونے پر موسیٰ علیہ السلام کا بچنا بھی تھا۔ حالانکہ ان کی والدہ نے انکو صندوق میں ڈال کر (دریا) نہر میں بہادیا تھا اور غلام قتل کرنے کا معاملہ بھی اس طرح تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو قتل کیا تھا اور بلا معاوضہ دیوار بنانے کا معاملہ بھی شعیب علیہ السلام کے بیٹیوں کے لئے بکریوں کو پانی پلا نے سے مشابہ ہے ان سے کوئی اجرت نہیں لیا تھا۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾

"جہاں تک کشتی کا تعلق ہے وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کروں (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی ثابت) کشتی کو جبراً ضبط کرلیا کرتا تھا" [79]۔

تفسیر 79 کشتی میں عیب پیدا کرنا بہت سارے فائدوں پر مبنی ہے۔ اگر یہ ثابت سلامت ہوتی تو بادشاہ ہر اچھی اور ثابت کشتی کو چھین کر ضبط کر لیتے تھے اور یہ کشتی بھی مساکین اور موحدین کی تھی تو ان کی مزدوری رک جاتی اور اس میں اشارہ ہے کہ مساکین کے مال کی ظالموں سے حفاظت کرنی چاہئے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ بڑے نقصان کے بجائے تھوڑا نقصان برداشت کرنا چاہیے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ مسکین وہ ہے جو کچھ نہ کچھ مال رکھتا ہو البتہ نصاب زکوۃ سے کم ہو اور لائق گزارہ حال آمدنی کا ذریعہ بھی رکھتا ہو۔ جیسا کہ اس کشتی میں کئی افراد شریک تھے مگر صرف گزارا اس پر کرتے تھے مالدار شمار نہیں ہوتے تھے: كُلَّ سَفِيْنَةٍ: اس سے مراد ہر ثابت اور سالم کشتی ہے۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّکُفْرًا ﴿۸۰﴾

"اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مؤمن تھے اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ دونوں کو کفر اور سرکشی میں پھنسا نہ دے" [80]۔

تفسیر 80 مراد یہ ہے کہ نوجوان سرکش کافر تھا اور ماں باپ مؤمن تھے تو خطرہ یہ تھا کہ یہ ان کو جبری طور پر کافر و مشرک نہ بنا دے اور اس سے ایمان کی امید نہیں تھی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: اَلْغُلَامُ الَّذِیْ قَتَلَهٗ صَاحِبُ مُوْسٰی طُبِعَ کَافِرًا صحیح مسلم کتاب القدر حدیث 2661 خلاصہ یہ ہے کہ اس کے دل پر کفر کی مہر لگا دی گئی تھی۔ بعض شارحین اس حدیث کے مفہوم میں غلطی کر گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لڑکا کافر پیدا ہوا تھا جبکہ قرآن میں فرمان الٰہی ہے کہ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا: سورۃ روم آیت 30 اور حدیث بخاری میں ہے کہ: کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ (صحیح بخاری کتاب الجنائز حدیث 1358، صحیح مسلم حدیث 2658، موطا حدیث 278-823، ابو داؤد حدیث 4714)۔ یعنی اس آیت و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر بندہ بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے چنانچہ وہ لڑکا بھی فطری طور پر مسلمان پیدا ہوا تھا لیکن وہ پھر زدہ کافر تھا۔ اس میں اشارہ ہے ہر موذی چیز کو حکمت عملی سے ختم کرنا چاہیے تا کہ باقی مخلوق اس کے شر سے محفوظ رہ سکے: طُغْیَانًا وَّکُفْرًا: یہ دونوں صفتیں اس غلام کی تھیں لہٰذا تو اس ترتیب سے مفعول لہ ہے یا والدین کا طغیان و کفر مراد ہے تو پھر عبارت اس طرح ہے بِعَلَی الطُّغْیَانِ وَالْکُفْرِ

فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَکٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

"لہٰذا ہم نے چاہا کہ انکا رب انہیں اس لڑکے کے بدلہ ایسی اولاد عطاء کر دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو اور حسن سلوک میں بھی اس سے اچھی ہو" [81]۔

تفسیر 81 اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی شر کی جگہ خیر پیدا کرتا ہے یعنی شر ہٹانے کی وجہ سے خیر ہوتا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ان والدین کو اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹی دی اور اس کا نکاح بلوغت کے بعد ایک نبی سے کیا گیا۔ اور اس سے بیٹا پیدا ہوا تو وہ نبوت کے منصب پر فائز ہوا اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس خاتون کی نسل میں بارہ پیغمبر پیدا ہوئے۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ
رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا ۚ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ
تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ ع

"رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا اسلئے آپ کے رب نے چاہا کہ یہ دونوں لڑکے جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بناء پر ہوا اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا" [82]۔

تفسیر 82 خلاصہ یہ ہے کہ اس بستی کے عام لوگ اگر چہ مشرک تھے مگر یہ دیوار موحدین کی تھی اور وہ یتیم تھے اور اس دیوار کے نیچے خزانہ تھا اگر یہ دیوار گر جاتی اور وہ خزانہ نکل آتا تو ظالم لوگ اس کو آپس میں تقسیم کر لیتے۔ لہٰذا ظالم سے یتیموں کے مال کی حفاظت انبیاء کی سنت ہے۔ آج بھی ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں ہے جو یتیموں غریبوں کے مال ظالمانہ طریقے سے کھاتے رہتے ہیں اہل حق علماء کی ذمہ داری ہے اور ان پر لازم ہے کہ ان یتیموں کو ظالموں کے پنجوں سے بچائے رکھیں و ران کے مالوں کی بھی حفاظت کریں اور دین کی بھی: وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا: یہ اس خزانہ کی حفاظت کیلئے علت ہے۔ اس میں سوال کا جواب بھی ہے سوال یہ تھا کہ دنیا میں بہت یتیم ہیں۔ مگر ان کے مالوں کی حفاظت لازم نہیں ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ نابالغ اولاد دنیاوی احکام میں والدین کے حکم میں ہوتی ہیں یعنی اگر والدین کافر ہو نگے تو اولاد بھی دنیاوی احکام میں ان کے تابع شمار کی جائیں گی لہٰذا ان کے مال کی حفاظت لازم نہیں ہو گی مگر یہ جو یتیم تھے انکا والد مومن موحد تھا تو یہ بچے بھی والد کے تابع مومن شمار ہو نگے۔ لہٰذا اس وجہ سے شرعاً ان کے مال کی حفاظت لازم تھی۔ بعض مبتدعین اس آیت سے وسیلہ کا استدلال کرتے ہیں انکا جواب یہ ہے کہ اس سے وسیلہ شرکیہ بدعیہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ شرعی طریقہ سے ان کے مال کی حفاظت کی گئی ہے۔ اس سے وسیلہ شرکیہ بدعیہ ثابت کرنا بدعت ہے البتہ ایک نیک صالح انسان کے نیک اعمال کی وجہ سے اولاد اور پیروں کاروں پر رحمت و برکت نازل ہوتی ہے: وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي: اس میں اس اشکال وشبہ کا مکمل ازالہ کیا گیا ہے جو سورۃ کی ابتداء میں کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شک میں مبتلاء ہو جائے کہ خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کیا کشتی میں عیب پیدا کیا اور خزانہ بچانے کیلئے دیوار کھڑی کی یہ تو مستقبل اور غیبی امور میں سے ہیں تو یہ اس سے کیسے باخبر تھے تو جواب دیا گیا کہ یہ کام خضر علیہ السلام نے اپنے اختیار اور علم سے نہیں کئے تھے۔ [illegible] آیت 78 میں

تَسْتَطِعْ: تا کے ساتھ ذکر کیا ہے جبکہ اس آیت میں: تَسْطِعْ: بغیر تا کے ذکر ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جب جوابات نہیں ہوئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام پر بوجھ تھا لہذا زیادت حروف ثقل معنوی پر دلالت کرتی ہے اور جب جوابات ہو گئے تو بوجھ کم ہو گیا تو حروف بھی کم کر دیئے گئے۔ فائدہ (۲) کشتی کے متعلق: أَرَدْتُّ: ذکر ہوا ہے اور لڑکے کے بدلے میں بھلائی دینے کی وجہ سے: أَرَدْنَا: ذکر کیا ہے اور دیوار کھڑی کرنی کیلئے فرمایا کہ: أَرَادَ رَبُّكَ: اس میں حکمت ہے کہ کشتی میں صرف عیب پیدا کرنا مقصود تھا اسلئے اس کی نسبت اللہ کی طرف مناسب نہیں سمجھا تو اس کی نسبت صرف اپنی طرف کی اور دیوار کھڑی کرنا صرف خیر کا کام ہے اسلئے اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور لڑکے کا قتل اور اس کے بدلے میں نیک اولاد دینے کا ذکر ہے تو اس میں خیر اور شر دونوں مشترکہ ہیں اسلئے اس کی نسبت مشترکہ طور پر کی ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾

"اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں فرما دیجئے میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں" [83]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 101 تک چوتھا حصہ ہے اور ان لوگوں کے شبہ کا جواب ہے جو ذوالقرنین کے بعض امور سے دلیل لیتے ہیں کہ اس کو قدرت اور تصرف حاصل تھا اور یہ سوال بھی مشرکین اور یہود نے کیا تھا اسلئے کہ ان میں کرامات ذوالقرنین مشہور تھے اور بدعقیدہ ہونے کی وجہ سے یہ اس کی قدرت وتصرف کی دلیل سمجھتے تھے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام امور میں ذوالقرنین اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ بعض زبانوں کو نہیں جانتے تھے جیسا کہ آیت 93 میں ہے اور لوگوں کے تعاون کے محتاج تھے جیسا کہ آیت 95 میں ذکر ہے پھر آیت 98 تا 101 عذاب آخرت کی وعید ذکر ہے۔

تفسیر 83 اس آیت میں ذوالقرنین کے متعلق سوال وجواب ہیں ذِکْرًا۔ ذوالقرنین کے واقعہ کو ذکر تعبیر فرمایا ہے وجہ یہ کہ اس میں وعظ ونصیحت ہے اس کا نام اسکندر تھا فارسی النسل تھے۔ اور ابراہیم علیہ السلام سے طواف کے دوران بیت اللہ میں ملے تھے اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام سائرس اعظم تھے اور عیسیٰ علیہ السلام سے 559 سال قبل گزر گئے تھے۔ اس طرح ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے اور اسی طرح اطلس القرآن میں بھی ہے البتہ وہ اسکندر جو ابن فیلیس المقدونی یونانی رومی ہے اس کا وزیر ارسطو کافر تھا وہ یہاں پر مراد نہیں ہے اس طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الرد علی المنطقین میں لکھا ہے۔ ذوالقرنین کے القاب میں 19 اقوال علماء سے منقول ہیں جن کو امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ ان اقوال میں بہتر قول یہ ہے کہ دنیا کی دو بڑی بادشاہتیں اس کے

کنٹرول میں آئی تھیں یعنی روم اور فارس اسلئے اس لقب سے معروف ہوئے۔

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

"واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس کو زمین میں اقتدار سے نوازا تھا اور انہیں ہر کام کے وسائل عطاء کئے تھے"[84]۔"جس کے نتیجہ میں ایک راستہ کے پیچھے چل پڑے"[85]۔

تفسیر 84 اس آیت میں اشارہ ہے کہ اس کی بادشاہت سلطنت اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی طرف سے تھی۔ مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ: سے مراد دنیا میں زمین کی حکومت اور وسائل دینا ہے تاکہ دشمنوں پر اس کو غلبہ حاصل ہو۔ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا: اس سے اسباب اور وسائل مراد ہیں تاکہ وہ غلبہ اور ہر طرف پہنچنے کا سبب بنے اور اس سے دین غالب ہو سکے۔ اور حرف مِن کے ساتھ اشارہ ہے کہ بعض اسباب ان کو اللہ تعالیٰ نے عطاء کئے تھے کل نہیں۔

تفسیر 85 اسکا تو ایک معنی یہ ہے مغربی جانب ایک راستے پر روانہ ہوئے۔ ان کا یہ سفر دین غالب کرنے کیلئے ہجرت ہے۔ لہٰذا مغرب کی جانب روانہ ہوئے اور ہر بستی میں دعوت دیتے رہے اور جو لوگ مخالفت پر اتر آتے تو وہ ان سے جہاد کرتے۔ دوسرا معنی یہ ہے بعض اسباب کا استعمال مغرب کی جانب سفر کرتے ہوئے شروع کیا۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

"یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچے تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ دلدل جیسے چشمے میں ڈوب رہا ہے اور انہیں وہاں ایک قوم ملی ہم نے کہا اے ذوالقرنین! یا تو ان لوگوں کو سزا دو یا پھر ان کے ساتھ نرمی والا معاملہ اختیار کرو"[86]۔

تفسیر 86 "مَغْرِبَ الشَّمْسِ: سے مراد سورج کے غروب ہونے کی جگہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے کیونکہ یہ دلیل ہے کہ: تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ: کہا گیا ہے حالانکہ سورج زمین سے 150 گنا زیادہ جسامت والا ہے تو وہ کیسے سمندر کے ایک کنارے میں پناہ ہو جائے گا؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ بحر اسود کے کنارے پر پہنچا تو وہاں پہنچنے پر انسان کو اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ سورج سمندر میں غروب ہوتا ہے۔ (کراچی میں کلفٹن کے ساحل پر بھی مغرب کے وقت سورج بعینہ اس طرح لگتا ہے کہ یہ سمندر میں غروب ہوتا ہے)۔ عَيْنٍ حَمِئَةٍ: اس سے مراد بحر اسود ہے اور اس قوم وملک سے یونان مراد ہے اور

اس کولیڈیا (ترکی) کہا جاتا تھا اس ملک تک فارس سے چودہ سو 1400 میل کا فاصلہ ہے۔ یہ یونان کا مرکز تھا اور اس وقت وہاں کے بادشاہ کا نام کردسیس تھا۔ ذوالقرنین کے متعلق نبوت اور ولایت کا اختلاف ہے جو لوگ نبوت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ: قُلْنَا: وحی کے طور پر ہے اور جو ولایت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں: قُلْنَا: بطریقہ الھام ہے: إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا: اس قوم کے متعلق مکمل تمکین واختیار دیا تھا۔ عذاب سے مراد قتل یا قید کرنا ہے اور احسان سے مراد معاف کرنا یا فدیہ لینا ہے۔ جیسا کہ اس فرمان الٰہی میں ہے: إِمَّا مَنًّا وَإِمَّا فِدَاءً:

قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨٧﴾

"انہوں نے فرمایا ان میں سے جو کوئی ظلم کا راستہ اختیار کریگا اسے تو ہم سزا دیں گے پھر اسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا اور وہ اسے سخت عذاب دے گا" [87]۔

تفسیر 87 یعنی ذوالقرنین نے عدل سے کام لیا اور انصاف کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ دعوت توحید پہنچنے کے بعد پھر بھی کفر وشرک پر قائم ہونگے ان کو قتل یا قید کی سزا دی جائی گی۔ پھر وہ رب کی طرف پلٹ جانے کے بعد سخت سزا پائیں گے۔

وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

"جنہوں نے ایمان لایا اور عمل سنت کے مطابق کیا تو وہ بدلہ میں اچھے انجام کے مستحق ہونگے اور ہم بھی اس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے" [88]۔ "اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے" [89]۔

تفسیر 88 جنہوں نے توحید کو اختیار کیا اور عمل میں اتباع سنت کے ساتھ اخلاص پیدا کیا تو ان کیلئے بہترین اجر ہے۔ اَلْحُسْنَىٰ: سے آخرت میں جنت مراد ہے: جَزَاءً: تمیز یا حال ہے اور: اَلْحُسْنَىٰ: مبتداء مؤخر ہے اور: فَلَهُ: خبر مقدم ہے يُسْرًا: یعنی دنیا میں اس پر وہ تکلیف نہیں ڈالی جائے گی جو اس کے طاقت میں نہ ہو کیونکہ فرمان ربانی ہے: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا: اَلدِّيْنُ يُسْرٌ: دین آسان ہے۔ (صحیح بخاری حدیث 69 فی العلم، صحیح مسلم حدیث 1733 فی المغازی، طبرانی 7715، احمد 66/5)

تفسیر 89 پھر وہ مشرق کی جانب روانہ ہوئے اور قریہ قریہ دعوت دین حق دیتے رہے۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

"یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسے قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اس سے بچنے کیلئے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی" [90]۔

تفسیر 90 یہاں پر بھی مراد عین طلوع ہونے کی جگہ نہیں ہے کیونکہ وہ تو کسی کی قدرت میں نہیں ہے بلکہ مراد ایسی جگہ تک پہنچنا ہے جہاں آبادی ختم ہو جائے اور سورج طلوع ہوتا ہوا نظر آئے۔ یہ وحشی قبائل تھے جو مکران اور باختریا کے رہنے والے تھے :لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا: یعنی آبادی بھی نہیں تھی اور نہ درختوں کے جھنڈ جنگل وغیرہ تھے کوئی پناہ گاہ بھی نہیں تھی بلکہ غاروں میں رہائش اختیار کئے ہوئے تھے۔ بعض کا قول ہے کہ وہ لباس بھی نہیں پہنتے تھے بلکہ وحشی جانوروں کی طرح گزارہ کرتے تھے۔

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾

"انکے ساتھ اُسی طرح معاملہ کیا جیسے پہلی والی قوم سے کیا تھا۔ اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا ہمیں اس کی پوری پوری خبر تھی [91]۔ اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے" [92]۔

تفسیر 91، 92 ''كَذٰلِكَ: یعنی اس علاقہ میں بھی اسی طرح حکم جاری کیا جیسے پہلے علاقے میں یعنی مغرب الشمس میں جاری کیا تھا: وَقَدْ اَحَطْنَا: اس میں اشارہ ہے کہ اس کے پاس اتنے وسائل، اسباب اور مواد تھے کہ اللہ ہی کو ان کا صحیح علم تھا: بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا: اس سے مراد لشکر اور سامان جنگ وغیرہ ہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

"یہاں تک کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں میں سے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے" [93]۔

تفسیر 93 ''السَّدَّيْنِ: یہ سَدّ کا تثنیہ ہے جو کہ دیوار کو کہا جاتا ہے یہاں پر دو پہاڑ مراد ہیں اور اسکا نام سَدّ اسلئے رکھا گیا کہ یہ قدرتی طور پر یاجوج و ماجوج کی بندش کیلئے تھے صرف انکا درمیان خالی تھا۔ یہ قوم ذوالقرنین کی زبان نہیں جانتی تھی۔ اور یہ دلیل ہے کہ ذوالقرنین سب کچھ نہیں جانتے تھے لہٰذا وہ اللہ کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا: قَوْمًا: یہ قوم دو قسم پر مشتمل تھی ایک مشرق میں بحر خذر پر واقع تھی جن کو کاسپین کہتے تھے اور دوسری کو کوشی قوم کہتے تھے جو کاکیشا کے قریب

آباد تھی۔ تو معلوم ہوا کہ ذوالقرنین کی کل بادشاہت عرب سے بحر اسود تک اور ایشیا کو چک سے بلخ تک تھی اور ایشیا کا اکثر حصہ اس کی سلطنت میں تھا۔ اور اس کا دار الخلافہ ھمدان تھا اس وقت اس کو ہگ متانہ کہا جاتا تھا ابھی اس کو اکبتانہ کہتے ہیں۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

"انہوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں تو کیا ہم کچھ مالی پیشکش آپ کو کر سکتے ہیں تاکہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار قائم کریں" [94]۔

تفسیر 94 یہ دو قومیں یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یافث کے اولاد میں ترک صقلاب چین وغیرہ بھی داخل تھے۔ اور یہ سب گمراہیوں کے گڑھ ہیں مگر یاجوج اور ماجوج کا فساد ان سے زیادہ تھا یورپ کی اصطلاح میں ان کو گاگ میگاک کہتے ہیں اور ان کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6530، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 222، احمد 32/3) اور انکا نکل آنا قیامت کی قریبی علامات میں سے ہے اور جب یہ دیوار سے نکل آئے تو لگتا ہے کہ ان کے نکل آنے کے بعد چین اور روس وغیرہ مفسدین بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے کیونکہ یہ سب فساد و لسبت میں شریک ہیں اس وقت حجاز مقدس کے علاوہ ساری زمین میں فساد پھیل جائے گا فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا: اس میں اشارہ ہے کہ رعایا اپنے حکمرانوں سے اجتماعی فائدے کیلئے تعاون طلب کر سکتے ہیں۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

"ذوالقرنین نے کہا اللہ نے مجھے جو طاقت عطاء کی ہے وہی بہتر ہے لہٰذا تم افرادی قوت سے میری مدد کرو میں تمہاری اور ان کے درمیان مضبوط دیوار بنا دونگا" [95]۔

تفسیر 95 اس آیت میں اشارہ ہے اسلامی حکومت بلا ضرورت لوگوں سے مال طلب نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں رعیت کا نقصان ہے البتہ بدنی قوت میں بوقت ضرورت ان سے مدد لے سکتی ہے جو کہ جائز ہے: فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ: اس سے افرادی مدد مراد ہے اور ذوالقرنین کا اسباب کیلئے تحت مدد طلب کرنا اس کی عاجزی کمزوری کی دلیل ہے کہ انہوں نے مزدوری میں لوگوں سے مدد حاصل کی: سَدًّا: مطلق دیوار کو کہا جاتا ہے۔ اور: رَدْمًا: اس دیوار کو کہا جاتا ہے جو آپس میں پختہ طریقے سے

جڑی ہوئی ہو یعنی ایک دوسرے کے اندر اس کے اجزا داخل ہو جائے۔ اس دیوار میں اشارہ ہے کہ بادشاہ پر اپنے رعایہ کی حفاظت لازم ہے اور مفسدین سے اپنے ملک کو صاف اور پاک کرنا چاہئے۔ یہ سد باب بادشاہ کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

"میرے پاس لوہے کے بنے ہوئے ٹکڑے لے کر آؤ یہاں تک کہ جب انہوں نے دونوں پہاڑوں کے سروں کو ملا دیا تو کہا کہ اب آگ جلاؤ یہاں تک کہ جب اس کو لال انگارا کر دیا تو کہا کہ پگھلا ہوا تانبا لاؤ اب میں اس پر انڈیلوں گا" [96]۔

تفسیر 96- یعنی لوہے کے بلاک اس طریقے سے بصورت دیوار رکھے کہ دونوں پہاڑوں کے سروں تک پہنچے تو اس کو خوب لال کیا پھر پگھلا ہوا تانبا اس کے جوڑوں میں اوپر سے ڈال دیا جب یہ دیوار ٹھنڈی ہوئی اور سارا تانبا اس میں منجمد ہوا تو ایک مضبوط تاریخی دیوار قائم ہوئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ کاکیشیا کے قریب درہ داریال میں ایک پرانی لوہے کی دیوار ہے جس کو سد حدیدی کہا جاتا ہے ابن جریر نے بعض بادشاہوں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اس دیوار کی تلاش میں افراد بھیجے تھے اور ان میں سے بعض نے دیکھا تھا: الصَّدَفَیْنِ: پہاڑوں کے سروں کو صدف کہتے ہیں: انْفُخُوْا: یعنی آگ اس دیوار پر جلا دو اس کیلئے انہوں نے آگ جلانے کا بندوبست کیا بعض پھونکنے کے اسباب بنائے تھے: نَارًا: مراد کالنَّارِ:

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

"چنانچہ یاجوج اور ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اس میں کوئی سوراخ بنا سکتے ہیں" [97]۔

تفسیر 97- یاجوج وماجوج بلندی کی وجہ سے اس پر نہیں چڑھ سکتے ہیں اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے ہیں تاکہ باہر آجائے کیونکہ وہ بہت مضبوط ہے

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

"ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت خاص ہے پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا جب وہ وعدہ میرے رب کا آجائے گا تو اس (دیوار) کو میرا رب ڈھا کر زمین کے ساتھ ہموار کر دیگا۔ اور میرے رب کا وعدہ یقینی ہے" [98]۔

تفسیر 98- یہ صالحین کا طرز وطریقہ ہوا کرتا ہے کہ وہ دنیا کی کاریگری پر فخر وتکبر نہیں کرتے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کا احسان مانتے

ہیں اور اس کے فنا ہونے اور قیامت قائم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں جبکہ کفار اور مشرکین کا معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ رجلین کے واقعہ میں کافر کا حال جو کہ اس سورۃ میں آیت 32 میں گزرا ہے حالانکہ ذوالقرنین کے بنسبت اس کا مال بہت کم تھا لیکن اپنے اس مال پر انہوں نے فخر بھی کیا اور قیامت سے انکار بھی کیا۔ سوال حدیث میں ہے کہ دو انگلیوں کے مقدار اس دیوار میں یاجوج و ماجوج نے سوراخ کرلیا ہے اور یہاں پر ہیں کہ: وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا: جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں لفظ فتح مجہول صیغہ سے ذکر ہے (کتاب الانبیاء حدیث 3346، صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث 2880) تو وہ اللہ نے کھولا ہے لہٰذا وہ یاجوج و ماجوج نے نہیں کھولا ہے۔ اور قیامت کی قریب ہوگی تو ان کو اللہ تعالیٰ توفیق دیگا تو اس کو زمین سے ہموار کردیں گے اور دنیا میں فساد کے لیے باہر آجائیں گے جیسا کہ بعد والی آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۹۹﴾

"اور اس دن ہم ان کی یہ حالت کردیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے اور صور میں پھونکا جائے گا تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کرلیں گے" [99]۔

تفسیر 99 'بَعْضَهُمْ: سے مراد یاجوج ماجوج ہیں جب یہ دیوار سے آزاد کردیے جائیں گے اسی طرح سورۃ الانبیاء آیت 96 میں بھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے عام انسان مراد ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ پریشان اور حیران گھومتے ہوں گے شر اور فساد کریں گے پھر قیامت قائم ہوگی۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۰﴾

"اور اس دن ہم جہنم کو ان کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے" [100]۔

تفسیر 100 جہنم میں داخلے سے قبل جہنم کا ظاہر کرنا عذاب کی سختی ہے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾

"جن کی آنکھوں پر میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے" [101]۔

تفسیر 101 اس آیت میں عذاب کا سبب ذکر کیا ہے یعنی ضد و عناد کی وجہ سے ان کی آنکھیں حق دیکھنے سے اور کان حق سننے سے بند اور غافل تھے: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا: اسلئے فرمایا کہ حق کی بات سننا قبول کرنا ان کیلئے ایسا تھا کہ ایک انتہائی وزنی چیز جس کے اٹھانے کی انہیں طاقت ہی نہ ہو۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا عِبَادِیۡ مِنۡ دُوۡنِیۡۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا جَہَنَّمَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

"جن لوگوں نے کفر کیا ہے کیا پھر بھی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بندوں کو مددگار بنالیں گے یقیناً ہم نے ایسے کافروں کیلئے جہنم بطور مہمان نوازی تیار کر رکھا ہے"[102]۔

خلاصہ: یہاں سے آخر تک (تَتِمَّۃٌ) خاتمہ ہے۔ اس میں ان مشرکین کو جو بندوں کی عبادت کرتے ہیں کیلئے سخت وعید ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ میں ان کے شبہات گزر گئے ان شکوک کی بنیاد پر انہوں نے اولیاء کرام (اصحاب کہف) پیغمبروں (سیدنا موسیٰ وخضر علیہما السلام اور بادشاہوں (جیسے ذوالقرنین) کو معبود بنا رکھا ہے۔ آیت 102 سے 106 تک ہے اور توحید والوں کیلئے خوشخبری آیت 107 تا 108 میں ہے پھر رد شرک فی العلم ہے آیت 109 میں پھر سورۃ کو رسول اور توحید کے بھیجنے پر مکمل کیا ہے۔ 110۔ ربط۔ جب مشرکین کے شبہات تفصیل کے ساتھ زائل کئے گئے تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ بندے اور جنات تصرف اور الوہیت کے اختیار نہیں رکھتے اور علم غیب بھی نہیں جانتے تو اب ان آیتوں میں رد شرک فی التصرف اور پھر رد شرک فی العلم ہے۔ جو کہ سابقہ عنوان پر تفریع وتشریح ہے۔

تفسیر 102 اس میں لفظ: عِبَادِیۡ: واضح ہے کہ مشرکین نے اللہ کے بندوں کو رب کے ساتھ شریک بنالیا ہے۔ اور اس عقیدہ کے رکھنے والوں پر اس آیت میں دو مرتبہ کفر کا اطلاق کیا گیا ہے: اَوۡلِیَآءَ: یعنی نفع ونقصان کے مالک ہیں یا معبود مراد ہے: نُزُلًا: یہ بطور تہکم واستہزاء فرمایا ہے۔

قُلۡ ہَلۡ نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیۡنَ ضَلَّ سَعۡیُہُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ ہُمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ یُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴿۱۰۴﴾

"فرما دیجئے کیا ہم تمہیں بتائے کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں[103]۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا وی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکتی رہی اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں"[104]۔

تفسیر 103، 104 ان آیتوں میں ان لوگوں پر تنقید ہے جو شرک اور بدعات کرتے ہوئے ان کو نیک عمل تصور کرتے ہیں اور ان اعمال میں بہت محنت کرتے ہیں جبکہ وہ اللہ کے نزدیک برباد ہیں اسلئے ان کو تاوان اٹھانے والے کہا گیا۔ اور ان آیتوں میں تمام اہل شرک اور بدعت شامل ہیں کہ ان کے اعمال برباد ہیں جبکہ ان کا گمان اجر وثواب کا ہے۔ ضَلَّ: اس سے مراد اعمال کی بربادی ہے اور سبب پہلے آیت میں ذکر ہوا ہے کہ انہوں نے بزرگوں کو معبود بنالیا تھا۔ یُحۡسِنُوۡنَ

صُنۡعًا: یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اولیاء کی عزت ہے۔ ان کے اعمال میں یہ اولیاء کے وسیلے اور شفعاء اور محبت، وغیرہ کے دعوے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمۡ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتۡ أَعۡمَٰلُهُمۡ فَلَا نُقِيمُ لَهُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَزۡنٗا ﴿١٠٥﴾

"یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں اور اس کے ملاقات سے انکار کیا اسلئے ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے لہذا قیامت کے دن ہم انکا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے" [105]۔

تفسیر 105 اس آیت میں تیسری مرتبہ ان کے کفر پر حکم ہوا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ان کا کفران کے اعمال کی بربادی کا سبب بنا: بِآيَاتِ رَبِّهِمْ: یعنی توحید اور قیامت سے منکر ہیں لہذا ان کی کوئی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک نہیں ہوگی اور ہر قسم کے اجر و ثواب سے محروم ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ہے (کتاب التفسیر حدیث 4729) کہ ایک مضبوط جسامت والا شخص قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہیں ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کافروں کی نیکیوں کو نہیں تولا جائے گا اسلئے کہ حسنات تو ان کے برباد ہو گئے اور اس میں اشارہ ہے کہ بعض لوگوں کیلئے ترازو نہیں ہوگا بغیر اعمال کے وزن کیے جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔ اور مؤمنین میں سے بعض لوگوں کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

ذَٰلِكَ جَزَآؤُهُمۡ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُواْ وَٱتَّخَذُوٓاْ ءَايَٰتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

"یہ ہے جہنم کی شکل میں ان کی سزا کیونکہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیتوں اور پیغمبروں کی استہزاء کی تھی" [106]۔

تفسیر 106 اس آیت میں ماقبل کے لئے دو اسباب ذکر کئے ہیں کفر اور شرک کا ارتکاب اور آیتوں اور رسولوں کے سنت کا استھزاء اور اس کو بے فائدے عبث سمجھنا اور ہمیشہ سے شرک اور بدعات کے اسباب یہ دونوں ہیں کہ وہ قرآن و سنت سے استدلال نہیں کرتے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنَّٰتُ ٱلۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبۡغُونَ عَنۡهَا حِوَلٗا ﴿١٠٨﴾

"یقینا جو لوگ ایمان لائے اور عمل سنت کے موافق کئے ہیں ان کیلئے فردوس کے باغ بطو مہمان نوازی تیار ہیں [107]۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہیں گے" [108]۔

تفسیر 107، 108 ان آیتوں میں ایمان والوں کیلئے خوشخبری ہے: لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا: ان میں اشارہ ہے کہ جنت

میں کسی قسم کی کمی نہیں ہے اور نہ ہی وہاں کسی قسم کی تکلیف ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں سے جنتی کسی دوسری طرف منتقل نہیں چاہیں گے اور فردوس جنتوں میں اعلیٰ قسم کی جنت ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس میں داعیان حق بسیں گے۔ جیسا کہ اصحاب کہف موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام اور ذوالقرنین ہر ایک نے حق کی طرف دعوت دی اسی طرح دیگر داعیان حق ہر دور میں گزرے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

"آپ فرما دیجئے اگر میرے رب کی باتیں (کلمات) لکھنے کیلئے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہونگی جبکہ سمندر کی روشنائی ختم ہو چکی ہوگی۔ چاہے اسی سمندر کی کمی پوری کرنے کیلئے ایک اور سمندر ایسا ہی کیوں ہم نہ لے آئیں" [109]۔

تفسیر 109 اس آیت میں شرک فی العلم پر رد کیا گیا ہے اور مشرکین کے اشکال کا جواب ہے یعنی انکا کہنا تھا کہ رسول کے پاس تورات انجیل اور قرآن کا علم ہے تو وہ: عَلِيْمٌۢ بِكُلِّ شَيْءٍ: ہے یعنی ان کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا علم محصور ہے تو وہ نبی کے پاس ہے اس قسم کا دعویٰ یہودیوں نے اپنے لئے کیا تھا۔ تو ان کا جواب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی انتہا نہیں ہے جبکہ بندوں کے علم کی انتہاء ہے: كَلِمٰتُ رَبِّيْ: اس سے اللہ تعالیٰ کے علم کی جزیات مراد ہے نیز اس کے الوھیت کی تفصیلی صفات اور اسکے کلام کی حکمتیں مراد ہیں۔ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس طرح سورۃ لقمان آیت 27 میں ہے۔ اور سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جس طرح جنت کی نعمتوں کی انتہا نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے علم کی انتہا نہیں ہے۔ چونکہ سورۃ لقمان میں لقمان حکیم کی حکمت اور علم کا تذکرہ تھا تو شبہ پیدا ہو رہا تھا کہ اس کا علم علمِ الٰہی کے ساتھ برابر ہوگا تو وہاں نفی کی تاکید کیلئے سات دریاؤں کا ذکر کیا۔

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَىَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾

"فرما دیجئے کہ میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کی بندگی کا حقدار صرف اللہ ہے لہٰذا جس کو بھی اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے"[110]۔

تفسیر 110 اس آیت میں نبی سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے کیونکہ وہ بشر ہے اور بشر غیب کا علم نہیں رکھتا اور نبی کی نبوت کی سچائی ثابت کی گئی ہے اور اختتام رد شرک فی العبادۃ اور اثبات توحید پر کیا ہے اور یہ ساری سورۃ پر (تفریع) تشریح ہے۔ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ: معلوم ہوا کہ وحی کا خلاصہ توحید الٰہی ہے: وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًا: شرک میں مختلف درجات ہوتے ہیں۔ یعنی: شِرْكٌ دُوْنَ شِرْكٍ اور كُفْرٌ دُوْنَ كُفْرٍ: اسلئے مفسرین کے نزدیک یہ آیت شرک حقیقی اور شرک خفی ریا دونوں کو شامل ہے بلکہ اخلاص کے بغیر عمل اور عبادت کرتے پر اجرت طلب کرنے کو بھی شامل ہے جیسا کہ امام مفسر آلوسی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ جو لوگ قرآن کا ختم دنیا کے حصول کیلئے کرتے ہیں تو اجرت دینے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہیں اس کی بہت سارے فقہاء نے وضاحت کی ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں رد شرک فی العبادۃ مقصود تھا اس لیے لفظ: أَحَدًا: استعمال کیا جو روح اور عقل والوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

سورۃ کہف کی خصوصیات:

۱۔ اصحاب کہف کے واقعے کی تفصیل۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعے کی تفصیل۔

۳۔ ذوالقرنین کے واقعے کی تفصیل۔

۴۔ دنیا والوں کے برے انجام کے ذریعے دنیا سے بے رغبتی کی ترغیب۔

۵۔ ان لوگوں کے متعلق خبریں جنہوں نے انسانوں اور جنوں کو اپنے لئے معبود بنا رکھا ہے۔

الحمدللہ سورۃ کہف کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتہا ۹۸ ۱۹ سورۃ مریم مکیۃ ۴۴ رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ مریم دوسرا نام سورۃ کھیعص ہے۔

ربط: سابقہ سورۃ کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ سورہ کہف میں مشرکین کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے کہ صالحین اولیاء کرام عاجز اور کمزور محتاج تھے تو اس سورۃ میں مشرکین کے باقی ماندہ شبہات کا ازالہ ہے کہ وہ عاجز بندے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مامور تھے۔ نیز سورۃ کہف میں اثبات توحید کیلئے ایک قسم کے نقلی دلائل کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں دوسری قسم کے نقلی دلائل کا ذکر ہے۔ عنوان: اس سورۃ میں مشرکین کے اشکالات کے جوابات دیئے گئے ہیں انبیاء اور ملائکہ کے بارے میں کہ وہ عاجز بندے تھے آیت 58،93 میں اس کا ذکر ہے۔ اور توحید کو پانچ طریقوں سے ثابت کیا ہے پہلا طریقہ۔ انبیاء وملائکہ۔ اللہ کے بندے تھے۔ دوسرا طریقہ: شرک فی العبادات اور شرک فی التصرف شرک فی الدعا ان تمام اقسام پر رد ہے۔ تیسرا طریقہ: شفاعت قہریہ پر رد ہے۔ چوتھا طریقہ: اتخاذ الولد یعنی اللہ کے لئے ولد ثابت کرنے کے عقیدے پر رد کیا ہے۔ پانچواں طریقہ: تکرار کے حذف کے ساتھ تین آسماء حسنیٰ کا ذکر ہے۔ خلاصہ: اس سورۃ میں تین ابواب ہیں پہلا باب اول تا آیت 63 تک ہے۔ پہلے حصے میں انبیاء کی عبدیت کا ذکر کیا ہے یعنی تفصیل سے یہ بات ثابت کی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔ زکریا علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، مریم علیہا السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ، اسماعیل۔ ادریس علیہم السلام اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے پہلے زکریا علیہ السلام کی دعاء کی قبولیت کا ذکر ہے۔ آیت 7 تک پھر ان کی دعاء اور ولد کی پیدائش کی کیفیت سوال جواب کی صورت میں آیت 8،9 میں ذکر ہے پھر اس کی نشانی طلب کرنے کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت آیت 10 میں ذکر ہے پھر اس: پیدا ہونے والے ولد بیٹے کی سات صفات ذکر ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ وہ سلامتی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج بندہ ہے۔ آیت 12 تا 15 پھر مریم علیہا السلام وعیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو ذکر کیا ہے پہلے بیٹے کی خوشخبری جو جبرائیل نے انسانی شکل میں تنہائی میں آکر دی جس پر مریم نے ان سے پناہ طلب کی جس پر انہوں نے بیٹے کی خوشخبری دی آیت 16 تا 19 پھر اس کے تعجب کا ذکر ہے کہ میری اولاد کس طرح ہوگی سوال جواب 20 تا 21 پھر

عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تفصیل آیت 26 تک ہے پھر قوم کی طرف سے تہمت اور بیٹے کے زبانی جواب اللہ تعالیٰ کے قدرت سے آیت 23 تا 29 جہاں ماں کی گود میں اس کا کلام آٹھ صفات کے ساتھ ذکر ہے اور اس کی اپنی سلامتی میں اللہ کی طرف محتاج ہونے کا ذکر ہے، پھر ان کے ولدیت باری تعالیٰ کے عقیدے پر رد ہے آیت 36 تک۔ وعید اور آخرت کا خوف آیت 40 تک بیان ہوا ہے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا تذکرہ ہے پہلے والد کو دعوت دینا چار طریقوں سے ذکر ہے آیت 45 تک اول انکے شرک پر رد ہے کہ اس میں معبود کی صفات نہیں ہے پھر ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کی سچائی ذکر ہوئی ہے۔ دوم: اتباع رسول کی طرف دعوت ہے۔ سوم: غیر اللہ کی عبادت سے منع ہے چہارم شرک پر وعید ہے۔ پھر دوسری بار شدت کے ساتھ والد کی مخالفت کا ذکر ہے۔ آیت 46 میں اور ابراہیم علیہ السلام کے الوداعی سلام کا ذکر کیا ہے آیت 47 میں اور اس سے برات واعتزال آیت 48 میں ذکر ہے پھر اسکو دنیوی خوشخبری آیت 49، 50 میں ذکر ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلاً اس کی پانچ صفتوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ آیت 57 تک۔ پھر سورۃ کا عنوان ذکر ہے کہ تمام انبیاء بندے اور رسول ہیں۔ آیت 58 میں پھر وعید آیت 59 میں ذکر ہے اور آیت 63 تک بشارت یعنی خوشخبری ذکر ہے

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝

"یہ تذکرہ ہے اس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے ذکریا علیہ السلام پر کی تھی" |2|۔

تفسیر 1 یہ حروف مقطعات ہیں جس کا مقصد اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور حکمت اس میں یہ ہے کہ قرآن معجز کتاب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کاف میں اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کی طرف اشارہ ہے اور ھا میں اللہ تعالیٰ کے ہادی ہونے اور یا میں اللہ تعالیٰ کے ید کے غالب ہونے اور عین میں اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر عالم ہونے اور صاد میں اللہ تعالیٰ کے صادق ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تمام وعدے پورا کرتا ہے۔

تفسیر 2 اس میں شبہ کا جواب ہے شبہ یہ تھا کہ اس کے ذمے مریم کی کفالت رکھی گئی تھی جبکہ مریم تو الہ معبود ہے تو ذکریا علیہ السلام میں بھی الوہیت کی صفات ہوں گی اور ان کے بیٹے کی پیدائش بڑھاپے میں ان کے تصرف اور قدرت پر دلالت کرتی ہے لہذا وہ بندگی کے حقدار ہیں جواب ہوا کہ وہ بندے تھے اور ان کے بندے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اپنے رب کی رحمت کے محتاج تھے۔ رب کو پکارا کرتے تھے۔ ان پر بڑھاپا آیا تھا ان کے بال سفید ہو گئے تھے۔ وراثت علمی کیلئے وارث کا خوف رکھتے تھے۔ بیٹے کیلئے علامت کے محتاج تھے۔ ان کی زبان بند ہوئی تھی لہذا وہ الہ نہیں ہو سکتے۔ اس آیت میں

اشارہ ہے کہ زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں اثبات توحید کیلئے نصیحت ہے اور اس واقعے میں ان کے بندے ہونے کی وضاحت کی گئی ہے۔ اور لفظ رَحْمَةِ: میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے یہ تو اس کی رحمت ہے جس سے زکریا علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔

إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ﴿٣﴾

"جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ آہستہ مخفی آواز سے پکارا" [3]۔

تفسیر 3 اس آیت میں زکریا علیہ السلام کی دعا اور عاجزی بیان ہوئی ہے: خَفِيًّا: میں اشارہ ہے کہ دعا میں اخفاء آہستہ سے مانگنا بہتر ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 55 میں گزرا ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿٤﴾

"انہوں نے کہا کہ میرے رب! میری ہڈیاں کمزور پڑ گئی ہیں اور بڑھاپے کی وجہ سے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں اور میرے رب تجھ سے دعا مانگ کر کبھی نامراد نہیں ہوا ہوں" [4]۔

تفسیر 4 اس آیت میں دلیل ہے کہ دعا میں اپنی عاجزی اور ضرورت کو بیان کرنا اور نعمتوں کو وسیلہ میں ذکر کرنا جائز ہے۔ اور سنت انبیاء ہے: اَلْعَظْمُ: ہڈیوں کا ذکر اسلئے کیا کہ ان کے کمزور ہونے سے سارے بدن میں کمزوری آتی ہے۔ وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا: یہ بھی بہترین وسیلہ ہے یعنی اے اللہ! تو نے مجھے قبولیت دعا کا عادی بنایا ہے جب بھی میں نے دعا مانگی ہے تو نے رد نہیں کی ہے اور نا امید نہیں لوٹایا ہے: شَقِيًّا: یہ شقاوت سے لیا گیا ہے مراد بدبخت محروم ہے: وَاشْتَعَلَ: اس میں اشارہ ہے کہ ان کے سارے بال سفید ہوئے تھے۔

وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ﴿٥﴾

"اور مجھے اپنے بعد اپنے چچازاد بھائیوں کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔ میری بیوی بانجھ ہے لہٰذا مجھے اپنے پاس سے ایک ایسا وارث عطاء کیجئے" [5]۔

تفسیر 5 اس میں بھی اپنی عاجزی کو بطور وسیلہ ذکر کیا ہے۔ اور پہلے جملے میں سبب ذکر کیا ہے کہ رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے فوت ہونے کے بعد دین کی خدمت کما حقہ کر سکے۔ اسلئے بیٹا طلب کیا: وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا: اس میں اشارہ ہے کہ اولاد ہونے کے ظاہری اسباب ختم ہیں: مِنْ لَدُنْكَ: بھی اس پر دلیل ہے۔

يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

"جو میرا بھی دین کا وارث ہو اور یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے دین کا بھی وارث ہو اور اے رب اسکو اپنا پسندیدہ بنا" [6]۔

تفسیر 6 یہاں میراث سے دین کی وراثت مراد ہے اور: اٰلِ يَعْقُوْبَ: میں بھی اسکی طرف اشارہ ہے کہ یہ دین بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کی میراث ہے یعنی میراث مالی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری اور دیگر کتب میں حدیث وارد ہے کہ انبیاء علیہم السلام وراثت میں مال نہیں چھوڑتے بلکہ وراثت میں علم چھوڑتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الفرائض حدیث 6727): رَضِيًّا: دین کیلئے منتخب کیا ہوا جو دعوت دین کا کام کریگا۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝

"آواز آئی کہ اے زکریا! ہم آپ کو ایک ایسے لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰی ہوگا اس سے پہلے ہم نے اس نام کا شخص پیدا نہیں کیا" [7]۔

تفسیر 7 زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور خوشخبری میں تین باتیں ذکر ہوئی ہیں 1: لڑکے کی بشارت 2: نام کا انتخاب اللہ کی طرف سے یحیٰی علیہ السلام نام رکھا گیا۔ اس طرح سے اللہ نے کسی کیلئے نام کا چناؤ نہیں کیا تھا: لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا: اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ نام کسی اور کیلئے اس سے قبل نہیں رکھا گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس طرح کسی کیلئے اللہ کی طرف سے نام کا انتخاب نہیں ہوا تھا: سَمِيًّا: وہ ذات جو کسی کے ساتھ نام یا صفت میں شریک ہو لیکن یہاں نام میں شراکت مراد ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝

"انہوں نے فرمایا کس طریقہ سے میرے یہاں لڑکا پیدا ہوگا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں" [8]۔

تفسیر 8 اس آیت میں زکریا علیہ السلام کا بیٹے کی ولادت سے انکار نہیں ہے ورنہ بیٹے کیلئے دعا ہی نہ طلب کرتے بلکہ پیدا ہونے کا طریقہ سمجھنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ذکر ہوا ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں تفصیل بیان کرنا مقصود ہے اس لیے پہلے بیٹے کیلئے جو اسباب رکاوٹ ہیں اس کو بیان کیا ہے کہ میری بیوی بانجھ ہے جبکہ سورۃ آل عمران میں اس کے برعکس

ذکر ہے۔یعنی وہاں بیوی سے پہلے اپنی ذات کا ذکر ہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝٩

"فرمایا ایسا ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا ہے یہ تو میرے لئے معمولی بات ہے اس سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا تھا جبکہ تم کچھ بھی نہیں تھے" [9]۔

تفسیر 9 "كَذٰلِكَ: اس میں اشارہ ہے کہ تم میاں بیوی دونوں اس بڑھاپے کی حالت میں ہوں گے اور تمہارے یہاں ولادت ہوگی: وَقَدْ خَلَقْتُكَ: اس میں اشارہ ہے کہ اپنے بیٹے کے پیدائش کو اپنی پیدائش پر قیاس کریں جبکہ اس کا وجود ہی نہیں تھا: شَيْـًٔا: ایسی چیز جو کسی خاص نام سے یاد کی جائے۔اور اس طرح سارے انسانوں کے متعلق سورۃ دھر آیت 1 میں آیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠

"زکریا علیہ السلام نے فرمایا میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کیجئے فرمایا آپ کی نشانی یہ ہے کہ تم صحت مند ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہیں کرسکو گے" [10]۔

تفسیر 10 اس میں زکریا علیہ السلام کا خاص نشانی طلب کرنا ہے تاکہ ان نشانیوں کے دیکھنے پر اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کریں: اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ: اس میں دو توجیہ ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ آپ کی زبان بند ہوجائے گی تو اشارے سے بات کروگے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ تم باتوں سے روک دئے جاؤ گے اور یہ ان کے دین میں روزہ تھا خواہ رات کو یا دن کو ہو۔ سورۃ آل عمران آیت 41 میں لفظ ایام ذکر ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ رات اور دن دونوں مراد ہے اور سورۃ مریم پہلے نازل ہوئی ہے تو اس میں پہلے وقت کا ذکر ہے جو کہ رات ہے کیونکہ رات دن پر مقدم ہے۔ کیونکہ دن کو اشارہ نظر آتا ہے اور رات کو نظر نہیں آتا ہے اسلئے: اِلَّا رَمْزًا: فرمایا تھا۔

فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١

"چنانچہ وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آئے اور ان کو اشارے سے ہدایت کی کہ تم لوگ صبح وشام اللہ کی تسبیح کیا کرو" [11]۔

تفسیر 11 مراد یہ ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کلام کرنا چھوڑ دیا تو اشارے سے قوم کو دعوت دیتے

رہے: أَلْمِحْرَابِ: اس سے وہ مقام مراد ہے جو بلند بالاخانہ ہوتا ہے جو بنی اسرائیل کے دین میں امام کے لئے مختص تھا اور اس کو محراب اسلئے کہا گیا ہے کہ شیطان کے ساتھ اس میں محاربہ یعنی شھوات کے ساتھ جنگ ہوتی ہے اور جو ہمارے مساجد کے محراب ہیں یہ مراد نہیں ہے بُکْرَةً وَعَشِيًّا: اس سے مراد ہر وقت ہے البتہ یہ دونوں اوقات بہت افضل ہیں اسلئے ان کی تخصیص کی ہے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝

"(پھر جب یحیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو ہم نے ان سے فرمایا) اے یحیٰ علیہ السلام! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے بچپن ہی میں ان کو دانائی بھی عطا کر دی تھی" [12]۔

تفسیر 12 اس کلام میں حذف ہے یعنی جب یحیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر عمر نبوت کو پہنچ گئے تو اس وقت یہ خطاب ان کو ہوا! أَلْكِتَابَ: اس سے تورات مراد ہے اور اس کی دعوت وتبلیغ میں مضبوطی کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر یحیٰ علیہ السلام کے دس صفات حسنہ ذکر کئے گئے ہیں: وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا: أَلْحُكْمَ: سے دین کا فہم مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جس نے بلوغت سے قبل قرآن کی بصیرت حاصل کی تو وہ اس حکم میں داخل ہوا شعب الایمان للبیھقی حدیث 1798 اور ایک روایت میں ہے کہ یحیٰ علیہ السلام کو لڑکوں نے کہا آؤ کھیلتے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم کھیل کود کیلئے پیدا نہیں ہوئے ہیں: اخرجه الحاكم في تاريخه۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۗ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

"اور خاص اپنے پاس سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی دی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے [13]۔ اور اپنے والدین کے خدمت گزار تھے نہ وہ سرکش اور نہ ہی نافرمان تھے [14]۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہے اس پر اس دن بھی جس دن پیدا ہوئے اس دن بھی جس دن اس کو موت آئے گی اور اس دن بھی جب اس کو زندہ کرکے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔" [15]۔

تفسیر 13 سے 15 ان آیتوں میں یحیٰ علیہ السلام کی باقی نو صفات بیان کی گئی ہیں: وَسَلَامٌ عَلَيْهِ: سلام سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی مراد ہے۔ اور ان تین حالتوں کا ذکر اسلئے کیا کہ ان حالتوں میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ بہت کمزور اور محتاج ہوتا ہے۔ اور ان صفات میں دلیل ہے کہ یحیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور محتاج ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۙ⑯

"اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہوکر اس جگہ چلی گئی جو مشرق کی طرف واقع ہے" [16]۔

تفسیر 16 یہ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے جس کا مقصد ایک شبہ کا ازالہ ہے اور وہ یہ اشکال تھا کہ مریم و عیسیٰ علیہما السلام سے نا آشنا امور صادر ہوتے تھے لہٰذا وہ دونوں مشکل کشا حاجت روا ہیں اسی وجہ سے نصاریٰ نے مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو الٰہ کہا تھا اور مشرکین مکہ نے بھی مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کو معبود بنا رکھا تھا اور انکی مورتی بنا کر حرم میں نصب کی تھی جیسے ۔جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دونوں ماں بیٹے صرف اللہ کے بندے اور اپنی ذات میں محتاج اور عاجز تھے کیونکہ اللہ سے پناہ طلب کررہی تھی ۔ جبرئیل انسانی صورت میں آیا ہے تو اس کو نہیں جانتی ہے۔ اس پر دردِ زہ چگی آیا ہے۔ موت کی تمنا اس نے کی ہے۔ رحمان کے نام پر نذر مانی تھی۔ یہ سب اس کی عاجزی کے دلائل ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بندے ہونے کا اظہار کیا ہے: اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ: میں نبی ہوں میں بابرکت ہوں مجھے عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ سلامتی میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں۔ اور اس نے فرمایا تھا کہ: وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ: یہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے عاجز بندے ہونے کے دلائل ہیں لہٰذا وہ مشکل کشا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی متصرف حاجت روا ہوسکتا ہے: وَاذْكُرْ: یعنی مریم کے واقعہ کو بیان کرتا کہ لوگوں کو توحید کی نصیحت حاصل ہو: اِنْتَبَذَتْ: ایک طرف ہونا یعنی مشرق کی جانب عبادت کیلئے تنہائی اختیار کرنا مقصد تھا مشرقی جانب کسی فضیلت کی وجہ سے نہیں بلکہ اتفاقی بات تھی۔ لیکن نصاریٰ بدعت میں مبتلا ہوگئے اور اس مقام کو پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے قبلہ بنا دیا۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ⑰

"پھر انہوں نے ان سے بچنے کیلئے اپنے اور ان لوگوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا تو ہم نے اس کی طرف اپنی طرف سے روح (جبرائیل) کو بھیجا جو اس کے سامنے ایک مکمل انسان کی صورت میں پیش ہوا" [17]۔

تفسیر 17 خواتین پر حجاب فرض ہے اسلئے اس نے پردے کا انتظام کیا: رُوْحَنَا: اس سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہے: فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا: اس میں دلیل ہے کہ ملائکہ انسانی صورت اختیار کر سکتے ہیں یہ اختیار ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جبرائیل علیہ السلام انسانی صورت میں اسلئے آئے کہ ملائکہ انسانی شکل اختیار کئے بغیر نہیں آسکتے۔ اور اس مقام پر

جن لوگوں نے روح سے عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد لی ہے ان سے غلطی ہوئی ہے اور اس قول کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے منکر غریب اور اسرائیلی قرار دیا ہے۔

قَالَتْ إِنِّيٓ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

"مریم نے فرمایا میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں۔ اگر تجھے اللہ کا خوف ہے"[18]۔

تفسیر 18 معلوم ہوا کہ مریم غیب نہیں جانتی تھی۔ اسلئے جبرائیل کی پہچان سے قاصر تھی۔ اور اللہ سے پناہ طلب کی تھی اسلئے کہ محتاج تھی: إِن كُنتَ تَقِيًّا: اس کی جزا حذف ہے یعنی اگر تجھے اللہ کا خوف ہو تو ہم سے دور ہو جایا: تَقِيًّا: عقلمند کے معنیٰ میں ہے: اَلرَّحْمٰنِ: اللہ تعالیٰ کی صفت رحمن ان کے ماحول میں مشہور تھا۔

قَالَ إِنَّمَآ أَنَا۠ رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾

"جبرائیل نے کہا میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں وہ فرماتا ہے کہ تجھے پاکیزہ لڑکا دوں"[19]۔

تفسیر 19 لفظ رسول دلیل ہے کہ: لِأَهَبَ: اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کیونکہ رسول مرسل کا کلام بیان کرتا ہے یعنی جس نے بھیجا ہے اسی کا کلام بیان کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اولاد کو ھبہ کرنے والا ہے جبرائیل کے پاس ھبہ کرنے کا اختیار نہیں ہے اور غائب کے صیغہ کے ساتھ قرأت: لِيَهَبَ: بھی ثابت ہے۔

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾

"مریم نے فرمایا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں"[20]

تفسیر 20 یہ بات اس نے بطور تعجب کہی ہے۔ تعجب کی وجہ بعد میں مذکور ہے یا کیفیت طلب کرنا چاہتی ہیں۔ اور یہ تعجب عادت کے اعتبار سے ہے

قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُۥٓ ءَايَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾

"ملک نے کہا کہ ایسے ہی تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور یہ کام ہم اسلئے کرتے ہیں تا کہ لوگوں کیلئے ایک نشانی بنائیں۔ اور اپنی طرف سے رحمت کا اظہار کریں اور یہ بات مکمل طور پر طے ہوئی ہے"[21]۔

تفسیر 21 "کَذٰلِكِ: اس میں اشارہ ہے کہ جس حال پر تو اب ہے اسی حال میں رہو گی اور تیرے بچے کی ولادت ہوگی۔

یعنی کسی کے چھولینے کے بغیر تیرے بچے کی ولادت ہوگی: وَلِنَجْعَلَهٗ: اس سے قبل: لِنَخْلُقَهٗ: مقدر ہے: رَحْمَةً: اس سے نبوت والا امراد ہے یعنی توحید بیان کرنے والا امراد ہے۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا: یہ کلام جبرئیل علیہ السلام نے مریم سے کیا ہے اللہ کی جانب سے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

"پھر مریم کو اس بچے کا حمل ٹھہر گیا۔ تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے ایک الگ دور مقام پر چلی گئیں" [22]۔

تفسیر 22 "فَحَمَلَتْهُ: جبرائیل نے عیسی علیہ السلام کی روح کو (نفخ) پھونکا جیسا کہ سورۃ تحریم 12 سورۃ انبیاء 19 میں ہے۔ اور پھر قوم کی تہمتوں کے خوف سے دور مقام کی طرف چلی گئی۔

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿۲۳﴾

"پھر زچگی کے درد نے اس کو کھجور کے درخت کے پاس آنے پر مجبور کیا۔ اور کہنے لگیں کاش میں اس سے قبل فوت ہوئی اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی" [23]۔

تفسیر 23 اس میں دلیل ہے کہ جبرئیل کے روح پھونکنے کے فوراً بعد حمل ظاہر ہوا اور اس کے بعد جلدی ولادت ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عام خواتین کی طرح نو مہینے تک حمل رہا: جِذْعِ النَّخْلَةِ: یہ مقام بَيْتُ اللَّحْمِ: میں ہے جو مشہور قول کے مطابق بیت المقدس سے آٹھ میل دور ہے: يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا: اشکال یہ ہے کہ موت کی تمنا تو شرعاً منع ہے تو اس نے کیوں طلب کی؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ جب اس نے سن لیا کہ بغیر شادی کے میرے یہاں بچہ پیدا ہوگا لہذا یہ لعن طعن فتنہ بدنامی کا سبب ہے اور نیک لوگ فتنہ اور بدنام ہونے کے بجائے موت کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ اس بات سے ڈر گئی ہیں کہ میری وجہ سے قوم کے لوگ لعن طعن بہتان تراشی کے گناہوں کے نذر ہو جائیں گے اسلئے موت کی تمنا کی جو کہ جائز ہے۔

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

"پھر ملک نے اس کو نیچے ایک جگہ سے آواز دی کہ غم مت کرو تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ جاری کیا ہے" [24]۔

تفسیر 24 "فَنَادٰىهَا: پہلا قول یہ ہے کہ یہ آواز جبرائیل علیہ السلام نے دوسرے مقام میں منتقل ہونے کے بعد دی ہے

دوسرا قول یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہونے کے بعد یہ آواز دی ہے۔ پہلا قول بہتر ہے یہ آواز اور اس سے پہلے جو خطاب ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے مریم علیہ السلام سے کیا ہے یہ مریم علیہا السلام کے کرامات ہیں مگر اس میں مریم کا کوئی اختیار نہیں: سَرِيًّا: پانی اور نہر کے معنیٰ میں ہے یعنی جاری پانی: وَاشْرَبِي: اس پر دلیل ہے یا سردار مراد ہے لیکن پہلا معنیٰ بہتر ہے۔

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾

"اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ اس میں سے پکی ہوئی کھجوریں تم پر جھڑیں گی" [25]۔

تفسیر 25 یہ بھی مریم علیہا السلام کی کرامات میں سے ہے کہ کھجور کے خشک درخت سے کھجور گر رہے ہیں: وَهُزِّي: اس میں اشارہ ہے کہ رزق تلاش کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ کسب وحرکت کرنا چاہیئے۔ البتہ رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ عمرو بن میمون سے نقل ہے کہ تازہ کھجور خواتین کیلئے زچگی کے وقت بہت بہتر ہے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾

"اب کھاؤ پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اگر لوگوں میں سے کوئی آتا دیکھو تو اشارے سے کہو کہ میں نے رحمن کیلئے روزہ کی منت مانی ہے اس لئے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی" [26]۔

تفسیر 26 اس آیت میں اشارہ ہے کہ حالت نفاس میں تازہ کھجور اور پانی کا استعمال خواتین کیلئے مفید ہے اور قوم کے لعن طعن سے نجات کیلئے طریقہ بھی بتایا: فَقُولِي: اس سے مراد اشارہ سے کہنا ہے: صَوْمًا: خاموشی مراد ہے اور یہ خاموشی والا روزہ اور عبادت ان کی شریعت میں جائز تھا البتہ ہماری شریعت میں منسوخ عمل ہے جیسا کہ ابو اسرائیل کی روایت میں ہے۔ البتہ ہماری شریعت میں روزہ دار کیلئے قبیح کلام یعنی گالی گلوچ وغیرہ منع ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ نذر اللہ تعالیٰ کیلئے مختص ہے اور یہ صالحین کا عمل ہے۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا ﴿۲۷﴾

"پھر وہ اس بچے کو لیکر اپنی قوم کے پاس آئی وہ کہنے لگے کہ مریم تو نے تو غضب ڈھا دیا" [27]۔

تفسیر 27 جب اسکو تسلی ہوئی تو عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھایا اور اسے قوم کے پاس لیکر آئی۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا؛ فَرِیًّا: اپنی سے بنائے ہوئی کام کو: فَرِیٌّ: کہتے ہیں جہاں مراد نا آشنا بے مثال انتہائی برے کام کو کہا گیا ہے۔

یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿۲۸﴾ۖۚ

"ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ ہی تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں اس پر مزید طعن کی تاکید کی کہ اس عمل پر تو نے صرف اپنے آپ کو نہیں بلکہ ماں باپ اور پوری قوم کو بدنام کیا ہے؛ اُخْتَ هٰرُوْنَ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس زمانہ میں ھارون نام سے ایک شخص تھا جو نیک نامی میں شہرت یافتہ تھے تو لوگ مریم کی تشبیہ اس کے ساتھ دیا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الادب حدیث 2135، ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3155، احمد 252/4) ایک قول یہ ہے کہ مریم ھارون علیہ السلام کے خاندان یعنی نسل میں تھی اور اخ اور اخت کا اطلاق نسل پر بھی ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ھارون علیہ السلام کی بہن تھی تو اس پر امام ابن کثیر نے رد کیا ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾

"پس مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا لوگ کہنے لگے بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جبکہ وہ گود میں پلتا بچہ ہے" [29]۔

تفسیر 29 معلوم ہوا کہ مریم نے روزے کی نذر مان لی تھی اس لئے وہ بات نہیں کر رہی تھی بلکہ ان کو اشارے سے سمجھا رہی تھی؛ كَانَ: اصل میں یکون کے معنی میں ہے یا صرف وجود اور حدوث کیلئے ہے۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ۙ

"بچے بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے" [30]۔

تفسیر 30 وہ اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام سے کلام نہیں کر رہے تھے مگر ان کو اللہ نے کلام بات کی توفیق دی اور اپنے آپ کے دس حالات اس نے ذکر کیے ہیں جو سب اس کی عاجزی محتاجی کی دلیل ہے اور ان صفتوں میں یہود و نصریٰ پر رد ہے کیونکہ ان میں

سے بعض افراد زیادتی سے کام لیتے ہوئے حد سے ان کو بڑھا دیتے ہے اور بعض نے تفریط سے کام لیا ہے کہ ان کی والدہ پر الزام لگا کر ان کے درجہ کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ فعل ماضی کا صیغہ اس میں مضارع کے معنی میں ہے لیکن ماضی اسلئے استعمال کیا ہے کہ یقین پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔

وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾

"اور جہاں بھی میں رہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ ہوں" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت میں اس کے بندے ہونے پر مزید دلائل دئے ہیں: مُبٰرَكًا: برکت کا معنی یہ ہے کہ خیر کی طرف دعوت دیتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ خیر و برکت کا معلم ہے۔ مَا دُمْتُ حَیًّا: یہ دلیل ہے کہ فوت شدگان عبادت نہیں کر سکتے ہیں اور موت کے ساتھ بندوں سے عبادت کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے: زَكٰوةِ: یہاں پر عقائد اعمال اخلاق مراد ہیں جس کو تزکیہ نفس کہا جاتا ہے یا مالی زکوۃ مراد ہے بشرطیکہ مال موجود ہو۔

وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾

"اور مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے اور مجھے سرکش سنگ دل نہیں بنایا ہے" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں ان کے مزید صفات عبدیت کا ذکر ہے: جَبَّارًا: وہ جو کوئی تکبر کی وجہ سے اپنے اوپر کسی کا حق نہ مانتا ہو۔ شَقِیًّا: وہ شخص جو نفس کی خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتا ہے۔ یحیٰ علیہ السلام کے متعلق عَصِیًّا فرمایا تھا وجہ یہ ہے کہ اس پر بدنامی کا الزام نہیں تھا لہذا اس کا صرف عصمت ذکر ہوا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں :شَقِیًّا: ذکر کیا اس میں ان طعنوں پر رد ہے جو یہود عیسیٰ علیہ السلام پر لگاتے ہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

"اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا کیا گیا ہوں اور جس دن مرونگا اور اس دن جب دوبارہ زندہ کیا جاؤنگا" [33]۔

تفسیر 33 یہ سلام اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کیا گیا ہے لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی عاجزی کے تین حالات کے ذکر ہوئے ہیں کہ ان تینوں حالتوں میں سلامتی کیلئے اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ وَالسَّلٰمُ: اس میں الف لام عہدی اسلئے ذکر کیا ہے تاکہ یحیٰ علیہ السلام کے سلام کی طرف بھی اشارہ ہوجائے کہ وہ بھی مجھ پر ہے یعنی اس میں شریک ہوں یا پھر یہ دلیل ہے کہ عیسیٰ کو یحیٰ علیہما السلام پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ معرفہ نکرہ سے افضل ہے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

"یہ ہے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ان کے بارے میں سچی بات یہ ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں[34]۔ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ بیٹا بنالے اس کی ذات پاک ہے جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو بس اس سے یہ کہتا ہے کہ ہو جا چنانچہ وہ ہو جاتا ہے"[35]۔

تفسیر 35 یہ آیتیں بطور جملہ معترضہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کی تشریح وتفریع اور نتیجہ ہے اور یہود ونصریٰ اور مشرکین پر تنقید ہے: قَوْلَ الْحَقِّ: اس سے قبل: اَقُوْلُ: لفظ مقدر ہے۔ اور آیت 35 میں نصاریٰ پر واضح رد ہے۔ جو انہوں نے اتخاذ ولد کا عقیدہ بنایا ہے یعنی اللہ کیلئے بیٹے کا تصور رکھتے ہیں۔ اور دو طریقوں سے اس پر رد ہے: سُبْحٰنَهٗ: اللہ تعالیٰ کیلئے ذاتی پاکی ہے اور دوسرا: اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ: اول میں تنزیہ ذاتی ہے اور دوم میں اللہ کی بے نیازی ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

"عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یقیناً اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اس لیے اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے"[36]۔

تفسیر 36 یہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے اس میں: قَالَ: مقدر ہے البتہ اس کو دیگر اقوال سے الگ ذکر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ قول اس کے بچپن کا نہیں ہے نیز اس طرح قول سورۃ آل عمران آیت 51 سورۃ زخرف آیت 64 میں بھی ہے۔ اس میں شرك في العبوديۃ اور ربوبیت پر رد کیا گیا ہے اور اس میں نصاریٰ پر رد ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

"پھر ان میں سے مختلف گروہوں نے اختلاف کیا (عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں) لہذا جب یہ لوگ ایک زبردست عظیم دن میں حاضر ہونگے اس دن ان کی بڑی تباہی ہوگی جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے"[37]۔

تفسیر 37 عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مختلف اقوال یہ تھے کہ یہودیوں نے اس کو ولد الزنا کہا نصاریٰ میں سے یعقوبیہ گروہ

نے اس کو اللہ قرار دیا تھا بصورت عیسیٰ علیہ السلام اور ان میں سے نسطوریہ گروہ نے اس کو ابن اللہ کہا۔ اور ملکانیہ گروہ نے اس کو ثالث ثلٰثہ تین میں سے تیسرا کہا ہے۔ اور مسلمانوں نے کہا کہ وہ عبداللہ اور رسول اللہ ہے۔ اس آیت میں منکرین کیلئے تخویف اخری بھی بیان ہوئی ہے بِمِنْ مَّشْهَدِ: اس میں اشارہ ہے کہ ان کی ہلاکت اس دن یقینی ہوگی جب قیامت کا دن حاضر ہو جائے گا: مِنْ مَّشْهَدِ: مصدر میمی ہے جس میں حضور کا معنیٰ ہے یا اسم ظرف ہے اور یَوْمٍ: کی طرف اس کی اضافت بیانیہ ہے اور قیامت کو مَشْهَدْ: اسلئے کہا گیا ہے کہ اس دن شہادتیں ہونگی۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

"جس روز یہ ہمارے پاس آئیں گے اس دن یہ کتنے سننے اور دیکھنے والے بن جائیں گے۔ لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں" [38]۔

تفسیر 38 اس آیت میں بھی تخویف اخروی یعنی خوف ولا یا پھر وعید ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ خوب سنیں گے اور دیکھیں گے وہ کچھ جس سے یہ آج انکار کرتے ہیں مگر قیامت والے دن سننا اور دیکھنا ان کو کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ جیسا کہ سورۃ سجدہ آیت 12 میں ہے: فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ: یعنی دنیا میں حق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے جو ان کی گمراہی کیلئے سبب بنا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ: فعل کا صیغہ ہیں جو مبالغہ پر دلیل ہے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۹﴾

"ان کو اس دن سے ڈرا دیجئے جس میں افسوس کریں گے جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا جبکہ یہ لوگ اس سے غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے" [39]۔

تفسیر 39 اس آیت میں بھی تخویف اخروی ہے اور پھر وعید ذکر ہوا ہے: يَوْمَ الْحَسْرَةِ: اس نام کی وجہ یہ ہے کہ منکرین اس دن افسوس حسرت ندامت کریں گے کہ کاش افسوس ہم توحید کو مان لیتے جیسا کہ سورۃ حجر آیت 2 میں ہے اور اتباع رسول نہ کرنے کا افسوس کرینگے جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 27 میں ہے اور آخرت کی تیاری نہ کرنے کا افسوس کریں گے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 31 میں ہے اور قرآن کے نہ ماننے کا افسوس کریں گے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 27 میں ہے: اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ: مقدر عبارت اس طرح ہے: يَحْشُرُوْنَ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ:

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع

"یقیناً زمین اور جو کچھ اس پر رہتے ہیں اس کے ہم ہی آخری وارث ہے اور ہماری طرف ہی یہ سب لوٹائے جائیں گے" [40]۔

تفسیر 40 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے تصرف کا بیان ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے سوا سارا عالم فنا ہونے والا ہے اور یہ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ : یعنی اللہ تعالیٰ ہی انصاف کا فیصلہ کر سکتا ہے اسلئے کہ وہ مالک ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿٤١﴾

"اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بطور نصیحت ابراہیم علیہ السلام کا حال بیان کر، یقیناوہ سچے پیغمبر تھے" [41]۔

تفسیر 41 یہ تیسرا واقعہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے اور اس میں ایک اشکال کا ازالہ ہے۔ شبہ یہ تھا کہ مشرکین نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو اتنا مقرب تھا کہ اس کو تصرفات سونپ دیئے تھے۔ اس وجہ سے مشرکین مکہ نے ابراہیم علیہ السلام کی مورتی (صورت) بنا کر کعبہ اللہ میں رکھی تھی اور اس کے ہاتھ میں ازلام (تیر) دیتے تھے۔ اشارہ ہے کہ یہ انسانوں کی قسمت میں مبدل تصرف کر سکتا ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے تو اس عقیدہ توحید کی وجہ سے اپنے سگے والد سے برأت کی تھی لہٰذا کس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے تھے اور اس کے محتاج بندے تھے۔ فِي الْكِتَابِ: اس میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کا بھی بیان حق میں لحاظ نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس نے جھوٹ بولا ہے نیز: ثَلَاثُ كَذِبَاتٍ: جو بخاری کی روایت میں درج ہے وہ تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ وہ توریہ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3352)

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾

"یاد کرو جب انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! آپ ایسی چیزوں کی کیوں عبادت کرتے جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام کر سکتی ہیں" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں نرمی اور شفقت سے والد کو دعوت دینے کا ذکر ہے اور اس سے غیر اللہ کی بندگی پر دلیل کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اس آیت میں معبود بالحق کی صفات کا ذکر ہیں اور غیر اللہ سے ان صفات کی نفی کی گئی ہے۔ اور وہ تین صفات یہ ہیں 1 ہر چیز کا سننا۔ 2 ہر چیز کو دیکھنا 3 اور ہر قسم کی مصیبت کو دور کرنے پر قادر ہونا۔ جبکہ یہ تین صفات کسی بھی غیر اللہ میں نہیں

ہیں خواہ نبی ولی، جن، بت، زندہ ہو یا مردہ ہو۔ اور اس میں ترتیب اس طرح ہے کہ اول سننا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے توجہ پیدا ہوتی ہے دوم دیکھنا متوجہ ہوکر دیکھتا ہے تو سوم مشکل کشائی حاجت روائی کرنی ہے۔

يَٰٓأَبَتِ إِنِّي قَدْ جَآءَنِي مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَٱتَّبِعْنِيٓ أَهْدِكَ صِرَٰطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾

"ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے اسلئے میری بات مان لیجئے میں تجھے سیدھا راستہ بتلاؤں گا"[43]۔

تفسیر 43 توحید کے بیان کے بعد اب اس آیت میں اتباع رسول کی طرف دعوت کا ذکر ہے۔ چونکہ شبہ ہوسکتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام والد کو اپنی پیروی کا حکم دیتا ہے جو کہ بظاہر بے ادبی ہے تو پہلے اس کی علت بیان کی ہے کہ: قَدْ جَآءَنِي مِنَ ٱلْعِلْمِ: مجھے وحی آئی ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نبی کی اتباع میں صراط مستقیم کی ہدایت منحصر ہے۔

يَٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

"ابا جان! شیطان کی عبادت نہ کیجئے یقین جانئے کہ شیطان رحمن کا نافرمان ہے"[44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں شیطان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے خواہ انسی ہو یا جنی ہو اسلئے کہ وہ اتباع توحید وسنت سے منع کرتا ہے جیسا کہ پہلے ذکر گزر گیا ہے۔ اس آیت میں عبادت اطاعت کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۃ یٰس آیت 60 میں ہے۔ اشارہ ہے کہ حلال وحرام میں بغیر دلیل کے غیر اللہ کی پیروی کرنا اصل میں اس کی عبادت ہے: عَصِيًّا: اس میں اشارہ ہے کسی بھی نافرمان کی اطاعت نافرمانی میں جائز نہیں ہے۔

يَٰٓأَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ ٱلرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾

"ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ رحمن کی جانب سے آپ کو عذاب نہ آ پکڑے جس کی وجہ سے آپ شیطان کے ساتھی بن جاؤ گے"[45]۔

تفسیر 45 "إِن يَمَسَّكَ: مس سے مراد پیوست منسلک ہو جانا ہے جو کہ ہمیشہ کیلئے ہوگا: وَلِيًّا: شیطان تو دوستوں کی مدد نہیں کرسکتا ہے تو یہ ولایت اس کا بے فائدہ ہے۔ اس آیت میں عذاب سے تخویف بھی ہے اور شیطان کی اطاعت سے منع کرنے کی علت بھی ہے جو سابقہ آیت میں مذکور ہے۔ ان چار آیتوں میں دعوت کا طریقہ اور ترتیب ذکر کی گئی ہے۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝

"ان کے والد نے کہا ابراہیم علیہ السلام! کیا تم میرے معبودوں سے منہ پھیرتے ہو؟ یاد رکھو اگر تم باز نہیں آئے تو میں تجھے سنگسار کردوں گا۔ اور تم ہمیشہ کیلئے مجھ سے دور ہو جاؤ" [46].

تفسیر 46 اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام پر والد کے تشدد کا ذکر ہوا ہے۔ اول ڈانٹ دوم مارنے کی دھمکی سوم گھر سے نکال دینا ہے: اٰلِهَتِیْ: اس میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد کئی معبودوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ بھی اس کی کاریگری تھی کہ اوروں کیلئے بھی بت بناتے تھے او شرک کا داعی تھا۔ یعنی ضال اور مضل تھے خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے: لَاَرْجُمَنَّكَ: ایک معنی یہ ہے کہ پتھروں سے تجھے ماردوں گا اور دوسرا معنی گالی گلوچ ہے مَلِیًّا: بہت عرصہ ہمیشہ یا: سَالِمًا: یعنی سالم مجھ سے دور ہو جاؤ تا کہ مجھ سے تمہیں تکلیف نہ پہنچ پائے۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝

"ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں تجھے جدائی کا سلام پیش کرتا ہوں میں اپنے رب سے تیری بخشش کی دعا کروں گا یقیناً وہ مجھ پر بہت مہربان ہے" [47].

تفسیر 47 اس آیت میں اشارہ ہے کہ تشدد کے مقابل ابراہیم علیہ السلام نے نرمی کا مظاہرہ کیا ہے اور یہاں سلام تحیہ سلامتی والا نہیں بلکہ چھوڑنے براءت والا اسلام ہے حسن اخلاق سے جدائی مراد ہے۔ کافر پر سلام کی ابتدا اتفاقی طور پر منع ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ میں آپ سے خیر وامن کے ساتھ علیحدگی چاہتا ہوں یہ نیک لوگوں کا طریقہ ہے جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 63 سورۃ قصص آیت 55 میں ہے اور سلام کے اقسام سوۃ انعام آیت 54 میں گزرے ہیں: سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ: اس کی تفسیر سورۃ توبہ آیت 114 میں گزر گئی ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝

"میں آپ لوگوں سے بھی الگ ہوتا ہوں اور اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم عبادت کرتے اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں مجھے پوری امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر نامراد نہیں ہوں گا" [48].

تفسیر 48 اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کا مشرکین اور ان کے معبودوں اور شرک کے طریقوں سے براءت کا ذکر ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ موحد انسان پر لازم ہے کہ دعوت توحید کے ساتھ مشرکین اور ان کے شرکیہ طریقوں سے براءت بھی

کریں نیز أَدْعُوْ رَبِّيْ: اس میں والد کیلئے استغفار بطور دعا مراد ہے۔ یا اس سے اولاد کیلئے دعا مراد ہے کہ وہ والد کیلئے دعوت توحید میں معاون ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ صافات 100 میں ہے۔ یا عام دعا مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی مانگی جاسکتی ۔اس سے معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے برائت والد سے عقوق یعنی نافرمانی کا سبب نہیں ہے۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

"اور جب وہ ان سے اور ان کے معبودوں سے جن کو وہ پکارا کرتے تھے الگ ہو گئے تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان میں سے ہر ایک کو نبی بنایا [49]۔ اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور انہیں اونچے درجے کی نیک نامی عطاء کی" [50]۔

تفسیر 49۔ 50 اللہ تعالیٰ کیلئے برأت کی وجہ سے ان پر چار انعامات کا ذکر کیا ہے۔ (۱) اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا عطاء فرمانے اور اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا اسلئے کہ وہ بچپن میں والد سے جدا ہوا تھا بعد میں مستقل اسکا ذکر کرتے ہیں۔ (۲) ان کو نبوت سے نوازا گیا ان کی مدح وثنا ان کا نیک تذکرہ بعد والوں میں جاری رکھنا: عَلِيًّا: اس میں اس نیک نامی کی طرف اشارہ ہے جو سارے ادیان اور مذاہب میں یکساں مشترک ہے۔ معلوم ہوا کہ شرک اور اہل شرک سے بیزاری پر بہت انعامات ملتے ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوسٰىٓ ۘ إِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَحْمَتِنَآ أَخَاهُ هٰرُونَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

"اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کرو یقیناً وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے رسول اور نبی تھے [51]۔ ہم نے اس کو کوہ طور کے دائیں جانب سے پکارا تھا اور انہیں اپنا رازدار بنا کر قرب عطا کیا تھا [52]۔ اور ہم نے ان کے بھائی ھارون کو نبی بنا کر اپنی رحمت سے ایک مددگار عطا کیا" [53]۔

تفسیر 51 سے 53 یہ چوتھے شبہے کا جواب ہے۔ مشرکین نے موسیٰ علیہ السلام کے کثرت معجزات سے دلیل لی تھی کہ وہ

تصرفات کے مالک ہے یعنی اختیارات میں اللہ تعالی کے ساتھ حصہ دار شریک ہے۔ جواب دیا گیا کہ وہ تمام معجزات وکمالات میں اللہ تعالی کا محتاج تھا اور اس پر دلالت کیلئے کلمہ (دا) استعمال کیا گیا ہے۔ اور ان آیتوں میں موسیٰ علیہ السلام کے چھ کمالات وصفات ذکر کیئے گئے ہیں: مُخْلَصًا؛ چنا گیا اور گناہوں سے پاک رکھا گیا اس میں عصمت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے: رَسُوْلًا نَّبِيًّا: ان دونوں صفتوں میں نسبتی فرق ہے یعنی رسول اللہ تعالی کی طرف سے بھیجا گیا اور نبی مخلوق کی طرف خبر لانے والا: مِنْ رَّحْمَتِنَا: یعنی اس کی دعا کو بھائی کے بارے میں قبول کرنا اللہ تعالی کی رحمت ہے اور اس میں اللہ تعالی پر مخلوق کا کوئی جبر نہیں تھا: اَلْاَيْمَنِ: یہ جانب کی صفت ہے: نَجِيًّا: یہ مفرد صیغہ ہے اور مراد اس سے صاحب نجویٰ ہے یعنی رازدار: وَنَادَيْنٰهُ: سورۃ طٰہٰ میں اس کی تفصیل آئے گی۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ ۚ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

"اور اس کتاب میں اسماعیل علیہ السلام کا بھی تذکرہ کرو یقیناً وہ وعدے کے سچے تھے رسول اور نبی تھے [54]۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو بھی نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھے" [55]۔

تفسیر 54-55 اس آیت میں پانچویں شبہ کا جواب ہے۔ مشرکین مکہ اسماعیل علیہ السلام کو بھی حاجت روا و مشکل کشا تصور کرتے تھے اور اس کی مورتی بنا کر کعبہ میں رکھی تھی اور اپنی قسمت کو معلوم کرنے کیلئے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ میں دیئے ہوئے تیروں کو نکال کر استعمال کرتے تھے۔ تفصیل صحیح بخاری میں موجود ہے کتاب احادیث الانبیاء۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ اسماعیل علیہ السلام قسمتوں کا مالک اور متصرف ہے تو ان کے اشکال کا ازالہ پانچ صفات سے کیا گیا ہے کہ وہ کمزور محتاج بندے تھے: صَادِقَ الْوَعْدِ: وعدوں کی پاسداری تمام نبیوں کی صفات میں سے ہے لیکن بعض واقعات کی وجہ سے یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی خصوصیت ہے جیسے باپ کے ساتھ وعدہ: صَبُوْرٌ عَلَى الذَّبْحِ: اسطرح ایک شخص کے ساتھ وعدہ کرنا اور اس جگہ میں تین دن تک اسکا انتظار کرنا یہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ (ابو داؤد کتاب الادب حدیث 4996، شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے): رَسُوْلًا نَّبِيًّا: یہ دلیل ہے کہ رسول کے ساتھ نئی کتاب کا موجود ہونا، ضروری نہیں ہے لیکن جب وحی کی تبلیغ کرنے پر مکلف ہو تو رسول ہے اور اسماعیل علیہ السلام کو اسحٰق پر لفظ رسول کی وجہ سے درجہ میں فوقیت حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ اسحاق علیہ السلام کی صفت میں رسول نہیں کہا گیا ہے: وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ: اس سے مراد انکی پوری امت ہے اور وہ بنو جرھم قبیلہ تھا جن کی طرف انہیں رسول بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اس میں اشارہ ہے کہ عبادت الٰہی کی طرف دعوت دینے کا بہت ہی شوق رکھتے تھے۔ اور اس میں مشغول رہتے تھے: مَرْضِيًّا: اس میں ان کے اچھے اخلاق کی طرف اشارہ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

”اور اس کتاب میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو یقیناوہ سچائی کے خوگر نبی تھے [56]۔ اور ہم نے انہیں رفعت دے کر بلندی پر فائز کیا تھا“ [57]۔

تفسیر 56، 57 اس میں چھٹے شبہے کا جواب ہے کیونکہ ادریس علیہ السلام کے متعلق یہودیوں نے جھوٹ پر مبنی قصے مشہور کئے تھے۔ مشرکین صوفیوں نے مشہور کیا ہے کہ ادریس علیہ السلام الیاس علیہ السلام ہیں اور خشکی پر لوگوں کی مدد و نصرت کیلئے مقرر ہیں جیسا کہ بقول ان کے خضر علیہ السلام سمندروں کیلئے مقرر ہے ان قصوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ متصرف صاحب قدرت ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان میں عبدیت بندگی کی صفات (صدیقیت نبوت) تھیں اور مرتبہ کی بلندی میں اللہ کے محتاج تھے: وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا: اس سے مراد اللہ کے نزدیک مرتبہ کی بلندی ہے اور اس کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے ۔ یا اس سے مراد معراج کی رات چوتھے آسمان پر نبی اکرم ﷺ کی ان سے ملاقات ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی حدیث 3207 و 3887، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 164 265، ترمذی حدیث 3346)۔ اور اس کے علاوہ دیگر قصے یعنی ملائک کے ساتھ جنت جانا اور پھر وہاں رہنا وغیرہ اسرائیلیات میں سے ہیں۔

فائدہ: قرآن مجید کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ادریس علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبی گزرے ہیں۔ نیز یہ جو معروف ہے کہ تیسری پشت میں نوح علیہ السلام کے دادا گزرے ہیں اور اس کا نام اخنوخ تھا یہ بات درست نہیں ہے۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

"آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے یہ وہ نبی ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور ان میں سے کچھ ان لوگوں کی اولاد میں سے جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور کچھ ابراہیم واسرائیل یعقوب علیہ السلام کے اولاد میں سے ہیں اور یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور دین کیلئے منتخب کیا تھا۔ جب ان پر رحمن کی آیتیں تلاوت کی جا تی ہیں تو یہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے" [58].

تفسیر 58 اس آیت میں سورۃ کے دعویٰ عنوان کا ذکر ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اللہ کے بندے اور محتاج تھے۔ یعنی یہ انعام، ہدایت، کشتی کی سواری میں اور بندوں میں سے چنے جانے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے نیز عاجز تھے کیونکہ اولاد والے تھے باپ دادا والے تھے۔ عبدیت یعنی اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے تھے۔ رب کے سامنے رویا کرتے تھے۔ اس آیت میں چار نبیوں کے نام اس وجہ سے ذکر کئے ہیں کہ یہ آباء یعنی انبیاء کے باپ تھے۔ آدم علیہ السلام اب اول اور نوح علیہ السلام سارے انسانوں کے اب ثانی جبکہ ابراہیم اور اسرائیل علیہم السلام انبیاء کرام کے آباء ہیں: أَنْعَمَ: میں نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ اور: هَدَيْنَا: میں توحید کی طرف اشارہ ہے: وَاجْتَبَيْنَا: میں دیگر اور صفات کی طرف اشارہ ہے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

"پھر ان کے بعد ان کی جگہ ایسے لوگ آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور اپنی خواہش کے تابع ہو گئے چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آجائے گی" [59]۔

تفسیر 59 اس آیت میں بھی ایک اشکال کا ازالہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے واقعات سے معلوم ہوا کہ توحید کا دین صحیح ہے تو اس کے متقابل ومخالف ادیان کیسے پیدا ہوئے؟ جواب ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد نا اہل لوگ پیدا ہو گئے انہوں نے نبیوں کے دین کو بگاڑا، اور بربادی دو طریقوں سے کی ہے پہلا طریقہ: أَضَاعُوا الصَّلَاةَ: اس سے کل دین برباد کرنا مراد ہے کیونکہ صلوۃ کی بربادی سے کل دین کی بربادی آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے انبیا کرام کا طریقہ چھوڑ دیا تھا: وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ: مقصد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہش کا دین بنا رکھا تھا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ وہ توحید وسنت کو

چھوڑ کر شرک و بدعت فسق و فجور کے پیچھے چل پڑے تھے: خَلْفٌ: لام کے سکون سے پڑھو تو نااہل جانشین مراد ہے غَيًّا: یہ جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی کا نام ہے جسکی شدت گرمی سے جہنم کے دوسرے حصے پناہ مانگتے تھے۔ یا گمراہی اور سرکشی کے معنیٰ میں ہے تو مراد: جَزَآءَ الْغَيِّ ہے یا تیسرا معنیٰ خسران کا ہے۔ فائدہ: سورۃ اعراف آیت 169 میں بنی اسرائیل کے نااہل مولویوں کا ذکر تھا جن کی گمراہی کا سبب دنیا کی محبت تھی اور اس آیت میں عام جاہلوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے دین کو ضائع کیا ہے اور سبب جہالت اور خواہشات کی پیروی ہے: أَضَاعُوا الصَّلَاةَ: نماز کی بربادی عام ہے چھوڑ دینا اور بے وقت ادا کرنا۔ ارکان میں تعدیل نہ کرنا۔ یہ سب نقصان اور ضائع کرنا ہے۔ حسن بصری سے نقل ہے کہ نمازوں کے پابندی چھوڑ کر کاشت کاری کے پیچھے لگ جاتے۔ یہ سب ضائع کرنے والے ہیں۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿٦١﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۖ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿٦٢﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾

"البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھی ظلم نہ ہوگا [60]۔ ایسے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہیں جن کا رحمن نے اپنے بندوں کے ساتھ ان کے دیکھے بغیر وعدہ کیا ہے یقیناً ان کا وعدہ ایسا ہے کہ یہ اس تک ضرور پہنچیں گے [61]۔ وہ ان میں سلام کے سوا لغویات نہیں سنیں گے اور وہاں ان کا رزق ان کو صبح و شام ملا کریگا [62]۔ یہ ہے وہ جنت جس کے وارث ہم اپنے ان بندوں کو بناتے ہیں جو متقی ہوں" [63]۔

تفسیر 60 تا 63 اس آیت میں اشارہ ہے کہ انبیا کرام کے بعد صالحین بھی آئے ہیں جن کی صفات بیان کی ہیں اور ان کے لئے جنت کے سات احوال کے ساتھ خوشخبری دی ہے: إِلَّا سَلَامًا: یہ استثنیٰ منقطع ہے یعنی: لٰكِنْ يَسْمَعُوْنَ سَلَامًا: اور اس سے ملائک اور اللہ تعالیٰ کا سلام مراد ہے۔ یعنی جنت میں محبوب پسندیدہ کلام سنیں گے: بُكْرَةً وَّعَشِيًّا: ہمیشگی اور دوام کے معنیٰ میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ واقعہ آیت 33 میں ذکر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ رات و دن کی مقدار مراد ہے کیونکہ جنت میں بکرۃ اور عشیا نہیں ہے اور آخر میں جنت کے استحقاق کا سبب ذکر کیا ہے کہ وہ تقویٰ (اللہ کا ڈر) ہے یعنی جنت کا اگر کوئی حقدار بننا چاہتا ہے تو تقویٰ اختیار کرے۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

"اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور تمہارا رب ایسا نہیں جو بھول جایا کرے [64]۔ وہ آسمانوں وزمین کا بھی مالک ہے اور جو مخلوق ان کے درمیان میں ہیں ان کا بھی لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر جمے رہو کیا تمہارے علم میں کوئی اور بھی ایسا ہے جو اس جیسی صفات رکھتا ہو" [65]۔

خلاصہ: ان دو آیتوں میں اس سورۃ کا دوسرا باب ہے اس میں ملائکہ کی عاجزی ثابت کی ہے۔ اور تمام حالتوں میں ان کی محتاجی بیان کی ہے یہاں تک کہ زمین پر اترنے کا بھی اختیار نہیں ہے اور رد شرک فی العبادۃ ہے اور رد شرک بالملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 64-65 یہ آیت جبرائیل علیہ السلام کے قول کی حکایت ہے یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ آپ ہمارے پاس اس سے زیادہ بار کیوں نہیں آتے ہو: مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا: (ترمذی حدیث 3158، امام البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے)۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ربط یہ ہے کہ یہ گزشتہ کلام سچ ہے اسے جبرئیل علیہ السلام حکم الٰہی سے لائے ہے: لَهُ: یعنی تمام حالتوں کا علم اور تصرف اسی کو ہے: مَا بَيْنَ أَيْدِينَا: دنیاوی حالات مراد ہیں: وَمَا خَلْفَنَا: آخرت کے حالات اس سے مراد ہیں: وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ: دونوں صوروں کے درمیان بھی سب کچھ اسی کا ہے: سَمِيًّا: ابن کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رحمن نام سے مسمی نہیں ہوسکتا ہے۔ پھر توحید ربوبیت کے اثبات کے ذریعے توحید فی العبادۃ کی تفریع ہے: فَاعْبُدْهُ: توحید فی العبادۃ کا حکم ہوا ہے: وَاصْطَبِرْ: اس میں غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب اور اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ثابت قدمی کا ذکر ہے۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

"اور انسان یہ کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو واقعی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا" [66]۔

خلاصہ: اس آیت سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں 6 وعیدیں ذکر ہوئی ہیں پہلی وعید قیامت کے انکار پر ہے آیت 66، 67 میں پھر تخویف اخروی آیت 68 تا آیت 71 میں ذکر ہوا ہے۔ پھر آیت 72 میں خوشخبری ہے دوسری وعید

آیت 73 میں دنیا کے مال و دولت کے ذریعے قرآن کے مقابلے میں تکبر کی وجہ سے پھر دنیاوی عذاب کی وعید آیت 74-75 میں ہے۔ پھر آیت 76 میں خوشخبری ہے پھر تیسری وعید ہے جو شرک کے ارتکاب کے باوجود دنیوی عزت ان کو حاصل ہے اس کا ذکر آیت 77,78 میں ہے۔ پھر تخویف اخروی کا ذکر ہے آیت 79، 80 پھر چوتھی وعید ہے عزت و نصرت کی خاطر باطل معبود بنانے پر اور آیت 82 میں عذاب کا خوف ذکر ہوا ہے۔ پانچویں وعید شیطان کی پیروی پر ہے جو آیت 83، 84 میں ہے پھر آیت 85 میں خوشخبری ہے اور آیت 86 میں وعید ہے اور شفاعت جبریہ قہریہ پر آیت 87 میں رد ہے اور اِتِّخَاذُ الْوَلَدِ پر چھٹی وعید ہے۔ جو آیت 88 سے 92 تک ہے پھر سورۃ کا دعوی عنوان آیت 93، 94، 95 میں ذکر ہوا ہے۔ پھر آیت 96 میں خوشخبری ہے پھر قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے آیت 97 میں اور دنیوی عذاب کی دھمکی دی گئی ہے آیت 98 میں۔

تفسیر 66 اس آیت میں ان لوگوں کیلئے وعید ہے جو قیامت کے حیات سے منکر ہیں اور استفہام انکاری ہے ربط۔ یہ ہے کہ ابتداء سے مشرکین کے اس عقیدہ پر رد ہو رہا ہے تھا کہ وہ انبیاء و ملائک اللہ تعالی کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے تو اب مشرکین کے اس عقیدہ پر رد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حیات اخروی نہیں ہے۔

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

"کیا اس انسان کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ اس کو ہم نے شروع میں پیدا کیا تھا جب یہ کچھ بھی نہیں تھا" [67]۔

تفسیر 67 اس آیت میں قیامت سے انکار کے عقیدہ پر رد کیا گیا ہے اور پہلی حیات کو دوسری حیات کیلئے بطور ثبوت ذکر کیا ہے اور اسی طرح دلیل سورۃ اعراف آیت 29 اور سورۃ یس آیت 79 میں بھی موجود ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

"تو تمہارے رب کی قسم ہم ان کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکھٹا کریں گے پھر ان کو جہنم کے گرد اس طرح لے کر آئیں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے" [68]۔

تفسیر 68 اس آیت میں اثبات قیامت پر قسم ہے پھر آخرت کے عذاب پر وعید ہے۔ قیامت کے اثبات پر اللہ تعالی نے اپنی ذات پر چار مرتبہ قسم اٹھائی ہے۔ 1 سورۃ یونس آیت 53، 2 سورۃ سباء آیت 3، 2 سورۃ تغابن آیت 7 اور چوتھا مقام یہ ہے: وَالشَّيٰطِيْنَ: انسی اور جنی دونوں کیلئے ہیں: جِثِيًّا: بہت پریشانی و تکلیف سے زانوں کے بل بیٹھے ہونگے یا مراد

یہ ہے کہ اپنے باطل معبودوں کیلئے وہ اس طرح پڑے رہتے تھے یا: جِثِیًّا: جماعتوں کے معنیٰ میں ہے۔

ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ۞

"پھر ان کے ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو رحمن کے ساتھ سرکشی کرنے میں زیادہ سخت تھے" [69]۔

تفسیر 69 اس آیت میں بھی تخویف اخروی ہے: اَيُّهُمۡ اَشَدُّ: مراد وہ سرکش قسم لوگ ہیں جو خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔ یعنی ضالین و مضلین تھے۔

ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا ۞

"پھر ہم ہی ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس جہنم میں سب سے پہلے جھونکے جانے کے زیادہ مستحق ہیں" [70]۔

تفسیر 70 اس آیت میں بھی تخویف اخروی کا بیان ہے اور اس میں اہل شرک خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے مراد ہے اللہ تعالیٰ جہنم کے حقداروں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ۞

"اور تم میں سے کوئی نہیں جسکا دوزخ پر گزر نہ ہو۔ اس بات کا تمہارے رب نے حتمی فیصلہ کر رکھا ہے [71]۔ پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے" [72]۔

تفسیر 71، 72 یہ بھی تخویف اخروی ہے اور: وَارِدُهَا: میں توجیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ ہر مومن و مشرک کو جہنم میں داخل کیا جائے گا یعنی: وُرُوْدٌ دُخُوْلٌ: کے معنیٰ میں ہے۔ مومن کو بطور سیر اور مشرک کافر کو بطور عذاب پھر آیت 72 میں اس کی تفصیل ہے کہ ایمان والوں کو نکالا جائے گا اور ظالم اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس توجیہ میں: مِنۡكُمۡ: کا خطاب عام ہے جس میں مومن کافر مشرک سب مشترک ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ: وُرُوْدٌ: بمعنیٰ: مُرُوْرٌ: ہے یعنی تم سب جہنم پر گزرو گے اس میں بھی عام خطاب ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ: مِنۡكُمۡ: کا خطاب صرف کافروں کیلئے ہے: وُرُوْدٌ: بمعنیٰ دخول ہے اور: ثُمَّ تَعْقِيْبٌ: ذکری کیلئے ہے۔ چوتھی توجیہ یہ ہے کہ: وُرُوْدٌ: قرب اور اطلاع کے معنیٰ میں ہے یعنی تم سب جہنم کے متعلق مطلع کیے جاؤ گے: اَلَّذِيۡنَ اتَّقَوْا: آیت 63 میں بھی گزر گیا کہ جنت کا حصول تقویٰ سے ہوتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾

"اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر لوگ مؤمنوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کس کا مقام زیادہ بہتر ہے اور کس کی مجلس اچھی ہے" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں دوسری وعید ہے ان لوگوں کیلئے جو دنیا کو قرآن کے مقابل ترجیح دیتے ہوئے تکبر کرتے ہیں یعنی جب قرآن کی تلاوت ان پر کی جاتی ہے تو وہ دنیا کے مکانات اور مال و دولت بڑے مجالس اور ترقی والی دنیاوی اشیا کو اپنی حقانیت تصور کرتے ہیں۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِئْيًا ﴿٧٤﴾

"اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم کتنی نسلیں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے ظاہر ساز و سامان اور شکل و صورت میں ان سے کئی درجہ بہتر تھیں" [74]۔

تفسیر 74 اس آیت میں تخویف دنیوی ہے یعنی دنیا کے مال و دولت پر تکبر کیوں کرتے ہو؟ جبکہ دنیا کے بڑے سرمایہ کاروں کو ہم نے ہلاک کیا ہے کیونکہ دنیا تو سبب ہلاکت ہے؛ أَثَاثًا: گھر اور مجلس کے سامان اور کثرت مال کو بھی کہتے ہیں۔ وَرِئْيًا: شکل، صورت اور دکھلاوے کے سامان کو بھی کہتے ہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿٧٥﴾

"فرما دیجئے جو لوگ گمراہی میں پڑ گئے ہیں ان کیلئے مناسب یہی ہے کہ رحمن انہیں خوب ڈھیل دیتا رہے یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ چیز خود دیکھ لیں گے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے چاہے وہ عذاب ہو یا قیامت ہو تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ بد ترین مقام کس کا تھا اور لشکر کس کا زیادہ کمزور تھا" [75]۔

تفسیر 75 اس آیت میں اس علت کو بیان کیا گیا ہے کہ کافروں کو دنیا کی مال و دولت زینت اسلئے دیا گیا ہے کہ اس قسم کے گمراہوں کو اللہ تعالی ڈھیل دیتا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 178 سورۃ مؤمنون آیت 55 میں ہے۔ فَلْيَمْدُدْ: یہ امر خبر کے معنی میں ہے یعنی مہلت دیتا ہے یا دعا کے معنی میں ہے۔ امام ابن جریر نے کہا ہے کہ یہ مشرکین

سرکشوں اور مالداروں کے ساتھ مباہلہ ہے: شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا: یہ اس قول کے مقابل ہے کہ خَيْرٌ مَّقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا:

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۞

"اور جن لوگوں نے سیدھا راستہ اختیار کر لیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت میں مزید ترقی دیتا ہے اور جو نیک عمل باقی رہنے والے ہیں ان کا بدلہ بھی تمہارے رب کے پاس بہتر ملے گا اور ان کا انجام بھی بہتر ہوگا" [76]۔

تفسیر 76 اس آیت میں ان ایمان والوں کو خوشخبری دی گئی ہے جنکا ذکر آیت 73 میں ہوا ہے یعنی جو قرآن (آیات) بیان کرتے ہیں۔ اور یہ فَلْيَمْدُدْ: کے مقابل ہے یعنی ان کی سرکشی بڑھتی ہے اور ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے نیز یہ آیت ایمان کے بڑھنے پر دلیل ہے: وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ: اس طرح سورۃ کہف آیت 46 میں گزرا ہے وہاں پر: أَمَلًا: فرمایا تھا ان لوگوں کیلئے جو اپنے مالوں اور اولادوں سے نفع کی امید رکھتے ہیں اسلئے: أَمَلًا: فرمایا ہے اور یہاں یہ: شَرٌّ مَّكَانًا: کے مقابل ہے اور: مَرَدًّا: بھی جنت میں جگہ مکان ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۞

"کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے ہمارے آیتوں کے ماننے سے انکار کیا اور یہ کہا ہے کہ مجھے مال اور اولاد ضرور ملیں گی" [77]۔

تفسیر 77 یہ تیسری وعید ہے مال عزت وغیرہ حاصل کرنے پر یعنی کفار اور مشرکین کہتے تھے جیسا کہ عاص بن وائل اور اس کے ہمنواؤں نے کہا تھا کہ ہمارے اس شرکیہ عقیدہ پر قائم رہنے کی وجہ سے ہمارے ان معبودوں کی برکت سے دنیا و آخرت میں مال و ترقی حاصل ہوگی یعنی دنیا و آخرت میں شرک کو سبب عزت تصور کرتے ہیں۔

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۞

"کیا اس کو علم غیب کے ذریعے کوئی اطلاع حاصل ہوئی ہے یا رحمٰن سے اس نے نجات کیلئے پروانہ حاصل کیا ہے" [78]۔

تفسیر 78 اس آیت میں اس مشرک کے قول کا جواب ہے کہ کیا اس کو غیب کا علم حاصل ہے مراد یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا: أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا: اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ نجات دینے کا کوئی وعدہ کیا گیا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ کیا اس کا عقیدہ توحید کا ہے جو ذریعہ جنت ہے۔

كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

"ہرگز نہیں جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اسے بھی لکھتے ہیں اور اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے"[79]۔

تفسیر 79 اس آیت میں وعید اور خوف ذکر ہوا ہے۔ لفظ: کَلَّا: قرآن مجید میں۔ 33 مرتبہ نصف قرآن کے بعد آیا ہے اور ان میں سے یہ پہلا مقام ہے۔ اس کے معنی ہیں: حَقًّا: اور کبھی ردع (جھڑکنے) کے معنی میں آتا ہے، یہاں اسی معنی میں ہے: سَنَكْتُبُ: اس میں س برائے تاکید ہے اور اس سے مراد ملائکہ کا لکھنا ہے: مَا يَقُولُ: اس سے مراد وہ قول ہے جو آیت 77 میں ذکر ہوا ہے۔

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

"اور جس مال اولاد کا یہ حوالہ دیتا ہے اس کے بھی ہم مالک ہیں اور یہ ہمارے پاس تن تنہا آئے گا"[80]۔

تفسیر 80 اس آیت میں تخویف اخروی ہے: مَا يَقُولُ: اس سے وہ مال اولاد مراد ہے جس کے باقی رہنے کا وہ دعویٰ کر رہے تھے۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

"اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ماسوا معبود اسلئے بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے مددگار بنے"[81]۔

تفسیر 81 اس آیت میں چوتھی وعید ان لوگوں کو دی گئی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں تاکہ انکی مدد کریں۔ عِزًّا۔ دنیا و آخرت میں نصرت و مدد کا سبب بنے۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

"ہرگز نہیں وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور ہو جائیں گے ان کے مخالف"[82]۔

تفسیر 82 کَلَّا: برائے: رَدَع: ہے تو معنی یہ ہوا کہ ہرگز وہ ان کے مددگار نہیں ہو سکتے ہیں: سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ: اس میں دو توجیہات ہیں پہلی یہ ہے کہ جو معبود انہوں نے بنا رکھے تھے وہ ان کی بندگی سے انکار کر لیں گے اور قیامت کے دن ان کے مخالف بیان دیں گے۔ جیسا کہ سورۃ یونس آیت 28 سورہ قصص آیت 63،64 سورۃ غافر آیت 76 میں ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ: سَيَكْفُرُونَ: کا ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یعنی مشرکین معبودان باطلہ سے جو

انہوں نے بنا رکھے تھے ان کی عبادت سے انکار کر لیں گے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 33 سورۃ النحل 35 میں ہے لیکن پہلی توجیہ بہتر ہے۔ آیتیں ان لوگوں کے متعلق ہیں جنہوں نے انبیا کرام، وملائک کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہے: سَيَكْفُرُونَ: کفر انکار کے معنیٰ میں ہے یعنی لغوی معنیٰ پر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

"اے نبی! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کافروں پر ہم نے شیاطین کو چھوڑ رکھا ہے جو انہیں مسلسل برائی پر اکساتے ہیں" [83]۔

تفسیر 83 اس آیت میں شیاطین کی پیروی پر پانچویں وعید ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر شیاطین انسی وجنی کو مسلط کیا ہے جو ان کو شرک اور گناہوں پر ابھاتے رہتے ہیں اور ان کو موحدین کے خلاف غصہ دلاتے ہیں: تَؤُزُّهُمْ: ابھارتے ہیں ان کو شرک کرنے پر اور ان کو ہانڈی ابالنے کی طرح جوش دلا کر ابالتے ہیں گناہوں کی طرف ان کو کھینچ لاتے ہیں: اَزًّا: یہ لفظ: اَزِيْزُ الْمِرْجَلِ: سے لیا گیا ہے یعنی ہانڈی جب جوش مارتی ہے۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

"لہٰذا آپ ان کے معاملے میں جلدی مت کرو ہم تو ان کیلئے گنتی گن رہے ہیں" [84]۔

تفسیر 84 اس آیت میں پہلے تسلی دی گئی ہے نبی کریم ﷺ اور اہل حق کو پھر اس میں وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایک سانس گن رہا ہے اور اسی طرح لوگوں کے اعمال بھی گن رہا ہے: فَلَا تَعْجَلْ: یعنی ان کیلئے عذاب طلب کرنے میں عجلت سے کام مت لینا۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

"جس دن ہم سارے متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کر دیں گے" [85]۔

تفسیر 85 اس آیت میں خوشخبری ہے: وَفْدًا: یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے اور بہترین سواریوں پر سوار ہوں گے۔

وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

"اور مجرمین کو پیاسے جانوروں کی طرح ہانک کر جہنم کی طرف لے جائیں گے" [86]۔

تفسیر 86 اس آیت میں آخرت کا خوف ذکر ہوا ہے اور: وِرْدًا: سے پیاسے پیدل (بغیر سواری) ننگے پاؤں گروہ گروہ آنا

مراد ہے۔

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

"لوگوں کو کسی کی سفارش کرنے کا اختیار بھی نہ ہوگا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے رحمن ذات سے کوئی عہد لیا ہو" [87]۔

تفسیر 87 اس آیت میں شفاعت شرکیہ قہریہ پر رد ہے۔ اس میں پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ مجرمین کسی کیلئے شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ البتہ جن لوگوں نے توحید کا عہد حاصل کیا ہے وہ شفاعت کر سکتے ہیں۔ اس توجیہ میں: لَا يَمْلِكُوْنَ: کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے اور استثناء منقطع ہے اور وہ: شَفِيْع: کا استثنا ہے دوسری توجیہ کہ اختیار نہیں رکھتا ہے کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ سے شفاعت کا مگر موحدین اختیار رکھتے ہیں اس توجیہ میں: لَا يَمْلِكُوْنَ: کی ضمیر عام ہے باطل معبودوں مجرمین اور متقین سب کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ پہلے دونوں ذکر ہوئے ہیں اور استثنا متصل ہے اور استثنا شَفِيْع کی ہے۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ متقی لوگ کسی کی شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر ان کیلئے جو اہل توحید ہونگے۔ اس توجیہ میں ضمیر متقین کی طرف راجع ہے۔ اور: مَنِ: میں حرف: لام: مقدر ہے اور استثنا مشفوع: لَهٗ: کیلئے ہے۔ اور: عَهْدًا: سے مراد پہلی توجیہ کے مطابق: اِذن: یعنی اجازت ہے اور باقی توجیہات کے مطابق توحید ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمن کی اولاد ہے [88]۔ یقیناً تم ایک سنگین بھاری بات زبان پر لائے ہو [89]۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں [90]۔ کہ ان لوگوں نے رحمن کیلئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے" [91]۔

تفسیر 88 تا 91 ان آیات میں چھٹی وعید ہے جس کا سبب اللہ تعالیٰ کی طرف ولد کی نسبت ہے اور اس عقیدہ کی سخت برائی بیان کی ہے۔ پہلے یہ کہ: اِدًّا: جس کے معنی بہت برا ہے۔ یا بہت وزنی ہے۔ اس بات کا برا اثر آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر ہے اس سے مراد ان چیزوں کا فنا ہونا اور قیامت قائم ہونا ہے۔ لیکن اسلئے فنا نہیں ہوتے کہ عالم میں توحید کا کلمہ باقی ہے۔ اور حدیث بخاری میں مذکور ہے۔ (صحیح بخاری حدیث، صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 148، ترمذی حدیث 2207) کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین پر توحید کا کلمہ موجود ہو اور اس آیت میں اشارہ ہے کہ شرک سارے

عالم کیلئے سبب فساد ہے :اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا: اس کے دو معانی ہے۔ایک معنی یہ ہے کہ :دَعَوْا: نسبت کے معنی میں ہے یعنی رحمٰن کی طرف ولد کی نسبت کرتے ہیں دوسرا معنی یہ ہے کہ مدد طلب کرتے ہیں اس سے جس کو اللہ کا ولد قرار دیتے ہیں اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ولد قرار دینا گالی دینے کے مترادف ہے۔(صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4482)

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

"حالانکہ رحمن کی یہ شان نہیں کہ اس کی کوئی اولاد ہو"[92]۔

تفسیر 92 "مَا يَنْبَغِيْ: کا لفظ اس عمل میں استعمال ہوتا ہے جس کا نا جائز ہونا واضح ہو۔اور لفظ :لِلرَّحْمٰنِ: دلالت کرتا ہے کہ اسے اولاد کی حاجت نہیں۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾

"آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں جو رحمن کی بندگی نہ کرتا ہو"[93]۔

تفسیر 93 اس آیت میں :مَا يَنْبَغِيْ: کی علت بیان ہو رہی ہے۔اور اس آیت میں سورۃ کا عنوان دعویٰ بھی ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام و اولیاء کرام رحمہم اللہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے سامنے عاجز ہیں۔اور اسی اللہ ہی کی بندگی میں مصروف ہیں لہٰذا وہ ولد نہیں ہو سکتے۔اٰتِي سے دنیا یا آخرت مراد ہے البتہ دنیا کا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾

"یقیناً اس نے سب کا احاطہ کیا ہوا ہے اور انہیں اچھی طرح گن رکھا ہے"[94]۔

تفسیر 94 اس آیت میں اشارہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے احاطے میں ہے اور ان کے جزیات کا بھی علم رکھتا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

"اور قیامت کے دن ان میں سے ایک ایک فرد اس کے پاس اکیلا آئے گا"[95]۔

تفسیر 95 اس آیت میں بھی ان کی عاجزی قیامت کے دن بیان ہوئی ہے :فَرْدًا: یعنی مال اور مددگار وغیرہ اس کے پاس نہیں ہونگے تن تنہا رب کے سامنے کھڑے ہونگے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾

"البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں رحمن ان کیلئے (نیک لوگوں کیلئے) دلوں میں محبت پیدا کر دیں گے" [96]۔

تفسیر 96 اس آیت میں دنیاوی خوشخبری ہے جب: وُدًّا: سے محبت مراد ہو۔ یعنی صالحین کے دلوں میں محبت پیدا فرما دیگا۔ حدیث میں ہے کہ جس بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو بلا لیتا ہے اور اسے فرما دیتا ہے کہ فلاں سے محبت کرو میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔ آسمان والوں کو اعلان کیا جاتا ہے پھر زمین والوں میں اس کی محبت کو پیدا کیا جاتا ہے لہٰذا صالحین کے دلوں میں اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الوحی حدیث 3209، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ حدیث 2637، کتاب التفسیر حدیث 3161، احمد 267/2)۔ پھر آخرت کی خوشخبری ہے۔ اور: وُدًّا: سے جنت مراد ہے یعنی مقام محبت ہے۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾

"چنانچہ اے نبی! اس قرآن کو آپ کی زبان میں ہم نے آسان بنا دیا ہے کہ آپ اس کے ذریعے متقی لوگوں کو خوشخبری اور اس کے ذریعے جھگڑالو قوم کو ڈرائیں" [97]۔

تفسیر 97 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے تاکہ ورجہ: وُدّ: حاصل ہو جائے اور آیت کا تعلق سورۃ کے ابتدا سے ہے: بِلِسَانِكَ: عربی لغت یا صرف زبان مصطفی ﷺ مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ تلاوت قرآن میں غلطی نہیں کرتے تھے: لُدًّا: أَلَدّ: کی جمع ہے سخت جھگڑالو حق راستے سے بھاگے ہوئے: كَذَّاب: یعنی انتہائی جھوٹا۔ یہ سب معنی مراد ہیں اس کا اول مصداق سورۃ کہف آیت 4 میں ذکر ہوا ہے۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع

"ان سے پہلے ہم کتنے ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں کیا تمہیں ٹٹولنے سے بھی ان میں سے کسی کا پتہ ملتا ہے یا ان میں سے کسی کی آہٹ بھی تمہیں سنائی دیتی ہے" [98]۔

تفسیر 98 اس آیت میں دنیاوی عذاب کا خوف ہے۔ جس میں جھٹلانے والی قوموں کی ہلاکت کا اجمالاً ذکر ہے اور اس کا سبب قرآن سے اعراض ہے: رِكْزًا: رفتار کے وقت قدموں کی جو آواز نکلتی ہے اسے رکز کہا جاتا ہے۔

سورۃ مریم کی خصوصیات:

۱۔ زکریا علیہ السلام کے واقعے کی تفصیل۔

۲۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ولادت کی تفصیل۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو محبت بھرے لہجے میں نصیحت۔

۴۔ ان لوگوں کا تذکرہ جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا۔

۵۔ کثرت سے وعیدیں۔

۶۔ اللہ کے لئے ولد کا عقیدہ رکھنے پر سخت وعید۔

۷۔ ملائکہ نزول میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر ملائکہ سمیت کوئی بھی شفاعت نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سورۃ مریم کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتھا ۱۳۵ ۲۰ سورۃ طٰـہٰ مکیۃ ۴۵ رکوعاتھا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ طٰہٰ کو سورۃ کلیم بھی کہتے ہیں۔

طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ

"یہ حروف مقطعات میں سے ہے [1] ۔ہم نے آپ پر قرآن مشقت میں ڈالنے کے لئے نازل نہیں کیا ہے [2] ۔مگر نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں" [3] ۔

ربط: سابقہ سورۃ کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ گذشتہ سورۃ میں توحید کو شبہات کے ازالہ سے ثابت کیا گیا تو اب اس سورۃ میں مسئلہ توحید بیان کرنے کے لئے شجاعت و بہادری کی ترغیب دی جارہی ہے نیز سورۃ مریم کی آخری آیت میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا مختصر تذکرہ کیا گیا تو اب اس سورۃ میں فرعونیوں کی ہلاکت کو بطور نمونہ بیان فرمایا ہے۔

سورۃ کا مرکزی مضمون: اس سورۃ میں توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ بہادری کی ترغیب ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جادوگروں کے ایمان لانے کا واقعہ بہادری کے لئے ترغیب کے طور پر بیان ہوا ہے۔شجاعت پر ابھارنے کے لئے چھ آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: اس سورت میں دو حصے ہیں پہلا حصہ آیت 98 تک ہے اس میں آیت 8 تک تمہید ہے آیت 2،3 میں دعوت حق کی ترغیب ہے نیز دعویٰ توحید کے ساتھ ساتھ پانچ عقلی دلائل ذکر کیئے ہیں اور واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو برائے شجاعت ذکر کیا ہے۔

تفسیر 1 یہ آیت مقطعات میں سے ہے جس پر بحث گزر چکی ہے اس آیت (طٰہٰ) کے متعلق ابن جبیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یَارَجُلُ: ہے یعنی اے بہادر انسان قریش کی لغت میں بھی اس معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

تفسیر 2،3 ان دونوں آیتوں میں شجاعت وترغیب ہے کہ اس کو بہادری سے بیان کرو اس لیے کہ نزول قرآن کا مقصد ہی نصیحت وتذکیر ہے نہ کہ مشقت اور تکلیف۔ اِلَّا: استثناء منقطع ہے نیز تَذْكِرَةً: میں ذکر سے مبالغہ زیادہ ہے۔ لِتَشْقٰى: مشقت سے یا شقاوت سے لیا گیا ہے۔ لِّمَنْ يَّخْشٰى: مراد یہ ہے کہ قرآن کریم سے فائدہ وہی لوگ لے سکتے ہیں جن میں خشیت وانابت ہو۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾

"نزول اس ذات کی جانب سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے" [4]۔

تفسیر 4 اس آیت میں عظمت قرآن بیان ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی پہلی دلیل ہے کہ وہ خالق ہے: تَنْزِيْلًا : یہ تَذْكِرَةً: سے بدل ہے یا مقدر فعل کے لیے مفعول مطلق ہے یعنی نُزِّلَ تَنْزِيْلًا : تنزیل میں نیچے اور اوپر کے درمیان کا تعلق ہے چونکہ تَنْزِيْل: میں نیچے آنے کا معنی مقدم ہے اس لیے زمین کو یہاں پہلے ذکر کیا ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾

"عام رحمتوں والا عرش پر مستوی ہے" [5]۔

تفسیر 5 یہ دوسری دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت رحمانیت فوقیت اور استویٰ علی العرش آسمانوں کے اوپر ثابت کیا گیا ہے البتہ مخلوق کے ساتھ بطور مشابہت اسکا کوئی تعلق نہیں سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا یہی عقیدہ ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس شخص نے یہ کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا رب آسمانوں یا زمین میں ہے تو یہ شخص کافر ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى: (فقہ اکبر اور شرح عقیدۃ طحاویہ) امام مالک رحمہ اللہ کا قول معروف ہے وہ فرماتے ہیں اللہ کا استویٰ معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے اسکے کیفیت سے متعلق سوالات اور بحث بدعت ہے البتہ اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ﴿۶﴾

"اسی کے اختیار میں ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گھارے کے نیچے ہے" [6]۔

تفسیر 6 یہ اثبات توحید پر تیسری دلیل ہے اس میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس طرح وہ خالقیت میں اکیلا ہے تو اسی طرح تصرفات و اختیارات میں بھی لہٰذا کسی کو اس اشکال کی ضرورت نہیں ہے کہ ہوسکتا ہے پیدائش اللہ تعالیٰ نے کی ہو اور اختیارات و تصرفات انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء کرام کو دیے ہوں: اَلثَّرٰى: اس سے مراد ساتویں زمین کے نیچے جو گھارا ہے اس پر بھی اللہ تعالیٰ ہی عالم اور متصرف ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝

"اگر آپ اونچی بات کہیں تو وہ تو ہر ایک پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر چیز کو بھی بخوبی جانتا ہے"[7]۔

تفسیر 7 یہ چوتھی دلیل ہے اور اس سے مراد علم میں ہر چیز کا احاطہ ہے ظاہر ہو یا مخفی ہو نیز صفت خلق اور تصرف کے ساتھ صفت علم لازم ہے اس لیے اس کو ذکر کیا ہے: اَلسِّرَّ: مراد راز کی باتیں کرنا اور: وَاَخْفٰی: سے مراد دل ہی دل میں رکھنا ہے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۝

"وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس کے خوبصورت نام ہیں"[8]۔

تفسیر 8 اس آیت میں توحید کا دعویٰ اور پانچویں دلیل کا ذکر ہے: اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی: یہ وہ اسماء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے کتب منزلہ میں بیان کیا ہے یا انبیاء کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے ثابت کیا ہے اور حسنیٰ اس لیے کہا کہ کمال پر دلالت کرے اور اس میں کوئی شریک نہیں ہوسکتا ہو قدیم اور ہمیشہ ہو وحی منتقل کرنے، نازل کرنے پر قادر ہے ان میں اللہ تعالیٰ مخلوق کا محتاج نہیں ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰی ۝

"اور کیا تجھے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی معلوم ہے"[9]۔

تفسیر 9 خلاصہ: یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تفصیل شروع ہورہی ہے اس میں اہم مقصد شجاعت و بہادری کی ترغیب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ساحرین جب ان پر ایمان لائے دعوت کے میدان میں کون سے مراحل سے گزرے ہیں اس سورت میں یہ واقعے چھ مقامات پر منقسم ہیں پہلا مقام: یہاں سے آیت 24 تک ہے اس مقام میں موسیٰ علیہ السلام کے مدین سے مصر کی طرف واپسی اور نبوت و رسالت ملنے کا ذکر ہے نیز توحید کی دعوت پہنچانے اور اس کی تکمیل کے لئے باری تعالیٰ کی طرف سے امر ہے قیامت کی خبر اور حق پر بہادری کے ساتھ ثابت قدمی اور معجزوں کا تذکرہ ہے: وَهَلْ اَتٰىكَ: اس میں تنبیہ کرنا مقصود ہے: هَلْ: قَدْ: کے معنی میں ہے۔

إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

"جب انہوں نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ تم ذرا ٹھہر جاؤ مجھے آگ دکھائی دی ہے ممکن ہے کہ تمہارے پاس آگ کا شعلہ لیکر آؤں یا آگ کے پاس سے راستے کی رہنمائی پاؤں" [10]۔

تفسیر10 موسیٰ علیہ السلام کے خیال کی وجہ سے اس کو آگ کہا گیا ہے سورۃ قصص و سورۃ نمل سے معلوم ہوتا ہے کہ قبس سے گرمی حاصل کرنا مقصود تھا اور راستہ بھٹک جانے کی وجہ سے رہنمائی کی ضرورت تھی اس لئے اس آیت میں ہُدًی ذکر کیا اور حرف (اَوْ) اس لئے ذکر کیا ہے کہ دونوں مقاصد بھی جمع ہو سکتے ہیں نیز یہاں (عَلٰی) عِنْدَ کے معنی میں ہے یعنی عِنْدَ النَّارِ: ان کا خیال تھا کہ آگ کے پاس رہنمائی مل جائے گی کیونکہ وہ راستہ بھول گئے تھے۔

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ﴿١١﴾

"پس جب وہ اس کے پاس آ گئے تو انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ" [11]۔

تفسیر11 نُوْدِیَ: درخت کی جانب سے آواز آئی جیسا کہ سورۃ قصص میں ہے۔

إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۖ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾

"یقیناً میں تمہارا رب ہوں لہٰذا اپنے جوتے اتار دیں تم پاک وادی میں ہو جس کا نام طویٰ ہے" [12]۔

تفسیر12 اس آیت میں ندا کی تفصیل ہے پہلے منادی کی تعیین کی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے پھر آداب کا ذکر ہوا کہ جوتے اتار دیں یعنی جوتوں میں اگر گندگی ہو تو اتار لینا لازم ہے ورنہ آداب کی وجہ سے اتار لینا ہے۔ طُوًی: یہ اس میدان کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے برکتیں رکھی تھیں اس آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے جوتے استعمال کئے ہیں البتہ ان کی بناوٹ کی کیفیت ثابت نہیں ہے۔

وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ﴿١٣﴾

"میں نے تمہیں چن لیا ہے تاکہ تمہاری طرف جو وحی کی جا رہی ہے اسے سنو" [13]۔

تفسیر13 اس آیت میں: اَخْتَرْتُكَ: موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ہو رہا ہے اور پھر وحی سننے کا حکم دیا ہے اَخْتَرْتُكَ سے مراد چننا منتخب کرنا ہے اور اس آیت میں دلیل ہے کہ رسول باقی مخلوق سے افضل ہوتا ہے: فَاسْتَمِعْ: اس لفظ میں اشارہ

ہے کہ رسول کی پہلی ذمہ داری وحی الہی کو توجہ کے ساتھ سننا ہے۔

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝

"یقیناً میں اللہ ہوں نہیں ہے بندگی کا لائق کوئی مگر میری ذات تو میری بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو"[14]۔

تفسیر 14 اس آیت میں وحی کے تین اجزا کا ذکر ہو رہا ہے پہلا جز مسئلہ توحید اور دوسرا جز عملاً توحید کا اظہار یعنی عبادت اختیار کرنا، تیسرا جز خاص نماز کا حکم دینا جو عبادات میں اہم عبادت ہے یعنی توحید الوہیت توحید عبوذیت اور توحید حکم اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ: اس میں دعوت دینے والے کے لئے آداب کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ حق کا داعی نماز جو کہ ذکر الہی ہے اس میں مشغول رہے: لِذِكْرِیْ: ذکر سے متعدد معانی مراد ہیں: (۱) یعنی توحید پر قائم رہنے کے لئے نماز کا اہتمام کرو۔(۲) نماز میں اللہ تعالی کو یاد کرو۔ (۳) جب تم نماز بھول جاؤ سوئے ہوئے ہو تو یاد آنے پر یا بیدار ہونے پر نماز ادا کرو صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوۃ حدیث 597، صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 684) تو اس میں دلیل ہیں کہ جو لوگ قضاء نمازوں کو مؤخر کرتے رہتے ہیں اور پھر رمضان المبارک کے آخر میں جمعہ کے دن قضاء عمری کے نام سے پڑھتے ہیں تو ان کا یہ عمل صریح نص یعنی قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۝

"قیامت یقیناً آنے والی ہے جسے میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کی ہو"[15]۔

تفسیر 15 اس آیت میں وحی الہی کا چوتھا جزء یعنی قیامت کا آنا بتایا گیا ہے توحید اور آخرت پر عقیدہ رکھنا ایمانیات کے اصولوں میں بنیادی اصول ہے ان کو حرف عطف کے بغیر ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ یہ ماقبل کے لئے علت اور اس طرح مستقل حکم ہے: اَكَادُ اُخْفِیْهَا: اس کے دو معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ قریب ہے کہ میں قیامت کو ظاہر کر دوں گا دوسرا معنی یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے علم کو مخلوق سے چھپائے رکھوں اس لیے کہ لغت عرب میں: اِخْفَاءٌ: اضداد میں سے ہے جس کا معنی ظاہر کرنا اور چھپانا دونوں ہوتا ہے آخری معنی کے اعتبار سے: اَكَادُ اُرِیْدُ: کے معنی میں ہے پہلے معنی کے اعتبار سے لِتُجْزٰى اُخْفِیْهَا: سے متعلق ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے: اٰتِیَةٌ: سے متعلق ہے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

"پس تجھے اس پر یقین سے کوئی ایسا شخص نہ روک دے جو اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور اپنی خواہش کا پیروکار ہو ورنہ تو ہلاک ہو جائے گا" [16]۔

تفسیر16 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو وحی الٰہی کو مضبوطی سے تھام لینے اور اس کی دعوت دینے پر ہمت اور دلیری کے ساتھ عمل کی ترغیب ہے اسی طرح سورۃ قصص آیت 87 میں بھی ہے نیز قیامت سے انکار اور خواہش کی پیروی: اُمُّ الْخَبَائِث: ہے اور اس میں اشارہ فرعون کی طرف ہے مگر نام کے بجائے اس کی صفات ذکر کی ہیں تاکہ وہ تمام لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں (جو فرعون والی یہ صفات رکھتے ہوں) فَتَرْدٰى: اوپر سے گرنے کو کہا جاتا ہے مگر یہاں مراد ہلاکت ہے اس میں اشارہ ہے کہ دعوت حق ترک کرنا دنیا میں ذلت کا اور آخرت میں جہنم کی سزا کا سبب ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰

"اور تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اے موسیٰ" [17]۔

تفسیر17 موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ سے نوازنے کے لئے یہ تمہید ہے اس سوال میں موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے فوائد بیان کرنا مقصود ہے لیکن ان کو سانپ بننے کا فائدہ معلوم نہیں تھا اس لئے کہ وہ معجزہ تھا اور معجزہ نبی کے علم میں نہیں تھا نیز حرف (مَا) لاٹھی کے فوائد سے متعلق ہے جو کہ سوال برائے تشریح ہے: بِيَمِيْنِكَ: اس میں دلیل ہے کہ لاٹھی دائیں ہاتھ میں استعمال کرنا سنت انبیاء ہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱

"فرمایا یہ میری لاٹھی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور جس سے میں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑ لیا کرتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی فائدے ہیں" [18]۔

تفسیر18 اس جواب میں چار جملے ہیں پہلے جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لاٹھی چھڑی اپنی ہے کسی اور کی نہیں کلام میں طول دینے کا مقصد محبت الٰہی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ تیسرے جملے میں دو فائدوں کا ذکر ہے پہلے فائدے کا تعلق اپنی ذات سے ہے اور دوسرے فائدے کا تعلق جانوروں سے ہے چوتھے جملے میں لاٹھی کے کثیر فائدوں کی طرف اشارہ ہے نیز اس میں لاٹھی کا سنت انبیاء علیہم السلام ہونے کی دلیل اور استعمال کرنے کی ترغیب بھی ہے اس میں دلیل ہے کہ نبوت

سے قبل انبیاء علیہم السلام کا بکریاں چرانا اللہ کی طرف سے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے برائے تادیب ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ہر نبی نے قبل از نبوت بھیڑ بکریاں چرائی ہیں (صحیح بخاری کتاب الاجارۃ حدیث 2262، ابن حبان 5143، صحیح مسلم کتاب الاشربۃ حدیث 2050)

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾

"فرمایا اے موسیٰ اسے ہاتھ سے نیچے ڈال دے [19]۔ پس انہوں نے ڈال دیا (ڈالتے ہی) وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا" [20]۔

تفسیر 19، 20 اس آیت میں لاٹھی کے ایک اور فائدے کا اظہار مقصود ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے علم میں نہیں تھا کیونکہ وہ معجزہ ہے: اَلْقِهَا: میں اشارہ ہے کہ وہ فائدے اس وقت تھے جب لاٹھی تیرے ہاتھ میں تھی اب وہ فائدہ دیکھ لے جو زمین پر ڈالنے کے بعد اس میں ظاہر ہوگا: حَيَّةٌ: یہ اسم جنس ہے ہر ایک سانپ پر اطلاق ہوتا ہے بڑا ہو یا چھوٹا، اس لئے سورۃ النمل وشعراء میں: كَاَنَّهَا جَآنٌّ: یعنی مثل چھوٹے سانپ کے تھا جبکہ سورۃ اعراف وشعراء میں: ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ اژدھا ظاہر ہے تو: حَيَّةٌ: دونوں قسم کے لئے مستعمل ہے۔ یہاں انقلاب حقیقی مراد ہے کہ لکڑی سے سانپ بن گیا کیونکہ حَيَّةٌ: حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾

"فرمایا بے خوف ہو کر پکڑ لو ہم اس کو پہلی والی حالت میں دوبارہ لائیں گے" [21]۔

تفسیر 21 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب کے تحت کسی چیز سے طبعی خوف عظمت و کمال کے منافی نہیں ہے ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ یہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کی قدرت وطاقت میں نہیں تھا یعنی لاٹھی سے سانپ بن جانا پھر واپس لاٹھی کا بن جانا اس لیے اس کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں کی گئی جبکہ لاٹھی گرا دینا پھر واپس ہاتھ میں تھامنا اختیاری کام تھے اس لئے اس کی نسبت ان کی طرف کی گئی کیونکہ وہ معجزات میں سے نہیں ہے۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾

"اور ملا دو اپنا ہاتھ اپنی بغل کے ساتھ وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری کے یہ دوسری نشانی ہے" [22]۔

تفسیر 22 اس آیت میں دوسرا معجزہ ذکر ہوا ہے: جَنَاحٌ: سے مراد کہنی کے معنی میں ہے پھر بغل مراد ہے: سُوْٓءٍ: سے مراد ایسی بیماری اور نقصان ہے جس کی وجہ سے انسان ناراضگی میں مبتلاء ہوتا ہے پہلے معجزے میں موسیٰ علیہ السلام کی جہت

کے غلبے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے معجزے میں دلائل کی روشنی اور وضاحت کی طرف اشارہ ہے۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

"تاکہ ہم تمہیں اپنی نشانیوں میں سے بڑی بڑی نشانی دکھائیں" [23]۔

تفسیر 23 انکار معجزات کی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت اس سے مراد ہے یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید کی واضح دلیل ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ ع

"تم فرعون کی طرف جاؤ یقیناً وہ سرکش ہو گیا ہے" [24]۔

تفسیر 24 موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اگرچہ قوم کے لئے عام تھی مگر اس آیت میں خصوصی ذکر فرعون کا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قوم پر پابندی لگائی تھی کہ وہ کسی بھی حق پرست داعی کی بات نہیں سنے گی اور داعیان حق پر دعوتی سرگرمیوں کی پابندی تھی یہ فرعون کی واضح سرکشی تھی۔ اِنَّهٗ: یہ علت اس کی طرف خصوصی رسول بھیجنے کی ہے۔ خلاصہ: اس آیت سے دوسرا مقام شروع ہوتا ہے جو آیت 43 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور سابقہ احسانات کا بھی اجمالاً ذکر ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس دعوت دینے کے لئے جرأت و بہادری کے ساتھ جانے کا حکم ہے۔ فائدہ: اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ: کھولنے سے مراد یہ ہے کہ رسالت و نبوت کی دعوت پر آنے والی مصیبتوں پر صبر و استقامت کی توفیق عطاء ہونا ہے اور شکوک و شبہات سے ازالہ جو کہ دعوت کی رکاوٹ سے نجات کا ذریعہ ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿۲۵﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿۲۷﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿۲۸﴾

"فرمایا موسیٰ نے اے میرے رب کھول دے میرے لئے میرا سینہ [25]۔ اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے [26]۔ اور کھول دے میری زبان کی گرہ [27] تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں" [28]۔

تفسیر 26 اس آیت میں دوسری دعا کا ذکر ہے جس میں ظاہری و باطنی اسباب کا حصول ہے جس سے دعوت و رسالت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

تفسیر 27، 28: ان آیتوں میں تیسری دعا کا ذکر فائدہ کے ساتھ کیا گیا ہے زبان کی گرہ سے یا تو ظاہری نقصان مراد ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو میں رکاوٹ تھی یا پھر دعوت دینے کے وقت ہیبت کی وجہ زبان کی بندش تھی: يَفْقَهُوْا

فوائد: اس میں اشارہ ہے کہ سنت نبوی کو اچھے طریقے سے سمجھ لینا فقاہت ہے ان تمام رکاوٹوں سے داعی حق کے لئے بچنا ضروری ہے۔

وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾

"میرے اہل میں میرے لئے ساتھی بنادے[29]۔ہارون کو جو میرا بھائی ہے"[30]۔

تفسیر29،30ان آیتوں میں چوتھی دعا کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے طلب کی ہے اور یہ کسی بھائی کا اپنے بھائی پر انتہائی اعلیٰ درجہ کا احسان ہے وَزِيرًا: اس سے مراد نبوت میں شریک ہونا ہے کیونکہ رسالت ونبوت کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے اس لیے اس میں قریبی رشتہ دار کی معاونت ضروری ہے:مِّنْ أَهْلِي اور أَخِي: میں اشارہ ہے کہ ایسا ساتھی ومعاون ہو جو قابل اعتماد ہو۔

اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾

"مضبوط کردے اس کے ذریعے میری کمر[31]۔اور اس کو میرے کار (نبوت) میں شریک کردے"[32]۔

تفسیر31،32اس میں پانچویں اور چھٹی دعا ہے اس میں دعا کی علت کا ذکر ہے کہ حقیقت میں اپنے بھائی سے کمر مضبوط ہو سکتی ہے:وَأَشْرِكْهُ: اس میں وضاحت کی ہے کہ وزارت سے صرف دوستی مراد نہیں بلکہ اس کو میرے ساتھ نبوت میں شریک بنا اس آیت میں دلیل ہے کہ نبوت ورسالت دینا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے اختیار میں نہیں ہے۔

كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ﴿٣٣﴾ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿٣٨﴾

"تاکہ ہم تیری تسبیح کثرت سے کریں[33]۔اور تاکہ ہم تجھے کثرت سے یاد کریں[34]۔یقیناً تو ہی ہے ہمیں خوب دیکھنے والا[35]۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ (علیہ السلام) یقیناً تو دے دیا گیا تمہارا سوال[36]۔بلاشبہ ہم ایک اور مرتبہ بھی تجھ پر احسان کر چکے ہیں[37]۔جب ہم نے خبر دی تیری والدہ کو جو خبر دی جاسکتی تھی"[38]۔

تفسیر33،34ان آیتوں میں رسالت ومعیت کے فائدے بیان کئے ہیں تسبیح سے رد شرک اور ذکر سے دعوت توحید مراد ہے۔

تفسیر35 اس آیت میں دعا کے لئے بطور وسیلہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا ذکر ہے۔

تفسیر36 اس آیت میں قبولیت دعا کا ذکر ہے سُؤْلَ سے مسئول معنیٰ مراد ہے یعنی سابقہ تمام دعائیں تیری قبول ہوئی تھیں۔

تفسیر37 اس آیت میں اشارہ ہے کہ دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے احسان ہے ورنہ اس کی ذات کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

تفسیر38 آیت 40 تک اس میں موسیٰ علیہ السلام پر سابقہ احسانات یعنی قبطی کے قتل کے بعد نجات اور والدہ کی آغوش میں پرورش، بہت ساری مصیبتوں اور امتحانوں میں سے گزر جانا مدین میں امن کے ساتھ زندگی کے ایام گزارنا۔ ان نعمتوں کی تفصیل سورۃ قصص آیت 7 تا 28 میں مذکور ہے نیز آیت 38 میں وحی سے مراد الہام ہے جو کرامات اولیاء میں سے ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ان کو پہنچایا تھا: الْيَمِّ: اس سے مراد دریائے نیل ہے جو مصر کے درمیان سے گزرتا ہے۔

أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿٣٩﴾

"یہ کہ اس کو تو صندوق میں ڈال دے پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دے پس لے کر آئے گا دریا اس کو ساحل پر تاکہ اس کو پکڑے میرا دشمن اور اس کا دشمن اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالدی تاکہ تیری پرورش کی جائے 9 میری آنکھوں کے سامنے" [39]۔

تفسیر39 مَحَبَّةً: سے وہ محبت مراد ہے جو ہر دیکھنے والے کے دل میں پیدا کی گئی تھی خصوصاً فرعون کی بیوی کا اس سے پیار محبت جو موسیٰ علیہ السلام کی پرورش حفاظت اور تربیت کا سبب بنا: عَيْنِي: اس کا معنیٰ تو آنکھ ہے جو کہ معلوم ہے البتہ یہ صفات الٰہی میں سے ہے جس کی کیفیت مجہول ہے لہذا مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا بھی درست نہیں اور تاویل کرنا بھی ناجائز ہے۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ

نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ۝

"جب چلتی تھی تیری بہن پس وہ کہتی تھی کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس شخص کی طرف جو اس کی کفالت کرے؟ پھر ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹایا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کھائے اور تو نے ایک نفس کو قتل کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے آزمایا خوب آزمانا پس تو ٹھہرا رہا اہل مدین میں کئی سال پھر تو وقت پر آ گیا اے موسیٰ" [40]۔

تفسیر 40 "وَ قَتَلْتَ نَفْسًا: موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا حال ذکر ہو رہا ہے۔ مِنَ الْغَمِّ: اس میں دلیل ہے کہ قبطی کا قتل گناہ نہیں تھا صرف غم اور فرعونیوں کا خوف تھا۔ فُتُوْنًا: اس سے مراد پیدائش سے نبوت تک کے مختلف قسم کی تکالیف و مشقتیں ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں حدیث الفتون کا ذکر ہے۔ سِنِيْنَ: اس سے دس سال مراد ہیں جو سورۃ قصص میں لفظ: اَلْاَجَلُ: میں ذکر ہے یا: قَدَرٍ: سے مراد 40 سال ہیں جو کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کو نبوت دینے کے لئے مقدر کیئے تھے یا پھر قدر سے مراد وہ مدت ہے جو موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام نے آپس میں طے کی تھی۔

وَٱصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِى ۝ ٱذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِـَٔايَٰتِى وَلَا تَنِيَا فِى ذِكْرِى ۝ ٱذْهَبَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ۝

فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝

"میں نے تجھے اپنے لئے چن لیا ہے [41]۔ تو اور تیرا بھائی میری نشانیاں (معجزے) لے کر جاؤ اور تم دونوں میری توحید بیان کرنے میں سستی نہ کرنا [42]۔ فرعون کی طرف تم دونوں جاؤ یقیناً وہ سرکش ہو چکا ہے [43]۔ تم دونوں اس سے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے" [44]۔

تفسیر 41 اس سے نبوت و رسالت کے لئے چناؤ و انتخاب مراد ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ (نفس) بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے پہلے صرف منتخب و چناؤ کرنا ہے اس لیے: اَخْتَرْتُكَ: فرمایا پھر نبوت تک کام پر مامور کرنا تھا اس لیے: وَ اصْطَنَعْتُكَ: فرمایا اس لئے کہ: اِصْطِنَاعٌ: کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ایک خاص کام کے لئے تربیت دینا پھر اس کام پر اس کو مامور کرنا یعنی اس پر لگا دینا۔

تفسیر42:دعاؤں کی قبولیت کے بعد اب موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو حکم ہو رہا ہے کہ دعوت توحید دو اور کسی قسم کی سستی نہ کرنا ہارون علیہ السلام کو نبوت مل گئی لیکن چونکہ اس وقت ہارون علیہ السلام موجود نہیں تھے اس لئے غائب کے صیغے سے اس کو ذکر کیا اس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو دعوت توحید پر شجاعت کی ترغیب دی گئی اور ان کو سستی (مداہنت) سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے: وَلَا تَنِيَا: اس میں آداب دعوت ہیں۔

خلاصہ: آیت 43 سے آیت 55 تک تیسرا مقام شروع ہوتا ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو خطاب ہے اور دعوت کا طریقہ ذکر کیا ہے آیت 43، 44، 47، 48، اور دونوں کو آیت 45، 46 میں تسلی دی گئی ہے اور فرعون کے دو سوالوں کے جواب آیت 49 سے 52 تک ہیں پھر آیت 52 سے آیت 55 تک عقلی دلائل بیان کئے ہیں۔

تفسیر43: دونوں بھائیوں کو خطاب اس لیے ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر میں آ گئے اور دونوں بھائی اکٹھے ہو گئے اور ہارون علیہ السلام کو بھی وحی شروع ہوئی۔

تفسیر44: اس آیت میں دعوت کا طریقہ سمجھایا گیا ہے: لَّيِّنًا: سے مراد ہے کہ نرمی اور شفقت والا لہجہ اور وعظ و نصیحت دلائل پر مبنی ہو اس سے: قَوْلًا لَّيِّنًا: یعنی وہ لوگ جو دعوت توحید میں سست روی کا شکار ہیں ان کے لئے اس میں دلیل نہیں ہے اس لئے کہ اس میں دلائل سے لبریز لہجہ نرم گفتگو شائستہ انداز مراد ہے اس لئے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے امیہ بن الصلت کے اشعار ذکر کیے ہیں کہ: لَّيِّنًا: سے مراد دلائل عقلیہ نرم لہجہ سے پیش کرنا مراد ہے: لَّعَلَّهُ: امید کے معنی میں ہے کہ جب تم دونوں دعوت دو تو پرامید رہو یہ اس لئے فرمایا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو علم غیب نہیں چنانچہ وہ یقینی فیصلہ نہیں کر سکتے یا: لَّعَلَّ: کَيْ: کے معنی میں ہے یعنی تاکہ فرعون ایمان لے آئے یعنی فرعون کو دعوت دینے کا مقصد ایمان ہے: يَتَذَكَّرُ: اور: يَخْشَىٰ: میں فرق کبھی کبھار انسان پر وعظ و نصیحت تاثیر کر جاتی ہے جس سے بندہ ایمان لے آتا ہے تو اس کو تذکر: کہا جاتا ہے اور جب انسان پر وعظ اور بیان میں خوف اور وعید تاثیر کرے جس کے سبب وہ ایمان لے آتا ہے تو اس کو خشیت کہتے ہیں۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿45﴾ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾

"ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب! یقیناً ہم تو اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا یہ کہ وہ سرکشی کرے گا" [45]۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم دونوں مت ڈرو یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں" [46]۔

تفسیر 45 اس آیت میں طبعی خوف کا ذکر ہے جو نبوت کے منافی نہیں ہے یہ خوف مستقبل کے متعلق خیال اور امید دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ علم کے معنی میں بھی آتا ہے :فَرَطَ اور :طُغْیَان: میں فرق یہ ہے کہ ابتداء سے دعوت سننے سے انکار کرے تو یہ فرط ہے اور سننے کے بعد پھر مخالفت کر جائے تو اس کو طغیان کہتے ہیں۔

تفسیر 46 اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ومدد کرنے پر تسلی دی ہے :مَعِیَّت: صفات الٰہی میں سے ہے جس کا معنی سلف صالحین نے مدد ونصرت کیا ہے :اَسْمَعُ وَ اَرٰی: دونوں کو مطلق ذکر کیا ہے جس میں معیت کی طرف اشارہ ہے یعنی تمہاری اور تمہارے دشمنوں کی باتیں سنتا ہوں اور دونوں کی حالت دیکھتا ہوں۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَ
السَّلٰمُ عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿47﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿48﴾

"لہٰذا تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو یقیناً ہم رسول ہیں تیرے رب کے پس تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور انہیں مت ستا یقیناً ہم تیرے رب کی طرف سے نشانی لائے ہیں اور اس شخص کے لئے سلامتی ہے جس نے ہدایت کی پیروی کرلی [47]۔ بلا شک وریب ہماری طرف وحی کی گئی کہ یقیناً عذاب اس شخص پر ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا" [48]۔

تفسیر 47 اس آیت میں دعوت کا طریقہ مذکور ہے اور اس میں پانچ باتیں ہیں پہلے توحید ربوبیت کے اثبات کے لئے رسالت کا بیان ہے اور یہ دونوں مقاصد اصلیہ ہیں، دوسری بات بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے ظلم سے چھڑانا ہے کیونکہ یہ لوگ نسلاً اہل توحید تھے تیسری بات فرعونیوں کو بنی اسرائیل پر ظلم سے روکنا تھا، چوتھی بات توحید ورسالت کو ثابت کرنے کے لئے معجزے کی خبر دینا :اٰیَةٌ: سے مراد صرف ایک نشانی نہیں بلکہ اسم جنس ہے۔ پانچویں بات ایمان والوں کو عذاب سے نجات کی خوشخبری ہے :وَ السَّلٰمُ: سے سلام مراد نہیں البتہ حدیث ہرقل میں کافروں کی طرف سلام بھیجنے کا یہی طریقہ بتایا گیا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب بدء الوحی حدیث 7 میں ذکر کیا ہے۔

تفسیر48 اس آیت میں حق کی اتباع کرنے والوں کو خوشخبری دینے کے بعد انکار کرنے والوں کو عذاب کا خوف دلایا گیا ہے بشارت اور خوف کے دونوں دعوت کے طریقوں کا ذکر ہے: تَوَلّٰی: منہ پھیرنا کذب اور اعراض کی دلیل ہے یا پھر کذب سے انکار رسالت اور: تَوَلّٰی: سے انکار توحید مراد ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

"اس نے کہا اے موسیٰ (علیہ السلام) تم دونوں کا رب کون ہے؟[49]۔اس نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو شکل وصورت سے نوازا پھر سوجھ بوجھ دی"[50]۔

تفسیر49 اس آیت میں پہلے فرعون کا سوال ربوبیت سے متعلق ہے اس لیے کہ ان دونوں نے فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ: یعنی ہم دونوں رب کے رسول بن کر آئے ہیں جبکہ فرعون کا دعویٰ تھا کہ مصر کا رب میں ہوں جیسا کہ سورۃ نازعات آیت 24 میں مذکور ہے لہذا بندگی میری ہونی چاہیے میں مصر کا مدبر متصرف ہوں۔

تفسیر50 جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ رب وہ ہو سکتا ہے جو تخلیق کر سکتا ہے ہدایت سے مراد ہر چیز کی فطری طور پر زندگی گزارنے کے طور طریقے ہیں: اَعْطٰى: اس میں اشارہ ہے کہ وجود اللہ کا نعمت و عطیہ ہے اور انسانوں کی ضرورت کی تمام چیزیں اور اسباب سب اسی ذات کا عطیہ ہے۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝

"فرعون نے کہا پہلی امتوں کا کیا حال ہے؟[51]۔فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے میرا رب نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ ہی وہ بھولتا ہے"[52]۔

تفسیر51 اس میں فرعون کے دوسرے جواب کا ذکر ہے اس سوال میں فرعون کا مقصد یہ ہے کہ سابقہ لوگ تیرے بتائے ہوئے طریقے پر نہیں تھے بلکہ وہ عقیدہ شرک پر گئے چونکہ وہ غلط دین پر چلے گئے لہذا ان کا کیا بنے گا؟ اس میں فرعون موسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دینا چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جواب میں بول اٹھے گا کہ وہ سارے لوگ گمراہی پر چلے گئے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام یہ جواب دیں گے تو سارے لوگ ان کے مخالف ہو جائینگے (باطل مولویوں اور پیروں کا آج بھی یہی طریقہ اور حال ہے کہ جب کوئی خالص قرآن وسنت کو اپنا لیتا ہے تو اس پر یہی فرعونی سوال کرتے ہیں)

تفسیر52 اس میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے پر حکمت جواب ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور اپنی طرف سے

کوئی فیصلہ نہیں کیا یہ ہر داعی کے لئے آداب ہیں۔ دور حاضر میں بھی لوگ اس قسم کے اعتراضات کرتے ہیں لہٰذا ان کو اس حکیمانہ طرز پر جواب دینا چاہئے تا کہ وہ ضد و عناد میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے دو صفات سلبیہ کی نفی کی گئی ہے کہ: لَا يَضِلُّ: وہ غفلت کا شکار نہیں ہوتا ضلال غفلت یا غلطی کے معنی میں ہے۔ (دوسری سلبی صفت :لَا يَنْسَى: سے نسیان (بھول) کی نفی کی گئی ہے)۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى ﴿53﴾

"وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور اس نے تمہارے چلنے کے لئے اس میں راستے بنادئے اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے کئی قسم کی مختلف نباتات نکالیں" [53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں توحید باری تعالیٰ پر عقلی دلیل ذکر کی ہے جس کو تنویر کہا جاتا ہے اور یہ بطریقہ ادخال الٰہی ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی دو صفات سلبیہ بطریقہ دلیل پیش کیں تو مزید وضاحت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے مزید صفات فعلیہ بطور دلیل توحید بیان کر دیں اس میں قدرت الٰہی کے چار کام ذکر ہوئے: أَزْوَاجًا نر و مادہ جو درختوں پودوں وغیرہ میں بھی ہوتے ہیں ازواج بمعنی مختلف قسمیں ہیں۔

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ ﴿54﴾

"تم خود بھی کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو بھی چراؤ بلاشبہ اس میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں" [54]۔

تفسیر 54 اس آیت میں انسانوں اور چوپایوں پر بطور انعام ذکر کرتے ہوئے ایک اور عقلی دلیل بیان کی ہے اس کو صیغہ امر سے بیان کیا ہے کیونکہ کھانے کا بندوبست اور چوپایوں کو کھلانے کا انتظام واجبات میں سے ہے اس میں ذکر ان چیزوں سے فائدہ لینے کا ہے جو سابقہ آیت میں بیان ہوئیں: النُّهَىٰ: یہ نُهْيَةٌ یا نُهُوَةٌ: سے جمع کا صیغہ ہے جس چیز کے ذریعے سے بندہ برے کاموں سے بچ سکتا ہے اور وہ عقل اور عدل ہے بشرطیکہ اس کو استعمال کیا جائے۔

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ﴿55﴾

"اس زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اس میں دوبارہ لوٹا دیں گے اور پھر اسی میں سے ایک بار پھر تمہیں نکالیں گے" [55]۔

تفسیر 55 اس میں ایک اور دلیل عقلی ہے اور انسانوں کی تین حالتیں بیان کی ہیں اور تینوں حالتوں میں انسان اللہ تعالیٰ کا

محتاج ہے پہلی تخلیق پھر اس کو موت دینا پھر قبروں سے اٹھاتے ہوئے حیات دینا۔

وَلَقَدۡ اَرَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾

"بلاشک وشبہ ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا" [56]۔

تفسیر 56 خلاصہ: اس آیت سے چوتھا مقام شروع ہوتا ہے جو آیت 76 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحرین سے مقابلہ اور پھر ان پر غلبہ ذکر ہے اور مغلوبیت کے بعد ان کا جرأت مندانہ طور پر ایمان لانے کا ذکر ہے پھر آیت 74 میں وعید کا ذکر ہے اور آیت 75 اور آیت 76 میں ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے اس آیت 56 میں موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزوں کا تذکرہ اجمالی طور پر مذکور ہے جو کہ نو معجزات تھے جیسا کہ آیت 101 سورۃ بنی اسرائیل میں اجمالاً ذکر ہیں اور ان کی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر گئی ہے نفَكَذَّبَ: اس میں اسباب عذاب کا ذکر ہے: تَكۡذِيۡب سے مراد یہ ہے کہ ان معجزات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں مانتے تھے اور: أَبٰى: سے مراد توحید ورسالت اور معجزات سے انکار ہے۔

قَالَ اَجِئۡتَنَا لِتُخۡرِجَنَا مِنۡ اَرۡضِنَا بِسِحۡرِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاۡتِيَنَّكَ بِسِحۡرٍ مِّثۡلِهٖ فَاجۡعَلۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكَ مَوۡعِدًا لَّا نُخۡلِفُهٗ نَحۡنُ وَلَاۤ اَنۡتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

"اس نے کہا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہماری زمین سے ہم کو اپنے جادو کے ذریعے سے بے دخل کر دے اے موسیٰ! (علیہ السلام) [57]۔ پس ہم ضرور لے آئیں گے اسی طرح جادو تمہارے پاس لہٰذا تم ہمارے اور اپنے لئے ایک وعدہ مقرر کرو کہ جس سے نہ تم خلاف کرو اور نہ ہی ہم خلاف کریں گے اور جگہ بھی ہموار ہو" [58]۔

تفسیر 57 یہ اعتراض فرعون کے وہم کی بناء پر تھا یا قوم کو دھوکا دینا چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ہماری سرزمین پر جادو کے ذریعے قابض ہونا چاہتا ہے نیز معجزات کو بھی سحر قرار دیا۔

تفسیر 58 اس آیت میں فرعون کی طرف سے جادو کے ذریعے مقابلہ کرنے کا وعدہ ہے وقت جگہ اور تاریخ کے تقرر کے اختیارات موسیٰ علیہ السلام کو دیئے ہیں: مَوۡعِدًا: یہ وقت اور جگہ دونوں کے لئے مستعمل ہے لہٰذا: مَكَانًا سُوًى: اس سے بدل البعض ہے: سُوًى: میں اشارہ ہے کہ ایسی جگہ مقرر کی جائے جو جانبین کے لئے مناسب اور برابر ہو یا پھر اس سے مراد کوئی میدان ہے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ أَتٰى ﴿٦٠﴾

"موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا تمہارے ساتھ تاج پوشی (جشن) والے دن کا وعدہ ہے اور یہ کہ چاشت کے وقت لوگ اکٹھے کئے جائیں [59]۔ فرعون لوٹا اور اس نے مکر و فریب کا سامان جمع کیا پھر وہ آ گیا" [60]۔

تفسیر 59 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے وقت اور تاریخ کا اعلان ہے: یَوْمُ الزِّیْنَةِ: اس سے فرعون کی پیدائش یا تاج پوشی اور سالگرہ مراد ہے اور اس میں جگہ کا بھی تعین ہو گیا کیونکہ سالگرہ کا جشن تو دارالحکومت میں ہوتا ہے اس دن کا تعین اس حکمت سے کیا کہ لوگوں کی چھٹی ہوگی تو آسانی سے لوگوں کی بڑی تعداد حاضر ہو کر مقابلہ وتماشا دیکھ لے گی چاشت کے وقت کے تقرر کا مقصد یہ تھا کہ دور دراز سے لوگ پہنچ جائیں گے اور پھر مقابلے کے بعد گھروں کو بھی آسانی سے واپس پہنچ سکیں گے اور فرعون پر لوگوں کے کھانے کی بھی تکالیف نہیں ہوگی۔

تفسیر 60 ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ فرعون نے حق سے منہ پھیرا اور ضد پر ڈٹ گیا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ مقابلہ کی تیاری کے لئے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہوا: کَیْدَهٗ: اس سے ساحرین وغیرہ مراد ہیں یعنی اس نے اپنی تدبیر کو مکمل کیا: أَتٰی: میدان مقابلہ میں آ گیا۔

قَالَ لَهُمْ مُوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

"موسیٰ (علیہ السلام) نے ساحرین سے کہا تمہارے لئے ہلاکت ہو نہ باندھو تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ پس یقیناً وہ تمہیں تباہ کر دے گا عذاب کے ساتھ اور یقیناً ناکام ہوا جس نے جھوٹ باندھا" [61]۔

تفسیر 61 موسیٰ علیہ السلام نے ساحرین کو وعظ ونصیحت کی اور اللہ تعالیٰ کا خوف دلایا کہ شرک سبب عذاب ہے اپنے آپ کو ہلاکت سے بچاؤ اس سے معلوم ہوا کہ مصر کے لوگ مشرک تھے دہری یعنی اللہ کے منکر نہیں تھے: فَیُسْحِتَكُمْ: مراد جڑیں کاٹنا ہے ونیاوی عذاب مراد ہے تمہاری جڑیں اللہ تعالیٰ کاٹ دے گا: وَقَدْ خَابَ: آخرت کا عذاب مراد ہے یا پھر بِعَذَابٍ: عام عذاب مراد ہے اور: وَقَدْ خَابَ: سے مقابلہ میں ناکامی مراد ہے۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾

"پس انہوں نے آپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور انہوں نے خفیہ سرگوشیاں کیں" [62]۔

تفسیر 62 موسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ ونصیحت کا یہ اثر ہوا کہ ان ساحرین میں لوگ دو حصوں میں تقسیم ہوئے بعض نے کہا یہ گفتگو نبوت کی عکاسی کرتی ہے بعض نے کہا یہ ہم پر رباؤ ڈالنے کے لئے ایک انداز ہے آخر میں ایک میٹنگ کرلی کہ اگر یہ غالب آ گئے تو ہم ان کی نبوت کو تسلیم کر کے ان پر ایمان لے آئیں گے۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

"انہوں نے کہا بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں دونوں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے وطن سے جادو کے ذریعے نکال دیں اور مٹا دیں تمہارا عمدہ طریقہ" [63]۔

تفسیر 63 یہ فرعونیوں کا قول ہے جو تین باتوں پر مشتمل ہے پہلی بات یہ ہے کہ جادوگر ہیں، دوسری بات حکمرانوں کو ڈرایا کہ تمہاری حکومت پر قابض ہونا چاہتے ہیں؛ تیسری بات یہ کہ عوام الناس کو ڈرایا کہ تمھارے باپ دادا کا بہترین دین برباد کرنا چاہتے ہیں: اِنْ هٰذٰىنِ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض عرب کا یہ لغت اور طریقہ ہے: اِنَّ: کی جگہ اِنْ: استعمال کرتے ہیں اور اس کا اسم مرفوع لاتے ہیں اور بعض کا موقف یہ ہے کہ یہ مُخَفَّفْ عَنِ الْمُثَقَّلْ ہے اور اس کا (اسم) ضمیر شان محذوف ہے اور: هٰذٰنِ: مبتداء ہے جبکہ بعض نے کہا کہ: اِنْ: نافیہ ہے اور لام: اِلَّا: کے معنی میں ہے۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

"لہذا تم اپنی تدبیروں کو پختہ کرلو پھر تم صف باندھ کر آ جاؤ بلاشبہ آج کے دن کامیاب ٹھہرا جو غالب آیا" [64]۔

تفسیر 64: صَفًّا: اس کا ایک معنی یہ ہے کہ صفیں بنالو تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر رعب آجائے دوسرا معنی یہ ہے کہ جشن کے میدان میں آجاؤ: وَقَدْ اَفْلَحَ: دنیا پرست لوگ دنیا کو کامیابی کی جگہ قرار دیتے ہیں: اسْتَعْلٰى: اس لفظ کو استعمال کی وجہ یہ ہے کہ وہ عظمت اور بلندی صرف فرعون کے لئے تصور کرتے تھے اور جب مقابلہ میں غلبہ حاصل ہوجائے تو وہ عارضی بلندی ہوگی اس لیے اس کو: اسْتَعْلٰى: کہتے تھے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝

"انہوں نے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام) یا تو آپ ڈالیں یا یہ کہ ہم ہی ہوں جو کہ پہلے ڈالیں" [65]۔

تفسیر 65 اس آیت میں اشارہ ہے کہ ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام کے ادب کا لحاظ کیا جوان کے لئے ایمان کا سبب بنا صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بھی اس طرف اشارہ ہے: اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ لَكَ مِنَ الْخَيْرِ :صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 197 اداب المفرد حدیث 36 باب من وصله رحمة فى الجاهلية قال الالبانى اخرجه الشيخان وغيره الصحيحة حديث 248 سورۃ اعراف آیت 115 میں گزر چکا ہے چونکہ وہ ابتداء کرنے والے تھے اس لیے لفظ: اَوَّلَ: کو ذکر کیا۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝

"موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا بلکہ تم ہی ڈالو جب انہوں نے ڈالیں تو ناگہاں ان کی رسیاں اوران کی لاٹھیاں موسیٰ (علیہ السلام) کو خیال ہوا ان کے جادو کی وجہ سے کہ وہ دوڑ رہی ہیں" [66]۔

تفسیر 66 اس آیت میں اشارہ ہے کہ ان کا سحر نظر بندی کی صورت میں تھا اس میں دلیل ہے کہ جادو کا اثر نبیوں پر ہوسکتا ہے البتہ ان کے دین اور عقل میں اس سے کوئی (فرق) نقصان نہیں آتا۔ صرف قوت خیالی پر اثر انداز ہوتا ہے یہ ایک بیماری ہے جو نبوت کے منافی نہیں ہے اس کی تفصیل ان شاءاللہ سورۃ فلق میں آئے گی۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝

"پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نفس میں خوف محسوس کیا [67]۔ ہم نے کہا مت گھبراو یقیناً آپ ہی غالب ہیں" [68]۔

تفسیر 67 موسیٰ علیہ السلام کا سانپوں سے گھبرا جانا طبعی خوف تھا جو نبوت کے منافی نہیں ہے یا پھر موسیٰ علیہ السلام کا عوام الناس پر خوف تھا کہ سحر کی وجہ سے لوگوں پر دین خلط ملط نہ ہوجائے اس وجہ سے بھی خوف تھا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہوسکتا ہے کہ وہ نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کا امر نہ ہوسکے لہٰذا یہ بھی سبب خوف میں سے ہے۔

تفسیر 68 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ بندوں پر بھی لفظ اعلیٰ کا اطلاق ہوسکتا ہے البتہ مخلوق کے لئے یہ صفت مطلق نہیں کہ وہ ہر چیز سے اعلیٰ ہو بلکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مختص ہے کہ وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے بلکہ یہ صفت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مطلق بھی ہے اور کامل بھی۔

وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾

"اور آپ ڈال دیجئے جو آپ کے دائیں ہاتھ میں ہے وہ نگل جائے گی جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جو کچھ انہوں نے بنایا وہ یقیناً فریب ہے۔ جادوگر جہاں بھی (حق کے مقابل) آئیں گے کامیاب نہیں ہوں گے" [69]۔

تفسیر 69 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو دو طریقوں سے غالب ہونے کی تسلی دی ہے پہلا طریقہ :تَلْقَفْ: ہے اور دوسرا طریقہ :وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ: جبکہ :مَا فِي يَمِينِكَ: میں اشارہ ہے کہ آپ کا معجزہ بلاتکلف کام ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ کی لاٹھی چھوٹی جسامت کے باوجود بڑی رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لے گی: تَلْقَفْ: کے دو معنی ہیں پہلا معنی تو مشہور ہے لاٹھی سے سانپ بن کر تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نوالہ بنا کر سب کے سب کو نگل لیا، دوسرا معنی یہ ہے کہ لاٹھیوں اور رسیوں سے جادو والا اثر زائل ہو کر واپس رسیاں بن گئیں یہ معنی سقرانی نے کیا ہے مگر پہلا والا معنی راجح ہے: إِنَّمَا: یہ إِنَّ: اور مَا موصولہ سے مرکب ہے: حَيْثُ أَتَىٰ: یعنی کسی جگہ کامیاب نہیں ہو سکتے اور خصوصاً معجزہ کے مقابل تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ کامیابی حاصل کریں۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾

"پس ڈال دیئے گئے جادوگر سجدے میں اور انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) کے رب پر" [70]۔

تفسیر 70 "أُلْقِيَ: لفظ واضح دلیل ہے کہ ساحرین موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے متاثر ہو کر توحید الٰہی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوئے اور بالآخر ایمان لے آئے اس لیے مجہول کا صیغہ ذکر کیا ہے: آمَنَّا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ سجدہ عادت یا طبیعت کے طور پر نہیں ہے بلکہ ایمان کی بنیاد پر ہے۔ فائدہ: دیگر سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام کو ہارون علیہ السلام پر مقدم کیا جبکہ یہاں پر ہارون علیہ السلام کو پہلے ذکر کیا ہے ایک تو آیتوں کے فواصل یعنی اختتام کی موافقت سبب بنی دوسری وجہ اس سورت میں ہارون علیہ السلام کی شان بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ بھائی نے اس کے لئے نبوت کی دعا طلب کی پھر دونوں کو رسول کہا گیا یعنی :رَسُولَا: تثنیہ ذکر کرتے ہوئے اور آیت 90 میں اس کی شان کا ذکر کیا ہے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝

"فرعون نے کہا کیا تم اس پر ایمان لائے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دیتا بلا شک وشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے لہٰذا میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دونگا" [71]۔

تفسیر 71 اس آیت میں پہلے ساحرین کو فرعون کے ڈانٹنے کا ذکر ہے کہ میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام پر کیوں ایمان لائے اور پھر جھوٹی دلیل کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے استاد ہیں حالانکہ موسیٰ علیہ السلام تو مصر میں نہیں بلکہ مدین میں تھے جبکہ ساحرین مصر میں جادوگری کرتے تھے: اَيُّنَآ اَشَدُّ: اس میں فرعون اور اپنے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کا رب شمار کر رہے ہیں کہ دونوں میں۔ باقی اور قوت والا ہو۔ پھر تین جملوں میں ساحرین پر دباؤ ڈالنا ذکر کیا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝

"انہوں نے کہا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان پر جو ہمارے پاس واضح دلیلیں آئی ہیں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے لہٰذا تو کرلے جو کچھ بھی تو کرسکتا ہے تو تو بس صرف اس دنیاوی زندگی میں ہی فیصلہ کرسکتا ہے" [72]۔

تفسیر 72 اس آیت میں ساحرین کے ایمان لانے کے بعد شجاعت و بہادری کا ذکر ہے: وَالَّذِيْ فَطَرَنَا: اس کے دو معنی ہیں پہلا معنی یہ ہے کہ ہم اس پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ تیری قوت صرف دنیا میں چل سکتی ہے آخرت میں نہیں ہے۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

"یقیناً ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمائے اور ہمیں وہ جرم بھی جو تو نے مجبور کیا تھا ہمیں جادو کرنے پر اور اللہ تعالیٰ بہت بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں دلیل ہے کہ ایمان لانے پر سابقہ تمام گناہ معاف ہوجائیں گے: وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ: مطلب یہ ہے کہ جب ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام کو پہچان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو مقابلے سے انکار کرنے لگے مگر فرعون نے

جبر کرتے ہوئے ان کو سحر پر مجبور کیا۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرعون نے اپنے ملک میں علم سحر سیکھنا زبردستی لازم کیا تھا لہٰذا یہ بھی جبر کی صورت تھی: وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى: ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بہتر ہے اور اس کا اجر ہمیشہ ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہے جب اس کی اطاعت کی جائے اور اس کا عذاب ہمیشہ ہے جب اس کی نافرمانی کی جائے۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۗ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ ع

"یقیناً جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا بلاشبہ اس کے لئے جہنم تیار ہے نہ اس میں وہ مرے گا اور نہ جئے گا[74]۔ اور جو مومن ہو کر اللہ کے پاس آئے گا جبکہ اس نے صالح اعمال کئے ہوں تو ان لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں[75]۔ ان کیلئے باغات ہونگی ہمیشہ رہنے کے لئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی اور ہمیشہ ہونگے اس میں اور یہ بدلہ ان لوگوں کے لئے جو پاک ہیں"[76]۔

تفسیر 74 اس آیت میں منکرین کے لیے اخروی تخویف ہے اور لفظ: مُجْرِمًا: میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روز قیامت گنہگاروں کو اپنے گناہ نظر آئیں گے: وَلَا يَحْيٰى: سے مراد یہ ہے کہ وہ زندگی کسی فائدے کی نہیں ہوگی جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں بھی مذکور ہے: لَا يَمُوْتُ: اس بات کی دلیل ہے کہ اہل جہنم ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر 75، 76 ان آیتوں میں آخرت کی خوشخبری ہے: قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ: اس میں استقامت وشجاعت کی طرف اشارہ ہے جس کی استقامت وشجاعت ساحرین نے کی تھی: الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى: صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر حدیث 2790 کی حدیث میں وارد ہے کہ جنت میں ۱۰۰ درجات ہیں اور ہر ایک درجے میں زمین وآسمان کی مسافت ہے: تَزَكّٰى: امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اپنے آپ کو شرک کے میل اور نجاست سے پاک کریں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہوئے رسولوں کی اتباع کریں۔ اس جملے میں اشارہ ہے کہ جنت پاک لوگوں کی جگہ ہے اور پاکی صحیح ایمان اور سنت کے موافق عمل سے حاصل ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

"یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی یہ کہ میرے بندوں کو رات کے وقت لے چلو پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ نہ تمھیں خوف ہوگا پکڑے جانے کا اور نہ ہی (غرق ہونے سے ڈرو گے)"[77]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 82 تک پانچواں مقام ہے اس میں فرعون کے قوم سمیت غرق ہونے اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر ہے اور پھر بنی اسرائیل کو نعمتوں کے متعلق یاددہانی کرائی ہے خوشخبری اور وعید کا ذکر ہے۔ [illegible] اس آیت میں بنی اسرائیل کی ہجرت کا ذکر ہے اور رات کے وقت ہجرت میں حکمت یہ ہے کہ فسادی لوگ اکثر رات میں غفلت کی نیند سوتے ہیں یہ ہجرت حکم الہیٰ سے کی گئی تھی اس میں اختصار کیا گیا کیونکہ تفصیل سورۃ شعراء میں ذکر ہوئی ہے: طَرِيْقًا: یہ اسم جنس ہے جمع کے معنی میں ہے یعنی بارہ راستے: دَرَكًا: فرعونیوں کے پالینے سے اور نہ وَلَا تَخْشٰى: دریا میں غرق ہونے سے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

"پس تعاقب کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکر سمیت تو ڈھانپ لیا انہیں سمندر میں سے جس چیز نے انہیں ڈھانپ لینا تھا[78]۔ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور انہیں سیدھی راہ نہ دکھائی"[79]۔

تفسیر78 اس آیت میں فرعون کے لشکر سمیت غرق ہونے کا اختصار سے ذکر کیا گیا ہے: مَا غَشِيَهُمْ: یہ ابہام برائے ہیبت وعظمت ہے جیسا کہ سورۃ نجم آیت 54 میں ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر79: اس آیت میں فرعون کے اس دعویٰ کا رد ہے جو سورۃ مومن آیت 29 میں ذکر ہوا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾

"اے بنی اسرائیل بلاشبہ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے طور کے دائیں جانب وعدہ کیا اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا"[80]۔

تفسیر80 اس آیت میں بنی اسرائیل پر کی گئی نعمتوں کی یاددہانی کا ذکر ہے ابتداء میں یہ جملہ مقدر ہے کہ (ہم نے فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل سے کہا) پہلی نعمت دشمنوں سے نجات۔ دوسری نعمت کتاب اللہ دینے کا وعدہ تیسرا انعام: مَنّ وَسَلْوٰى: دینے کا ہے۔ پہلی نعمت امن کی ہے۔ دوسری روحانی اور تیسری جسمانی نعمت ہے۔

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ۝

"تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اور اس میں تم سرکشی مت کرو کہ اس کی وجہ سے تم پر میرا غضب اترے اور جس پر میرا غضب اترے یقیناً وہ تباہ ہوا" [81]۔

تفسیر 81: كُلُوا: سے قبل مقدر عبارت: قُلْنَا: ہے کھانے پینے میں چار طرح کی سرکشی ہے (۱) ناشکری (۲) اعلیٰ کے بدلے میں ادنیٰ معمولی طلب کرنا (۳) اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے ذخیرہ اندوزی کرنا (۴) اس میں اپنی طرف سے حلال وحرام کی تقسیم یہ تمام طریقے غضب الٰہی کا سبب ہیں نیز آیت کے آخر میں خوف آخرت کا ذکر ہے: فَقَدْ هَوَىٰ: اس میں اشارہ ہے کہ ناشکری کی موجودگی میں نعمتوں کی کثرت انسان کے لئے سبب زوال ہے اگرچہ لوگوں کی اکثریت اس کو ترقی تصور کرتی ہے البتہ یہ زوال قیامت والے دن مکمل ظاہر کیا جائے گا۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ۝

"اور یقیناً میں اس شخص کو بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرکے ایمان لایا اور سنت کے موافق عمل کرتے ہوئے اسی پر قائم رہا" [82]۔

تفسیر 82: اس آیت میں گناہوں کی مغفرت کی خوشخبری ہے: اهْتَدَىٰ: ہدایت کے حصول کے چند طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ انسان موت تک ایمان پر قائم رہے دوسرا طریقہ شکوک وشبہات سے بچ جانا، تیسرا طریقہ سنت مطہرہ پر دوام کے ساتھ عمل کرتے رہنا، امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سنت کی اتباع میں جماعت حق کے ساتھ استقامت اختیار کرنا اور یہ درجہ ایمان وعمل صالح کے بعد حاصل ہوتا ہے اسی لئے اس کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَن قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝

"اور اے موسیٰ تجھے تیری قوم سے کونسی چیز جلدی لے آئی؟ [83]۔ انہوں نے فرمایا وہ لوگ میرے پیچھے آرہے ہیں اور میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو راضی ہوجائے اے میرے رب" [84]۔

تفسیر 83 خلاصہ: یہاں سے چھٹا مقام شروع ہوتا ہے آیت 98 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کے غضب کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بھائی قوم اور پھر سامری پر کیا تھا اور ہر ایک نے جو اپنے طور پر جواب دیا تھا اس کا ذکر ہے اور بچھڑے کے جلانے کا تذکرہ جو شرک کی بنیاد تھی اور پھر توحید کی طرف دعوت ہے۔ فائدہ: اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے میقات اول

کا ذکر ہے جس میں ان کو کتاب دی گئی اس کی تفصیل سورۃ اعراف آیت 142 میں گزر چکی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے ایک تو
میں دو سوال کئے ہیں یعنی: مَآ أَعْجَلَكَ: پہلا سوال یہ ہے کہ قوم کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو، دوسرا سوال یہ ہے کہ وقت
مقرر سے قبل کیوں آئے ہو۔

تفسیر84 اس آیت میں دونوں سوالوں کے جواب ہیں پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میری قوم میری پیروکار ہے اس میں شرک نہیں ہے۔ اس معنی پر لفظ: أَثَرِي: دلیل ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ وقت مقرر سے قبل اس لئے آیا ہوں کہ تیری رضامندی مجھے خوب حاصل ہو جائے۔ یہ کام میں نے اپنے اجتہاد سے کیا ہے جس طرح ایک مومن نماز کا وقت داخل ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد میں حاضر ہوتا ہے بعض مفسرین نے: أَثَرِي: کا یہ معنی لکھا ہے کہ میری قوم میرے پیچھے طور کی جانب آ رہی ہے البتہ میں اس سے قبل آ گیا ہوں ان مفسرین نے اس کو میقات ثانی کے ساتھ منسلک کیا ہے مگر یہ طرز سورۃ اعراف کی ترتیب کے خلاف ہے کیونکہ میقات اول میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی نہیں تھا کیونکہ وہ جو ستر افراد ان کے ساتھ گئے تھے وہ میقات ثانی میں تھے جبکہ بچھڑے کی عبادت اور کتاب کا ملنا یہ تو میقات ثانی سے قبل کا واقعہ ہے۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنۢ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ٱلسَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

"اللہ نے فرمایا یقیناً تیری قوم کو تیرے بعد ہم نے آزمائش میں ڈال دیا ہے اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا" [85]۔

تفسیر85 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی گئی ہے کہ تیری قوم شرک میں مبتلا ہو گئی اور یہ کام سامری نے کیا ہے اور: فَتَنَّا: اس میں اشارہ ہے کہ کسی قوم پر انسی یا جنی شیطان کو مسلط کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے: وَأَضَلَّهُمُ: مراد گمراہی کی دعوت دینا ہے ورنہ حقیقتاً ہدایت وگمراہی اللہ ہی کے اختیار میں ہے اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کی نفی کی دلیل ہے اصل میں تفصیل اس طرح ہے کہ چالیس دن ان کو وہاں ٹھہرایا تختیوں میں تحریر شدہ تورات عطاء کی اور پھر ان کو قوم کی گمراہی کی اطلاع دی۔ فائدہ سامری سامرہ قبیلے سے تھا اسرائیلی یا قبطی تھا ان دونوں قولوں میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے سامری حقیقت میں منافقت کرتے ہوئے دین موسیٰ علیہ السلام میں داخل ہوا تھا اور پھر مرتد ہو کر بنی اسرائیل کو شرک اور گمراہی کی دعوت دیتا رہا۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ
اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

"لہٰذا موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک، غمگینی کی حالت میں لوٹ آئے کہنے لگے اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم پر مدت عہد طویل ہوئی یا تم نے چاہا کہ اترے تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب لہٰذا تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے" [86]۔

تفسیر 86 اس آیت میں اشارہ ہے کہ برائی دیکھنے پر غضبناک ہونا انبیاء علیہم السلام کی سنت اور صالحین کا طریقہ ہے
غَضْبَانَ: ظاہری غصہ کو کہا جاتا ہے اور: اَسِفًا: دل کی ناراضگی کو کہا جاتا ہے جو کہ ظاہری غضب سے بھی زیادہ غضب ہے۔
وَعْدًا حَسَنًا: اس سے مسئلہ توحید مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلائل اور معجزات کے ذریعے سے ثابت کیا ہے اس کو اللہ کا وعدہ کہا جاتا ہے مقصد یہ ہے کہ وعدہ توحید سے تم اس لئے پھر گئے کہ اس وعدے کا زیادہ عرصہ ہوگیا جس کی وجہ سے تم نے اس کو بھلا دیا یا قصداً تم نے خلاف کیا ہے لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کا غضب چاہتے ہوں، دوسری بات یہ ہے کہ: وَعْدًا حَسَنًا: سے تورات دینے کا وعدہ مراد ہے خلاصہ یہ ہے کہ تم نے وعدے کا انتظار نہیں کیا اس وجہ سے کہ زمانہ طویل گزرا ہے جس کی وجہ سے تم وعدہ بھول گئے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کے نزول کا ارادہ رکھتے ہو جملوں کی اصل ترتیب اس طرح ہے: اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ. اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ: یعنی وعدہ شکنی پہلے سبب سے کی ہے یا دوسرے سبب سے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾

"انہوں نے کہا ہم نے اپنی مرضی سے تیرے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن بوجھل ہوگئے تھے ہم پر گناہ خیانت کے زیورات کی وجہ سے ہم نے ان کو آگ میں پھینک دیا اور اس طرح سامری نے بھی کچھ پھینک دیا" [87]۔

تفسیر 87 گزشتہ آیت میں جو وجوہات وعدے کی خلاف ورزی کے لئے بیان ہوئی تھیں انہوں نے اس کے سوا تیسرا سبب بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سامری نے مسئلہ کے ذریعے سے شکست دیکر ہمیں مجبور کیا یعنی انہوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارے پاس فرعون کی قوم کے زیورات ہیں اور یہ مال غنیمت ہے جبکہ یہ تمہارے لئے حلال نہیں کیونکہ سابقہ امتوں کے لئے مال غنیمت استعمال کرنا جائز نہیں تھا تو اس کو آگ میں ڈالنا لازم ہے اس طرح گناہ سے بچنے کے لئے ہم نے زیورات کو آگ میں ڈال دیا

اور سامری نے بھی انہیں دھوکا دینے کے لئے اپنے زیورات بھی آگ میں ڈال دیے حالانکہ ان کا یہ عذر غلط تھا اس لئے کہ نبی جب کسی چیز کے متعلق حرمت کا حکم جاری نہیں کرتا ہے تو کسی امتی کو یہ اختیار نہیں کہ اس قسم کے فیصلے کرے تو زیورات کو آگ میں ڈال دیے کا فیصلہ و بہانہ درست نہیں تھا البتہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کے مقابل سامری کی تقلید کی۔ **فائدہ:** امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق صغیرہ گناہ سے بچنے کے لئے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا جو کہ بچھڑے کی عبادت تھی اور یہ بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے: زِيْنَةِ: زیورات کے معنی میں ہے جبکہ: اَوْزَارًا: سے مراد گناہ ہے اور: حُمِّلْنَا: سے خیانت کا گناہ مراد ہے کیونکہ تحمیل کا اطلاق کبھی خیانت پر بھی ہوتا ہے۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾

"پھر اس نے ان کے لئے بچھڑا بنایا یعنی ایک جسم جس کی گائے جیسی آواز تھی تو انہوں نے کہا یہ تمہارا بھی الٰہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی الٰہ ہے پس وہ بھول گیا" [88]

تفسیر 88 جسد اَ دلالت کرتا ہے کہ یہ بچھڑا سونے کا ہی مجسمہ تھا نہ کہ گوشت و ہڈی میں تبدیل کیا ہوا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے آواز کے لئے کوئی آلہ اس میں لگایا ہو جیسا کہ مفسرین نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے: فَقَالُوْا: جمع کا صیغہ ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ سامری کے اور بھی ساتھی تھے اور انہوں نے مل کر بچھڑے کی عبادت کی طرف دعوت دینا شروع کی تھی انہوں نے اس کو اسلئے الٰہ کہا تھا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ بچھڑے کے وجود میں اللہ تعالیٰ نے حلول کیا ہے یعنی اس کے بدن میں داخل ہوا ہے یعنی بچھڑے کی صورت میں اللہ تعالیٰ ظاہر ہوا ہے اس بچھڑے کے طواف کرتے اور ناچتے اور اس کو عبادت تصور کرتے آج بھی صوفی لوگ قوالی کے نام سے ڈھول بجاتے ہیں اور ساتھ میں ناچتے ہوئے اس کو عبادت کہتے ہیں جس کو طریقہ چشتیہ کہا جاتا ہے نیز یہ عقیدہ تمام حلولیوں کا ہے یعنی جو وحدۃ الوجود کے قائلین ہے: فَنَسِيَ: اس کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے لہذا یہ لفظ: قَالُوْا: کے تحت داخل ہے یا سامری کی طرف راجع ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سامری نے اپنے معبود کو بھلا دیا ہے۔

أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ ع

"کیا وہ جانتے نہیں کہ یہ بچھڑا نہ تو ان کو کوئی جواب لوٹا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے لئے نفع ونقصان کے اختیار کا مالک ہے"[89]۔

تفسیر89: اس آیت میں ان مشرکین کا اس انداز میں رد کیا گیا ہے کہ اس بچھڑے میں الوہیت کی صفات نہیں ہیں پہلی صفت کلام ہے یعنی بات کرنا جواب دینا اور یہ صفت اس میں نہیں ہے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کلام کی صفت سے متصف ہے ،دوسری صفت نفع ونقصان کے اختیارات ہیں اور وہ بھی اس میں نہیں ہیں معلوم ہوا کہ جو نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا وہ اِلٰہ نہیں ہوسکتا ہے مذکورہ تمام اختیارات ان مُردوں میں نہیں ہیں جن کو لوگ مددگار تصور کرتے ہیں اور ان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا اولیاء کرام ہوں کیوں کہ وہ سن نہیں سکتے ہیں نفع ونقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کی بات کا جواب دے سکتے ہیں مگر پھر بھی لوگوں نے ان کو معبود بنا رکھا ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿٩٠﴾

"اور بلاشبہ ہارون علیہ السلام ان کو یہ بات پہلے کر چکے کہ اے میری قوم! تم اس بچھڑے کے ذریعے سے فتنہ (شرک) میں مبتلاء کئے گئے ہو اور تمہارا رب انتہائی مہربان ہے لہٰذا تم میرے عمل کی پیروی کرو اور میری بات کو مان جاؤ"[90]۔

تفسیر90 اس آیت میں ہارون علیہ السلام کا اپنی قوم کو چار جملوں میں خطاب ہے پہلے جملے میں رد شرک ہے اور اشارہ ہے کہ سامری کا معاملہ سب کا سب فتنہ ہے دوسرے جملے میں توحید کا بیان ہے، تیسرے جملے میں اتباع کا حکم ہے اور چوتھے جملے میں اطاعت کا حکم ہے اور یہی دعوت حق کا خلاصہ ہے اس تفصیل کو اس لئے بیان کیا کہ کوئی یہ عقیدہ نہ بنائے کہ ہارون علیہ السلام نے دعوت حق میں سستی کاہلی سے کام لیا اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔فائدہ: اطاعت واتباع میں فرق یہ ہے کہ اتباع عمل اور طریقہ کو کہا جاتا ہے جبکہ اطاعت حکم اور بات میں ہوتی ہے ہارون علیہ السلام نے قوم سے یہ بات کہی تھی کہ میری طرح عقیدہ توحید کو مان کر عمل کرو اور شرک کے متعلق میری بات کو تسلیم کرتے ہوئے شرک سے بیزار ہو جاؤ۔

قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿٩١﴾

"انہوں نے کہا ہم اس بچھڑے کی عبادت کرتے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ علیہ السلام"[91]۔

تفسیر91 اس آیت میں ہارون علیہ السلام کو قوم کی طرف سے جواب ذکر ہوا ہے یہ لوگ ان کو کمزور تصور کرتے تھے اس

لئے موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کو مشروط بنایا ان کا خیال تھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت میں ہماری موافقت کریں گے۔ **لغات**
عُکُوْفٌ: کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی چیز کو تعظیم کے ساتھ بطور عبادت لازم پکڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جانا چونکہ انہوں نے اس بچھڑے کی تعظیم شروع کی اس کا طواف کرتے اور ناچتے ہوئے اردگرد گھومتے تھے (جیسا کہ عرس وقوالی کی مجالس میں رائج ہے)

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے ہارون علیہ السلام آپ کو کس چیز نے روکا جب آپ نے ان کو دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے [92]۔ کیو آپ نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی کیا آپ نے میری نافرمانی کی" [93]۔

تفسیر 92،93 گزشتہ آیتوں میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ ہارون علیہ السلام نے دعوت میں کسی قسم کی مداہنت سے کام نہیں لیا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ علم نہیں تھا اسلئے انہوں نے بھائی کے سر کے بال غصے سے پکڑ لیے اور داڑھی پکڑنے کا بھی ارادہ کیا سر کے بالوں سے اپنی طرف کھینچتے ہوئے یہ وہ باتیں کہی جو ان دونوں آیتوں میں ہیں: اَلَّا تَتَّبِعَنِ: اس کے دو معانی ہیں ایک معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے ان کو میری طرح ہاتھ سے کیوں نہیں روکا اور ان سے جنگ نہیں کی یعنی ہاتھ سے ان کو روک لیتے دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ نے جب ان کو شرک کے ارتکاب میں دیکھا تو میرے پیچھے طور پر آجاتے اَمْرِيْ: سے مراد وہ ہے جو سورۃ اعراف آیت 142 میں مذکور ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے فرمایا تھا ورنہ ہارون علیہ السلام نے اپنی ذمہ داری نبھائی تھی۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾

"ہارون علیہ السلام کہنے لگے اے میری ماں جائے نہ تم پکڑو میری داڑھی اور نہ ہی میرا سر یقیناً میں اس بات سے ڈر گیا کہ تم کہو گے تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور میری بات کا لحاظ نہیں کیا" [94]۔

تفسیر 94 ہارون علیہ السلام نے اپنے عذر کو اس آیت میں بیان کیا موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام کے جواب میں کہ اَلَّا تَتَّبِعَنِ: مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کے پیچھے آتا ان سے قتال کرتا تو ان میں تفرقہ پیدا ہونے کا امکان تھا: وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ: اس جملے میں دو احتمالات ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ ہارون علیہ السلام کا قول ہے یعنی اگر میں آپ کے پیچھے آجاتا اور ان میں تفرقہ پیدا ہوتا تو آپ میرے عذر کو اس وقت قبول نہ کرتے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا حصہ ہے اور قَوْلِيْ: سے مراد سورۃ اعراف آیت 142 میں گزرا ہوا قول ہے۔ **فائدہ** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی داڑھی رکھنا اور سر

کے بال رکھنا کے مٹھی میں آ جائے پیغمبروں کی سنت ہے تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ داڑھی کی مقرر مقدار نہیں ہے جتنا چاہو کترا سکتے ہو۔ اور بطور دلیل ترمذی سے روایت پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے داڑھی کے اطراف سے بال کتروائے تھے مگر وہ حدیث ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس آیت کے بھی خلاف ہے۔ (ترمذی کتاب الادب حدیث 2771 امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ سے اس حدیث کا ضعف ثابت کیا ہے اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو منکر کہا ہے۔)

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تیرا کیا معاملہ ہے اس کام کرنے میں اے سامری" [95]۔

تفسیر 95 اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ تیرے اس عمل کے لئے کیا باعث ہے اور اس عمل کی کیا دلیل ہے کہ تو نے اس بچھڑے کو معبود بنایا۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾

"اس نے کہا میں وہ چیز سمجھا جس کو یہ نہیں سمجھے پس میں نے لیا رسول کے نقش قدم سے تھوڑا پھر پھینک دیا! اور ایسا ہی میرے نفس میرے لئے مزین کیا" [96]۔

تفسیر 96 جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عمل پر میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے صرف میرے نفس اور خواہش کی بات تھی اور مجھے بنی اسرائیل پر علمی برتری حاصل تھی اس آیت میں بہتر یہ ہے کہ بصیرت سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے متعلق حقانیت کا علم ہے اور: اَثَرِ الرَّسُوْلِ: سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت ہے اور: قَبْضَةً: سے پیروی اور: فَنَبَذْتُهَا: سے مراد مرتد ہونے کے طور پر اطاعت کو پس پشت ڈال دینا ہے اور اس کی وجہ نفسانی وسوسے ہیں دوسری مشہور تفسیر یہ ہے کہ: بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا: سے مراد جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی لیکر اس بچھڑے میں ڈال دی جس کے سبب سے اس میں آواز آنا شروع ہوئی اور بچھڑے نے گوشت کی صورت اختیار کی لیکن اس تفسیر کی بنیاد اسرائیلی روایات پر ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ سامری نے جبرائیل کے گھوڑے کو دیکھا تھا نیز اس میں تقدیری عبارت بہت ماننی پڑے گی یعنی: اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ: جبکہ یہ فصیح کلام کے خلاف ہے اور بچھڑے کا حقیقی صورت میں منتقل ہونا بھی ثابت نہیں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قول بہتر ہے جس کو امام رازی، امام آلوسی اور امام خطیب شربینی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۖ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۖ وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا تو چلا جا یقیناً تیرے لئے زندگی بھر میں یہ ہوگا تو کہتا رہے گا مجھے کوئی ہاتھ نہ لگانا اور یقیناً تیرے وعدے کا وقت مقرر ہے کہ جس سے تیرے حق میں اس سے خلاف نہیں ہوگا اور تو دیکھ اپنے معبود کی طرف وہ جو ہو گیا تھا اس پر جم کر بیٹھنے والا یقیناً ہم اس کو ضرور جلائیں گے پھر اس راکھ کو ضرور سمندر میں اڑا دیں گے مکمل اڑانا [97]۔

تفسیر 97 موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا ہم سے الگ رہو اور کسی سے ہاتھ نہ لگانا اور تمہارے ساتھ بھی کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا یعنی بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے بات کرنے اور تعلق رکھنے سے منع کیا یعنی ان سے ہر طرح کا بائیکاٹ کر لیا۔ فائدہ: اس میں دلیل ہے کہ معاشرے میں غلط عقائد و اعمال والوں سے بائیکاٹ کیا جائے تاکہ ان کے برے اعمال معاشرے کے لوگوں پر اثر انداز نہ ہو جائیں ایسا ہی امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ فائدہ 2: موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ کو سمندر میں ڈال دیا اس میں دلیل ہے کہ جس چیز کی عبادت کی جائے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

"یقیناً تمہارا معبود فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہیں کوئی بندگی کا حقدار اس کے سوا اس نے ہر چیز کو اپنے علم کے احاطے میں گھیر رکھا ہے۔" [98]۔

تفسیر 98 اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی اور رد شرک فی العلم کی دلیل ہے اور رد شرک فی الالوہیت بھی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿٩٩﴾

"اسی طرح ہم آپ پر کچھ خبریں بیان کرتے ہیں جو گزر چکی ہیں اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ذکر (قرآن) دیا ہے [99]۔

خلاصہ: یہاں سے سورۃ کے آخر تک دوسرا حصہ ہے اس میں سولہ طریقوں سے تخویف اخروی کا ذکر ہے اور آخرت کی نجات کا ذکر ہے جو قرآن مجید کی طرف ترغیب ہے دین پر بہادری کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ترغیب ہے۔ یعنی توحید کو جرأت کے

ساتھ پہنچاؤ پھر آدم علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے تاکہ ابلیس سے بچ سکے یعنی بھول کر اس کے جال میں پھنس نہ جائے اور مسئلہ توحید کا ذکر ہے پھر وعید ہے اور رسول کے بھیجنے کی حکمت کا ذکر ہے اور آخری آیت میں تخویف اور وعید ہے۔

تفسیر 99 اس آیت میں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا ہے جو شجاعت کے لیے ہے جس کو ذِکْرًا: کہا گیا ہے اور ذکر وحی کے معنی میں ہے: اَنْبَآءِ: اس سے واقعات کی جزیات بیان کرنا مراد نہیں ہے صرف بڑی بڑی باتیں مراد ہے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾

"جس نے اس سے منہ پھیرا تو یقیناً وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے گا [100]۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں اور برا ہوگا ان کے لئے قیامت کے دن بوجھ اٹھانا [101]۔ یعنی جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور ہم اس دن اکٹھا کریں گے مجرموں کو اس حال میں کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے [102]۔ وہ چپکے چپکے آپس میں کہتے ہوں گے کہ نہیں تم دنیا میں رہے مگر صرف دس دن (103) ہم خوب جانتے ہیں اس کو جو کچھ وہ کہیں گے جس وقت ان میں رائے کے اعتبار سے بہترین شخص کہے گا نہیں ٹھہرے تم مگر ایک ہی دن" [104]۔

تفسیر 100 تا 104 ان آیتوں میں ان لوگوں کے لئے جو قرآن کریم سے اعراض کرتے ہیں تخویف آخری کا ذکر ہے وِزْرًا: بھاری بوجھ کو کہتے ہیں اور: حِمْلًا: مطلق بوجھ کو کہتے ہیں: زُرْقًا: وہ شخص جس کی آنکھیں نیلی اور چہرہ کالا ہو دوسرا معنی یہ ہے کہ: زُرْقًا اندھے کو کہتے ہیں تیسرا معنی پیاسے کو: زُرْقًا: کہتے ہیں: اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا: عام مشرکین قیامت کی ہیبت کی وجہ سے دنیاوی زندگی کو دس دن تصور کریں گے جبکہ سرداران مشرکین کے زیادہ ہیبت کی وجہ سے ایک دن قرار دیں گے: عَشْرًا: اس لئے فرمایا کہ یہ جمع قلت کی انتہاء ہے: اَمْثَلُهُمْ: ان کے عاقل سمجھدار کو کہتے ہیں یعنی جتنا زیادہ ہوشیار ہوگا اتنا ہی ہیبت و مصیبت کو زیادہ محسوس کرے گا اسلئے وہ ایک ہی دن قرار دیتے ہونگے اس کے برعکس اور کم عقل پر ہیبت کم ہوگی ان کا مطلب یہ ہے کہ اتنی کم عمر میں ہم کیا کچھ کر سکتے لہٰذا ہمارے اس عذر کو تسلیم کیا جائے مگر ان کا یہ عذر خلاف واقع ہے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾

''وہ آپ سے سوال کرتے ہیں پہاڑوں کے متعلق آپ فرما دیجئے ان کو میرا رب اڑا دے گا اڑا لینا پھر اس زمین کو چٹیل میدان چھوڑ دیگا[106]۔ آپ اس میں کوئی کجی نہیں دیکھیں گے''[107]۔

تفسیر106، 107 اس کا تعلق بھی تخویف اخروی سے ہے اور اس میں زمین سے پہاڑوں کے وجود کو ختم کرنے اور زمین کو چٹیل میدان بنانے کا ذکر ہے۔ فائدہ: قرآن مجید میں جہاں: وَيَسْـَٔلُونَكَ: ذکر ہے وہاں اس کے جواب میں (فَا) نہیں ہے جبکہ اس آیت میں (فَا) ذکر ہے وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اِنْ: شرطیہ مراد ہے یعنی اگر یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کریں تو آپ ایسا جواب دیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت انہوں نے یہ سوال نہیں کیا تھا اور جن مقامات میں (فَا) نہیں تو وہ سوالات ہو چکے تھے اس سے مراد ان کی طرف سے یہ کہنا تھا کہ قیامت کس طرح قائم ہوگی جبکہ اتنے مضبوط اور بڑے بڑے پہاڑ موجود ہیں ان کو کس طرح فناء کیا جائے گا اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو ختم کر دیا: فَيَذَرُهَا: اس میں دلیل ہے کہ زمین کو مکمل فنا نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی ہیئت اور صورت کو بدل دیا جائے گا اور اس قول کو بہت سے علماء نے پسند کیا ہے یا پھر (هَا) کی ضمیر اس دوسری زمین کی طرف راجع ہے جو اس زمین کے فناء ہونے کے بعد آباد ہوگی یہ قول دیگر علماء کا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾

"اس دن بلانے والے کے پیچھے وہ لوگ چلیں گے کوئی کجی نہیں ہوگی اس کے لئے اور سب آوازیں رحمان کے سامنے پست ہو جائیں گی لہٰذا آپ نہیں سنیں گے سوائے آہٹ کے"[108]۔

تفسیر108 داعی سے قوم کا رہنما مراد ہے یعنی پیشوا سیدھا چلتا ہوگا اور پیروکار اس کے پیچھے ہوں گے یا پھر داعی سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہے یا مراد قیامت کے دن حکم دینے والا ہے یعنی آج تو یہ لوگ اطاعت کے لئے تیار نہیں جبکہ قیامت کے دن داعی کا حکم سننے کے لئے تیار ہوں گے آخری قول ابن کثیر کا ہے اور: لَهُ: عَنْهُ: کے معنی میں ہے جو داعی کی طرف راجع ہے یا: لَهُ: بمعنی: كُلٌّ وَاحِدٍ: اور يَتَّبِعُونَ: کی طرف راجع ہے: هَمْسًا: قدم کی آواز یا سانس لینے کی آواز کو کہتے ہیں دونوں قول صحیح ہیں۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

"اس دن کسی کی سفارش قبول نہیں ہوگی مگر جس کے لئے رحمان کی جانب سے اجازت ہوگی اور اس کی بات (سفارش) اللہ پسند کرے"[109]۔

تفسیر109 اس آیت میں شفاعت قہریہ شرکیہ کا رد کیا گیا ہے: قَوْلًا: سے کلمہ توحید مراد ہے یعنی :مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ: کا ایک معنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے لئے سفارش کی جارہی ہے اس صورت میں لفظ مِنْ: سے پہلے (لام) مقدر ماننا پڑے گا اور: اَلشَّفَاعَةُ: اصل میں: الشَّفَاعَةُ اَحِدٍ: کے معنی میں ہے اس میں مقدر عبارت اس طرح ہے الشَّفَاعَةُ لِاَحدٍ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَهُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا! مراد یہ ہے کہ دنیا میں اس نے توحید کی طرف دعوت دی ہو یا کلمہ توحید ایسا قبول کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے دنیا میں راضی ہوا ہو۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

"وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور ان کا احاطہ اپنے علم سے نہیں کر سکتے"[110]۔

تفسیر110 اس آیت میں گزشتہ آیت کے لئے تقویت کی دلیل ہے یعنی بارگاہ الٰہی میں بغیر اجازت کوئی بھی سفارش نہیں کر سکتا ہے کیونکہ ان کی حالت اور عاجزی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اس میں اللہ کے لئے علم کی صفت ثابت کی ہے اور غیر اللہ سے نفی کی ہے یعنی رد شرک فی العلم اور ضمیر حرف مَا کی طرف راجع ہے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

"اور سب چہرے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والی ذات کے لئے جھک جائیں گے اور یقیناً وہ شخص نامراد ہوا جس نے بوجھ اٹھایا (شرک) ظلم کا"[111]۔

تفسیر111 اس آیت میں بھی سابقہ آیت کی توثیق ہے کہ روز قیامت کوئی بھی بلا اجازت شفاعت نہیں کر سکے گا بلکہ وہ تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کریں گے نیز یہ آیت بھی تخویف اخروی میں داخل ہے: وُجُوهُ: سے مراد چہرے اور ماتھے ہیں یا مراد بڑے بڑے لوگ ہیں: ظُلْمًا: اس آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

"اور جو شخص نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ نہیں ڈرے گا ناانصافی سے اور نہ ہی حق تلفی سے"[112]۔

تفسیر112 اس آیت میں خوشخبری ہے نیز: ظُلْمًا: اور هَضْمًا: میں فرق یہ ہے کہ ظلم سے مکمل حق تلفی مراد ہے جبکہ ہضم سے مراد بعض حقوق کا تلف ہے یا ظلم سے مراد گناہوں میں اضافہ ہے اور ہضم سے اجر و نیکیوں میں کمی ہے نیز لغت میں ظلم اضداد میں سے ہے جو کمی اور زیادتی دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾

"اور ہم نے اس طرح نازل کیا ہے اس قرآن کو صاف بیان والا اور ہم نے پھیر پھیر کر اس میں وعیدیں بیان کی ہیں تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں یا ان کے لئے قرآن نصیحت پیدا کردے"[113]۔

تفسیر113 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اور قرآن مجید کے دو فائدے مذکور ہیں یعنی دونوں فائدوں کا ہونا بھی امکان رکھتا ہے اور دونوں میں سے ایک تو لازمی ہے دونوں فائدوں میں فرق یہ ہے کہ تقویٰ سے مراد قرآن پر عذاب الٰہی کے خوف سے عمل کرنا ہے اور: يُحْدِثُ: سے مراد ترغیب کی وجہ سے وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہے یا پھر تقویٰ سے مراد شرک و کفر گناہوں کو ترک کرنا اور ذکر سے مراد توحید ایمان اور اطاعت کا پیدا ہونا۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾

"تو اللہ تعالیٰ برحق بادشاہ بلند تر ہے اور آپ جلدی نہ کریں قرآن پڑھنے میں اس سے قبل کہ اس کی وحی آپ کی طرف پوری کی جائے اور فرما دیجئے اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ کر"[114]۔

تفسیر114 اس آیت میں پہلے توحید کا ذکر ہے جو کہ قرآن کی سچائی کا نتیجہ ہے جیسا کہ گزر گیا اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی علو (بلندی) کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے بغیر تشبیہ تاویل تحریف تمثیل ثابت ہے اور حقیقی معنی میں ہے اور قرآن کریم پڑھنے کا ادب ذکر ہو رہا ہے ان آداب کا پہلا مقصد یہ ہے کہ جبرائیل کے قرآن سناتے نازل کرتے وقت جلد بازی سے کام نہ لینا بلکہ ان کو پورا سنانے دینا وہ اس طرح سورہ القیامۃ میں بھی ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب تک قرآن مجید کے مقصد کو نہ پہنچے تو اس کو بیان مت کرنا لہٰذا وحی سے مراد اس کا بیان و تفسیر ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے مجاہد رحمہ اللہ سے یہ معنی نقل کیا ہے۔ آیت کے آخر میں علم کے اضافہ کے لئے دعا کی تعلیم ہے اس میں دلیل ہے کہ علم میں اضافہ کے لئے اللہ کے رسول

محتاج وضرورت مند تھے اس سے اندازہ لگائیں کہ امت کو علم کی کتنی ضرورت ہوگی۔ اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ نبیوں کا علم کلی اور محیط بکل شئی نہیں ہے اس لئے اضافہ کا محتاج ہے اس میں فضیلت علم کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی طلب کا حکم دیتا ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے رہے اسلئے موت تک نبی پر وحی آتی رہی جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے (صحیح بخاری، فضائل القرآن حدیث 4982۔ صحیح مسلم کتاب التفسیر حدیث 3016)

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿١١٥﴾

"اور بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے ہم نے آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا پھر وہ بھول گیا اور ہم نے اس کو (گناہ کا) قصد کرنے والا نہیں پایا" [115]۔

تفسیر 115 اس میں آدم علیہ السلام کے واقعے کی ابتدا کا ذکر ہے اور اس کا عذر بھی بیان ہوا ہے سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے یہاں تحذیر (ڈرایا جارہا) ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرح بھول جانے سے اور یہاں عزم بمعنی قصد ہے یعنی آدم علیہ السلام نے گناہ کا قصد نہیں کیا ہے یہاں نسیان حقیقی معنی میں ہے ترک کے معنی میں نہیں ہے امام ابن کثیر نے اس کو سعید بن جبیر اور ابن ابی طلحہ کی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب آدم علیہ السلام حقیقی معنوں میں بھول گئے تو پھر یہ گناہ پر دلالت نہیں کرتا ہے کیونکہ بھول کر عمل سے گناہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰ ﴿١١٦﴾ فَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هَٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ٱلْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰٓ ﴿١١٧﴾

"اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا [116]۔ لہذا ہم نے کہا اے آدم یقیناً یہ ابلیس تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے پس تم دونوں کو نہ نکلوا دے جنت سے تو مشقت میں پڑ جائے گا" [117]۔

تفسیر 116 سورۃ بقرہ اور سورۃ اعراف سورۃ حجر سورۃ کہف میں سجدہ کی تفصیل گزر چکی ہے اَبٰی دلیل ہے کہ سجدہ نہ کرنے کا سبب اللہ تعالیٰ کے امر سے انکار تھا اور یہ کفر ہے۔

تفسیر 117 اس آیت میں آدم علیہ السلام کو تنبیہ ہے کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے لہذا اس کی اطاعت سے بچتے رہنا ورنہ اس کی اطاعت جنت سے نکلنے اور مشقت میں پڑ جانے کے لئے سبب ہے: فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا: اس میں ابلیس کی طرف نسبت مجازی

ہے فَتَشْقٰی: یہ مشقت سے لیا گیا ہے یعنی دنیا کی مصیبتیں اور پریشانیاں مراد ہیں یہ شقاوت (بدبختی) سے ماخوذ نہیں ہے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

"یقیناً اس میں تیرے لئے یہ فائدہ ہوگا کہ نہ اس میں تو بھوکا ہوگا اور نہ ہی تو ننگا ہوگا[118]۔ اور بلاشبہ نہ تو پیاسا ہوگا اس میں اور نہ ہی تجھے دھوپ لگے گی" [119]۔

تفسیر 118، 119 ان آیتوں میں جنت کی چار نعمتوں کا تذکرہ ہے مگر ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ نے اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اجتناب کیا جائے پہلی نعمت یہ ہے کہ اس میں تمہیں بھوک نہیں لگے گی دوسری نعمت یہ ہے کہ تمہیں اس میں لباس مستقل حاصل ہوگا ننگا ہونے کا خوف نہیں ہوگا ان دو نعمتوں کو یکجا ذکر کیا ہے اس لئے کہ بھوک کا تعلق بدن کے باطن اور ننگا ہونے کا تعلق بدن کے ظاہر سے ہے اور یہ دونوں ذلت کے اسباب ہیں اور یہ بھی اس میں ترتیب ہے کہ انسان کی ضرورت پہلے کھانے کی ہے پھر لباس کی ہے تیسری نعمت یہ ہے کہ جنت میں پیاس نہیں ہے چوتھی نعمت یہ ہے کہ جنت میں گرمی نہیں ہے اس میں پہلی کا تعلق باطن سے ہے اور دوسری کا تعلق ظاہر سے ہے اور دونوں گرمی سے متعلق ہیں اس لئے ان کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ چاروں کی ترتیب اس طرح ہے کہ انسان پہلے کھانے کو طلب کرتا ہے پھر لباس پھر پانی اور پھر گرمی سے بچاؤ چاہتا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

"پھر شیطان نے وسوسہ ڈالا اس کی طرف اس نے کہا اے آدم! کیا میں تجھے خبر نہ دوں ہمیشگی کے درخت اور ایسی بادشاہی کی جو پرانی نہ ہوگی" [120]۔

تفسیر 120 اس میں دو طریقوں سے وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہے پہلا طریقہ وسوسہ کا ہے کہ اس درخت کے کھانے سے ہمیشگی حاصل ہوگی یعنی موت سے نجات حاصل ہوگی دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں جو فنا نہیں ہوں گی یعنی تو ہمیشہ زندہ رہے گا اور نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں گی: شَجَرَةُ الْخُلْدِ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے احمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے حدیث نقل کی ہے۔ (احمد 4455/2) اس روایت کو شجرۃ الخلد لفظ کے علاوہ شیخ ارناوط نے صحیح قرار دیا ہے الموسوعۃ الحدیثیۃ 9870) کہ اس نام کا درخت جنت میں تھا لیکن شیطان نے دھوکہ دینے کے لیے اس درخت کا نام شجرۃ الخلد رکھا جس سے آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

"تو ان دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا تو ان دونوں کو ظاہر ہوگئیں ان دونوں کے شرمگاہیں اور دونوں شروع ہوئے چپکاتے ہوئے اپنے اوپر جنت کے درخت کے پتے اور آدم علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کا (بھول کر) خلاف کیا تو وہ مراد کو نہیں پہنچا" [121]۔

تفسیر 121 اس آیت میں سَوْاٰتُ کا لفظ اور يَخْصِفٰنِ دونوں واضح دلیل ہے کہ ان دونوں سے لباس اتر گیا تھا اور دونوں برہنہ ہوگئے تھے اور ان کی شرمگاہیں ان پر ظاہر ہوگئی تھیں لیکن عربی قانون میں جب تثنیہ بمقابل تثنیہ آجائے تو وہ تقاضا کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی ہی شرمگاہ نظر آئے یعنی ہر ایک نے اپنی شرمگاہ دیکھی دوسرے کی شرمگاہ دیکھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس میں کوئی عیب بھی نہیں ہے۔ البتہ طبعاً ناپسندیدہ امر ہے آیت میں جو صراحت ہے اس میں یہ تاویل کرنا کہ سَوْاٰتُ سے نقصان مراد ہے اور لباس سے جنت والا لباس مراد ہے اور ان کو لباس نکال دینے کے بعد کوئی اور لباس دیا گیا تھا یہ تمام تر تاویلات وتحریفات ہیں عصیان نافرمانی کو کہتے ہیں خواہ جان کر قصداً ہو یا بھول کر نسیاناً ہو البتہ قصداً ارتکاب کرنے سے گناہ شمار ہوتا ہے اور جب بھول سے واقع ہوجائے تو پھر گناہ نہیں ہے آدم علیہ السلام سے مخالفت بھول کر واقع ہوئی ہے تو یہ ان کے گناہ گار ہونے کی دلیل نہیں ہے اور ہمیشہ زندگی والا وسوسہ ابلیس نے ان کو دیا تھا اس تک رسائی میں ناکام ہوئے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں دو اہم باتیں اس موضوع سے متعلق تحریر کی ہیں پہلی بات یہ کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کے متعلق بطور بیان واخبار اس کو بیان کرتا ہو البتہ تلاوت یا حدیث کے بیان میں آجائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ آدم علیہ السلام کو غاوی یا عاصی لفظ سے یاد کرے کیونکہ فعل کا صیغہ اسم فاعل کے اطلاق کو مستلزم نہیں۔

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

"پھر ان کو برگزیدہ کیا ان کے رب نے اور ان پر رحمتیں نازل کیں اور ان کو پختہ کیا" [122]۔

تفسیر 122 "اِجْتَبٰهُ: سے مراد رتبے میں ترقی اور پختگی مراد ہے نیز یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ عمل انہوں نے نبوت سے قبل کیا ہو جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے اسکی تفصیل سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾

"فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم دونوں یہاں اکٹھے اتر جاؤ بعض تمہارے بعضوں کے لئے دشمن ہونگے اگر میری طرف سے ہدایت تمہارے پاس آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو نہ تو وہ گمراہ ہوگا اور نہ ہی وہ مشقت میں پڑے گا" [123]۔

تفسیر 123 اس آیت میں بہتر قول یہ ہے کہ یہ خطاب آدم علیہ السلام اور ابلیس دونوں سے ہے اور حوا آدم علیہ السلام کی تابع ہے بعد والے جملے میں اس کی دلیل ہے۔ فائدہ: سورۃ اعراف میں ابلیس کے لئے پہلے اتر جانے کا حکم ہوا تو انہوں نے اترنے سے قبل آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈال دیا پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو مخاطب کیا اور اس آیت میں جمع ذکر کیا ہے اس لیے کہ حوا علیہا السلام داخل ہے اور اسی طرح دیگر مقامات میں بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: فَمَنِ اتَّبَعَ: میں قرآن والے بھی شامل ہیں کیونکہ: هُدَايَ: میں تمام کتب اور انبیاء شامل ہیں یعنی جس نے قرآن کو پڑھ لیا اور پھر اس کی پیروی کی تو وہ دنیا میں گمراہی سے اور آخرت میں بدبختی سے بچ جائے گا۔

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ﴿١٢٥﴾

"جس نے میری یاد سے اعراض کیا تو یقیناً اس کی زندگی تنگ ہوگی اور اسکو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے [124]۔ وہ کہے گا اے میرے رب مجھے تو نے کیوں اندھا اٹھالیا حالانکہ میں تو دنیا میں دیکھنے والا تھا" [125]۔

تفسیر 124، 125 ان آیتوں میں تخویف ہے اور ذکر سے مراد کتاب اللہ اور دین حق اور سنت رسول ہے امام قرطبی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور تنگ زندگی سے دنیاوی زندگی یا قبر کا عذاب مراد ہے (مستدرک 381/2 شیخ زبیر نے اس روایت کو حسن کہا ہے) یہ ابن مسعود، ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے: مَعِيشَةً: اس میں اشارہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں حاصل کرنے اور استعمال کرنے کے باوجود اس کو دلی پریشانی ہوگی اور مختلف غموں میں رہے گا اور قبر بھی تنگ ہوگی اور اندھے پن سے مراد بے دلیل زندگی ہے اور: بَصِيرًا: سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے گمان میں صاحب دلیل تھے یعنی دنیا میں کچھ باطل دلائل پیش کرتے تھے لیکن قیامت والے دن تو وہ بھی پیش نہیں کرسکیں گے۔ جیسا کہ سورۃ قصص

آیت 66 اور سورۃ بنی اسرائیل آیت 72 میں ہے پھر اندھے سے مراد حقیقتاً اندھا ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 97 میں ہے۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾

"اللہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا تھا اور اسی طرح تجھے بھی آج کے دن بھلا دیا جائے گا" [126]۔

تفسیر 126 اس آیت میں گذشتہ عذاب کا سبب ذکر کیا ہے اور: نَسِيْتَ: جان بوجھ کر بھلا دینا ہے اور: تُنْسٰى ہمیشہ کے عذاب میں چھوڑ دینا ہے یعنی ان کو: نَسْيًا مَّنْسِيًّا: کر دیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

"اور ہم اسی طرح اس شخص کو سزا دیتے ہیں جو حد سے بڑھ گیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے" [127]۔

تفسیر 127 اس آیت میں عذاب کی عمومیت کا ذکر ہے ہر مشرک اس عذاب میں شامل ہے کیونکہ اسراف سے شرک مراد ہے: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى یعنی آخرت کا عذاب دنیاوی اور برزخی قبر کے عذاب سے سخت ہے اور یہ دونوں عذاب مستقل نہیں ہے جبکہ آخرت کا عذاب ہمیشہ کے لئے ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع

"کیا ان کے لئے (سبب) ہدایت نہیں کہ کتنی ہم نے ہلاک کیں ان سے پہلی قومیں کہ یہ لوگ ان کے مکانوں میں چلتے ہیں بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے عبرت ہے" [128]۔

تفسیر 128 اس آیت میں زجر کے ساتھ تخویف دنیاوی ہے یہاں سے مراد عقل کی ہدایت ہے یعنی یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ہیں کہ سابقہ قومیں کس جرم کی پاداش میں ہلاک کی گئی تھیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

"اور اگر پہلے سے طے شدہ بات اور میعاد مقرر نہ ہوتی تو تیرے رب کی طرف سے چمٹنے والا (عذاب) کب کا آپڑا ہوتا" [129]۔

تفسیر 129 اس آیت میں بھی تخویف دنیاوی ہے اور کلمے سے تقدیر میں لکھا ہوا فیصلہ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ بات تقدیر میں لکھ دی ہے کہ ان کو دی گئی مدت دمہلت جب تک مکمل نہ ہوجائے اور ان پر دلائل کے ذریعے سے حجت قائم نہ ہوجائے ان پر عذاب نہیں آئے گا: لَكَانَ: میں ضمیر اس عذاب کی طرف راجع ہے جو گزشتہ آیت میں ذکر ہوا: وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّى: یہ کلمہ پر عطف ہے اور: لِزَامًا: سے مراد عذاب کا واقع ہوتا ہے۔

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ﴿١٣٠﴾

"آپ ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں صبر کیجئے اور اپنے رب کے حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے قبل تسبیح کیجئے اور اس کے غروب ہونے سے قبل اور رات کے کچھ لمحات میں اور تسبیح پڑھئے دن کے دونوں حصوں میں تا کہ آپ خوش ہوجائیں" [130]۔

تفسیر 130 اس آیت میں صبر کے ساتھ دعوت حق پر دلیری کی ترغیب دی گئی ہے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ: اس سے مراد دل میں عقیدہ توحید زبان پر حمد و تسبیح ذکر الٰہی اور تسبیح اور حمد کا عمل جو کہ نماز میں پڑھتا ہے اس آیت میں نمازوں کے پانچوں اوقات کا ذکر ہے کیونکہ طلوع شمس سے قبل فجر کی نماز غروب شمس سے قبل عصر کی نماز رات کے لمحات سے مغرب وعشاء اور اطراف النہار سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے دو حصوں کے درمیان ہے یعنی دن کا پہلا حصہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا حصہ شروع ہوتا ہے اور یہاں جمع سے مراد تثنیہ ہے: لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ: اس میں دلیل ہے کہ اس آیت پر عمل کرنے سے خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اور داعی کے لئے اس آیت میں تین آداب کا ذکر ہے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

"اور اپنی نگاہوں کو ان چیزوں کی طرف دراز نہ کریں جن کے ساتھ ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو ہم نے فائدہ دیا ہے رونق والی دنیا کی زندگی تاکہ ہم ان میں ان کو آزمائیں اور آپ کے رب کا رزق بہت دیرپا اور بہتر ہے" [131]۔

تفسیر 131 اس آیت میں دنیا سے بے رغبتی کا ذکر ہے اور اس میں چوتھا ادب بھی ہے یعنی دنیا والوں کے مال اور دولت کی طرف متوجہ ہونے سے نماز میں غفلت پیدا ہوتی ہے: اَزْوَاجًا: سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیاداری میں ایک دوسرے سے قریب ہوئے ہیں اور دنیا پرستی میں مشابہ ہوتے ہیں: وَرِزْقُ رَبِّكَ: اس سے مراد حلال مال ہے: اَبْقٰی: سے اس میں برکات مراد ہیں یا پھر جنت کا رزق مراد ہے جو ہمیشہ باقی ہے۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾

"اور اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیجئے اور خود بھی ثابت قدم رہیے ہم آپ سے اس پر رزق کا سوال نہیں کرتے ہیں ہم ہی آپ کو رزق دیتے ہیں بہترین انجام تقوی والوں کا ہے" [132]۔

تفسیر 132 اس آیت میں پانچواں ادب ہے اور اہل سے مراد عام پیروکار ہیں: وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا: یعنی ہم نے آپ کو رزق کا ضامن نہیں بنایا ہے جس کے سبب سے آپ نماز میں غفلت کا شکار ہو جائیں: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی: اس میں اشارہ ہے کہ پانچ اعمال سے تقوی حاصل ہوتا ہے لِلتَّقْوٰی: اس میں لام أجلیہ ہے یا پھر اس سے مراد: لِاَهْلِ التَّقْوٰی. اَلْعَاقِبَةُ: لغت میں مطلق آخری حالت کو کہا جاتا ہے جبکہ عرف میں بہترین انجام کو کہتے ہیں۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾

"اور انہوں نے کہا کیوں وہ ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی طرف سے نہیں لاتا ہے؟ کیا ان کے پاس دلیل نہیں آئی اس چیز کی جو کچھ پہلے صحیفوں میں ہے" [133]۔

تفسیر 133 اس آیت میں منکرین کے لئے زجر ہے یعنی جب اس سورۃ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہو گیا تو مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ شروع کیا کہ ہم کو بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات دکھائیں تو اس آیت میں جواب دیا گیا کہ قرآن مجید سابقہ کتب سماویہ کا خلاصہ ہے لہٰذا یہ معجزہ تمام معجزوں سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 51 میں ہے اس آیت میں یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام بَيِّنَةٌ: ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن مجید سابقہ کتب کا خلاصہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

"اور اگر ہم یقیناً ان کو کسی عذاب کے ذریعے سے ہلاک کرتے رسول کو بھیجنے سے پہلے تو ضرور کہتے وہ لوگ اے ہمارے رب کیوں نہیں بھیجا کوئی رسول ہماری طرف تو ہم آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے [134]۔ آپ فرما دیجئے ہر ایک انتظار کرنے والا ہے تو تم بھی انتظار کرو عنقریب تم جان لو گے کہ کون راہ راست پر ہے اور کون ہدایت پر ہے" [135]۔

تفسیر 134 اس آیت میں ایک اور سوال کا جواب ہے سوال یہ تھا کہ یہ لوگ تو پہلے سے مشرک تھے تو ان پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ جواب یہ ہے کہ اگر ان پر رسول کے آنے سے قبل عذاب بھیجتے تو وہ عذر و بہانہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کسی کا عذر نہیں چھوڑتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت 165 سورۃ قصص آیت 47 میں مذکور ہے ان آیتوں میں رسولوں کو بھیجنے اور کتب الٰہیہ کی نزول کی حکمت بیان کی گئی ہے: مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ: اس میں دلیل ہے کہ کتاب الٰہی کی خلاف ورزی سبب ذلت و رسوائی ہے۔ وَنَخْزٰى: اس میں دنیا اور آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔

تفسیر 135 اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے یعنی جب رسول بھیجا گیا تو تم حق سے انکار کرتے رہے تو اب عذاب کا انتظار کرو اور آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں عذاب الٰہی سے وہ بچ سکتے ہیں جو صحیح راستہ کا انتخاب کریں یعنی قرآن و سنت کی پیروی کریں: الصِّرَاطِ السَّوِيِّ: اس میں صحیح راستہ کی طرف اشارہ ہے اور وَمَنِ اهْتَدٰى: صحیح مقصد کی طرف اشارہ ہے

سورۃ طٰہٰ کی خصوصیات:

۱۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی تفصیل۔

۲۔ کثیر آیتوں میں شجاعت کی دعوت دی گئی ہے۔

۳۔ آدم علیہ السلام کا عذر جو کہ نسیان تھا۔

۴۔ جادوگروں کا ایمان لانے کے بعد استقامت اختیار کرنا۔

۵۔ موسیٰ علیہ السلام سے خطابات اور جوابات کا تذکرہ۔

۶۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں نیز سورت کے آخر میں دعوت دینے کیلئے آداب۔

الحمدللہ! سورۃ طٰہٰ کی تفسیر مکمل ہوگئی

ایاتھا ۱۱۲ | ۲۱ سورۃ الانبیاء مکیۃ ۷۳ | رکوعاتھا ۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ طٰہٰ کے ساتھ ربط: طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے تذکرہ سے شجاعت و بہادری کی ترغیب دی گئی تھی تو اس سورۃ میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے تذکیر شجاعت دینا مقصود ہے اس سورۃ میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے تو اس سورۃ میں اس کی قربت کا بیان ہو رہا ہے۔

سورۃ کا بنیادی اور مرکزی مضمون: اس سورۃ کا بنیادی مضمون تذکیر یعنی چھ طریقوں سے غفلت کرنے والوں کو متنبہ کرنا ہے۔ سورۃ کا دعویٰ پہلی ہی آیت میں ہے۔ **پہلا طریقہ** 17 نبیوں کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی انکساری کرنے والے تھے اور آیت 25 میں یہ اجمالاً ذکر ہے۔ **دوسرا طریقہ:** آیت 17 میں شرک کی چار قسموں کا رد کیا گیا ہے اور اتخاذ ولد کے عقیدے کا رد ہوا ہے اور اسی طرح شفاعت قہریہ کا بھی۔ **تیسرا طریقہ:** نصیحت کے لئے چھ عقلی دلائل ذکر کئے۔ **چوتھا طریقہ:** منکرین کو 11 مرتبہ وعید و تنبیہ کی گئی ہے۔ **پانچواں طریقہ** غفلت کے متعلق آٹھ تعبیرات ذکر کی ہیں اور لفظ ذکر بھی آٹھ مرتبہ آیا ہے اور اسماء الحسنیٰ بھی آٹھ مذکور ہیں۔ **خلاصہ:** اس سورۃ میں پانچ ابواب ہیں پہلا باب آیت 15 تک ہے اس میں زجر کے ساتھ ساتھ تخویف ہے غافلین کے چھ مراتب کر کے جس کی تعبیر کچھ یوں ہیں ہیں:(۱) غفلت (۲) اعراض (۳) لعب (۴) لہو القلب (۵) النجویٰ (6) ظلم اور انہوں نے نبی کریم ﷺ پر چھ قسم کے طعن کیے ہیں (۱) بشر (۲) ساحر (۳) خیالی خواب دیکھنے والا (۴) جھوٹا (۵) شاعر (۶) نبوت سے متعلق معجزہ طلب کیا ہے۔ آیت 4 میں نبی نے رد شرک فی العلم علانیہ کیا ہے آخری طعن کا جواب آیت 6 میں مذکور ہے اور ان کے پہلے طعن کا جواب آیت 7، 8، 9 میں اور آیت 10 میں قرآن کی طرف ترغیب ہے آیت 11 سے آیت 15 تک تخویف دنیوی ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝

"لوگوں کے لئے ان کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا جبکہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں" [1]۔

تفسیر 1 سورۃ طٰہٰ میں عذاب کے انتظار کا ذکر تھا تو اس سورۃ میں اس کے قریب آنے اور غفلت واعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے؛ اِقْتَرَبَ: اس میں اس کے بہت قریب آنے پر دلالت ہے کیونکہ آنے والی کوئی بھی چیز ہو اس کو قریب کہا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دنیا کی آنے والی عمر کم ہے جو گزری ہے وہ زیادہ ہے اور غفلت سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی تیاری نہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔

مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

"ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نیا ذکر نہیں آتا ہے مگر وہ اس کو اس حال میں سنتے ہیں کہ وہ کھیل میں مصروف ہوتے ہیں" [2]۔

تفسیر 2 اس میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے کہ قرآن کے بیان کے وقت کھیل کود میں لگے ہوتے ہیں؛ مُّحْدَثٍ: سلف صالحین اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مخلوق نہیں ہے تو حادث بھی نہیں ہے۔ مُّحْدَثٍ: سے مراد یہ ہے کہ نازل ہونے میں نیا ہے یا مراد یہ ہے کہ نبی کے بیان کی وجہ سے نیا ہے یا پھر منکرین کے خیال میں نیا ہے؛ يَلْعَبُوْنَ: اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں مشغول ہیں یا قرآن پر اعتراضات کرنے میں مصروف ہیں۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝

"ان کے دل غافل ہیں اور ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا ہے چپکے چپکے مشورہ کیا کہ نہیں ہے یہ رسول مگر تمہاری طرح ایک بشر ہے پھر بھی تم مانتے ہو جادو کو جبکہ تم دیکھ بھی رہے ہو" [3]۔

تفسیر 3 یہ بھی زجر ہے کہ ان کے دل شرک کے جھوٹے قصوں میں مگن ہیں پھر مخالفت رسول کی وجہ سے چھپ چھپ کے مشورہ کرنے والوں کے لئے زجر ہے جبکہ یہ ظلم ہے یہ چھ مراتب غافلوں کے ہیں اب رسول پر ان کے چھ طعنوں کا ذکر ہے پہلا اعتراض کہ آپ بشر ہیں اور یہ تمام رسولوں پر کیا گیا ہے؛ دوسرا اعتراض کہ آپ ساحر ہیں: اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ: سے مراد پیروی ہے؛ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ کافر بھی سحر ناپسند کرتے تھے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

"انہوں نے فرمایا میرا رب ہر بات کو جانتا ہے خواہ آسمان میں ہو یا زمین میں ہو وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے" [4]۔

تفسیر 4 اس میں شرک فی العلم کا رد کیا گیا ہے جب یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خفیہ مشورہ کرتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بتادیتے تھے انہیں وہم ہوا کہ یہ نبی تو غیب دان ہے تو اس آیت میں جواب ہوا کہ غیب کا علم اللہ کے لئے خاص ہے نبی تو صرف بطور توحید: فِي الْعِلْمِ: اپنے رب کی صفت بیان کرتے ہیں اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہے کہ ساحر، اور کاہن علم غیب اپنی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ یہ نبی علم غیب اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤

"بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خیالات ہیں بلکہ یہ تو اس نے خود گھڑ رکھا ہے بلکہ یہ تو شاعر ہے پس اس کو چاہئے کہ سابقہ نبیوں کی طرح ہمارے پاس نشانی لے آئے" [5]۔

تفسیر 5 اس میں تیسرے طعن کا ذکر ہے انہوں نے قرآن کو خیالی خواب قرار دیا اس لئے کہ: اَضْغَاثُ: بے معنی اور جھوٹے خوابوں کو کہا جاتا ہے پھر انہوں نے حیران ہو کر دوسرا الزام لگایا کہ یہ تو افتراء یعنی جھوٹ ہے پھر کہنے لگے یہ تو شاعر ہے اور آخر میں اپنی مرضی کے معجزات طلب کرنے لگے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

"کوئی بستی ایمان نہیں لائی ان سے قبل جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا کیا یہ لوگ ایمان لے آئیں گے" [6]۔

تفسیر 6 اس آیت میں آخری الزام کا جواب ہے کہ جو معجزات یہ لوگ طلب کر رہے ہیں سابقہ قوموں کو دکھائے تھے اور انہوں نے انکار کیا تھا جیسا کہ فرعونیوں کا ذکر طٰہٰ میں گزرا ہے اور آیت کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو ان سے بھی ضد میں آگے ہیں پھر یہ کیسے ایمان لے آئیں گے اس سوال کے جواب کو اس لئے مقدم کیا کہ ان کا یہ سوال کسی حد تک دلیل پر مبنی تھا یعنی ہم سابقہ نبیوں کو مانتے ہیں مگر اس نبی کو اس لئے نہیں مانتے کہ ان کے پاس ان کی طرح معجزات نہیں ہیں اس لئے سوال کا جواب بعد میں تفصیلی ذکر ہے البتہ دیگر اعتراضات تو صرف ضد وعناد اور جہالت پر بنا تھے اسلئے ان کے جواب کی ضرورت نہیں تھی اَهْلَكْنٰهَا: اس قریہ سے مجرمین کی بستی مراد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑦

"ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر مرد ہی ہم ان کی طرف وحی کرتے ہیں تو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو" [7]۔

تفسیر 7 آیت کا حاصل یہ ہے سابقہ انبیاء سب آدمی (رجال) تھے ملائکہ کی صفات میں لفظ: رِجَالًا: نہیں آتا ہے تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب بشر تھے: اَهْلَ الذِّكْرِ: یہ عام ہے یعنی یہود ونصاریٰ کے علماء بھی اس میں شامل ہیں بشرطیکہ وہ تحریف کرنے والوں میں سے نہ ہوں یعنی انبیاء کی بشریت سے انکار مت کرو بلکہ قرآن وسنت کے علماء کے پاس جاکر ان سے پوچھ لو تمہیں دلائل سے ثابت کریں گے کہ انبیاء سب کے سب بشر تھے: الذِّكْرِ: سے مراد وہ علماء ہیں جو وحی کا علم رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں تفسیر قرطبی میں ہے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سب کے سب بشر تھے اس طرح آیت سورۃ نحل میں گزرا ہے۔ فائدہ: امام ابن قیم رحمہ اللہ، نے اپنی کتاب "اعلام الموقعین جلد دوم صفحہ 169 میں ایک سوال ذکر کیا ہے۔ کہ اس آیت سے تقلید ثابت ہوتی ہے؟ پھر انہوں نے اس کا جواب ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کی مذمت کی ہے کہ لوگ: مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ: کو چھوڑ کر اکابر کی تقلید کرتے ہیں جبکہ علماء کرام کے نزدیک یہ بالاتفاق حرام ہے نیز وہ شخص جو کتاب وسنت کی پیروی کرنے میں سعی کرتے ہیں مگر بعض مسائل میں علم کی کمی کی وجہ سے رسائی حاصل نہیں کرسکتے تو کسی معتبر عالم کی بات لے لیتے ہیں تو یہ تقلید محمود ہے: نوٹ: (یہ علماء کی اصطلاحی بات ہے ورنہ یہ تقلید نہیں یہ تو تحقیق ہے) قرآن وسنت کے علماء کو اہل الذکر کہتے ہیں کوئی بھی شخص جس کے پاس یا تو بالکل علم نہیں ہے یا صرف ایک مسئلہ میں نہیں ہے پھر وہ کسی ایسے عالم سے مسئلہ دریافت کرتا ہے جو اس کی نظر میں قرآن وسنت کا عالم ہے تو بظاہر تو انہوں نے قرآن وسنت کے حکم کو مانا ہے لیکن ابن قیم وشاہ ولی اللہ رحمہا اللہ دونوں نے لکھا ہے کہ اگر اس شخص کو آئندہ اپنے اس عالم کی یہ بات کتاب وسنت کے خلاف معلوم ہو جائے تو کتاب وسنت کی اس دلیل کو قبول کرے گا اور اس بات کو چھوڑ دے گا اگر دلیل آنے کے بعد ایسا نہ کیا تو یہ تقلید حرام میں داخل ہے لوگ اس آیت کو تقلید شخصی کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ عمل درست نہیں ہے۔ کیونکہ تقلید شخصی میں اس متعین عالم کی بات خواہ قرآن وسنت کے خلاف ہو اور اس کے برعکس دوسرے ائمہ کرام کی بات دلائل شرعیہ پر بنا ہو تب بھی اس متعین شخص کی بات سے چمٹے رہتے ہیں علامہ ابن القیم نے اپنی کتاب میں تقلید کی اس قسم پر تفصیلی رد کیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝

"ہم نے ان رسولوں کے ایسے جسد نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے" [8]۔

تفسیر 8 اس آیت میں سابقہ جواب کی دلیل ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام بشر تھے کیونکہ کھانے سے مستغنی نہیں ہو سکتے تھے اور اس طرح نہ ہی وہ موت اور فنا سے بچ سکتے تھے ان کے لئے یہ صفات کوئی عیب نہیں اور نہ ہی نبوت کے منافی ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

"پھر ہم نے ان سے کیا ہوا وعدہ سچا کر کے دکھایا اور ہم نے ان کو جن کو ہم چاہتے تھے نجات دی اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کیا" [9]۔

تفسیر 9 اس آیت میں تخویف دنیاوی کی طرف اشارہ ہے گذشتہ منکرین کے ہلاکت کا ذکر کر کے: اَلْمُسْرِفِيْنَ: لفظ میں اشارہ ہے کہ ان ہلاک کردہ لوگوں میں غفلت کے یہ چھ مرتبے موجود تھے نیز انبیاء کرام اور ان کے پیروکاروں کے لئے خوشخبری ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے نجات دلائی یہ وعدہ سورۃ یونس آیت 103 سورۃ الصافات آیت 172، 173 میں ذکر ہو چکا ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے مخالفین کی ہلاکت اور اپنی ذات کی نجات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے۔

ع
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"بلاشبہ یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی اس میں تمہارا ذکر ہے پھر بھی تم نہیں سمجھتے" [10]۔

تفسیر 10 اس آیت میں ان اعتراضات کا جواب ہے جو قرآن کے بارے میں گزر گئے نیز قرآن کریم کی سچائی بیان ہوئی ہے کہ یہ ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے ذکر سے مراد شرعی احکام کا بیان وعظ اور نصیحت ہے اس پر عمل شرافت کے لئے سبب ہے اسلئے بعض مفسرین نے ذکر کا معنی شرافت کیا ہے ابن جریر رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ذکر سے مراد دین ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝

"اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کیا جبکہ ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کیں" [11]۔

تفسیر 11: اس آیت 11 سے آیت 15 تک ان لوگوں کے لئے تخویف دنیاوی ہے جو اس ذکر سے اعراض کرتے ہیں اور اس

میں کوئی خاص واقعہ مراد نہیں ہے بلکہ گزشتہ جھٹلانے والی تمام امتیں مراد ہیں: قَصَمْ: لغت میں توڑنے کو کہتے ہیں یہاں مراد ہلاکت ہے: ظَالِمَةً: یہ سبب عذاب ہے یعنی رسولوں کو جھٹلانا شرک اور کفر کا ارتکاب کرنا نبیوں پر طعن و تشنیع کرنا یہ سب ظلم ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾

"جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو پھر وہ لوگ ان بستیوں سے بھاگ رہے تھے" [12]۔

تفسیر 12 فَلَمَّا: اس میں (فا) قَصَمْنَا: کی تفصیل کے لئے ہے: اَحَسُّوْا: اس لئے ذکر کیا ہے کہ عذاب کے احساس سے قبل اگر ایمان لاتے اور توبہ کرتے تو قبول ہو جاتی کیونکہ احساس عذاب یقینی طور پر عذاب آنے کے معنی میں ہے: رَكَضَ: اصل میں زمین پر تیزی سے قدم رکھنے کو کہتے ہیں جس سے مراد تیز رفتاری کے ساتھ بھاگنا ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾

"(ان سے کہا گیا) کہ تم نہ بھاگو اور واپس ہو جاؤ ان نعمتوں کی طرف جن میں تم مست ہو گئے تھے تاکہ تم سے پوچھا جائے" [13]۔

تفسیر 13 ملائکہ کی جانب سے یہ گفتگو ہے: مَآ اُتْرِفْتُمْ: دنیا کے ساز و سامان اور نعمتیں جن کے سبب سے حدود الٰہی سے تجاوز کر گئے تھے: لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ: یہ بطور استہزاء ہے یعنی تاکہ تم سے پوچھا جائے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے یا تم کیوں ایمان لانے کے بجائے دور رہے تھے یا تم پر عذاب کیوں آیا ہے؟ یہ سارے معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

"انہوں نے کہا ہائے ہماری بدبختی یقیناً ہم ہی ظالم تھے" [14]۔ "پھر مسلسل ان کی یہی پکار تھی یہاں تک ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھے ہوئے (مردے) بنا دیا" [15]۔

تفسیر 14 اس میں ظلم اور گناہوں پر ندامت کا اقرار ہے لیکن ایسے موقع پر گناہوں پر ندامت مفید نہیں۔

تفسیر 15 مراد یہ ہے کہ اس ندامت و اقرار پر ان سے عذاب نہیں ٹل سکتا ہے: حَصِيْدًا: اس فصل کو کہا جاتا ہے جو مالک کاٹ ڈالے اور ٹکڑے ٹکڑے پڑا ہوا ہو: خٰمِدِيْنَ: یہ اصل میں آگ بجھ جانے کی کیفیت ہے اس میں اشارہ ہے کہ ان کا غرور تکبر اور غصہ آگ کی طرح ہے جیسے آگ بجھ جاتی ہے ویسے ہی ان کا زور و شور اور غصہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿١٦﴾

"اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کی طرح بے مقصد نہیں بنایا" [16]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 30 تک دوسرا باب ہے اس میں دو عقلی مختصر دلیلیں ذکر کی ہیں اور دو نقلی دلیلیں بھی تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں ایک تو ملائکہ سے اور دوسری انبیاء سے بطور اجمال ذکر ہے آیت 19، 20، 21، 25 میں نیز چار زواجر بھی ہیں جو مندرجہ ذیل آیتوں میں ہیں آیت 17، 18، 21، 24، 26، 27، 28، 29۔

تفسیر 16 اس آیت میں عقلی دلیل ہے کہ آسمان وزمین کی تخلیق عبث نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید پر دلیل ہے اس طرح سورۃ ص آیت 28 سورۃ دخان 38۔39 میں بھی ہے اور یہ عقیدہ اولوا الالباب کی صفات میں سورۃ نساء میں ذکر ہوا ہے۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٧﴾

"اگر ہم چاہتے کہ ہم کوئی کھیل تماشا بنائیں تو ضرور ہم اس کو اپنے پاس ہی بنا لیتے اگر ہم یہ کام کرنے والے ہوتے" [17]۔

تفسیر 17 اس آیت میں ایک توجیہ تو یہ ہے کہ: لَهْوًا: سے مراد مشغول کرنے والی چیز ہے یعنی اگر ہم آسمان وزمین کو صرف اپنے مشغول ہونے کے لئے بناتے تو پھر اپنے ہی پاس رکھتے اور بطور دلائل تمہیں نہ دکھاتے یہ توجیہ سابقہ اور بعد والی آیتوں کے موافقت اور مناسبت بھی رکھتی ہے۔ اور: مِنْ لَّدُنَّآ: معنی: عِنْدِنَا: ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے لئے ولد بناتے تو تمہارے مشورے سے نہ بناتے بلکہ اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے بنا لیتے اور تمہارے چناؤ کی ضرورت نہیں پڑتی: اِنْ كُنَّا: اس میں: اِنْ: نفی کے معنی میں ہے یعنی ہم یہ کام کرنے والے نہیں ہیں یا: اِنْ: شرطیہ ہے اس کی جزا مقدر ہے یعنی اگر ہم یہ کام کرتے تو جنت جہنم سزا و جزا ہم نہ بناتے یعنی اگر ہم کرتے تو تمہاری خوشی ورضامندی پر نہ چھوڑتے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

"بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ حق اس کا سر پھوڑ دیتا ہے پھر اچانک وہ جانے والا ہوتا ہے اور تمہارے لئے ہلاکت ہے ان باتوں کی وجہ سے جو تم اللہ کے بارے میں بناتے ہو" [18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں پہلی والی آیات کی تردید ہے کہ یہ لھو ولعب نہیں ہے بلکہ حق کے اثبات اور باطل کے رد کے لئے دلائل ہیں یہ حق قرآن ہے جبکہ منکرین کا اللہ تعالیٰ کی ولد کی نسبت کرنا، اور باطل شبہات پیش کرنا سب عبث ہے۔

وَلَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ لَا یَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسۡتَحۡسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

"اور آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے اللہ کے ہیں اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ سرکشی کرتے ہیں اور نہ ہی تھکتے ہیں" [19]۔

تفسیر 19 اس آیت میں اختصار کے ساتھ دلیل عقلی ذکر کی گئی ہے اور ملائکہ کی عاجزی بیان کی گئی ہے جس میں ان سے ولدیت اور الوہیت کی نفی کی گئی ہے اور اس میں دلیل نقلی بھی ہے: وَمَنۡ عِنۡدَهٗ: سے مراد ملائکہ ہیں۔

یُسَبِّحُوۡنَ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفۡتُرُوۡنَ ﴿۲۰﴾ اَمِ اتَّخَذُوۡۤا اٰلِهَةً مِّنَ الۡاَرۡضِ هُمۡ یُنۡشِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

"وہ دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ سستی ذرا بھی نہیں کرتے [20]۔کیا انہوں نے زمین میں ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو نئی زندگی دینے پر قادر ہیں" [21]۔

تفسیر 20 اس آیت میں بھی ملائکہ کے حالات وعبادات ذکر کئے گئے ہیں کعب الاحبار رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ملائکہ کی عبادات اس انداز سے ہیں جیسے انسان سانس لیتا رہتا ہے یعنی نہ تو ان عبادات سے کوئی تھکاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسی کام سے مشغول ہونے کی نوبت آتی ہے جبکہ کسی کام کو چھوڑنے کے لئے تین اسباب میں ایک ضرور ہوتا ہے (1) تکبر (2) تھکاوٹ (3) سستی کاہلی جبکہ ملائکہ میں ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔

تفسیر 21 اس آیت میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے جنہوں نے زمین میں معبودان باطلہ بنا کر رکھے ہیں جس صورت میں بھی ہوں اولیاء کرام بتوں مردوں یا زندوں کی صورت میں: یُنۡشِرُوۡنَ: یہ نُشُوۡر: سے لیا گیا ہے یعنی پہلی مرتبہ زندہ کرنا یا دوبارہ زندہ کرنا جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 3 میں ہے۔

لَوۡ كَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۲۲﴾

"اگر زمین و آسمان میں کوئی اور معبود برحق ہوتے تو ان دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا لہٰذا عرش کا مالک ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بناتے پھرتے ہیں" [22]۔

تفسیر 22 اس آیت میں "اتخاذ الولد" یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد بنانے پر رد کیا گیا ہے جسکا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور اس کی توجیہات کی گئی ہیں الٰہ سے مراد وہ ذات جس کے پاس کامل اختیار ہو جس سے وہ متصرف اور قدرت کاملہ کا مالک ہو اور فساد سے نظام کی بربادی ختم ہونا مراد ہے تو معنی یہ ہوا کہ اگر زمین اور آسمان میں مستقل تصرف کرنے والے زیادہ

ہوتے تو زمین اور آسمان نہ ہوتا یا آسمان اور زمین کا نظام تباہ ہو جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق یا تو دونوں کی مستقل قدرت سے ہوتی یا ایک کی قدرت سے پہلی بات تو اس لئے باطل ہے کہ دو مستقل قدرت دو مستقل علتوں کے متقاضی ہے اور ایک چیز (معلول) میں دو علتیں جمع نہیں ہو سکتی ہے اور اگر ایک کی قدرت سے موجود ہے تو پھر دوسرے کی ضرورت نہ رہی اور ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا جو الوھیت کی منافی ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب معبود برحق زیادہ ہونگے تو عالم میں عمل کثرت سے ہوگا اور وہ بھی اجبری طور پر ہوگا تو تب بھی عالم میں فساد ہی فساد ہوگا اور ایسے کرنے سے الوہیت باطل قرار پائے گی کیونکہ (تمانع) یعنی ایک الہ اس کو روکے گا اور یہ عمل عالم میں یقینی طور پر فساد برپا کریگا اس کا ملازمہ سورۃ مومنون آیت 91 میں مذکور ہے اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ توحید الٰہی کے لئے یہ دلیل یقینی وقطعی ہے تفتازانی کا یہ قول باطل ہے کہ یہ دلیل اقناعی وظنی ہے اس لئے تفسیر روح المعانی میں مفسر آلوسی اور دیگر مفسرین نے اس پر تنقید کی ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ باطل معبود ہیں جو مشرکین نے بنائے تھے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 42 میں ذکر ہے تو یہ بات تو معلوم ہے کہ ان کے الٰہ کمزور و بے بس ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا نظام سنبھال سکیں جب کہ آج بھی مشرکین کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کا نظام قطب و غوث چلاتے ہیں حالانکہ وہ اس سے یقیناً بے بس و کمزور ہیں اگر ان کے یہ حوالہ کیا جائے تو یہ نظام درہم برہم ہوگا کیونکہ وہ اس کے سنبھالنے سے قاصر ہیں تو اس صورت میں زمین و آسمان میں فساد ہی برپا ہوگا: فَسُبْحٰنَ: یہ پہلی دلیل کا نتیجہ ہے اور: رَبِّ الْعَرْشِ: میں اشارہ ہے کہ اللہ ہی نظام چلانے والا ہے اس نظام کو کسی کے سپرد نہیں کیا ہے اور: یَصِفُوْنَ: میں ان کے باطل عقیدہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ولد بناتے ہیں۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

"اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جو وہ کرتا ہے جبکہ وہ لوگ پوچھے جائیں گے" [23]۔

تفسیر 23 اس میں توحید کی آیت ایک اور دلیل ہے کہ ان کے الٰہ عاجز ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس مستقل قدرت ہے: لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ: اس کا ہر کام حکمت پر بنا ہونے کی وجہ سے قابل اعتراض نہیں اور نہ ہی اس کی ذات سے کوئی حساب طلب کر سکتا ہے: وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ: جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 6 میں ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

"کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں ان سے فرما دیجئے لاؤ اپنی مضبوط دلیل پیش کر دیں (رد شرک) میرے اور میرے ساتھیوں کا وعظ ہے اور ان لوگوں کا بھی جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں البتہ اکثر ان میں سے حق نہیں جانتے اسلئے منہ پھیر لیتے ہیں" |24|۔

تفسیر 24 توحید پر دلائل ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کے لیے زجر ہے جو اس بے دلیل شرک کی گمراہی میں مبتلا ہیں هٰذَا ذِكْرُ: توحید کا مسئلہ اور رد شرک صرف ہمارا نہیں بلکہ تمام آسمانی کتابوں اور سب نبیوں کا اتفاقی مشن ہے: لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ: حق سے مراد توحید الٰہی اور قرآن مجید ہے نیز یہ دلیل ہے کہ جہالت کا سبب اعراض ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

"اور آپ سے پہلے ہم نے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا کہ جس پر ہم نے یہ وحی نہ اتاری ہو کہ میرے سوا کوئی بندگی کا حقدار نہیں لہٰذا میری ہی عبادت کرو" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت میں سابقہ آیت کی تائید ہے: وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ: یعنی مسئلہ توحید تمام نبیوں کا اجماعی و اتفاقی مشن ہے اس لئے کہ تمام انبیاء اس کی تبلیغ کے لیے بھیجے گئے ہیں اور تمام انبیاء سے دلیل نقلی اجمالی یا اجماعی ہے اور ایسا ہی سورۃ نحل آیت 36 اور سورۃ زخرف آیت 45 میں ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

"وہ (مشرک) لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے ان ملائکہ کو اولاد بنا رکھا ہے اس کی ذات پاک ہے بلکہ وہ (ملائکہ) تو عاجز عزت دیئے گئے بندے ہیں" [26]۔

تفسیر 26 اس آیت میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ولدیت کا عقیدہ رکھتے ہیں اس آیت کا منشا عام ہے تمام مشرکین کو یعنی ولد حکمی یا حقیقی ہو نیز ان مشرکین کا بھی رد ہے جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں بنا کر شریک ٹھہراتے ہیں حکمی سے مراد یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے جس سے وہ متصرف ہو کر ان لوگوں کی حاجت روائی

کرتے ہیں جن پر وہ قادر بھی ہے اور یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے اس باطل و گمراہ کن عقیدہ کے رد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان صالح بندوں کی آٹھ قسم کی صفات بیان کی ہیں جو ان کی عاجزی پر واضح دلیل ہے ان میں سے اس آیت میں دو صفات ہیں عباد یعنی بندے ہیں اور: مُکْرَمُوْنَ: عزت دیئے گئے ہیں یعنی عزت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾

"کسی بات میں وہ اللہ تعالیٰ سے آگے نہیں بڑھتے ہیں بلکہ وہ اللہ ہی کے حکم پر عمل کرتے ہیں[27]۔ وہ ان کے آگے پیچھے سب کچھ جانتے ہیں وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے فقط ان کے جن سے اللہ خوش ہو وہ تو خود اللہ کے خوف سے لرزتے ہیں"[28]۔

تفسیر 27 اس آیت میں بھی دو صفتیں ہیں یعنی وہ اللہ سے بات میں آگے نہیں بڑھتے ہیں خلاف نہیں کرتے اس لئے کہ سبقت قول میں کنایہ ہے یا مخالفت مراد ہے لہٰذا وہ امر الٰہی کے موافق عمل کرتے ہیں۔

تفسیر 28 اس آیت میں ان کی مزید تین صفات کا ذکر ہے ان کی تمام حالتوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے: مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ سے مراد آئندہ کے حالات ہیں اور: خَلْفَهُمْ: سے ماضی کے حالات مراد ہیں یا مقدم و موخر مراد ہیں جس میں کل زمانے اور کل اطراف مراد ہیں یعنی اگر ان میں قدرت و اختیار کی صفات ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کو ضرور اس کا علم ہوتا نیز اس میں مشرکین پر تنقید ہے کہ ان سے سفارش کی امید مت رکھو اس لئے کہ ان کے پاس قدرت و تصرفات کے اختیارات نہیں تو وہ سفارش نہیں کر سکتے: اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى: اس سے مراد مومن اہل توحید ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کے لئے چن لیا ہے جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 109 میں گزر چکا ہے یعنی خوف الٰہی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں: خَشْيَتْ: اس خوف کو کہا جاتا ہے جس میں اس ذات کی تعظیم بھی دل میں موجود ہو اور: اِشْفَاقٌ: خوف کی وجہ سے رقت قلب ہے۔

وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع

"اور بالغرض ان میں سے اگر کوئی یہ بات کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے ایسے ظالموں کو ہم ایسا ہی سزا دیتے ہیں"[29]۔

تفسیر 29 اس آیت میں ان کی آٹھویں صفت کا ذکر ہے کہ ان کو الوہیت کے دعوے کا حق حاصل نہیں ہے تفسیر قرطبی میں ہے

کہ وہ ملائکہ معصوم تو ہیں مگر وہ عبادت کرنے پر مامور ہیں اس میں ان لوگوں کا رد ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ بعض بزرگ ولایت میں ایک خاص درجہ پر پہنچنے کے بعد عبادت سے مبرا ہو کر اپنی ہی الوہیت کے دعوے کرتے ہیں یعنی اَنَا الْحَقُّ: یا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ: (صوفی منصور) کی صدائیں بلند کرتے ہیں (یعنی میری ہی تعریف کرو کیا ہی میری اعلیٰ شان ہے) یہ الوہیت کے دعوے ہیں جو کفر وظلم پر مبنی ہیں اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا ہے جس کے لئے الوہیت کا دعویٰ جائز ہو: اِنِّیْۤ اِلٰهٌ بلفظ اللہ نہیں فرمایا تا کہ لفظ: اِلٰهٌ: سے سب کے لئے صفت الوہیت کی نفی ہو جائے یہ دعویٰ بطور حلول یا بطور اتحاد ہو سب کے لئے منع ہے اور وہ سب اس میں شامل ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ زمین وآسمان باہم ملے جلے تھے پھر ہم نے ان کو جدا کیا اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے پیدا کیا کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے" [30]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 48 تک تیسرا باب ہے جس میں چار عقلی دلائل آیت 30، 31، 32، 33 میں ذکر ہوئے ہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی منکرین رسالت کے لئے پانچ زواجر بیان کیے گئے ہیں۔ آیت 34، 35 میں پھر رسول کے استہزاء پر چھٹا زجر آیت 36 میں ذکر کیا گیا ہے پھر عذاب کی عجلت پر آیت 37 میں ساتواں زجر ہے آیت 35 میں اٹھواں زجر ہے پھر آیت 39، 40 میں تخویف اُخروی ہے اور آیت 41 میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور توحید سے اعراض پر منکرین کے لئے آیت 42 میں نواں زجر بیان کیا گیا ہے پھر آیت 43 میں شرک کا رد کیا گیا ہے اور آیت 44 میں دسواں زجر ذکر ہوا ہے آیت 45 میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور آیت 46، 47 میں تخویف اخروی ہے۔

تفسیر 30 اس آیت میں تیسری عقلی دلیل ہے: رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا: ایک تفسیر کے مطابق زمین وآسمان ایک ایک جسم تھے تو ہر ایک کو دوسرے سے الگ کرتے پھر ہر ایک سے سات بنادیئے گئے جبکہ دوسری تفسیر یہ ہے کہ آسمان اور زمین بند تھے، آسمان سے بارش نہیں ہوئی، اور زمین سے نباتات نہیں نکلتے تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی اور زمین سے نباتات اگائے: وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ: ایک معنیٰ یہ ہے کہ ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ ہر جاندار کی زندگی

پانی پر قائم ہے تیسرا معنی یہ ہے کہ ہر چیز جوذی روح ہے وہ پانی کے نطفہ سے پیدا کی ہے پہلے دو معانی زمین اور پودوں کی تروتازگی کو بھی شامل ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾

"اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ پیدا کئے ہیں تا کہ وہ مخلوق کو ہلا نہ سکے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں بنادیں تا کہ وہ ہدایت تک رسائی حاصل کریں"[31]۔

تفسیر 31 یہ چوتھی دلیل عقلی ہے: تَمِيدَ: یہ لفظ مِيدٌ: سے لیا گیا ہے جس کا معنی گردش میں ہوجانا ہے فِجَاجًا کشادہ راستے پہاڑوں کے درمیان بڑے بڑے درے ہوتے ہیں اور کبھی پہاڑوں میں راستے نہیں ہوتے ہیں اس لئے بعد میں :سُبُلًا: ذکر کیا ہے جس سے عام راستے مراد ہیں اور :فِيهَا: میں ضمیر پہاڑوں اور زمین ہر ایک کی طرف راجع ہے اس لئے کشادہ راستے: فَجٌّ: پہاڑوں میں ہوتے ہیں اور زمین میں بھی البتہ پہاڑوں کے درمیان بڑے بڑے فراخ کشادہ راستے ہوتے ہیں تو یہ معنی راجح ہے يَهْتَدُونَ: اس سے مراد مقصد تک رسائی ہے اور یہ بھی مراد ہے کہ اس سے تمہیں ہدایت حاصل ہوجائے کیونکہ یہ عقلی دلائل ہیں سورۃ نحل آیت 50 میں بھی اس طرح مذکور ہے پہلے تربیت اور رزق کے مواد کا ذکر ہے یعنی زمین آسمان پانی اور دوسری دلیل میں رزق طلب کرنے کے انعامات ذکر ہوئے ہیں یعنی زمین میں بھونچال حرکت نہیں ہے اور چلنے پھرنے کے لئے کشادہ راہیں موجود ہیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

"اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنالیا اور لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں"[32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں پانچویں دلیل عقلی ہے اور دوسرے جملے میں اعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے آسمان کی حفاظت مختلف طریقوں سے ہے گرنے سے بھی محفوظ ہے جیسا کہ سورۃ حج آیت 65، سورۃ فاطر آیت 41 شیطانوں سے محفوظ ہے جیسا کہ سورۃ الصافات آیت 7 شرک سورۃ حجر 17 اور گناہوں سے محفوظ ہے یعنی آسمانوں میں گناہ کرنے والے نہیں ہیں اور آسمان کی آیات سے مراد آسمان میں سورج، چاند، ستارے اور اس کے انقلابات ہیں رات، دن، سورۃ یوسف آیت 105 میں ہے اور بعد والی آیت میں بھی مذکور ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾

"اور وہی اللہ ہے جس نے چاند سورج دن اور رات کو پیدا کیا سب کسی نہ کسی مدار میں تیر رہے ہیں" [33]۔

تفسیر 33 یہ چھٹی دلیل عقلی ہے سابقہ دلائل مکانات یعنی جگہوں کے اعتبار سے تھے جبکہ یہ دلیل زمانوں اور اس کے متعلقات کے اعتبار سے ہے اور وہ علوی سفلی دلائل تھے اور یہ وسطی ہیں رات اور دن لیل ونہار کی (تخلیق) پیدا کرنا پہلے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ چاند وسورج کا عمل نہیں یہ تو صرف علامات ہیں: کُلٌّ: سے مراد چاند سورج، ستارے اور اس کے سبب سے رات اور دن کو بھی نسبت ہو سکتی ہے امام قرطبی نے نقل کیا ہے کہ فلک سے مراد مدار ہے یعنی گھومنے کی جگہ اور یہ سات افلاک آسمانوں کے نیچے واقع ہیں یعنی ہر ایک سورج، چاند اور ستاروں کے لئے آسمانوں کے نیچے الگ الگ گردش کرنے کی جگہیں ہیں۔ اور جن آیتوں میں چاند، سورج کی آسمانوں میں ہونے کا ذکر ہے وہاں آسمان سے ظرف مراد ہے: يَسْبَحُونَ سَبَّحَ: اصل میں پانی کے اندر تیرا کی کرنے کو کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ہے کہ افلاک مثل سمندر کے ہیں اور چاند سورج ستارے اور ان کے ذریعے سے رات اور دن اس میں مچھلی کی طرح تیرتے رہتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾

"اور آپ سے قبل کسی بشر کو ہم نے ہمیشہ کی زندگی نہیں دی ہے تو اگر آپ انتقال کر گئے تو یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟" [34]۔

تفسیر 34 سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ چاند سورج ستاروں کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو اسی طرح انسانوں کی موت وحیات بھی اسی کے اختیار میں ہے اس آیت میں مشرکین کے اس قول کا رد کیا گیا جو سورۃ طٰہٰ آیت 30 میں ہے کہ یہ شاعر ہے لہٰذا اس کی موت کا انتظار کرو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی تو ہمیشہ زندہ نہیں رہو گے تو پھر اس کی موت پر خوشی کی کیا ضرورت ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اگر آپ فوت ہو گئے تو آپ کے دین کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا جس طرح سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام فوت ہو گئے مگر ان کے دین کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت کی: اَلْخُلْدَ: یعنی وہ زندگی جس پر موت نہ آتی ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ زندہ ہے مگر نزول کے بعد اس پر موت آئے گی لہٰذا اس کے لئے خلد ثابت نہیں ہو سکتا بعض مفسرین نے: اَلْخُلْدَ: سے طویل زندگی مراد لی ہے لیکن عیسیٰ علیہ السلام کو دوسری دلیل سے مستثنیٰ یعنی خاص کیا گیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۗ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

"ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں آزمانے کے لئے بری اور بھلی حالتوں میں مبتلاء کرتے ہیں اور تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے" [35]۔

تفسیر 35 اس آیت کا سابقہ آیت سے تعلق ہے یعنی کوئی جاندار موت سے بچ نہیں سکتا ہے اس طرح سورۃ آل عمران آیت 185 میں بھی ہے۔ لہٰذا یہ آیت اولیاء وانبیاء سب کو عام ہے اور موت سے قبل خیر وشر لانے کی حکمت بیان کی ہے کہ خیر اور شر سے تمہارا امتحان ہوتا ہے کہ خیر پر شکر اور شر پر صبر کرتے ہو یا نہیں؟ شر سے مراد تکالیف، مصائب بیماریاں وغیرہ ہیں اور خیر سے مراد نعمت جیسے رزق کی وسعت، مالداری اور اسی طرح معصیت اور طاعت حلال وحرام، ہدایت اور گمراہی کو بھی شامل ہے۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۗ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو وہ آپ کا مذاق ہی اڑاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کیا یہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتے ہیں حالانکہ رحمٰن کے ذکر (توحید) سے انکار کرتے ہیں" [36]۔

تفسیر 36 اس آیت میں رسول کے مذاق پر زجر ہے اور: كَفَرُوْا: سے عنادی کافر مراد ہیں: يَذْكُرُ: مشرکین کی طرف سے یہ نبی پر جھوٹا الزام تھا کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے جیسا کہ اس زمانہ میں اہل توحید کو مشرکین یہ الزام دیتے ہیں کہ یہ اولیاء کو گالی دیتے ہیں اور ان کے نزدیک بھی توحید بیان کرنا گالی ہے: بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ: سے قرآن یا مسئلہ توحید کے طور پر اللہ تعالی کا ذکر کرنا مراد ہے لفظ: الرَّحْمٰنِ: میں اشارہ ہے کہ تمام نعمتیں اس کی جانب سے ہیں اور یہ لوگ ناشکری میں لگے ہیں۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝

"انسان خصلت عجلت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے میں عنقریب اپنی نشانیاں تمہیں دکھلاؤں گا لہٰذا (طلب کرنے میں) جلدی مت کرو" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے جو عذاب طلب کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں اور: خُلِقَ عَجَلٍ: سے مراد یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں عجلت پیدا کی گئی ہے جیسا کہ سورۃ روم آیت 54 ایک تفسیر کے مطابق اور سورۃ اسرا 11 میں ہے اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ: اَلنِّسَاءُ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ اَعْوَجَ: (صحیح بخاری

کتاب النکاح حدیث 5186 صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث 1468)۔ یعنی عورتوں کی پیدائش اور طبیعت میں کج روئی ہے: اٰیٰتِیْ: سے مراد عذاب کے نمونے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل منکرین سے انتقام لینے کے لئے ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ وعدہ کب پورا ہوگا" [38]۔

تفسیر 38 اس آیت میں زجر ہے اور گزشتہ آیت میں انسان کی جو جلد بازی ذکر ہوئی اس کی تشریح ہے: مَتٰى: اس سے مراد انکار اور اس قیامت و عذاب کی دوری بیان کرنا مقصود ہے۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

"کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر لگ جاتی جب یہ نہ اپنے چہروں سے آگ دور کر سکیں گے اور نہ ہی اپنی پشتوں سے اور نہ ہی ان کو مدد ملے گی" [39]۔

تفسیر 39 اس آیت میں الزام ہے یعنی عذاب جب آجائے تو بچ نہیں سکیں گے تو پھر کیوں طلب کرتے ہیں چہروں اور پشتوں کو ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آگ ہر جانب سے ان کا احاطہ کیا ہوا ہوگا، اور لو شرطیہ کی جزاء محذوف ہے یعنی لَمَا اسْتَعْجَلُوا الْعَذَابَ: یعنی جلدی عذاب نہ طلب کرتے: وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ: یعنی ان کے معبودان باطلہ اور دیگر گروہ ان کی کچھ بھی مدد نہیں کر سکیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ تو مدد کرے گا ہی نہیں۔

بَلْ تَأْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

"بلکہ وہ آگ اچانک ان پر آدھمکے گی اور ان کے ہوش و حواس ختم کر کے رکھ دے گی پھر اسے پیچھے ہٹا سکیں گے اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائیگی" [40]۔

تفسیر 40 یہ بھی سابقہ آیت سے متعلق ہے کہ انہیں عذاب کی کوئی تاریخ نہیں بتائی جائیگی بلکہ وہ اچانک ان پر آئے گا: فَتَبْهَتُهُمْ: اس میں ضمیر قیامت کی طرف یا جہنم کی آگ کی طرف راجع ہے۔ فائدہ: عذاب کے ساتھ نصرت مناسب تھا تاکہ عذاب سے دفاع ہوسکے اور عذاب کے آنے میں مہلت مناسب ہے تاکہ بچاؤ کی تدبیر کی جاسکے اسلئے سابقہ آیت کا اختتام: يُنْصَرُوْنَ: اور اس آیت کا اختتام: يُنْظَرُوْنَ: پر کیا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٤١﴾ ع

"اور اے نبی آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا تھا پھر ان کا مذاق اُڑانے والوں کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے" [41]۔

تفسیر 41 اس آیت میں نبی کا استہزاء کرنے والوں کے لئے وعید اور نبی کے لئے تسلی ہے ایسا سورۃ انعام آیت 6 اور سورۃ رعد آیت 32 میں معمولی فرق کے ساتھ گزرا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٢﴾

"فرما دیجئے کہ کون ہے جو رات یا دن کو رحمٰن کے عذاب سے تمہیں بچا سکے؟ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرے ہوئے ہیں" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں توحید سے اعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے اور ان کو تنبیہ ہے کہ عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی نہیں ہے: مِنَ الرَّحْمٰنِ: پہلے معنی میں مضاف مقدر ہے یعنی رحمٰن کے عذاب سے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ: مِنْ: کبھی بدل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ زخرف آیت 60 میں ہے تو معنی یہ ہوگا کہ رحمٰن کے مقابل کون تمہاری مدد کرے گا، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ معنی کیا ہے البتہ انہوں نے: مِنْ: کا معنی و تفسیر: غَيْر: یعنی سوا سے کیا ہے۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿٤٣﴾

"کیا ان کے پاس ہمارے علاوہ کوئی ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ تو خود اپنی مدد نہیں کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلے میں ان کا ساتھ کوئی دے سکتا ہے" [43]۔

تفسیر 43 اس آیت میں: مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ: کا بیان بطریقہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے معبود تمہیں بچا نہیں سکتے ہیں پھر شرک فی التصرف کا رد ہے تو دوسرا جملہ پہلے جملے کے لئے علت ہے اور ضمیر: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ: اور اَنْفُسِهِمْ: میں اٰلِهَةٌ: کی طرف مضاف ہے اور: هُمْ: ضمیر بھی: اٰلِهَةٌ: یا مشرکین کی طرف راجع ہے: يُصْحَبُوْنَ: اس کے دو معانی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ ان کو ہمارے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا اور اس میں: هُمْ: ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے جبکہ دوسرے معنی کے اعتبار سے معبودوں کی طرف راجع ہے۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

"بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے بڑوں کو دنیا کا سامان دیا ہے یہاں تک کہ ان پر طویل عمر اسی حالت میں گزر گئی کیا ان کو نظر نہیں آتا ہے کہ ہم زمین کو اس کے مختلف کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں کیا پھر وہ غالب آجائیں گے" [44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں ان کے استہزاء کا سبب ذکر ہو رہا ہے یعنی ارتکاب شرک کے باوجود ان کو دنیا کی نعمتیں فراوانی سے دی گئی ہیں اور ان کی عمریں عیش وعشرت میں گزر گئیں تو اس غفلت کے سبب سے دین اور رسول کا استہزاء کرنے لگے: اَفَلَا يَرَوْنَ: اس میں منکرین کے لئے تخویف ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنے نبی کو بتدریج یعنی آہستہ آہستہ غلبہ دے رہا ہے یا انکے علاقوں پر تھوڑے تھوڑے عذاب آرہے ہیں پھر کیا وہ غالب ہو جائیں گے اس طرح سورۃ رعد آیت 41 میں ہے اور اس آیت کی تفسیر سورۃ احقاف آیت 37 میں مذکور ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

"فرمادیجئے میں تو وحی کے ذریعے سے ڈراتا ہوں لیکن بہرے لوگ ایسے ہیں جب انہیں ڈرایا جاتا ہے تو وہ کوئی پکار نہیں سنتے" [45]۔

تفسیر 45 اس آیت میں زجر ہے: بِالْوَحْيِ: اس سے قرآن مجید مراد ہے: وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ: اس میں سوال کا جواب ہے کہ قرآن جب وحی ہے تو لوگوں پر اثر کیوں نہیں کرتا ہے تو جواب ہوا کہ یہ لوگ قرآن مجید سے بہرے ہیں۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

"اور اگر تمہارے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی انہیں چھو جائے تو یہ کہہ اٹھیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی یقیناً ہم لوگ ظالم تھے" [46]۔

تفسیر 46 اس آیت میں وعید کے ساتھ تخویف و نیاوی ہے: نَفْحَةٌ: کم تھوڑی چیز کو کہا جاتا ہے اور ایک حصے کو بھی کہا جاتا ہے یعنی عذاب الٰہی سے ان کے کان کھل جائیں گے اور انکا بہرہ پن ختم ہو کر وہ افسوس کریں گے مگر ان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ آیت 14 میں گزرا ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝

"اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو لا رکھیں گے جو سراپا انصاف ہوں گے تو کسی پر ظلم نہیں ہوگا اور اگر کوئی عمل رائے کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے سامنے لے آئیں گے اور حساب لینے کے لئے ہم کافی ہیں" [47]۔

تفسیر 47 اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے جس میں اعمال تولے جائیں گے اور حساب ہوگا: اَلْمَوَازِيْنَ: اس بارے میں اہل علم کا ایک قول تو یہ ہے کہ ہر ایک عمل کے لئے الگ ترازوں کو قائم کیا جائیگا اسلئے جمع ذکر کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ میدان ایک ہے البتہ مختلف اور ان اعمال وغیرہ تولنے کی وجہ سے جمع ذکر کیا ہے۔ نیز سابقہ آیتوں کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے اعمال کو بھی تولا جائے گا: اَلْقِسْطَ: لفظ ذوات حذف کیا ہے اور یہ موازین کے لئے صفت ہے یا مفعول لہٗ ہے، یعنی: لِاَجْلِ الْقِسْطِ: یعنی انصاف قائم کرنے کے لئے: حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ: اہل عرب کے عرف میں یہ کم چیز کی مثال ذکر ہوتا ہے سورۃ لقمان آیت 16 میں بھی ہے اور کبھی لفظ: ذَرَّةٍ: استعمال ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء آیت 40 میں مذکور ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

"اور ہم نے موسیٰ وہارون علیہما السلام کو حق وباطل کا ایک معیار ہدایت کی ایک روشنی اور متقی لوگوں کے لئے سامان نصیحت عطا کیا تھا" [48]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 94 تک چوتھا باب ہے جس میں توحید سے غفلت برتنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لئے (17) نبیوں کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے اور ان کا محتاج ہونا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز ہونا بھی ذکر ہوا ہے اور آیت 90 میں ان کے حالات کا مختصر ذکر ہوا ہے اور گیارہواں زجر آیت 93 میں بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر 48 اس آیت میں موسیٰ وہارون علیہما السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے جس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ میں گزری ہے اس لئے یہاں پر مختصر بیان کیا گیا ہے کتاب الٰہی کا کمال یہ ہے کہ اس میں حق اور باطل کی تمیز کے لئے دلائل بیان ہوتے ہیں اس کو فرقان اس لئے کہتے ہیں اور اس میں واضح احکام ومسائل بیان ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کو: ضِيَاۗءً: روشن کتاب کہتے ہیں اور اس میں غابت قدمی کے لئے مواعظ حسنہ اور واقعات مثالیں ایمان والوں کے لئے بیان کی جاتی ہیں اسکو ذکر کہتے

ہیں اور تورات میں بھی یہ صفات تھیں: لِلْمُتَّقِيْنَ: قرآن سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ان کی تخصیص کی ہے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

"وہ لوگ جو اپنے رب سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت سے ہیبت زدہ ہیں" [49]۔

تفسیر 49 اس آیت میں متقیوں کی وہ صفات ہیں جن کے ذریعے کتاب اللہ سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں: خَشِیَۃٌ دل کے خوف کو کہا جاتا ہے جس میں اس ذات کی تعظیم بھی ہو جبکہ اشفاق خوف کی وجہ سے دل کی نرمی جو محبت و خیر خواہی کے ساتھ ہو اور جس کی تاثیر اعضاء پر ظاہر ہو: بِالْغَيْبِ: یعنی جب لوگوں سے تنہائی میں غائب ہوتے ہیں تو اللہ سے ڈرتے ہیں لوگوں کے سامنے تو یقیناً ڈرتے ہونگے دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں ہے پھر بھی اس سے ڈرتے ہیں۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿٥١﴾

"اور اب یہ برکتوں والا پیغام نصیحت جو ہم نے نازل کیا ہے کیا پھر بھی تم اسے ماننے سے انکار کرتے ہو؟ [50]۔ اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ بوجھ عطاء کی تھی اور ہم انہیں خوب جانتے تھے" [51]۔

تفسیر 50 اس آیت میں قرآن مجید کی طرف ترغیب ہے یعنی جس طرح تورات نصیحت کے لئے نازل ہوئی تھی قرآن مجید بھی نصیحت کے لئے آیا ہے تو پھر اس سے کیوں انکار کرتے ہو۔

تفسیر 51 یہاں سے آیت 73 تک دلیل نقلی ابراہیم علیہ السلام سے مذکور ہے اور توحید سے غفلت برتنے والوں کو نصیحت کی گئی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مجاہدے کا ذکر مشرکین کے مقابلے میں ہے: رُشْدَهٗ: اس سے نبوت مراد ہے: اٰتَيْنَا: اس میں اشارہ ہے کہ وہ حصول ہدایت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے: مِنْ قَبْلُ: یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے پہلے۔ یا: رُشْدَ: سے مراد ایمان اور توحید ہے اور: مِنْ قَبْلُ: سے مراد بلوغت سے پہلے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ قصے اور واقعات جو بعض مفسرین نے نقل کئے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام غار میں تھے جب باہر نکل آئے تو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچان رہے رہے تھے تو کبھی سورج کو اور کبھی چاند ستاروں کو رب قرار دے رہے تھے یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور اس آیت کے خلاف ہیں۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿٥٢﴾

"وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے والد اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن کے آگے تم ہر آن عبادت میں مصروف ہو" [52]۔

تفسیر 52 اس آیت میں: رُشْدَ: کی تفصیل ہے جو کہ ردِ شرک ہے چاہے باپ میں ہی کیوں نہ ہو: مَا هَٰذِهِ: اس میں ان سے عبادت کی دلیل اور علت طلب کرنا مقصود ہے یا مراد حقیقت کی وضاحت ہے یعنی یہ مورتیاں تو مخلوق ہیں ان کی بندگی نہیں ہوسکتی التَّمَاثِيلُ: یہ تِمْثَال: کی جمع ہے اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے مشابہ بنایا گیا ہو اور ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بعض: تَمَاثِيل: ستاروں کی بعض نیک لوگوں کی بنائی تھیں: عٰكِفُوْنَ: کسی چیز کو بطور عبادت لازم پکڑ لینا اور تعظیم کے ساتھ اس کی بندگی کرنا یہ: عُكُوْف: کہلاتا ہے۔

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنتُمْ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٥٤﴾

"انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اس طرح کرتے ہوئے پایا ہے [53]۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ حقیقت میں تم اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہیں" [54]۔

تفسیر 53 اس کے پاس اپنے بڑوں کی تقلید کے علاوہ کوئی دلیل نہ تھی اور یہ ہر زمانہ کے مشرکین کی قدیم دلیل ہے۔

تفسیر 54 لفظ: أَنتُمْ: دلیل ہے اس بات پر کہ تقلید کے سبب سے مقلد گمراہ ہوتا ہے لہٰذا یہ سبب نجات نہیں ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم شرک پر جس طرح تم سے دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں تو تمہارے بڑوں سے بھی کرتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَ

اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿56﴾

"انہوں نے کہا کہ کیا تم حق لیکر آئے ہو یا دل لگی مذاق کر رہے ہو [55]۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا معبود وہ ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں اور میں تمہیں اس پر گواہی دیتا ہوں" [56]۔

تفسیر 55، 56: یعنی میرے پاس توحید پر دلائل ہیں ان میں سے ایک یہ کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے دوسری یہ کہ وہ ان کا بھی خالق ہے اور از روئے شرع و عقل توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے یعنی جو رب ہے وہی عبادت کا حقدار ہے: اَلشّٰهِدِيْنَ: سے مراد دلیل سے کلام کرنے والے ہیں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿57﴾

"اور اللہ کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو تمہارے بتوں کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا (جس سے ان کی) حقیقت کھل جائے گی" [57]۔

تفسیر 57 ابراہیم علیہ السلام زبانی دعوت کے بعد اب مجاہدے کی طرف منتقل ہوئے اور اس کا سبب اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین واعتماد تھا اور دین کے بارے میں بہت غیور تھے اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ قوم ان کی دعوت کی طرف بالکل توجہ نہیں دے رہی تھی تو ان کو یہ اقدام کرنا پڑا تاکہ یہ لوگ متوجہ ہو جائیں لہٰذا جب وہ متوجہ ہو نگے تو ابراہیم علیہ السلام ان کو خوب توحید سمجھا دیں گے جیسا کہ بعد والی آیت میں يَرْجِعُوْنَ: لفظ آیا ہے یہ ایک توجیہ ہے اور: تَاللّٰهِ: میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ قسم آہستہ سے مخفی طور پر کھائی تھی مگر کچھ لوگوں نے سن لی تھی: مُدْبِرِيْنَ: یعنی سالانہ جشن میں جب تم اپنے عرس میلے میں چلے جاؤ ابراہیم علیہ السلام نے درگاہ خالی ہونے کا انتظار کیا اور: اِنِّيْ سَقِيْمٌ: کا عذر پیش کیا اور پیچھے رہ گئے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

"چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے سوائے بڑے بت کے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ لوگ ان کی طرف رجوع کریں" [58]۔

تفسیر 58 اس واقعہ کے بعض حصے سورۃ صافات میں ذکر ہوئے ہیں: كَبِیْرًا: میں اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے معبود درجات سے بنائے تھے چھوٹے، بڑے یا مطلب یہ ہے کہ بعض چھوٹے کاموں کے لئے مقرر تھے اور بعض بڑے کاموں کے لئے مددگار بنائے تھے: لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ: یہ کام انہوں نے اس لئے کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کی طرف یہ لوگ متوجہ ہو جائیں اس توجیہہ کی بناء پر یہ: فَجَعَلَهُمْ: سے متعلق ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ بڑے والے کو اس لئے چھوڑا تھا تاکہ یہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس سے سوال کریں تاکہ ان کا جہل خوب واضح ہو جائے اس توجیہہ کی بناء پر اِلَّا كَبِیْرًا: سے متعلق ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۰﴾

وہ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کیساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے؟ وہ کوئی بڑا ظالم ہے [59]۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے جو ان کی برائی بیان کر رہا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے" [60]۔

تفسیر 59 انہوں نے اپنے باطل عقیدہ کی بنا پر موحد کو ظالم کہہ دیا اور اس شخص کے متعلق انہوں نے بحث و تحقیق شروع کی۔

تفسیر 60 یہ ان لوگوں کا کلام ہے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے: لَاَكِیْدَنَّ: سنا تھا: یَذْكُرُهُمْ: اس سے بھی مراد ابراہیم علیہ السلام کی قسم ہے جو: لَاَكِیْدَنَّ: میں ذکر ہوئی ہے یا پھر ان سب کی جانب سے یہ جواب ہے کہ ابراہیم ہمارے بڑوں کے عیوب اور برائیاں بیان کرتے رہتے تھے: یَذْكُرُهُمْ: ان کے خیال میں اس سے گالیاں عیوب بیان کرنا مراد ہے: فَتًى: یہ دلیل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جوان تھے یا مراد یہ ہے کہ ایسا کام طاقتور لوگ ہی کر سکتے ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾

"انہوں نے کہا اس کو سب کے سامنے لیکر آؤ تاکہ سب گواہ بنیں [61]۔ انہوں نے (اس کی حاضری کے بعد) کہا کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت تم ہی نے کیا ہے" [62]۔

تفسیر 61 وہ لوگ بھی اپنے قانون میں گواہ بنانا جائز اور ضروری تصور کرتے تھے اس لئے انہوں نے کہا کہ: یَشْهَدُوْنَ

سب کی موجودگی میں ان کو حاضر کرو تاکہ سب لوگ اس پر گواہ بن جائیں ، اور ہماری شریعت میں بھی یہی حکم ہے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کی اکثریت اس کی سزا کے وقت حاضر ہو جائے تاکہ عبرت حاصل کرے جبکہ ابراہیم علیہ السلام کا بھی یہی مقصد تھا جیسے پہلے ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 62 ان سے پہلے پوچھ گچھ اس لیے کی اگر یہ پہلے اقرار کرلے تو پھر گواہی کی ضرورت نہیں رہے گی اس لیے کہ مدعیٰ علیہ کو اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

"ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا نہیں یہ حرکت ان میں سے بڑے نے کی ہے انہیں بتوں میں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں" [63]۔

تفسیر 63 صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3358، صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 2371 میں مذکور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ثلاث کذبات یعنی معاریض توریہ میں سے ہے۔ اس میں دو معانی ہیں ایک معنی تو مخاطبین کے فہم کے مطابق ہے جبکہ دوسرا معنی (متکلم) یعنی بات کرنے والے کی مراد کے مطابق ہوتی اور یہ جھوٹ شمار نہیں ہوتا کیونکہ جھوٹ تو گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے پاک ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کذب کا لفظ راوی کا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں اس کو روایت بالمعنی کہتے ہیں یا کذب ظاہری اعتبار سے مجاز آیا ہے حقیقتاً نہیں ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اَنْتَ اُخْتِيْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَفِيْ دِيْنِ اللّٰهِ: اور اس جملہ میں بہت سے توجیہات ہیں (صحیح بخاری کتاب آحادیث الانبیاء حدیث 3358) پہلی توجیہ: كَبِيْرُهُمْ کے فعل کو دیگر معبودوں کی گواہی کے ساتھ مشروط کیا ہے اور شرط کو توریہ کے لئے بعد میں ذکر کیا ہے جبکہ وہ تو کلام سے عاجز ہے تو شرط ساقط ہوئی اور یہ ضمناً شرک کا رد ہے۔ نیز اس میں ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عمل کا اقرار ثابت ہوتا ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ بَلْ: استفہام کے لئے ہے یعنی کیا یہ اس بڑے نے کیا ہے؟ تو یہ بھی ضمناً اعتراف ہے۔ تیسری توجیہ: یہ ہے کہ فَعَلَهٗ: کا فاعل محذوف ہے اور امام کسائی کے نزدیک ایسا حذف جائز ہے اور: كَبِيْرُهُمْ: سے نئے جملہ کا آغاز ہوتا ہے چوتھی توجیہ ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک: كَبِيْرُ: سے اللہ مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی یہ قوم بھی اقرار کرتی تھی جیسا کہ علامہ شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے یعنی یہ کام تبھی نے اللہ کے حکم سے کیا ہے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

"اس پر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ سچی بات تو یہی ہے کہ تم ہی ظالم ہو" [64]۔

تفسیر 64 اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے غور کرنے اور سوچنے کے بعد آپس میں کہا اس شخص کی طرح جو کسی سے مباحثہ کرنے کے بعد اپنے دلائل کو کمزور تصور کرتا ہے اور خود سے اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتا ہے تو انہوں نے اپنے مخالف کی دلیل قوی مان کر اپنے آپ کو اس لئے ظالم کہا کہ شرک یقیناً ظلم ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم اول ظالم ہو اس لئے کہ اپنے ان معبودوں کو بغیر محافظ کے چھوڑ دیا تھا۔ مشہور مقولہ ہے کہ جو اپنے سروں سے کلہاڑی نہیں بچا سکتے ہیں وہ اپنی عبادت کرنے والوں سے مصیبتوں کو کس طرح ٹال سکیں گے۔ مَنْ لَّا يَدْفَعُ عَنْ رَاْسِهِ الْفَاْسَ كَيْفَ يَدْفَعُ عَنْ عَابِدِيْهِ الْبَاْسَ۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾

"انہوں نے پہلے اپنے سر جھکا لئے اور کہا تمہیں تو معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں [65]۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا ایسی چیزوں کی عبادت اللہ کو چھوڑ کر کرتے ہو جو تمہیں نفع دے سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان" [66]۔

تفسیر 65 یہ شیطانی تسلط ہے اور ایمان کی توفیق جان لینے کے باوجود نصیب نہیں ہوئی لہٰذا ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہدایت سے محروم ہوگئے۔ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ بملامتی یا حیرانگی سے کنایہ ہے۔

تفسیر 66 جب انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ گفتگو نہیں کر سکتے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف حجت قائم کی جب کلام نہیں کر سکتے تو نفع ونقصان کا مالک بھی نہیں تو بندگی کے حقدار بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

"تف ہے تم پر اور ان پر بھی جن کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی سمجھ نہیں [67]۔ وہ کہنے لگے آگ میں جلا دو اس کو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم میں کچھ کرنے کی ہمت ہے" [68]۔

تفسیر 67 "اُفٍّ" یہ لفظ اصل میں گندگی وغیرہ دیکھ کر زبان پر آتا ہے پھر اس کا استعمال باتوں میں یعنی اس سے نفرت ناراضی بیزاری میں استعمال ہوتا ہے یہاں معنی یہ ہے کہ میں تم سے اور جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو بیزار ہوں تو یہ براءت

اور بیزاری کا کلمہ ہے ان کے معبودان باطلہ کو گالی نہیں ہے جیسا کہ سورۃ زخرف آیت 26 اور سورۃ ممتحنۃ آیت 4 میں ہے۔

تفسیر 68 جب وہ دلیل دینے میں ناکام ہوئے تو ضد وعناد کی وجہ سے اس کی دشمنی پر اتر آئے اور اس کے قتل اور جلانے کے مشورے کرنے لگے جیسا کہ سورۃ عنکبوت آیت 64 میں مذکور ہے۔ انہوں نے اپنے معبودوں کے انتقام کے طور پر ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کا انتظام کیا یعنی ابراہیم علیہ السلام نے معبودوں کی توہین کی ہے تو ہم ان کا بدلہ لیں گے یہ مشرکین کی بڑی بے عقلی ہے کہ ان کو مددگار بھی کہتے ہیں اور پھر ان کی مدد خود کرتے ہیں ان کو محتاج بھی سمجھتے ہیں۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ: اگر ابراہیم علیہ السلام سے کچھ کرنا چاہتے ہو تو یہ کام کرو۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾

"(انہوں نے ابراہیم کو تو آگ میں ڈالا اور) ہم نے کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا"[69]۔

تفسیر 69 غرض یہ کہ انہوں نے آگ جلائی جس کے لئے انہوں نے بڑی محنت سے لکڑیاں جمع کی یہاں تک کہ ان میں سے جب کوئی نذر مانتا تو اس طرح کہتا کہ میرا یہ کام اگر پورا ہو گیا تو میں ابراہیم کے جلانے کے لئے اتنی مقدار گھاس پھوس اور لکڑیاں جمع کروں گا۔ جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور وہ اس عمل کو اپنے الٰہ کی مدد کی وجہ سے عظیم عبادت سمجھتے تھے چونکہ اللہ تعالی جس کو چاہے اپنا کلام سنا دیتا ہے اس لئے براہ راست آگ سے خطاب کیا اس میں دلیل ہے کہ اسباب میں تاثیر اذن الٰہی سے ہوتی ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4563) میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ: پڑھنے کا اہتمام کیا: عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ: یعنی صرف ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو جا۔ امام آلوسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا اور اگر امت میں کسی کے لئے اس قسم کی نصرت ہو جائے تو اس کے لئے کرامت ہے اور جو لوگ یا شیخ رفائی یا شیخ احمد کا نعرہ لگا کر آگ ہاتھ میں لیتے ہیں اسے جلن نہیں ہوتی ہے تو یہ شرک ہے اور اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے بہت سارے کام دجال سے صادر ہوں گے بعض دھوکے باز اپنے ہاتھوں پر اس قسم کا کیمیکل لگا لیتے ہیں جس سے آگ کا اثر نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کو یہ اپنی کرامت باور کراتے ہیں حالانکہ یہ دھوکہ ہے جعل سازی ہے۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۚ

''ان لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے برائی کا منصوبہ تیار کیا تھا لیکن ہم نے ان کی اس تدبیر کو بری طرح ناکام کیا''[70]۔

تفسیر 70 ''اَلْاَخْسَرِیْنَ: لفظ اس لئے استعمال کیا کہ انہوں نے وقت اور مال صرف کیا مگر کچھ بھی ان کو حاصل نہیں ہوا تو یہ مال اور وقت ضائع ہونا خسران اور تاوان ہے اور سورۃ صافات آیت 98 میں: اَلْاَسْفَلِیْنَ: فرمایا ہے وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تکبر کیا تھا جس کی دلیل نیز فُوْنَ: ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دیکر ذلیل و رسوا کیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

''اور ہم نے انہیں اور لوط علیہ السلام کو بچا کر اس زمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں''[71]۔

تفسیر 71 سورۃ عنکبوت آیت 26 میں مذکور ہے کہ مردوں میں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اس لئے اس آیت میں اس کی نجات اور ہجرت اس کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مبارک زمین سے شام کی زمین مراد ہے اس لئے کہ اس میں دنیاوی برکتیں یعنی باغات فصلیں وغیرہ مشہور ہیں اور برکات سے مراد انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی جگہ وغیرہ مراد ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝

''اور ہم نے ان کو بطور انعام اسحاق ویعقوب عطا کئے اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے کامل صالح بنایا''[72]۔

تفسیر 72 ان آیتوں میں اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے اور ان کی عبدیت اور محتاجی کو ہماری نصیحت کے لئے بیان کیا ہے: نَافِلَةً: اولاد میں بیٹے کے بیٹے یعنی پوتے کو کہتے ہیں جو صلبی اولاد پر مزید اضافی اولاد ہو: جَعَلْنَا: یہ لوگ صالح ہونے اور اطاعت گزار ہونے میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و صالحین سب اللہ کی قدرت میں ہیں جو کہ اس کی اطاعت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں کیونکہ یہ سب اس کی مخلوق ہے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝

"اور ہم نے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کے رہنمائی کرتے تھے اور وحی کے ذریعے سے ہم نے ان کو نیکیاں کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے میں تاکید کی تھی اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں ان کی عبدیت اور محتاج ہونے کا ذکر ہے یہاں امامت سے نبوت مراد ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کا فریضہ دین حق کی طرف دعوت دینی ہے: وَاَوْحَيْنَا: اس میں دلیل ہے کہ نبی، ولی، امام سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے مکلف ہیں اور یہ بندگی وہ وحی کے موافق کریں گے: اَلْخَيْرٰتِ: تمام عادات و خصلتیں جو وحی سے ثابت ہوں: وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ: بہت اہمیت کی وجہ سے عام خیرات نیکیوں کے بعد نماز، زکوٰۃ کو بطور خاص ذکر کیا ہے: عٰبِدِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ وہ اللہ کے حکموں کے پابند تھے نافرمانیوں سے اجتناب کرتے تھے اس میں سورۃ کے مرکزی مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝

"اور لوط علیہ السلام کو ہم نے علم و حکمت سے نوازا تھا اور ہم نے اس کو اس بستی سے نجات دی تھی جو گندے کام کرتی تھی حقیقت میں وہ بہت برائی والی نافرمان قوم تھی" [74]۔

تفسیر 74 ان آیتوں میں توحید کی یاددہانی کے لئے لوط علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے خلاصہ یہ ہے کہ لوط علیہ السلام نبوت، نجات، علم اور رحمت میں اللہ کے محتاج تھے خبائث سے شرک لڑکوں کے ساتھ بدفعلی، مہمانوں کا استہزاء ان پر پتھراؤ کرنا سب مراد ہے: قَوْمَ سَوْءٍ: یعنی وہ قوم جو برائیوں میں مشہور ہو اور نیک اعمال سے محروم ہو۔ نیز ایسے قوم میں رہنا ایک عذاب تھا تو ان سے نجات اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے: فٰسِقِيْنَ: عقیدہ اور عمل دونوں کا فسق مراد ہے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ع

"اور لوط علیہ السلام کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کر لیا وہ یقیناً نیک لوگوں میں سے تھے" [75]۔

تفسیر 75 "رَحْمَتِنَا": سے مراد اس عذاب سے بچانا ہے جو اس کی قوم پر آیا تھا اور نجات کیلئے سبب ان کا کامل صالح ہونا تھا

اور صالحین: سُوءٍ اور فاسقین: کے مقابل ہے۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾

"اور نوح علیہ السلام کے وقت کو یاد کرو جب اس سے پہلے انہوں نے (اپنے رب کو) پکارا تو ہم نے ان کے دعا قبول فرمائی ان کو اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بھاری مصیبت سے بچالیا" [76]۔

تفسیر 76 ان آیتوں میں بھی توحید کی یاد دہانی کے لئے نوح علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے کہ وہ اللہ کے محتاج بندے تھے اس آیت میں واضح دلیل ہے کہ نوح علیہ السلام بھی مصیبت میں اللہ ہی کو پکارتے تھے یہ لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں انتہائی عاجزی انکساری اور فریاد کی جائے اور اس فریاد کی تفصیل سورۃ قمر آیت 10 اور سورۃ نوح میں ہے: أَهْلَهُ: اس میں اشارہ ہے کہ اس وقت ایمان والے صرف اس کے اہل خانہ یعنی گھرانہ کے لوگ تھے: كَرْبِ عَظِيمٍ: بڑے طوفان سے بچانا مراد ہے یا قوم کی تکذیب جھٹلانے اور تکلیفوں سے بچانا مراد ہے۔

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٧٧﴾

"اور ہم نے اس کا انتقام اس قوم سے لیا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا یقیناً وہ برے لوگ تھے اسلئے ہم نے ان سب کو ڈبو دیا" [77]۔

تفسیر 77 مدد سے مراد ان کا بدلہ لینا ہے وجہ یہ ہے کہ اس قوم نے ان کی بہت توہین کی تھی اور بہت ہی زیادہ مظالم کیے تھے، اس لئے ان سے انتقام لیا: قَوْمَ سَوْءٍ: عقیدہ کی خرابی اور برائی مراد ہے: فَاسِقِينَ: نہیں فرمایا کیونکہ وہ شرک کے ساتھ مردوں کی بدکاری میں بھی مبتلا ہوئے تھے جبکہ نوح علیہ السلام کی قوم ایسی نہیں تھی۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿٧٨﴾

"اور داؤد وسلیمان علیہما السلام (کو بھی ہم نے علم سے نوازا تھا) جب وہ دونوں ایک کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں جا گھسی تھیں اور ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوا اسے ہم خود دیکھ رہے تھے" [78]۔

تفسیر 78 ان آیتوں میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے کہ وہ معجزات میں اور احکام شرعی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے معلوم ہوا کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی امور تکوینیہ میں محتاج ہے تو امور شرعیہ میں بھی اس کی محتاج ہے: نَفَشَتْ:

مراد یہ ہے کہ بغیر مالک کے رات کے وقت بکریاں چرتی رہیں۔ طریقہ یہ ہے کہ اگر دن کے وقت مالک کی موجودگی کے بغیر جانور فصل میں داخل ہوجائے تو جانوروں کے مالک پر تاوان نہیں ہے۔ کیونکہ زمیندار کو چاہئے کہ اپنی فصل کو باڑ لگائے یا چوکیداری کا انتظام کرے البتہ رات کو جانوروں کی نگرانی یا ان کو باندھ کر رکھنا مالک کی ذمہ داری ہے اس صورت میں فصل ضائع ہونے کا تاوان جانوروں کے مالک پر ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ایسا فیصلہ قاضی شریح رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ: یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالی حاضر وناظر ہے (حاضر علم کے اعتبار سے ہے کیونکہ نصوص سے اللہ کا عرش پر مستوی ہونا ہی ثابت ہے) لِحُكْمِهِمْ: یہ تثنیہ کے معنی میں ہے یا اپنے یعنی جمع کے معنی میں ہے کیونکہ مدعی اور مدعا علیہ اس میں داخل ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾

"تو اس فیصلے کی سمجھ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو دیدی اور دونوں کو ہم نے علم وحکمت سے نوازا تھا اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو تابع بنایا تھا کہ وہ پرندوں کو ساتھ لیکر تسبیح کریں اور یہ سارے کام کرنے والے ہم تھے" [79]۔

تفسیر 79 داؤد علیہ السلام نے یہ اندازہ لگایا کہ ان بکریوں وغیرہ کی قیمت فصل کے ساتھ مساوی یعنی برابر ہے تو یہ ساری بکریاں فصل کے مالک کو دی جائیں لیکن سلیمان علیہ السلام نے اس کے برعکس یہ فیصلہ کیا کہ بکریاں اس وقت تک فصل کے مالک کو دی جائیں اور ان کا دودھ وغیرہ استعمال کرے جب تک فصل اپنے پہلے والی حالت میں نہ آجائے جبکہ ان کی دیکھ بھال رکھوالی بکریوں کے مالک کے ذمہ ہوگی اور اس میں فریقین کیلئے فائدہ نظر آرہا تھا۔ یہ حکمت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالی نے سکھائی تاکہ داؤد علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی علمی صلاحیت معلوم ہو تاکہ وہ خوش ہوجائے کیونکہ والدین اپنی اولاد کی قابلیت اور ترقی پر خوش ہوتے ہیں داؤد علیہ السلام سے فیصلہ کرنے میں خطا نہیں ہوئی اس لئے کہ انہوں نے صرف ارادہ کیا فیصلہ صادر نہیں کیا تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر غلط فیصلہ بھی کر لیتے تو وہ اجتہادی غلطی تصور ہوتی جس پر ایک اجر کا وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام 7352)۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فیصلہ صحیح تھا مگر اللہ تعالی نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلے سے منسوخ کیا اور منسوخ ہونے میں بہت حکمتیں ہیں وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا: اس میں دلیل ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ درست تھا اگر اجتہادی غلطی شمار کی جائے تو مجتہد کی غلطی پر اس کی شان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا ہے۔ وَسَخَّرْنَا: اس میں دلیل ہے کہ مذکورہ معاملہ میں اس کی نبوت پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیحات پڑھنا داؤد علیہ السلام کا معجزہ ہے اور

سَخَّرْنَا اور فَاعِلِيْنَ: میں دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالی کا فعل ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے اختیار میں نہیں ہے: كُنَّا فَاعِلِيْنَ میں تسخیر کی دوام کے طرف ان کی زندگی میں اشارہ ہے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

"اور ہم نے تمہارے فائدے کیلئے ایک جنگی لباس بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ وہ لڑائی میں ایک دوسرے کی جنگ سے بچائے کیا تم شکر کرنے والے ہو؟" [80]۔

تفسیر 80 اس آیت میں ایک اور معجزہ ذکر ہو رہا ہے جیسا کہ سورۃ سبا آیت 10 میں مذکور ہے اور وہ یہ معجزہ تھا کہ بغیر آگ میں گرم کئے لوہے کو اس کے لئے نرم کیا تھا جس سے وہ ذرہیں بناتے تھے اور دیگر جنگی سامان تیار کرتے تھے اس آیت میں دلیل ہے کہ صنعت کاری وغیرہ نبیوں کی سنت ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اپنی جان کے بچاؤ اور حفاظت کے لئے اسباب شرعی استعمال کرنا سنت انبیاء کرام ہے: فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ: اس میں استفہام امر کے معنی میں ہے اس مطالبہ میں مقصد شکر گزاری کو دوام دینا مقصود ہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

"اور ہم نے تیز چلتی ہوئی ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں اور ہمیں ہر ہر بات کا پورا پورا علم ہے" [81]۔

تفسیر 81 اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہے اور وہ ان معجزات میں اللہ کے محتاج تھے چونکہ سلیمان علیہ السلام جہاد کرتے تھے ان کی مملکت بہت وسیع تھی اس کے انتظام کرتے تھے لہذا اللہ تعالی نے اس وجہ سے ان کے لئے ہوا کو تابع کیا جس کو اس سورۃ میں عاصفہ (تیز) قرار دیا ہے جبکہ سورۃ ص آیت 36 میں رخاء (نرم) قرار دیا ہے یعنی ضرورت کے تحت کبھی تیز اور کبھی نرم رفتار سے ہوائیں ان کی تابع ہو کر چلتی تھیں: اَلْاَرْضُ الَّتِيْ بَارَكْنَا فِيْهَا: اس سے شام کی سرزمین مراد ہے کیونکہ اس میں پھل فروٹ فائدے اور غلے کثرت سے ہیں۔ نیز کثرت سے انبیاء کرام اس سرزمین میں بھیج دیئے گئے تھے: بِكُلِّ شَيْءٍ: ہر چیز کی تدبیر پہ اللہ تعالی خوب عالم ہے۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

"اور بعض شیاطین میں سے (تابع کیے تھے ہم نے) جو ان کیلئے پانی میں غوطے لگاتے تھے اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے تھے اور ان سب کی دیکھ بھال کرنے والے ہم ہی تھے" [82]۔

تفسیر 82 اس میں ایک اور معجزے کا تذکرہ ہے یعنی شیطانوں میں سے سرکشوں سے کام لینا معجزہ تھا: يَغُوْصُوْنَ: اس کے لئے غوطے لگا رہے تھے تاکہ پانی سے قیمتی ہیرے جواہر نکال لائیں: حَافِظِيْنَ: یعنی شیطانوں سے اس کی حفاظت کی تاکہ اس کو تکلیف نہ پہنچائیں اور اس کی حکم عدولی نہ کریں اور یہ کسی منتر جادو سے نہیں کیا تھا بلکہ حکم الٰہی سے ان کو تابع کیا تھا: عَمَلًا: اس کی تفسیر سورۃ سبا آیت 13۔ سورۃ ص آیت 37 میں مذکور ہے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

"اور ایوب علیہ السلام کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچ گئی ہے تو سارے رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" [83]۔

تفسیر 83 اس آیت میں ایوب علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے جس میں ان کی عاجزی وانکساری کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے توحید کا اثبات ہے کہ بیماریوں سے شفایاب کرنا مشکل کشا صرف اسی کی ذات ہے۔ ایوب علیہ السلام رومیوں میں سے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اور بہت مالدار تھے اور ان کا اہل وعیال بھی بہت بڑا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو امتحان میں مبتلا کیا تو ان کے مال اور اہل خانہ سب کو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً فنا کیا اور ان کو بدنی امتحان مرض میں مبتلا کیا جس کی مدت مشہور قول کے مطابق اٹھارہ سال رہی (سلسلۃ الصحیحۃ حدیث 17) اللہ تعالیٰ سے التجا کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ ان شاء اللہ مزید تفصیل ایوب علیہ السلام کی سورۃ ص میں آئے گی: اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ: امام قرطبی نے اس کی تشریح میں سترہ اقوال نقل کئے ہیں اس سے مراد صحیح قول کے مطابق بدنی مرض ہے جو شدت اختیار کر گیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی ہے جو کہ شکوہ نہیں ہے اور خلاف صبر بھی نہیں ہے دیگر نبیوں کی طرح ایوب علیہ السلام کے متعلق بھی طویل بے قصے بنائے ہیں ایسی بیماریوں کا ذکر کیا ہے جن سے لوگ متنفر ہوتے ہیں جیسا کہ ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کچرا کنڈی کے پاس پڑے رہے وغیرہ یہ سب اسرائیلی روایات ہیں اور یہ نبیوں کی شان کے خلاف ہے اور ان کا بیان مناسب نہیں ہے وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ: اس میں اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کیا گیا اور ادب کی وجہ سے مقصد کا ذکر نہیں کیا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

"ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں جو تکلیف لاحق تھی اسے دور کیا اور ان کو ان کے گھر والے بھی دیئے اور ان اہل والوں کے ساتھ اتنے اور بھی دیئے تاکہ ہماری طرف سے رحمت کا مظاہرہ اور عبادت کرنے والوں کو درس حاصل ہو" [84]۔

تفسیر 84 اس آیت میں دلیل ہے کہ سابقہ آیت میں ایوب علیہ السلام کی دعا ہی کا ذکر تھا۔ رَحْمَةً: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ پر کسی کا جبر نہیں ہے بلکہ یہ اس کا احسان اور رحمت ہے۔ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ: مطلب یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا رہتا ہے اور اس میں ان کو مالی یا جانی مصیبتیں پہنچ جاتی ہیں تو اس کو چاہئے کہ ایوب علیہ السلام کو یاد کرے کہ وہ ان سے بہت بہتر تھے مگر انہیں بھی تکلیف اور مشکلات سے گزرنا پڑا اور انہوں نے صبر کیا۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

"اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا تھا یقیناً ان کا شمار صالح لوگوں میں سے ہے [85]۔ ہم ان کو داخل کریں گے اپنے رحمت میں بے شک وہ لوگ صالحین میں سے ہیں" [86]۔

تفسیر 85 اس میں بھی تین انبیاء علیہم السلام سے دلائل نقلیہ کا ذکر ہے کہ وہ رحمت الٰہی کے محتاج تھے اور بندے ہونے کے ناطے احکام الٰہی پر عمل اور مصائب پر صبر کرتے تھے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی آزمائش ان کے نفس کی قربانی سے کی گئی تھی اور اپنی والدہ کے ساتھ غیر آباد زمین میں رہے تھے تعمیر بیت اللہ میں کافی تکلیفیں اٹھائی تھی۔ ذوالکفل اور ادریس علیہما السلام کا تفصیلی ذکر قرآن اور صحیح احادیث میں نہیں ہے لہٰذا ان کے متعلق ہمارا اجمالی ایمان ہے۔

تفسیر 86 امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل نبی تھے بعض علماء نے ان کو صالحین میں شمار کیا ہے جبکہ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس میں توقف یعنی خاموشی اختیار کی ہے۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۸۷﴾

"اور مچھلی والے (یونس علیہ السلام کو یاد کرو) جب وہ ناراض ہو کر چل پڑے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کی کوئی گرفت نہیں کریں گے پھر انہوں نے اندھیروں میں سے آواز لگائی کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہر عیب سے پاک ہے یقیناً میں ہی قصوروار ہوں" [87]۔

تفسیر 87 اس آیت میں یونس علیہ السلام سے دلیل نقلی مذکور ہے یعنی وہ اللہ کے محتاج بندے ہیں نیز اس میں اثبات توحید ہے۔ نُوْنٌ: مچھلی کو کہتے ہیں چونکہ وہ کچھ عرصہ مچھلی کے پیٹ میں تھے اور ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے ذریعے سے کی تھی اس لئے نون ان کا لقب تھا۔ مُغَاضِبًا: سے مراد یہ ہے کہ آپ قوم پر غصہ تھے، اس لئے کہ انہوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور وہ اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے کہ اب اس قوم پر عذاب آنے والا ہے اور عذاب کے وقت نبی اپنی قوم سے باہر ہوتا ہے تو یونس علیہ السلام قوم سے الگ ہو کر وہاں سے نکل پڑے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہیں کیا۔ ظُلُمٰتِ: تین اندھیرے تھے ایک رات کا اندھیرا دوسرا اندھیرا سمندر کا جبکہ تیسرا اندھیرا مچھلی کے پیٹ کا تھا۔ یونس علیہ السلام کی اس دعا میں تین شرطوں کی طرف اشارہ ہے پہلی شرط دعاء کی ابتدا کلمہ توحید سے کی کسی اور ذات میں دعاء کی قبولیت کی صلاحیت نہیں ہے جو مشکل کشائی کر سکے۔ دوسری شرط اللہ تعالیٰ سے دعا اس لئے طلب کی جاتی ہے کہ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے کمزوری نقصان وغیرہ سے مبرا ہے ہر حاجت پوری کرنے پر قادر اور مانگنے والے کے حال سے باخبر ہے کیونکہ علیم ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اپنی ذات کی کمزوری عاجزی اور قصور کا اقرار کرے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی بیان نہیں کرتا ہے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ فائدہ بعض جاہل مبتدعین نے اس آیت سے چند وجوہات کی بنا پر انبیاء کے گناہگار ہونے پر استدلال کیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے مُغَاضِبًا: کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ اللہ پر غصہ میں تھے جبکہ اللہ تعالیٰ کے کام پر غصہ ہونا گناہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے معنیٰ کیا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ قادر نہیں ہے اور یہ بھی گناہ ہے کہ قدرت الٰہی سے انکار کیا جائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو ظالم کہا ہے اور ہر ظلم گناہ ہے تینوں سوالوں کا جواب یہ ہے: مُغَاضِبًا: سے مراد قوم پر غصہ ہونا ہے جن مفسرین نے رَبِّهٖ: لکھا ہے انہوں نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رب کی خاطر غصہ تھے جبکہ یہ عبادت ہے اور: نَّقْدِرُ

سے تنگی پیدا کرنا مراد ہے جیسا کہ: يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ: میں یہ معنی ہے ہر ظلم گناہ نہیں ہے کبھی قصور اور اعتراف نفس کو بھی ظلم کہا جاتا ہے جیسا کہ اس دعا میں ہے: رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي: صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 834 صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ حدیث 48 / 2075 ترمذی حدیث 3531۔ یہ دعا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پڑھائی اور سکھائی تھی کہ تشہد کے آخر میں پڑھو کبھی خلاف اولیٰ کیلئے بھی آتا ہے یعنی بات یہ تھی کہ ہجرت کرنے سے قبل حکم الٰہی کا انتظار کرتے تو یہ اولیٰ کام تھا اور خلاف اولیٰ کام گناہ نہیں ہوتا ہے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

"پس ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں کٹھن مرحلہ سے نجات دی اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات دیتے ہیں" [88]۔

تفسیر 88 "غَمِّ": یعنی اندھیروں کی وجہ سے اور خلاف اولیٰ کام کی وجہ سے پریشان اور غمگین ہونا مراد ہے اور اس نجات کی تفصیل سورۃ صافات آیت 140 سے 147 تک ہوئی ہے: وَكَذَٰلِكَ: اس میں اشارہ ہے کہ دیگر لوگوں کی دعا تب قبول ہوگی جب وہ یونس علیہ السلام کی طرح اخلاص اور عاجزی اختیار کریں گے اس دعاء کی طرف روایت میں ترغیب دی گئی ہے جس کو ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ (احمد 1 / 170 ترمذی کتاب الدعوات حدیث 3505 مستدرک حاکم 505۔ اس حدیث کو شیخ شعیب ارناؤوط نے حسن اور شیخ البانی نے صحیح کہا ہے)۔

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾

"اور زکریا علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا کہ اے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے" [89]۔

تفسیر 89 یہ بھی دلیل نقلی زکریا علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے جس میں توحید کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اپنی عاجزی محتاجی خالص اللہ کو پیش کی تھی فَرْدًا: یعنی اکیلا دین کی خدمت کرنے والا جس کے معاون نہ ہو: الْوَارِثِينَ: دین کا محافظ مراد ہے: إِذْ نَادَىٰ: اس ندا کا ذکر سورۃ آل عمران آیت 38 سورۃ مریم آیت 3 میں گزرا ہے۔

فائدہ: اس سورۃ میں چار انبیاء علیہم السلام کی تدعیٰ الی اللہ ذکر ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کی ضرویات ان چار قسموں میں منحصر ہیں۔ پہلی قسم: دشمن کے مقابل اور اس سے حفاظت کی دعا، نوح علیہ السلام کی ذکر ہوتی۔ دوم بدنی جسمانی بیماریوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنا۔ یہ ایوب علیہ السلام سے منقول ہے۔ سوم عام تکلیفوں مصیبتوں سے نجات

کیلئے یونس علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہوا۔ چہارم: اولاد کے لئے کہ میراث دینی، اور دنیوی سنبھال سکے سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعاء کا تذکرہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ انسان عام اور خاص تمام ضرورتوں اور حاجتوں میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہے اور انسان پر فرض ہے کہ اپنی تمام حاجتوں میں اللہ تعالیٰ ہی سے التجائیں کرے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

"تو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو (یحیٰ علیہ السلام) سے نوازا اور ان کیلئے اس کی بیوی کو اولاد کے قابل بنایا یقیناً یہ لوگ بھلائی کے کاموں میں سبقت کرنے والے تھے اور ہمیں محبت اور خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے" [90]۔

تفسیر 90 سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں دعا کی قبولیت کا طریقہ اور یحیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تفصیل ذکر ہو چکی ہے: اَصْلَحْنَا لَهٗ: مراد یہ ہے کہ اس سے قبل بانجھ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اولاد کے قابل بنایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا: تفصیلی بیان عبادات کی تین قسموں کا ذکر کیا ہے۔ اول طریقہ: يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ: اس سے تمام حکموں کی تعمیل اور ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب مراد ہے اور مُسَارَعَتْ: جلدی کرنے سے: تَقْدِيْمُ الْاَهَمْ فَالْاَهَمْ: مراد ہے یعنی جو کام پہلے کرنا چاہیے اسے پہلے بجالاتے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس جملے سے عصمت الانبیاء پر استدلال کیا ہے۔ اسلئے کہ اس میں الف لام برائے استغراق ہے جبکہ: اَلْخَيْرَاتْ: بھی گناہ نہ کرنے کا ایک فرد ہے دوم: يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا: یعنی اطاعت وعبادت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتے ہیں خصوصاً جب مدد طلب کرتے ہیں: رَغَبًا وَّرَهَبًا: یعنی حالت دعا میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی امید رکھتے ہیں اور غضب الٰہی سے ڈرتے بھی ہیں یا مطلب یہ ہے کہ امن اور خوف دونوں حالتوں میں اللہ ہی سے دعا مانگتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ رہبت اور رغبت جمع کرنا عبادت کا صحیح طریقہ ہے۔ سوم: وَكَانُوْا لَنَا خَاشِعِيْنَ: ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اخلاص دعا عاجزی کرتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ بغیر عاجزی اور اخلاص کے کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی ہے۔

وَالَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

"اور اس عورت (کو یاد کرو) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی ہم نے ان میں اپنی طرف سے روح پھونک دی اور انہیں اوران کے بیٹے کو جہاں والوں کیلئے ایک نشانی بنا دیا" [91]۔

تفسیر 91 اس آیت میں مریم اور عیسیٰ علیہما السلام سے دلیل نقلی ذکر کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کے سامنے عاجز تھے اس میں بھی توحید کی یاد دہانی ہے اور اس واقعہ کو الگ الگ ذکر کیا ہے جس میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ مریم نبیوں میں سے نہیں تھی اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام انبیاء میں سے ہے: اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا: اس میں یہودیوں پر تنقید ہے کیونکہ انہوں نے مریم پر بہتان باندھا تھا۔ فرج سے مقام خاص یا قمیص کا گریبان آستین اور قمیص کے چاک وغیرہ مراد ہیں اور اس میں اصل مقصد اس کی عفت بیان کرنا ہے: اٰيَةً: مفرد ذکر کیا ہے مگر مراد جنس ہے یعنی کئی آیتوں کی طرف اشارہ ہے یا دونوں میں ایک عظیم نشانی تھی کہ بغیر مرد کی قربت سے حرکے لی ولادت کی ہے یا پھر عبارت مقدر ہے۔ یعنی: جَعَلْنٰهَا اٰيَةً وَّابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ تفسیر قرطبی میں اس طرح منقول ہے: لِّلْعٰلَمِيْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ پورے عالم میں یہ ایک ہی واقعہ ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾

"یقیناً (انبیاء کا) یہ دین تمہارا ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا میری عبادت کرو" [92]۔

تفسیر 92 اس آیت میں توحید کی ترغیب کیلئے انبیاء کرام علیہم السلام کے خطاب کے بعد عام خطاب ہے۔ یعنی توحید کا دین تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے تو تمہارا بھی وہی دین ہے: وَّاَنَا رَبُّكُمْ الخ تک یہ اُمَّةٌ: (دین) کیلئے بیان ہے جس میں شرک ربوبیت اور الوہیت کا رد ہے یہاں امت کا معنیٰ شریعت دین اور سنت ہے۔

وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾ ع

"اور انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کیا سب ہمارے پاس لوٹ کر آئیں گے" [93]۔

تفسیر 93 اس آیت میں ان لوگوں کیلئے زجر ہے جنہوں نے توحید کی مخالفت کی ہے اور امر دین کے معنیٰ میں ہے یعنی توحید چھوڑنے کے بعد آپس میں مختلف گروہ تقسیم ہوگئے شرک اور کفر کی مختلف قسموں میں بٹ گئے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

"پس جو مومن بن کر نیک عمل کریگا تو اس کی کوشش کی بے قدری نہیں ہوگی اور ہم اس کی کوشش کو لکھتے رہتے ہیں" [94]۔

خلاصہ: اس آیت سے سورۃ کے آخر تک پانچواں باب ہے اس آیت 94 میں خوشخبری ہے جبکہ آیت 95 سے 100 تک تفصیلی خوشخبری تین آیتوں میں مذکور ہے پھر تخویف اُخروی اور خوشخبری ہے پھر رسول کی سچائی کا ذکر ہے آیت 107 میں اور تخویف دنیوی ہے آیت 109، 111 رد شرک فی العلم تین آیتوں میں مذکور ہے پھر سورۃ کے اختتام تک رد شرک فی الاستعانہ اور مشرکین کے مقابل نبی کریم ﷺ کی عاجزی کا ذکر ہے۔

تفسیر 94 اس آیت میں ایمان والوں کیلئے خوشخبری ہے کہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہوں گے بلکہ اجر و ثواب کے باعث ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حفاظت میں بھی ہیں اس میں: تَقَطَّعُوْا: کی تفصیل ہے یعنی لوگ دو گروہ میں منقسم ہیں فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ: یعنی ان کے اعمال کو ضائع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی بے قدری کی جائیگی۔ معلوم ہوا کہ شرک کفر اور بدعت کے سبب اعمال ضائع ہوتے ہیں دیگر آیتوں میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَاۤ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾

"اور جس کسی بستی والوں کو ہم نے ہلاک کیا ہے ان کیلئے ناممکن ہے کہ وہ پلٹ کر (دنیا میں) آجائیں" [95]۔

تفسیر 95 اس آیت میں دوسرے گروہ کیلئے خوف اور زجر ہے۔ آیت میں اشکال ہے کہ حرام کا معنی منع ہے اور لَا يَرْجِعُوْنَ: کا معنی دنیا میں نہ آنے کا ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہ توبہ کے ذریعہ گناہ سے پلٹ کے آنے والے نہیں ہیں تو معنی یہ ہوا کہ ہلاک ہونے والے لوگ دنیا میں واپس نہیں آسکتے اور نہ ہی توبہ کر سکتے ہیں یعنی یہ دونوں کام ان کیلئے منع ہے لیکن یہ معنی دیگر آیاتوں کے خلاف ہے کیوں کہ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ دنیا میں آئیں گے اور توبہ کریں گے جیسا کہ آیت 100 سورۃ مؤمنون سورۃ انعام آیت 28 سورۃ یٰسین آیت 31 میں ہے پہلی توجیہ یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے کہ حرام نو جَبَ: کے معنی میں ہے اور: قَدْ قَدَرَ: کے معنی میں ہے یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ لام اضافی ہے یہ ابوعبیدہ کا قول ہے مگر یہ مناسب نہیں ہے تیسری توجیہہ ہلاک ہونے والی قوموں کیلئے توبہ اور ایمان لانا حرام ہے اسلئے کہ وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتے ان تمام توجیہات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو لوگ مرچکے ہیں وہ دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔ دنیا میں مردوں کی واپسی کا عقیدہ اہل تشیع کا ہے لوگوں میں جو قصے مشہور ہیں کہ فلاں بزرگ

مرنے کے بعد دنیا میں دیکھا گیا یہ سب شیطانی تلبیسات ہیں نیز معراج کی رات جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا وہ عالم مثالی تھا اور معجزہ رسول ہے اس کی تشریح واقعہ معراج میں گزر چکی ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ هُمۡ مِّنۡ كُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ ﴿۹۶﴾

"یہاں تک کہ جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائیگا اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے" [96]۔

تفسیر 96 اس آیت میں قرب قیامت کی بعض علامات ذکر ہوئی ہیں جو کہ احادیث سے ثابت ہیں ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ دجال کے فتنہ کے بعد یاجوج اور ماجوج سارے عالم پر مسلط ہو جائیں گے: حَتّٰی: یہ ابتدائیہ ہے یعنی مستقل کلام اس سے شروع ہوا ہے یا پھر یہ: لَا یَرْجِعُوْنَ: سے متعلق ہے یعنی یہ لوگ دنیا میں واپس نہیں آسکتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کی یہ علامت ظاہر اور قائم ہو جائے: حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ: مقصد یہ ہے کہ ان کے روکنے کیلئے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی ان کے پاس زمینی و ہوائی اسباب بہت ہوں گے۔ ان کا ذکر سورۃ کہف آیت 94 میں گزر گیا ہے۔ امام ابن جریر و ابن کثیر رحمہم اللہ نے اس مقام میں کثرت سے روایتیں نقل کی ہیں۔ صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث 2937 ابو داؤد کتاب الملاحم حدیث 4321 ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث 4079۔

وَ اقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ یٰوَیۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۹۷﴾

"اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت (قریب) آجائیگا تو اچانک حالت یہ ہوگی کہ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی (حیران) رہ جائیں گی (اور کہیں گے) ہائے ہماری بدبختی ہم اس چیز سے بالکل غفلت میں تھے بلکہ ہم نے بڑے ستم ڈھائے تھے" [97]۔

تفسیر 97 اس آیت میں دلیل ہے کہ یاجوج اور ماجوج کے آنے سے قیامت بہت قریب ہوگی کیونکہ: اِقْتَرَبَ کو فُتِحَتْ پر معطوف کیا ہے اور اس آیت میں قیامت کی ہیبت ذکر کی ہے سورۃ ابراہیم آیت 42، 43 میں بھی گزرا ہے: یٰوَیْلَنَا الخ یہ کفر و شرک کا اعتراف ہے لیکن اس وقت یہ اقرار ان کیلئے کوئی فائدہ نہیں دے گا اس آیت کی سورۃ کی شروع والی آیت سے مناسبت ہے۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾

"یقیناً تم اور جنہیں اللہ کو چھوڑ کر تم بندگی کرتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں تم اسی جہنم میں داخل ہوں گے"[98]۔

تفسیر 98 اس آیت میں تخویف اور مشرکین کا رد ہے یعنی مشرکین جو اپنے باطل معبودوں سے قیامت میں نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ غلط ہے اس لئے کہ وہ خود جہنم میں ہوں گے تو وہ ان کو کس طرح چھڑا سکیں گے۔ اس آیت میں ایک عام طور سے اشکال کیا جاتا ہے کہ مشرکین نے تو انبیاء اولیاء اور ملائک کی بھی عبادت کی ہے جبکہ اس آیت میں لفظ (مَا) عام ہے (تو کیا وہ بھی جہنم میں داخل کیئے جائیں گے؟) یہ اعتراض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ ابن الزبعری وغیرہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ مشرکین نے تو عزیر، عیسیٰ علیہما السلام اور ملائک کی عبادت کی ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ پہلی وجہ یہ ہے اس کا جواب چند وجوہ سے دیا گیا ہے؟ کہ لفظ (مَا) عموم کیلئے صریحی قطعی نہیں ہے جیسا کہ شرح مواقف نورالانوار میں ہے کہ (مَا) عموم وخصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور زبعری تو مشرک کافر تھا اس نے (بطور تلبیس) لوگوں کو شبہات میں ڈالنا چاہا۔ جبکہ یہاں پر وہ باطل معبود مراد ہیں جنہوں نے شرک و بدعت کی طرف دعوت دی ہے یعنی باطل پرست پیر اور مولوی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لفظ (مَا) اگرچہ عام ہے لیکن آیت 101 میں صالحین کا استثناء کیا گیا ہے: حَصَبُ: ان لکڑیوں وغیرہ کو کہتے ہیں جو آگ میں صرف جلانے کیلئے ڈالی جاتی ہیں جبکہ: حَطَبُ: مطلق لکڑی کو بھی کہتے ہیں لہٰذا: حَصَبُ: میں ذلت کا معنیٰ ہے۔

لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾

"یہ اگر حقیقتاً معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے"[99]۔

تفسیر 99 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ماسوا باطل معبودوں کا رد کیا گیا ہے اسلئے کہ وہ اپنے آپ کو اور عبادت کرنے والوں کو جہنم سے نہیں بچا سکیں گے نیز اگر ان کی عبادت صحیح ہوتی تو وہ عبادت کرنے والے جہنم میں نہ جاتے: مَا وَرَدُوهَا: عبادت کرنے والے اور جن کی عبادت کر رہے تھے۔ سب کو یہ ضمیر راجع ہے اور: كُلٌّ: میں بھی دونوں مراد ہیں۔

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝

وہاں ان کی چیخیں نکلیں گی اور وہاں وہ کچھ سن نہیں سکیں گے [100]۔ البتہ جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے بھلائی پہلے لکھی جا چکی ہے ان کو اس جہنم سے دور رکھا جائیگا" [101]۔

"زَفِيرٌ": اس آواز کو کہا جاتا ہے جو غمگین انسان غم سے بھری آواز دل سے نکالتا ہے اس طرح سورۃ ہود آیت 106 میں بھی ہے البتہ سورۃ ہود میں: زَفِيرٌ وَّشَهِيقٌ: ذکر ہوا ہے فرق دونوں میں عام اور خاص مشرکین کا ہے تو سورۃ ہود میں عام مشرکین مراد ہیں اس لئے دونوں قسم کی آوازیں ذکر ہوئی ہیں: لَا يَسْمَعُونَ: جہنم میں چیخ و پکار اتنی زیادہ ہوگی کہ کسی کی بات سنائی نہیں دیگی اس آیت میں دلیل ہے کہ یہ معبودان باطلہ بت نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ صفات بتوں کی نہیں جانداروں کی ہیں۔

تخویف اخروی کے بعد بشارت ہے۔ اور اس اشکال کا جواب ہے کہ جب سب معبودان باطلہ جہنم میں جائیں گے تو اس میں عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام صالحین اور ملائک بھی شامل ہیں تو اس کا جواب ہوا کہ وہ جہنم سے بہت دور ہوں گے: سَبَقَتْ سے مُحْسِنِينَ: کے ساتھ جنت کا وعدہ مراد ہے جیسا کہ سورۃ یونس آیت 26 میں گزرا ہے یا تقدیر میں ان کیلئے جنت کا فیصلہ ہے: الْحُسْنَىٰ: اس سے مراد جنت ہے اور مذکورہ تمام صالحین اس میں داخل ہیں۔

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝

"وہ اس کی سرسراہٹ بھی نہیں سنیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ ان چیزوں میں رہیں گے جو ان کی من پسند ہوں گی" [102]۔

اگر سوال کیا جائے کہ اس آیت کا سورۃ مریم کی آیت 71 سے تعارض آرہا ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ایک تفسیر کے مطابق وارد سے داخل ہونے والا مراد نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وارد کے بعد جہنم کی کسی قسم کی سرسراہٹ نہیں سنیں گے: مَا اشْتَهَتْ: یعنی ہر دل پسند مطلوب ان کو حاصل ہوگا اور ہر قسم کے ضرر اور خوف سے امن میں ہوں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝

"ان کو وہ سب سے بڑی پریشانی غمگین نہیں کریگی اور ملائک ان کا (یہ کہہ کر) استقبال کریں گے (کہ) یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا" [103]۔

سورۃ نمل آیت 89 میں اس طرح ہے اور: فَزَعُ الْأَكْبَرُ: سے مراد قیامت کی ہیبت اور ہولناکیاں ہیں جس

میں موت کا ذبح ہونا بھی داخل ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6548 حدیث میں ہے شیخ البانی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ ملائکہ کی ملاقات سے جنت کے دروازوں پر یا قبروں سے اٹھتے وقت ان کو خوش آمدید اور سلام پیش کرنا مراد ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝

"جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے لکھے ہوئے اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں جیسے ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا دوبارہ اسی طرح پیدا کریں گے یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کریں گے" [104]۔

تفسیر 104 یہ لَا يَحْزُنُهُمُ: کے ساتھ متعلق ہے یعنی جس دن آسمانوں کو لپیٹ دیں گے اس دن ان کو غمگین نہیں کرے گی کوئی بڑی پریشانی یا پھر تُوعَدُونَ: سے متعلق ہے اور پھر ابتداء سے کلام ہے جس کا تعلق نُعِيدُهُ: کے ساتھ اور آسمانوں سے سب آسمان مراد ہیں جیسا کہ سورۃ زمر آیت 67 میں ہے السِّجِلِّ: میں بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ رجسٹر ہے جس میں نام اور فیصلوں کا حکم درج ہوتا ہے۔ وہ رجسٹر اپنے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ مضامین ان میں لپیٹ لئے ہوتے ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کہا ہے کہ سجل کاتب وحی صحابی کا نام ہے اس کو امام ابن جریر وابن کثیر رحمہم اللہ نے رد کیا ہے کہ وہ روایت منکر بلکہ موضوع (بناوٹی) ہے کیونکہ اس نام کا صحابہ کرام میں کوئی شخص نہیں گزرا ہے: كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ: سورۃ اعراف آیت 29 میں بھی اس طرح ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝

"ہم زبور میں وعظ نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے" [105]۔

تفسیر 105 اس قول کی بناء پر کہ زمین سے جنت مراد ہے تو یہ آخرت کی خوشخبری ہے جیسا کہ سورۃ زمر آیت 47 میں ہے اور اگر زمین سے شام کی زمین مراد لی جائے یا بعض حکومتیں زمین میں مراد ہو تو پھر دنیا کی خوشخبری ہے ایسا وعدہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیا گیا تھا جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 137 میں مذکور ہے اور ایسا وعدہ سورۃ مؤمنون آیت 55 میں مؤمنوں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ زبور یعنی داؤد علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب مراد ہے ذِكْرِ: اس سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور توحید کا بیان مراد ہے یا ذکر سے تورات مراد ہے یا لوح محفوظ مراد ہے یا زبور کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی لکھی ہوئی آسمانی کتابیں

مراد ہیں تورات، انجیل اور زبور وغیرہ اور جب :اَرْضَ: (زمین) سے شام کی زمین مراد ہے جس کا ذکر آیت 71 اور 81 میں گزرا ہے اور :عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ: سے مراد یہ امت ہے تو پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ وعدہ مکمل ہوا یعنی شام فتح ہو گیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو امیر والی مقرر کیا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ قرآن کی بشارت سے صالحین میں سے ہیں۔ تیسیر الرحمٰن میں علامہ مہائمی نے لکھا ہے کہ اصحاب رسول ہی حقیقت میں صالحین ہیں۔

اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

"یقیناً اس (قرآن) میں عبادت کرنے والوں کیلئے کافی پیغام ہے" [106]۔

تفسیر 106 گزشتہ آیت میں جو خوشخبری ہے اس کے حصول کیلئے اس آیت میں ذریعہ ذکر ہوا ہے :هٰذَا: میں اس سورۃ کے مضمون یا سارے قرآن کی طرف اشارہ ہے :بَلٰغٌ: یہ کفایت یا مقصد حاصل کرنے کے لئے ہے :عٰبِدِیْنَ اس سے موحدین اہل توحید مراد ہیں جو شرعی طریقہ پر عبادت بجالاتے ہیں۔ تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے کہ اس سے مراد عاملین قرآن ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے" [107]۔

تفسیر 107 چونکہ عبادت عقیدہ توحید اور اطاعت الرسول کی بنیاد پر ہی صالح قرار پاتی ہے تو اس لئے دونوں آیتوں میں یہ بنیادیں بیان کی گئیں۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سارے عالم کیلئے اس طرح رحمت ہے کہ ایمان والے اپنے کامل ایمان کی وجہ سے دنیا و آخرت کے فائدے اور عظمتیں حاصل کریں گے اور کافروں کیلئے رحمت ہے کہ اسلام قبول کروانے کیلئے غزا و جہاد کیا جاتا ہے جبکہ ذمی کافر کیلئے جزیہ دینے سے امن کے ساتھ زندگی بسر کرنا رحمت ہے اور منافقین کیلئے دل میں کفر چھپانے کے باوجود مومنوں جیسے حقوق دنیا میں ملنا رحمت ہے اور عام مخلوق کیلئے دنیاوی عذاب سے بچنے کی وجہ سے رحمت ہے اور سورۃ توبہ آیت 61 میں خاص مومنوں کیلئے رحمت فرمایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

"فرما دیجئے مجھ پر یہی وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی اللہ ہے تو کیا (اس مسئلہ کو) تم مانتے ہو؟" [108]۔

تفسیر 108 اس آیت میں توحید کا مسئلہ ذکر ہو رہا ہے جو مقصد رسالت ہے اور خاص رحمت کے حصول کیلئے سبب بھی

ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ: یہ امر یعنی حکم کے معنیٰ میں ہے اور اسلام سے مراد توحید قبول کرنا ہے یا توحید کو عمل اور دعوت کے طور پر ظاہر کرنا ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

"پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں علی الاعلان خبردار کیا ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم سے جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قریب ہے یا دور" [109]۔

تفسیر 109 اس آیت میں توحید سے اعراض کی صورت میں تخویف دنیاوی اور اخروی ہے: اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ میں نے تم سے کوئی علم کی بات نہیں چھپائی بلکہ پوری پوری توحید پہنچائی ہے یا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں آخری وعظ کر لیا ہے اب تم عذاب کا انتظار کرو نیز اس آیت میں نبی سے علم غیب کی نفی بھی ہوئی۔

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

"یقیناً اللہ تعالیٰ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بلند آواز سے کی جاتی ہیں اور وہ بھی جو تم چھپاتے ہو" [110]۔

تفسیر 110 اس آیت میں عذاب کا سبب ذکر ہے کہ ظاہر یا مخفی شرک ہو لیکن سبب عذاب ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کیلئے علم کلی کی صفت بیان کی گئی ہے اور یہ: اِنْ اَدْرِیْ قول کیلئے علت ہے یعنی مجھے علم غیب اسلئے نہیں ہے کہ ہر چیز کا علم غیب اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾

"اور میں نہیں جانتا شاید کہ وہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک وقت مقرر تک فائدہ اٹھانا ہو" [111]۔

تفسیر 111 اس آیت میں سوال کا جواب ہے یعنی جب اسباب عذاب موجود ہیں تو ان پر عذاب میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے مکمل وجہ معلوم نہیں ہے البتہ یہ تاخیر امتحان کے لئے ہو سکتی ہے اور اس آیت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی بھی نفی ہے۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے رب تو حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب نہایت مہربان ہے وہ جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو"[112]۔

جب مہلت کی ان گھڑیوں میں ضدیوں اور عنادیوں نے حق کا سخت مقابلہ شروع کیا تو نبی کریم نے اللہ تعالی سے یہ دعا طلب کی۔ اس آیت میں: شرك فی التصرف وَالْاِسْتِعَانَةِ کا رد ہے یعنی اللہ تعالی کے سوا کائنات میں کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی کسی کے پاس کلی اختیارات ہیں۔ اس سورۃ میں چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں التجائیں گزر گئی ہیں تو سورۃ کے اختتام میں نبی آخر الزمان کی دعا وعاجزی ذکر کی گئی ہے۔

۱۔ غفلت کے مراتب کا بیان۔

۲۔ اس سورۃ میں لفظ ذکر کثرت سے مذکور ہے۔

۳۔ ابراہیم علیہ السلام کا امتحان آگ کے ذریعے سے۔

۴۔ چار قسم کی ضرورتوں کے لئے چار نبیوں کی صدائیں:

(۱) نوح علیہ السلام کی صدا مخالفین کے مقابل مدد کیلئے۔

(۲) ایوب علیہ السلام کی صدا مرض مضر سے شفاء کیلئے۔

(۳) یونس علیہ السلام کی صدا مصائب وکرب سے نجات کیلئے۔

(۴) زکریا علیہ السلام کی صدا نارینہ اولاد کیلئے۔

۶۔ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کے متعلق تذکرہ۔

الحمد للہ اللہ تعالی کے توفیق سے سورۃ الانبیاء کے تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۷۸ ۲۲ سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۳ رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

اس سورۃ کی بعض آیتیں مدنی اور بعض مکی ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے غزنوی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ عجیب سورتوں میں سے ہے اس لئے کہ اس کی بعض آیتیں رات کو اور بعض دن کو نازل ہوئی ہیں بعض حالت سفر میں اور بعض حالت قیام یعنی حضر میں بعض صلح کی آیتیں ہیں تو بعض جنگ کی بعض ناسخ ہیں تو بعض منسوخ ہیں بعض محکم اور بعض متشابہ ہیں۔ ربط ۱: سورۃ انبیآء کے ساتھ اس کا ایک ربط اور تعلق یہ ہے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عاجزی انکساری بیان ہوئی ہے جو انہوں نے اپنے رب سے کی ہے تو اس سورۃ میں ان لوگوں کا رد ہے جو اپنی عاجزی غیر اللہ سے کرتے ہیں۔ ربط ۲: گزشتہ سورۃ کی ابتداء میں قیامت کے قریب آنے کا ذکر تھا تو اس سورۃ کی ابتداء میں اس کے ہولناک منظر کا ذکر ہو رہا ہے۔ ربط ۳: سابقہ سورۃ میں قیامت کا تذکرہ تھا اس سورۃ کی ابتداء میں: زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ: کا ذکر ہو رہا ہے اس سورۃ میں فرمایا کہ تمہارا دین: اُمَّةً وَّاحِدَةً ایک ہے تو اس سورۃ میں لوگوں کی گروہ بندی اور اختلاف کا ذکر ہوا ہے۔ سورۃ کا دعویٰ: اس سورۃ میں بنیادی طور پر دو مضمون بیان ہوئے ہیں۔ 1) دس عقلی دلائل سے اثبات توحید اور تمام اقسام شرک کی تردید کی ہے۔ 2) دوسرا دعویٰ اثبات بعث بعد الموت کو عقلی دلائل تخویف اور بشارت کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں چار ابواب ہیں۔ پہلا باب اول تا آیت 25 تک ہے اس میں دونوں دعوے اور تخویف اخروی کا ذکر ہوا ہے جو کہ آیت 1 اور 2 میں ہے اور سات زواجر ذکر کیے گئے ہیں اور تین عقلی دلائل اور تخویف اخروی کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اور خوشخبری بھی تفصیل سے بیان کی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

”اے لوگو اپنے رب کے غضب سے ڈرو یقیناً قیامت کا بھونچال بڑی سخت چیز ہے“ [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں توحید کا دعویٰ اور اثبات قیامت کا دعویٰ قیامت کی بڑی نشانی سے ثابت کیا ہے۔ [illegible] ترتیب کے اعتبار سے قرآن کریم کی ابتداء سے چوتھی سورۃ (سورۃ النساء) ہے جس کا آغاز: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ: سے ہوئی۔ اس طرح

سورۃ النساء میں مخلوق کی پیدائش اور طلقت کا تذکرہ ہے نصف قرآن سے یہ چوتھی سورۃ ہے تو اس سورۃ میں مخلوق کی انتہاء کا ذکر ہے زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ: اس میں دو تفسیریں ہیں۔ایک تفسیر یہ ہے کہ قیامت قائم ہونے سے قبل مخلوق کو فنا کرنے کیلئے ساری زمین پر زلزلہ آئیگا جیسا کہ سورۃ: زِلۡزَال: میں اور یہاں آیت 2 میں بھی یہ مراد ہے اور یہی حقیقت ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے میدان حشر کی ہولناکیاں مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الرقاق حدیث 6530 میں حدیث ہے کہ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اپنی اولاد میں سے جہنمیوں کے الگ کر دوہ دریافت فرمائینگے کہ کتنے میں سے کتنا اللہ تعالیٰ جواب دے گا ایک ہزار میں سے نوسونناوے (999) جہنم کیلئے الگ کرو اور ایک شخص جنت کیلئے تو اس وقت لوگوں پر انتہائی ہیبت کا عالم ہوگا۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے لہذا اس قول کے مطابق زلزلہ سے یہ ہیبت و گھبراہٹ مراد ہے۔

يَوۡمَ تَرَوۡنَهَا تَذۡهَلُ كُلُّ مُرۡضِعَةٍ عَمَّآ أَرۡضَعَتۡ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمۡلٍ حَمۡلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٞ ۝

"جس دن وہ تمہیں نظر آجائیگا اس دن ہر دودھ پلانے والی اس بچے کو بھول جائیگی جس کو اس نے دودھ پلایا ہے اور ہر حمل والی اپنے حمل کو گرادیگی اور لوگ تمہیں یوں نظر آئیں گے کہ وہ نشے میں ہوں حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا" [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں زلزلے کی ہیبت کا ذکر ہو رہا ہے اگر پہلی والی توجیہ وتفسیر اس آیت میں مراد لی جائے پھر حقیقت پر محمول ہوگا۔البتہ اگر دوسری تفسیر وتوجیہ مراد لی جائے تو پھر اس حال وکیفیت کو فرض وتقدیر پر محمول کیا جائیگا یعنی اگر اس دن بالفرض والتقدیر حاملہ ومرضع اگر حاضر ہو جائے تو ان کا یہ حال ہوگا۔ قاعدہ: مرضع اور مرضعۃ دونوں مؤنث کی صفت ہے البتہ دودھ پلانے کے وقت: مُرۡضِعَةٍ: کہا جاتا ہے جبکہ عام حالت میں "مرضع" کہتے ہیں تو مراد یہ ہے کہ دودھ پلانے کا لمحہ محبت کی انتہاء کا وقت ہے لیکن پھر بھی ماں اپنی بچے سے غفلت کرے گی اس لئے کہ ہیبت بہت زیادہ ہوگی اس طرح: ذَاتِ حَمۡلٍ اور حامل دونوں مؤنث کیلئے استعمال ہوتے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ: ذَاتِ حَمۡلٍ: اس وقت کہتے ہیں کہ حمل ظاہر اور ولادت کے قریب ہو اور حامل اس کو عام حالت حمل میں کہتے ہیں: سُكَٰرَىٰ: یہ اس

نشے کو کہتے ہیں جو نشہ اور چیز استعمال کرنے سے ہوتا ہے اول سُکاری مجازی ہے اور دوسرا سُکاری حقیقی معنوں میں مراد ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝

"اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کی توحید کے بارے میں بے دلیل جھگڑتے رہتے ہیں اور شیطان سرکش کے پیچھے چل پڑتے ہیں" [3]۔

تفسیر 3 اس میں منکرین توحید اور منکرین قیامت کیلئے زجر ہے کہ وہ بلا دلیل اندھی تقلید کے سہارے جھگڑتے ہیں۔ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ: اس میں انسی اور جنی دونوں شیاطین مراد ہیں۔امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مبتدعین گمراہوں کا یہی حال ہے کہ واضح حق سے اعراض کرتے ہوئے باطل کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی پر جو نازل کیا ہے اسے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور مشرکین کی گمراہی کی دعوت کو قبول کرتے ہیں جو اپنی خواہشات اور آراء وقیاس کی پیروی کرتے ہیں: فِي اللّٰهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کے متعلق :بِغَيْرِ عِلْمٍ : اس میں ہر قسم علم کی نفی مراد ہے یعنی ان کے پاس دلیل شرعی نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

"جس کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو بھی اس کی دوستی اختیار کریگا تو اسے گمراہ کریگا اور اس کو بھڑکتی ہوئی دوزخ کی آگ کی طرف لے جائیگا" [4]۔

تفسیر 4 شیطان کی طرف گمراہ کرنے کے نسبت اس کے وسوسے ڈالنے کی وجہ سے ہوئی ہے: كُتِبَ :اس سے تقدیر مراد ہے یا مراد لزوم ہے یعنی اس کی پیروی میں گمراہی لازم آئیگی :تَوَلَّاهُ: ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ اس کی پیروی اور تقلید مراد ہے اور عذاب سے مراد اسباب عذاب ہیں جو کہ کفر شرک وغیرہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝٥

"اے لوگو تمہیں اگر دوبارہ زندہ ہونے میں کوئی شبہ ہے تو (اس کی دلیل سنو) ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا ہے پھر نطفے سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر ایک گوشت کے لوتھڑے سے جو کبھی پورا بن جاتا ہے اور کبھی (ناقص) پورا نہیں بنتا ہے تاکہ تمہارے لئے حقیقت کھول کر بتادیں اور ہم تمہیں ماؤں کے پیٹ میں جب تک چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہراتے ہیں پھر تمہیں ایک بچے کی شکل میں باہر لاتے ہیں پھر (تمہیں پالتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور عمر تک پہنچ جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو (پہلے ہی) دنیا سے اٹھائے جاتے ہیں اور تم ہی میں سے بعض وہ ہوتے ہیں جن کو بدترین عمر (انتہائی بڑھاپے) تک لوٹا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک ہوئی ہوتی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آتی ہے لہلہاتی ہے اور ابھرتی اور وہ ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے" [5]۔

تفسیر اس آیت میں توحید اور بعث بعد الموت کو ثابت کرنے کیلئے دو عقلی دلیلیں دی ہیں۔ پہلی دلیل انسان کی تخلیق کے مختلف ادوار اور انقلابات سے متعلق ہے پھر دو حالات کا ذکر ہے ایک جوانی اور دوسری انتہائی بڑھاپا ہے جسے حرم کہتے ہیں اور ساتھ میں موت کا بھی ذکر ہے: مِنْ تُرَابٍ: اس سے پیدائش آدم علیہ السلام مراد ہے: ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ: اس میں اس کی اولاد کا سلسلہ وار پیدائش کا ذکر ہے یا مراد یہ ہے کہ تمام انسانیت مٹی سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ تمام طعام کھانے کی چیزیں مٹی سے پیدا ہوتی ہیں پھر اس سے خون گوشت اور پھر نطفہ بنتا ہے: لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ: اس کا مفعول مقدر ہے یعنی ہماری قدرت کا کمال ہے: نُطْفَةً مُضْغَةً عَلَقَةً: پر چالیس دن گزرتے ہیں: وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ: مذکورہ (120) دنوں کی طرف اشارہ ہے پھر روح ڈالنے کے بعد بھی کچھ عرصہ رحم میں رہتا ہے: طِفْلًا: اس میں بے دلی کا معنی ہے تو بچہ جب والدہ کی تابع ہوتا ہے کھانے پینے میں اس کا محتاج ہوتا ہے تو اس کو طفل کہتے ہیں: مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا: اس طرح سورۃ نحل

آیت 70 میں گزرا ہے دونوں میں فرق یہ ہے کہ سورۃ نحل میں :بَعْدَ عِلْمٍ: ہے جبکہ یہاں :مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ: ہے یعنی علم کم ہو یا زیادہ ہر دونوں صورتوں میں وہ زائل ہوگا۔ سورۃ نحل میں صرف دو حالتیں ذکر کی گئی تھی تو یہ کم علم ہے اور اس آیت میں زیادہ حالتوں کا ذکر کیا گیا ہے تو یہاں زیادہ علم ہے:اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ:وَتَرَى الْاَرْضَ: یہاں سے دوسری دلیل ہے جو کہ زمین سے پودوں کی پیدائش کا ذکر ہے ان کی چار حالتوں کا تذکرہ ہے یہاں خطاب مفرد ہے جبکہ سابقہ خطاب جمع ذکر کیا گیا تھا اس میں باریک اشارہ ہے کہ اپنی پیدائش کی حالت ہر کوئی جانتا ہے جبکہ زمین سے پیدا ہونے والے پودوں کی حالت کو ہر کوئی نہیں جان سکتا ہے:اِهْتَزَّتْ:اِهْتِزَاز: حرکت کو کہتے ہیں یعنی جب بیج زمین میں پھیلتا ہے تو زمین حرکت میں آتی ہے یا:اِهْتِزَاز: سے مراد زمین کا بیج اگانے کے قابل ہونا ہے جو کہ حرکت حکمیہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

"یہ سب کچھ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے اور وہی حیات دیتا ہے بے جانوں کو اور وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے [6]۔ اور بلاشک وشبہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو اٹھائیں گا جو قبروں میں ہے" [7]۔

تفسیر 6 ان دونوں آیتوں میں سابقہ دلیلوں کا نتیجہ پانچ طریقوں سے ذکر ہوا ہے۔ **پہلا نتیجہ** توحید ہے جو اس جملہ میں ہے کہ:بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ: حق کا ایک معنٰی یہ ہے کہ اس اللہ کا وجود حق یقینی بلا تغیر وتبدل ہے یعنی ایک حال میں ہے۔ دوسرا معنٰی یہ ہے کہ اس کی بندگی کرنا اور الوہیت اس کا حق ہے۔ **دوسرا نتیجہ** یہ ہے کہ:اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى:مٹی سے انسان پیدا کر سکتا ہے اور زمین سے پودے نکال سکتا ہے تو مردوں کو بھی زندہ کرنے پر قادر ہے۔ **تیسرا نتیجہ** وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: انسانوں کی پیدائش اور پودوں کو زمین سے لگانے پر قدرت رکھنا دلیل ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ **چوتھا نتیجہ** وَاَنَّ السَّاعَةَ: اس سے مراد سارے عالم کے فنا ہونے کا لمحہ ہے۔ یعنی انسانوں پر کی ہوئی نعمتوں کے حساب کیلئے جزا کے دن کو قائم کیا جائیگا تاکہ ان نعمتوں کی شکرگزاری کے متعلق سوال کیا جائیگا۔ **پانچواں نتیجہ** وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ: جس طرح انسان کو مٹی سے بنایا اور پودوں کو بنجر زمین سے پیدا کیا تو اسی طرح انسانوں کو مٹی کی قبروں سے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ يَبْعَثُ: کا معنٰی قبر سے نکل آنے کے بعد روح بدن میں داخل کرنا ہے:مَنْ فِي الْقُبُوْرِ: اس سے بدن

مراد ہے یعنی بدن میں روح ڈالنا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝
8

"اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں حالانکہ نہ ان کے پاس علم اور نہ ہی ہدایت اور نہ کوئی روشن کتاب ہے" [8]۔

تفسیر 8 اس آیت میں عنادی مولویوں کے لئے زجر ہے جو اہل حق سے جھگڑتے ہیں۔ وہ: جِدَالٌ فِي اللّٰهِ: سے مراد اللہ کی توحید میں جھگڑے مراد ہیں اور قیامت کی حیات سے انکار ہے: عِلْمٍ: اس سے مراد علم عقلی استعدادی ہے: هُدًى سے مرا نقلی ہدایت ہے: كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ: اس سے وحی پر مبنی کتاب مراد ہے۔ کیونکہ تیز روشنی کتاب الٰہی میں ہوتی ہے یعنی تینوں قسم کے دلائل ان کے پاس نہیں ہیں۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝

"وہ تکبر سے اپنا پہلو اکڑائے ہوئے ہیں تا کہ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کریں ایسے ہی شخص کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اسے جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھائیں گے" [9]۔

تفسیر 9 ایک کروٹ کو عطف کہتے ہیں یعنی حق بات سننے سے پہلوتہی کرتے ہیں تا کہ اپنے مقلدین کو بھی ساتھ گمراہ کریں جیسا کہ سورۃ انعام آیت 26 میں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ہر بدعتی ہے: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: اس میں باطل پرست عالم پیر کی طرف اشارہ ہے کہ خود بھی گمراہ اوروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں: نُذِيْقُهٗ: اس میں اشارہ ہے کہ جلن اور گرمی کا احساس کر سکیں گے نشے یا بے ہوشی میں نہیں ہوں گے آخری دونوں جملوں میں تخویف دنیاوی واخروی مذکور ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

"یہ سب کچھ تیرے اس کرتوت کا نتیجہ ہے جو تو نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجا تھا اور یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے" [10]۔

تفسیر 10 عذاب کیلئے دو سبب ہیں ایک تو مجرم کا جرم اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے عدل کا تقاضا ہے کہ مجرم کو سزا دی جائے۔ سورۃ آل عمران آیت 182 میں بھی گزرا ہے: ظَلَّامٍ: یہ صیغہ فاعل ذُو کذا کا ہے یعنی مبالغے کا صیغہ نہیں ہے بلکہ ذُو ظُلْمٍ:

ظلم یہ مبالغے کا صیغہ نہیں ہے اور ذٰلِكَ: سے پہلے :يُقَالُ: مقدر ہے یعنی کہا جائیگا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ا۟طْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ا۟نْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

"اور لوگوں میں وہ شخص بھی ہوتا ہے کہ ایک کنارے پر رہ کر عبادت کرتا ہے چنانچہ اگر اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو مطمئن ہوتا ہے اور اس پر کوئی آزمائش آجائے تو وہ منہ موڑ کر چل دیتا ہے ایسے شخص نے دونوں جہاں میں نقصان اٹھایا۔یہی تو گھاٹے کا کھلا سودا ہے۔" [11]۔

تفسیر 11 پہلی دو قسم کا ذکر ہوا اب اس میں سے تیسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ بطور زجر منافق مفاد پرست کا ذکر ہے۔ یعنی دین پر عمل پیرا ہوتا ہے مگر مفادات کیلئے جب وہ مفادات حاصل ہوتے ہیں تو دین پر عمل کرتا رہتا ہے مگر جب مفادات حاصل نہیں ہوتے ہیں تو اعراض کرتے ہوئے دین سے پہلوتہی کر دیتا ہے اس وقت میں ایسے لوگ بہت سارے ہیں قرآن وسنت اختیار کرتے ہیں تاکہ ان کو کچھ دنیاوی مفادات مال ودولت حاصل ہوجائے یا قرآن خوانیوں پر دنیا حاصل کرتے ہیں۔ جنازوں میں بھی شرکت مالی مفادات کیلئے کرتے ہیں اور اگر دنیاوی مفادات حاصل نہ ہوں تو اعراض کر جاتے ہیں:حَرْفٍ: یہ شک کے معنی میں ہے یعنی توحید وسنت پر یقین نہیں رکھتے یا طرف اور پہلو کے معنی میں ہے پورے اسلام میں داخل نہیں ہوتا ہے:وَجْهِهٖ:یعنی باطل دین کی طرف چل پڑتا ہے:خَسِرَ الدُّنْيَا: دنیاوی نقصان یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان بھی ذلیل ہوجاتا ہے اور غیر مسلمین بھی اس پر اعتبار نہیں کرتے یعنی صرف اپنے مطلب تک اس کو استعمال کرتے ہیں اور آخرت کا نقصان جو بھی منافقت کی بنیاد پر اعمال کئے ہیں وہ سب ضائع ہوجائیں گے :خَسِرَ : یہ فعل لازم ہے تو حرف نفی مقدر ہے یا پھر متعدی ہے:خَيْرٌ: دنیا کے فائدے مراد ہیں یعنی اولاد کا ہونا مالداری، صحت دنیا کی عزت،اقتدار وغیرہ:فِتْنَةٌ: اس سے دنیاوی تکلیفیں،غربت قحط سالی، بے اولاد ہونا، بیماری،امامت تدریس سے محرومی یا کسی دنیاوی منصب سے محروم ہونا مراد ہے۔

يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

"وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں یہی تو انتہائی درجہ کی گمراہی ہے"[12]۔

تفسیر 12 یہ اِنْقَلَبَ: کیلئے بیان ہے جس میں رد شرک فی الدعاء ہے: یَدْعُوْا: سے حاجت مانگنا، فریاد کرنا رزق طلب کرنا وغیرہ مراد ہے: مَا لَا یَضُرُّہٗ وَلَا یَنْفَعُہٗ: مراد یہ ہے کہ دعا نہ مانگنے سے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور مانگنے سے ان کو فائدہ نہیں دے سکتے یا ہر مطلقاً نفع اور ضرر دینا مراد ہے اور یہ بہتر قول ہے۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

"یہ ایسے باطل معبود کو پکارتے ہیں جس کا نقصان فائدے سے زیادہ قریب ہے ایسا مددگار بھی کتنا برا ہے اور ایسا ساتھی بھی کتنا برا ہے"[13]۔

تفسیر 13 اس آیت میں بھی رد شرک فی الدعاء ہے یا اس میں شرک کا سبب کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو مشرکین کی پیروی ہے یعنی شرک فی الحکم کا رد ہے نیز اس آیت میں ایک اشکال بعض وجوہ سے پیش ہو رہا ہے۔(۱) گزشتہ آیت میں ہے کہ معبود من دون اللہ سے نفع ونقصان کی نفی کی گئی تھی جبکہ اس آیت میں نفع ونقصان غیر اللہ سے ثابت کیا ہے اس کا جواب دو طریقوں سے ہے۔ پہلا جواب یہ ہے کہ آیت میں مشرکین ومبتدعین پیر ومولوی مراد ہیں جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کو کچھ دنیاوی کھانے پینے کے فائدہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن اس معمولی نفع کے بنسبت ان لوگوں کے ایمان کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں اور سابقہ آیت میں ان صالحین کا ذکر ہے جن کی لوگوں نے عبادت کی ہیں جبکہ ان کو خبر بھی نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے ضرر سے مراد گناہ کا وبال ہے جو شرک سے صادر ہوتا ہے جبکہ نفع سے مراد مشرک کے گمان میں فائدے ہیں۔ دوسرا اشکال لَمَنْ ضَرُّہٗ: ظاہر میں: یَدْعُوْا: کیلئے مفعول ہے اور لام تو کلام کے شروع میں آتا ہے جبکہ مفعول درمیان میں آتا ہے؟ جواب ۱: یَدْعُوْا: کا مفعول حذف ہے یعنی یَدْعُوْا غَیْرَ اللّٰہِ: لَمَنْ: موصول صلہ کے ساتھ ملکر مبتداء ہے: بِئْسَ الْمَوْلٰی: یہ خبر ہے۔ اس لام کا محل صلہ جملہ ہے: ضَرُّہٗ اَقْرَبُ: یعنی مقدم کیا گیا ہے اور یہ کلام عرب میں جائز ہے۔ جواب: یَدْعُوْا: اس کا معنی: یَقُوْلُ: ہے اور: لَمَنْ: آخر تک مقول ہے جو جملہ ہوتا ہے اور اس کے شروع میں لام جائز ہے تیسرا اشکال پہلی آیت میں: یَدْعُوْا: گزر چکا ہے تو تکرار کی کیا ضرورت تھی۔

ا:یَدۡعُوۡا: سورہ نساء آیت 117 کی طرح: یُطِیۡعُ کے معنی میں ہے یعنی مشرکین بڑوں کی شرک میں اطاعت کرتے ہیں۔ جواب ۲:یَدۡعُوۡا: کو مکرر لایا گیا ہے غیر اللہ کی کثرت پکار کے اظہار کے لئے۔ گمراہ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔(1) وہ بڑے جو پیر اور مولویوں کی صورت میں ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ دین میں اپنی طرف سے عقائد و اعمال ایجاد کرتے ہیں اور لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں انہیں "مولیٰ" کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم وہ گمراہ لوگ ہیں جو ان کے پیروکار ہیں وہ بھی ان کی پیروی کی دعوت دیتے ہیں جس کو پیر بھائی کہتے ہیں ان کو یہاں عشیر کہا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱۴﴾

"یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال اختیار کئے ہیں یقیناً ان کو اللہ تعالیٰ ایسے باغات میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یقیناً اللہ ہر وہ کام کرتا ہے جس کا ارادہ کر لیتا ہے" [14]۔

تفسیر 14 اس آیت میں چوتھی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جو ایمان والے ہیں اور ان کیلئے آخرت کی خوشخبری ذکر کی گئی ہے ۱:اِنَّ اللّٰهَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ: اس میں اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ کیوں بعض لوگوں کو گمراہ اور بعض کو ہدایت دیتا ہے؟ جواب ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کے ساتھ بہت ساری حکمتوں کے تحت کام انجام دیتا ہے۔

مَنۡ كَانَ یَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ یَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ ثُمَّ لۡیَقۡطَعۡ فَلۡیَنۡظُرۡ هَلۡ یُذۡهِبَنَّ كَیۡدُهٗ مَا یَغِیۡظُ ﴿۱۵﴾

"جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اس (نبی) کی دنیا و آخرت میں مدد نہیں کریگا تو وہ آسمان تک ایک رسی تان کر رابطہ کاٹ ڈالے پھر دیکھے کہ کیا یہ تدبیر اس کی جھنجھلاہٹ دور کر سکتی ہے" [15]۔

تفسیر 15 اس آیت میں زجر ہے اور آیت 11 سے متعلق ہے اس آیت میں کئی توجیہات ہیں۔ جب منافق کو دین میں مصیبت پہنچتی ہے اور نصرت الٰہی میں تاخیر ہوتی ہے تو وہ یہ گمان کر لیتا ہے کہ اس نبی کی اللہ تعالیٰ مدد نہیں کرتا ہے تو غصے میں آتا ہے اس کے خیال میں امتی کی مدد نبی کے مترادف ہے۔ اس تفسیر کے مطابق ۱:یَّنۡصُرَهُ: ضمیر مَنۡ کی طرف راجع ہے ۲:فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ: اس سے مراد یہ ہے کہ یہ شخص چھت کے ساتھ رسی باندھ کر گلے میں بطور پھانسی ڈال دے یعنی اگر غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر دے تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا پھر غصہ ہونے کی کیا ضرورت ہے: هَلۡ یُذۡهِبَنَّ: یہ استفہام انکاری ہے اس توجیہ کے اعتبار سے آسمان سے مراد چھت ہے اور: ثُمَّ لۡیَقۡطَعۡ: سے مراد پھانسی

ہے **دوسری توجیہ**: ربط کے ساتھ یہ ہے کہ ان مشرکین اور منافقین کی اس نبی کے ساتھ دشمنی پیدا ہوئی ہے اور ان کی یہ چاہت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نبی کے ساتھ کوئی امداد نہیں کرتے تو عرض ہے کہ وحی کی امداد تو آسمان سے آتی ہے تو ان کو چاہیے کہ آسمان تک رسائی حاصل کریں اگر چہ رسی کے ذریعے سے ہو اور وہاں سے وحی کے ساتھ ہونے والی مدد ختم کرے اس تدبیر کے ساتھ ان کا مشن پورا ہو سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ اس تفسیر کے اعتبار سے ضمیر نبی کی طرف راجع ہے اور گمان سے تمنا مراد ہے اور سماء سے آسمان مراد ہے اور قطع سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحی اور امداد بند کرنا ہے اور: هَلْ يُذْهِبَنَّ: میں استفہام انکاری ہے **تیسری توجیہ** یہ ہے کہ ضمیر اس شخص کی طرف راجع ہے جو فتنہ میں مبتلا ہوا ہے وہ گمان کر بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی میری مدد نہیں کرتا ہے اب اگر وہ اس غصے سے اپنے آپ کو پھانسی دیکر ہلاک کر ڈالے تو کیا اس کا غصہ زائل ہو گا۔ **چوتھی توجیہ** اس سے مؤمن مراد ہے جو تکلیفوں مصیبتوں میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کو مدد ملتی ہے تو وہ اللہ سے نا امید ہوتا ہے اور قریب ہے کہ وہ مرتد ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ اپنے بارے میں غور و فکر کرے اور کوئی تدبیر اختیار کرے یعنی وہ یہ سوچے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے پورا تعلق رکھتا ہے التجائیں کرتا ہے یعنی آسمان والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے جبکہ دوسرا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رابطہ چھوڑ دیتا ہے دعائیں التجائیں ترک کر دیتا ہے ان میں سے ہر ایک صورت کا جائزہ لیکر دیکھے کہ کونسا حال بہتر ہے لازم ہے کہ پہلی صورت میں اس کو دلی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے اور اس تدبیر سے اس کا غصہ بھی ختم یعنی زائل ہو گا اس تفسیر میں: يَّنْصُرَهُ: کی ضمیر اس شخص کی طرف راجع ہے: فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ الخ۔ یہ مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے: هَلْ يُذْهِبَنَّ: استفہام تقریری ہے لیکن یہ توجیہ ظاہر سے بعید ہے

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

"اور ہم نے اس (قرآن) کو کھلی نشانیوں کی صورت میں اسی طرح اتارا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے" [16]

تفسیر 16 اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے یعنی جس طرح ہم نے صبر کا حکم دیا ہے اور نصرت کا وعدہ کیا ہے اسی طرح اس قرآن کو ہدایت صبر اور استقامت کیلئے نازل فرمایا ہے یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم نے قیامت اور توحید کے اثبات کیلئے دلائل عقلیہ پیش کیے تو اسی طرح ہم نے اس کے لئے اس قرآن کو بھی نازل کیا ہے: وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ: قرآن مجید میں ہدایت کے ظاہری اسباب موجود ہیں مگر ہدایت اللہ تعالیٰ کے ارادے و اختیار میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾

"یقیناً مومن ہوں یا یہودی صابی ہوں یا نصرانی ہوں مجوسی یا وہ جنہوں نے شرک کیا ہے یقیناً قیامت کے دن سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا ہر چیز کا گواہ یقینی طور پر اللہ ہے" [17]۔

تفسیر 17 اس آیت میں لوگوں کے مشہور فرقوں کا ذکر ہے جن میں ایک گروہ ایمان والوں کا بھی ہے جو: آیاتٍ بَيِّنَاتٍ: سے فائدہ لیتے ہیں جبکہ دیگر لوگ مخالفت واعراض کرتے ہیں آج دنیا میں شریک ہیں مگر آخرت میں ان کے درمیان اللہ فیصلہ کر کے ایمان والوں کو جنت میں اور باقی کو جہنم میں ڈال دیگا: إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ: اس میں نیکوعمل کیلئے دلیل ہے کہ وہ ہر چیز سے باخبر ہے تو وہ انصاف سے فیصلہ کریگا۔ [illegible] ابن عطیہ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ تمام ادیان چھ ہیں ان میں سے پانچ شیطانی اور ایک رحمانی ہے: صَابِئُونَ: یہ وہ لوگ تھے جو کعبہ کی طرف منہ کر کے ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اپنے گمان کے مطابق توحید بھی مانتے ہیں زبور پڑھتے ہیں۔ جن کی تفصیل ان کی سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ مجوس وہ فرقہ ہے جو آگ چاند سورج اور ستاروں کی عبادت کرتے ہیں: وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا: اس میں اہل کتاب کے ماسوا مشرکین مراد ہیں۔ ان کو: أَشْرَكُوا: اس لئے کہا کہ ان کا کوئی اور نام نہیں ہے سابقہ گروہ میں بھی شرک ہے لیکن اس کو نام کی تبدیلی کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۗ وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿١٨﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ سب اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں نیز سورج اور چاند ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان بھی اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کر دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا یقیناً اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے" [18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں دلیل عقلی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ ریز ہے تو یہ اس کی عظمت اور وحدانیت کی

دلیل ہے اس آیت میں ان مخلوقات کا ذکر ہے جن کی عبادت کی گئی ہے اس میں مشرکین کے معبودوں کی عاجزی اور کمزوری ثابت کی گئی ہے ابن عطیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حمیر قبیلے والے سورج کی عبادت کرتے تھے کنانہ والوں نے چاند کی عبادت کی تمیم والے ستارے کی لخم قبیلے نے مشتری ستارے کی اور طی قبیلے والے ثریا کی اور قریش شعری کی اسد والے عطارد کی اور ربیعہ والے مرزم ستارے کی عبادت کیا کرتے تھے اور پہاڑوں اور درختوں سے معبود بنائے ہوئے تھے: اَلدَّوَابُّ: اس میں گائے، سانپ مرغ وغیرہ سب داخل ہیں کیونکہ ان کی عبادت کی گئی ہے تو اس آیت میں مشرکین کے فرقوں کی طرف اشارہ ہے جن کا رد کرنا مقصود ہے: وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ: اس کے بعد لفظ :مُؤْمِنُونَ: مقدر ہے یا :مَنْ فِي الْأَرْضِ پر عطف ہے جو کہ خاص کو عام پر عطف کیا گیا ہے: وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ: اس کے بعد :مُهَانُونَ ذَلِيلُونَ محذوف ہے آیت میں سجدہ رضامندی اور خوشی ہے جو توحید کی بنیاد پر ہو یا :طَوْعًا وَكَرْهًا: اس اعتبار سے پھر :كَثِيرٌ حَقَّ: کی تقدیری عبارت کی ضرورت نہیں ہے تو یہ سابقہ پر عطف ہے :وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ: اہانت سے مراد آخرت سے اعراض ہے :يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ: اس میں عزت و ذلت دونوں شامل ہیں۔

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾

"یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ہے پس جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کیلئے آگ کے کپڑے تراشے جائیں گے ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائیگا" [19]۔

تفسیر 19 سابقہ دو گروہوں کی طرف اشارہ ہے: هَٰذَانِ: میں اگر وہ کئی جماعتیں تھیں مگر مرجع ان کا دو جماعتوں میں تھا یعنی ایک توحید کے بقا و اشاعت کیلئے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کیلئے لڑتے ہیں اور یہ اختلاف ہمیشہ کیلئے ہے یعنی ان کا اختلاف دنیاوی اغراض و مقاصد کیلئے نہیں ہے پھر ایک گروہ کو تخویف اور دوسرے گروہ کو تفصیلی خوشخبری سنائی گئی ہے اور یہ ان کے درمیان فیصلہ ہے جو آیت 17 میں ذکر ہوا ہے: قُطِّعَتْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ: اس میں مقصد یہ ہے کہ جہنم کی جنس سے ہی ان کیلئے لباس بنایا جائیگا جیسا کہ سورۃ ابراہیم آیت 50 میں گزر چکا ہے یا پھر اس میں کنایہ ہے کہ اس طرح آگ ان کو گھیر لے گی جیسا کہ لباس بدن پر احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اس میں پہلا معنیٰ بہتر ہے: مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمْ: حقیقی معنیٰ

مراد ہے کہ ان پر گرم پانی ڈالا جائیگا یا پھر مراد یہ ہے کہ ان کے منہ میں گرم پانی جبری طور پر ڈالا جائیگا۔

يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾

"جس سے ان کے پیٹ کے اندر چیزیں اور ان کی کھالیں گل جائیں گی" [20]۔

تفسیر 20 حدیث میں ہے کہ ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائیگا تو ان کے پیٹوں میں داخل ہوکر پاؤں کی جانب سے نکل جائے گا اور ان کے بدن پھر فوری طور پر بحال ہوں گے: وَالْجُلُوْدُ: اس کے ساتھ مناسب فعل مقدر ہے یعنی: تَحْرُقُ وَتَشْوِیْ کہ چمڑے جلا کر بھون دیے جائیں گے۔ (جامع ترمذی کتاب صفة جهنم حدیث 2582 طبرانی 24993 اس روایت کو شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے مشکوۃ 5679 امام ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے جبکہ امام حاکم نے صحیح للاسناد کہا ہے اور امام ذھبی نے اس کی قول کو برقرار رکھا ہے)۔

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾

"اور ان کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے [21]۔ جب کبھی تکلیف میں آکر وہ اس سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں پھر اسی میں لوٹایا جائیگا (اور ان کو کہا جائے گا) کہ جلتی آگ کا مزہ چکھو" [22]۔

تفسیر 21، 22 لَهُمْ یعنی یَضُرُّهُمْ: ان کے مارنے کیلئے مَقَامِعُ: یہ قمع سے لیا گیا ہے ان کو مارنے کی سزا ذلت کے ساتھ دیں گے بھاگنے نہیں دینگے صرف وہ ارادہ کریں گے مگر وہ ان کو انہی ہتھوڑوں کے ساتھ ماریں گے۔ سورۃ سجدہ آیت 20 میں بھی گزرا ہے: مِنْ غَمٍّ: یہاں پر مِنْ اجلیہ ہے اور غم میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا غم جو کہ آگ کا عذاب ہے: اُعِيْدُوْا فِيْهَا: یعنی ہتھوڑوں سے مار کر انہیں واپس کیا جائیگا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۗ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

"یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کریگا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی جہاں انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں سے سجایا جائیگا اور جہاں ان کا لباس ریشم ہوگا" [23]۔

تفسیر 23 سابقہ آیت میں ایک فریق (خصم) کو تخویف اخروی کے ساتھ ذکر کیا اب اس آیت میں فریق ثانی (خصم) کو

آخرت کی خوشخبریوں کے ساتھ ذکر کرتا ہے نیز تخویف میں بہت ذلت واہانت کا ذکر ہوا ہے تو خوشخبریوں میں انتہائی اکرام و عزت کا ذکر ہو رہا ہے: اَسَاوِرَ: یعنی کنگن صرف ہاتھوں میں ہوں گے اور: لُؤْلُؤًا: موتی سارے بدن پر سجائے ہوئے ہوں گے اس لیے ان کو الگ ذکر کیا ہے۔ اس طرح سورۃ فاطر آیت 33 میں بھی ہے۔ سورۃ دہر آیت 21 میں چاندی کا ذکر ہوا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض چاندی کے اور بعض سونے کے ہوں گے سورۃ دھر میں برتن بھی چاندی کے ذکر کیے ہیں اس لیے کنگن بھی چاندی کا ذکر ہوا ہے جبکہ اس سورۃ میں جنتیوں کے تقابل کی وجہ سے زیادہ اکرام بیان کرنا مقصود تھا اس لیے سونے کا تذکرہ فرمایا۔

وَهُدُوٓا إِلَى ٱلطَّيِّبِ مِنَ ٱلْقَوْلِ وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَٰطِ ٱلْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾

"اور (سبب) یہ ہے کہ ان لوگوں کی رسائی پاکیزہ بات (کلمہ توحید) تک کی گئی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے تک پہنچ گئے تھے جو ہر قابل ستائش ہے۔" [24]۔

تفسیر 24 اس آیت میں خوشخبری کے سبب کا ذکر ہے کہ وہ: طَيِّبِ الْقَوْلِ: یعنی توحید اپنا چکے تھے: صِرَاطِ الْحَمِيدِ سے قرآن کریم مراد ہے حمید میں اشارہ ہے کہ ان جنت والوں نے دنیا میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کی وہ حمد پڑھی تھی جو انہوں نے قرآن سے سیکھی تھی۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ٱلَّذِى جَعَلْنَٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءً ٱلْعَٰكِفُ فِيهِ

ع وَٱلْبَادِ ۚ وَمَن يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٥﴾

"یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے راستے اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے وہاں کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کیلئے برابر بنایا ہے اور جو کوئی اس میں ظلم کرکے ٹیڑھی راہ چلے گا اسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت میں ان کافروں کیلئے تخویف ہے جو کھلا کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی سیدھی راہ سے منع کرتے ہیں بعض مفسرین نے اس آیت کو صلح حدیبیہ کے ساتھ خاص کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ: وَيَصُدُّونَ: صیغہ فعل مضارع ذکر کیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ منع ہر وقت ہر دور میں کرتے ہیں: وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: اس سے مراد حرم مکی یعنی بیت اللہ ہے جس میں مسافر اور مقیم برابر ہیں اور یہ علماء کے مابین اتفاقی مسئلہ ہے اگر اس سے سارا حرم مراد لیا جائے

یعنی ذکر جز مراد کل ہو تو پھر اس میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ اس قید لگانے میں ان کی مزید قباحت ذکر ہوئی ہے کہ ایک ایسے جگہ ومقام سے منع کرنا جو مقیم ومسافر کیلئے برابر ہو انتہائی نا اہلی ہے: وَالْبَادِ: اصل میں: اَلْبَادِیْ: تھا لیکن وقف کرنے سے (ی) کو لکھنے پڑھنے میں حذف کیا گیا ہے اور یہ لفظ مقدر مراد ہے لہ: اِنَّ خَسِرُوْا وَاَهْلَكُوْا: وَمَنْ يُّرِدْ: میں اشارہ ہے کہ حرم میں گناہ کا ارادہ بھی سبب عتاب ہے۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: بِظُلْمٍ: اس میں (با) سببیہ ہے اور: يُّرِدْ: کے ساتھ متعلق ہے یا (با) بمعنی (الی) ہے اور: اِلْحَادٍ: سے متعلق ہے جو کہ عام ہے یعنی شرک، کفر کرنا، قتل، شکار، درختوں کو کاٹنا حج وعمرہ کا ارادہ کرتے ہوئے بغیر احرام داخل ہونا، گالی گلوچ، قسمیں کھانا وغیرہ تو حرم سے لوگوں کو روک لینا کتنا بڑا جرم ہوگا صرف ارادے پر انسان عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ صحیح بخاری کتاب الدیات حدیث 6882 میں تین افراد کی انتہائی برائی بیان کی گئی ہے۔ ان میں پہلا شخص حرم میں الحاد کرنے والا۔ دوم اسلام میں جہالت کے طور طریقے تلاش کرنے والا۔ سوم قتل کرنے والا۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو مقام بیت اللہ میں جگہ دی (اور ہم نے کہا کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو ان لوگوں کیلئے پاک کرو جو طواف قیام اور رکوع سجدہ کرنے والے ہوں" [26]۔

خلاصہ: اس آیت سے دوسرا باب آیت 38 تک ہے اس باب میں شرک فعلی کے رد کے لئے ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے اور تفصیلاً مسائل حج کا ذکر کیا ہے جو توحید کا عملی اظہار ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حلال اور حرام کردہ امور کا احترام، غیر اللہ کی حرام وحلال کردہ چیزوں کے عقیدے سے براءت۔ شعائر اللہ کی تعظیم۔ نذر غیر اللہ سے بچنا، اور مشرک کی ہلاکت کا بیان ضمنی ہے جو بطریقہ تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر 26 اس آیت میں رد شرک کیلئے ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے چونکہ سابقہ آیت میں الحاد فی الحرم سے منع کیا گیا تھا تو اس آیت میں حرم کی اطاعت خاص کا ذکر ہو رہا ہے۔ چونکہ تعمیر بیت اللہ کا بڑا مقصد شرک ختم کرنا ہے۔ اسلئے بَوَّاْنَا: فرمایا کہ اقامت کیلئے جگہ ذکر کی ہے: اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا: قُلْنَا: مقدر ہے۔ آیت میں مکہ کے مشرکین پر طعن وتنبیہ ہے کہ انہوں نے اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کے دین سے انحراف کیا ہے: وَطَهِّرْ بَيْتِيَ: تطہیر بیت اللہ عام ہے شرک کفر بدعت اور دیگر تمام نجاستوں سے پاک رکھنا مراد ہے اس میں اعلان توحید ہے کہ بیت اللہ شرک کی گندگی

سے پاک رہے۔اس طرح سورۃ بقرہ آیت 125 میں گزرا ہے بقرہ میں (عکوف) اعتکاف کا بھی ذکر ہے اس لیے کہ طواف کے بعد اعتکاف بہترین عبادت ہے اور چونکہ سابقہ آیت میں اعتکاف کا ذکر گزر گیا ہے اس لیے یہاں دوبارہ ذکر نہیں کیا۔لِلطَّآئِفِيْنَ :امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ طواف روئے زمین پر صرف بیت اللہ کا خاصہ ہے اس لیے کسی اور مقام کا طواف نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا قبروں کا طواف بالاتفاق حرام ہے اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب البحر الرائق میں لکھا ہے کہ صاحبِ طواف کے کافر ہونے کا خطرہ ہے۔

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝٢٧

”اور آپ لوگوں میں حج کا اعلان کیجئے کہ آپ کے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے سب راستوں سے سفر کرتے ہوئے تیز رفتار سواری پر آئیں“ [27]۔

تفسیر 27: اعلان توحید کے بعد اعلان حج ہے اس ترتیب قرآنی میں اشارہ ہے کہ حاجی حج پر جانے سے قبل اپنے عقیدہ کی اصلاح لازم کرے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ حج میں عقیدہ کی عملی تعلیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر کی نیت سے خاص عبادت کیلئے سفر کرنا، طواف کرنا، جانوروں کو اللہ کیلئے ذبح کرنا یہ سب عملی توحید ہے۔رِجَالًا: کو مقدم کیا ہے اور بعض علماء نے پیدل حج کا اجر زیادہ قرار دیا ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے سواری پر حج کیا ہے تو سواری پر ہی راجح ہے اور رِجَالًا: قریب والوں کیلئے ہے اور عَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ: دور سے آنے والوں کیلئے ہے: ضَامِرٍ: اس سواری کو کہتے ہیں جو ہلکے بدن والی ہو جو سفر پر تھک نہیں جاتی ہو یا وہ جانور جو زیادہ سفر کی وجہ سے کمزور ہو چکا ہو اس میں دریائی سفر کا ذکر نہیں ہوا ہے وجہ یہ ہے کہ مکہ سے سمندر دور ہے تو سمندر سے آنے والے بھی جب تک خشکی میں سفر نہیں کرتے تو مکہ تک نہیں پہنچ سکتے: فَجٍّ: پہاڑوں کے درمیان وسیع راستے کو کہتے ہیں اور مکہ میں آنے والے اکثر راستے اسی نوعیت کے ہیں۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا

وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

"تاکہ فوائد حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوں اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے دیئے تھے

لہٰذا ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلاؤ" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں حج کے بعض مقاصد کا بیان ہے: مَنَافِعَ: سے آخرت کے اجر و ثواب کے فائدے مراد ہیں گناہوں کی معافی اور دعاؤں کی قبولیت ہے: وَيَذْكُرُوا: اس میں حج کی خاص حکمت ذکر ہے یعنی اللہ کیلئے ذبح کرنا برخلاف مشرکین کے کہ وہ غیر اللہ کے نام پر نذر و ذبح کرتے رہتے ہیں لہٰذا حج میں توحید کی تربیت حاصل ہوتی ہے: اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ اس سے قربانی کے ایام مراد ہیں یوم النحر اور دو دن یا تین دن مزید: فَكُلُوْا: سے مراد یہ ہے کہ مشرکین ان کو اپنے اوپر حرام تصور کرتے تھے جبکہ اس میں سے کھانا سنت نبوی ہے: اَلْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ: سخت بھوکے محتاج کو کہتے ہیں بائس کے ساتھ فقیر اسلئے اکٹھا ذکر کیا ہے کہ کبھی بائس یعنی بھوکا مالدار ہوتا ہے فقیر نہیں ہوتا ہے۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

"پھر (حاجی) لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور آزاد گھر کا طواف کریں" [29]۔

تفسیر 29 سورۃ بقرۃ میں اعمال حج میں سے وقوف رمی تک مسئلہ ذکر ہو گیا تھا تو اب اس سورۃ میں اس کے بعد کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی منیٰ میں ذبح کرے پھر حلق کرے سنت کے مطابق ترتیب یہ ہے یعنی پہلے رمی جمرہ عقبہ کرے (بڑے شیطان کو مارے) پھر ذبح کرنا پھر حلق کرنا پھر اسی دن اگر میسر ہو تو طواف زیارت اور سعی کرے: لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ: میں یہ عمل مراد ہے یعنی ذبح کے بعد بالوں ناخنوں کی صفائی یوم النحر کے دن مراد ہے: وَلْيَطَّوَّفُوْا: فرض طواف مراد ہے: وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ: اس میں دیگر فرائض مراد ہیں جو انسان خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے حیوان یا مال کے واجبات یا حج کے واجبات ہوں سب مراد ہیں [redacted] لفظ وفا میں دلیل ہے کہ نذر شدہ چیز پوری دینا لازم ہے اسلئے کہ وفا پورا دینے کو کہتے ہیں اور اس میں دلیل ہے کہ نذر کی وفا واجب ہے: اَلْعَتِيْقِ: اس میں بہت سی توجیہات ہیں

(1) عتیق کا معنی قدیم ہے۔

(صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3366 صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث 520) میں اس معنیٰ کی تائید ہے کہ زمین پر پہلی مسجد بیت اللہ تعمیر کی گئی ہے۔ اور اس طرح سورۃ آل عمران آیت 94 میں بھی مذکور ہے (2) ظالموں کے ہاتھوں سے قیامت تک آزاد رکھا گیا جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے مگر ترمذی کی حدیث ضعیف ہے البتہ مستدرک حاکم 2/421 کتاب التفسیر حدیث 3465 جس کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے علیٰ شرط مسلم کہا ہے۔ حسن سند سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کو عتیق اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آسکتا ہے اس کی تفصیل امام قرطبی نے ذکر کی ہے۔ (3) لوگوں کی ملکیت سے آزاد ہے (4) گناہگار اس میں گناہوں سے آزاد ہوتے ہیں (5) شریف اور کریم عتیق کے معنیٰ میں ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝

"یہ ساری باتیں یاد رکھو اور جو بھی ان چیزوں کی تعظیم کرے گا جن کو اللہ نے حرمت دی ہے تو اس کے حق میں یہ عمل اللہ کے نزدیک بہت بہتر ہے سارے مویشی تمہارے لئے حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے ان جانوروں کے جن کی تفصیل تمہیں پڑھ کر سنا دی گئی ہے تو بتوں کی گندگی سے اور جھوٹی بات سے اسی طرح الگ رہو" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں حج کے مزید فائدوں کا ذکر ہے یعنی محرمات الٰہیہ کی تعظیم کرنا دوسرا حکم غیر اللہ کے محرمات کا ہے کہ وہ حلال ہیں اور غیر اللہ کی نذر سے اجتناب کرنا ہے اور اسی طرح شرکیہ الفاظ اور جھوٹ سے بھی اجتناب کرنا ہے اور ان امور کا عملی مشق حج کے ذریعے ہوگی جو حجاج کرام ان امور کی پابندی نہیں کرتے انہوں نے حج کی ادائیگی صحیح نہیں کی ہے۔ حُرُمٰتِ اللّٰهِ: مراد وہ چیزیں ہیں جو حرم میں اور حالت احرام میں اللہ نے حرام کی ہیں مثلاً شکار کرنا حرام کی حدود میں اذخر گھاس کے علاوہ گھاس درخت وغیرہ کاٹنا۔ تحریم سے مراد ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا جن سے اللہ نے منع کیا ہے: وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اس میں غیر اللہ کی حرمت کا رد ہے جو مشرکین اللہ کے محرمات کے مشابہ اپنی طرف سے چیزیں اپنے اوپر حرام کرتے تھے جس کی تفصیل سورۃ مائدہ میں گزر چکی ہے مَا يُتْلٰى: اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عام اوقات میں حرام کی ہے یعنی مردار، خنزیر وغیرہ جن کی حرمت سورۃ بقرہ آیت 173، سورۃ

مائدہ آیت 3، سورۃ انعام آیت 145 اور سورۃ نحل آیت 115 میں گزر گئی ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ
وثن: ہر باطل معبود کو کہتے ہیں بت ہو یا نصاریٰ کی صلیب ہو جیسا کہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ
صلیب کو وثن کہا ہے سلسلۃ الصحیحۃ حدیث 3293 یا قبر ہو جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حدیث میں اپنی قبر کو معبود
بنانے کی صورت میں وثن قرار دیا ہے: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ: مشکل الآثار 3295 احمد
2/246: قَالَ شَيْخُ الْبَانِيْ فِيْ أَحْكَامِ الْجَنَائِزِ إِسْنَادُهُ حَسَنٌ وَهُوَ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ: لہذا جس قبر
کا طواف سجدہ ہو رہا ہو وہاں پر نذریں چڑھائی جاتی ہوں وہ وثن ہے البلاغ المبین میں بھی اس طرح منقول ہے مِنَ
الْأَوْثَانِ: یعنی جو چیز (وثن) غیر اللہ کے نام پر نذر ہو وہ پلید ہے۔ تفسیر ابن عطیہ میں ہے کہ اس میں ان منتوں کی طرف
اشارہ ہے جو اوثان کے نام پر نذر کی گئی ہوں مِنَ الْأَوْثَانِ: اس میں مِنْ: بیانیہ ہے تو معنیٰ یہ ہوا کہ رِجْس: بتوں کی
عبادت ہے۔ یا مِنْ: برائے ابتداء ہے تو پھر عام ہے یعنی ہر اس گندگی سے اجتناب کرو جس سے اوثان کی عبادت یعنی
شرک پیدا ہو: قَوْلَ الزُّوْرِ: ہر اس قول کو کہتے ہیں جو حق سے پھر چکا ہو یعنی شرک کے کلمات ہوں یعنی غیر اللہ کی
نذر یا جھوٹی گواہی ان سے اجتناب عام مسلمانوں اور خصوصاً حاجیوں پر لازم ہے۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ
فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝

”اللہ کیلئے مخلص ہو کر رہو اس کے ساتھ شرک سے اجتناب کرتے ہوئے اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے
تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اسے کہیں دور دراز جگہ میں پھینکے“ [31]۔

تفسیر 31 ”حُنَفَآءَ“: اس میں اشارہ ہے کہ شرک سے اجتناب اور جھوٹ سے بچنا حنیفیت یعنی توحید میں ہے یعنی خواہش
کی وجہ سے یا: دنیاوی مفادات کی وجہ سے شرک چھوڑ دینے میں نہیں۔ حنیف کا معنیٰ باطل دین کو ترک کر کے دین حق
پر ڈٹ جانا ہے: وَمَنْ يُّشْرِكْ: اس مثال میں مشرک کی ذلت و ہلاکت کا ذکر ہوا ہے اس کی نجات کا کوئی ذریعہ نہیں
ہے جیسا کہ کوئی انسان آسمان کی بلندیوں سے گر کر پرندے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور کی وادی
میں پھینک دے۔ اس مثال کی تفصیل امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ایسی لکھی ہے [illegible] آسمان کی بلندی ہے جس
میں سورج، چاند ستارے وغیرہ ہیں تو جو شرک کا مرتکب ہوا وہ توحید سے محروم ہو گیا اور قرآن و سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ

منہج کے طریقے سے نیچے گر پڑا اور نیچے گرنا اشارہ ہے بہت زیادہ ذلت کی طرف، اور اس طرح مشرک، پیر اور مولویوں کی مثال چیر پھاڑنے والے پرندوں کی ہے، یعنی جو شخص ان کے ہاتھ چڑھ گیا تو یہ بے دین پیر اور مولوی اس کے مال، عزت، حیاء اور غیرت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ یا اگر یہ مشرک ان کے ہاتھ نہیں چڑھتا ہے تو پھر دھریت اور بے دینی میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کے دین کا منکر ٹھہر جاتا ہے دونوں صورتوں میں دنیا و آخرت کی تباہی اور بربادی ہے۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

"یہ ساری باتیں یاد رکھو جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے [32]۔

تفسیر 32 "شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ": یہ وہ چیزیں ہیں جو دین کے ساتھ مختص ہیں یعنی اللہ کے دین کی علامات ہیں یعنی کعبۃ اللہ، صفا، مروہ، منیٰ، عرفات، مزدلفہ، شعائر اللہ ہیں اور حرم کی قربانی، قلائد، مساجد عبادات شریعہ یعنی اذان وصلوٰۃ یہ ظاہر شعائر اللہ ہیں یا مراد یہاں وہ جانور ہیں جو بطور ہدیہ قربانی ذبح کرنے کیلئے لے جاتے ہیں اس کی تعظیم اور آداب شرعیہ ادا کرنا مراد ہے اس کی ہتک بے عزتی سے اجتناب کر دان کو کھلانا پلانا اور ان کا خیال کرنا مراد ہے: تَقْوَى الْقُلُوْبِ: یہ حقیقی تقویٰ ہے اسلئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی اکرم علیہ السلام نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے صحیح مسلم کتاب البر حدیث 2568 یا مراد اخلاص ہے کیونکہ ہر عضو و جوڑ کا تقویٰ اس کے مناسب ہوتا ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ع

"تمہیں ایک معین وقت تک ان سے فائدے لینے ہیں پھر ان (فائدوں) کی انتہا اس آزاد گھر بیت اللہ تک ہے" [33]۔

تفسیر 33 اگر شعائر اللہ سے مراد مقامات حج لیے جائیں تو پھر اس سے مراد وہاں وقوف عبادات وغیرہ سے فائدہ لینا مراد ہے جیسا کہ منی، عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنا: اَجَلٍ مُّسَمًّى: سے مراد وہاں ٹھہرنا یعنی وقوف کا آخری وقت مراد ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہے صحیح مسلم کتاب الحج حدیث 1218: مَحِلُّهَآ: اس سے ان کے اعمال کی انتہا بیت اللہ کا طواف مراد ہے جو طواف وداع کہلاتا ہے یہ معنی موطا میں امام مالک رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے شعائر اللہ سے قربانی کے جانور مراد لیے جائیں تو پھر: اَجَلٍ مُّسَمًّى: کے دو معنی ہیں یعنی قربانی کی نیت سے لیجانا ہو اس سے قبل ان سے دودھ لینا سواری کرنا ان کی اون بال روئی استعمال کرنا درست ہے۔ دوسرا معنی: اَجَلٍ مُّسَمًّى: یوم النحر ہے یعنی یوم النحر تک ان سے فائدے لینا جائز ہے: مَحِلُّهَآ: حلال ذبح کرنے کی جگہ مراد ہے: بَيْتِ الْعَتِيْقِ: اس سے حرم مراد ہے اور خاص

کر منیٰ میں ذبح کرنا افضل ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾

"اور ہرامت کیلئے ہم نے قربانی اسلئے مقرر کی ہے کہ وہ ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں تو معبود برحق صرف ایک ہی اللہ ہے چنانچہ تم اس کی فرمانبرداری کرو اور لوگوں کو خوشخبری سنادو جن کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں" [34]۔

تفسیر 34 مسائل واحکام حج بیان کرنے کے بعد اب قربانی کی ترغیب دی جارہی ہے جو تمام امتوں میں جاری ہے مَنْسَكٌ: سے قربانی مراد ہے جو ہدیہ قربانی ذبح کی جاتی ہے پھر اس حکم کا فائدہ ذکر ہوا ہے اور اس میں انسانوں کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی ترغیب بھی ہے اور ان کو اس عبادت پر گامزن کرنا مقصود ہے: فَإِلٰهُكُمْ الخ۔ یعنی نذر و نیاز ذبح وغیرہ اللہ کے نام کے ساتھ اس لیے خاص ہے کہ وہ اکیلا معبود برحق ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے پھر عام امت کو توحید پر قائم رہنے کا حکم ہے اور: فَلَهُ أَسْلِمُوْا: اس میں خوشخبری ہے: مُخْبِتِيْنَ: اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے اور اس کے احکام کو عملاً تسلیم کرنے والے مراد ہیں۔ عمرو بن اوس سے ابن عطیہ اور قرطبی رحمہا اللہ نے نقل کیا ہے کہ: مُخْبِتُوْنَ: وہ لوگ ہیں جو ظلم نہیں کرتے اور ان پر اگر ظلم کیا گیا ہو تو بدلہ (انتقام) نہیں لیتے۔ اور عظمت بشارت کی وجہ سے بَشِّرْ: مطلق ذکر کیا ہے۔ فائدہ: چونکہ حج کے احکام عاجزی وانکساری سے ادا ہوتے ہیں دو کپڑے بغیر سلے ننگے سر ہلکی چپل وغیرہ زمین پر ہونا یہ سب (تواضع) عاجزی ہے اس لیے بعد میں: مُخْبِتِيْنَ: صفت ذکر کی ہے۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾

"وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان پر جو مصیبت آتے اس پر صبر کرنے والے اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں" [35]۔

تفسیر 35 ان کی بعض صفات کی تفصیل سورۃ انفال کی ابتداء میں گزر چکی ہے چونکہ دل کا حال جلدی بدلتا رہتا ہے اس

لیےاس کو صیغہ فعل سے مشروط کیا ہے اور صبر اور اقامۃ الصلوۃ کو اسم کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انفاق بھی کبھی کبھی ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی صیغہ فعل سے ذکر کیا ہے اور اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے بدعتی پیروں ذاکرین پر سخت تنقید کی ہے کہ وہ ذکر کے وقت چلاتے اچھلتے ہیں ان پر وجد اور جذبہ آتا ہے یہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کے مخالف ہیں بلکہ یہ تو دیوانہ پن ہے اور یہ شیطانی اعمال ہیں تلبیس ابلیس میں ابن جوزی نے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہماری یہ شرط ہے کہ کنویں کے کنارے یا چھت کے کنارے بیٹھ کر ذکر کرے اور پھر اپنے اوپر وجد کی کیفیت طاری کرے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

"اور بڑے جانور (اونٹ) ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر میں شامل کیے ہیں ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے لہذا جب وہ ایک قطار میں کھڑے ہوں تو ان پر اللہ کا نام لو پھر جب (ذبح ہو کر) ان کے پہلوز مین پر گر جائیں تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور ان محتاجوں کو بھی کھلاؤ جو صبر سے بیٹھے ہوئے ہوں اور ان کو بھی جو اپنی حاجت ظاہر کریں اور ان جانوروں کو ہم نے تمہارے تابع بنایا ہے تاکہ تم شکر گزار بنو" [36]۔

تفسیر 36 چنانچہ پہلے عام شعائر اللہ کا ذکر ہوا پھر قربانی ذبح کرنے کی ترغیب دی اور اس کے ذبح کرنے کی شرط بیان کی پھر ان احکام کی پابندی کرنے والوں کیلئے صفت کا ذکر کیا تو اب اس آیت میں بعض مزید شعائر اللہ جو کہ اونٹ ہیں انکا بیان ہورہا ہے اس لیے کہ ان کی تعظیم بھی ضروری ہے۔ دوسرا حکم ان کے ذبح کرنے کا طریقہ جو باعث اجر وثواب ہے یعنی ان کے ذبح کرنے میں اور ان کی تعظیم میں اجر وثواب ہے۔ تیسرا حکم ان کو بسم اللہ پڑھ کر کھڑے نحر کرنے کا ہے کیونکہ ان کو کھڑے نحر کرنا سنت ہے چوتھا حکم یہ ہے کہ جب زمین پر گر جائیں تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھانا اور محتاجوں کو کھلانا، خود کھانے کا حکم مشرکین کی مخالفت کیلئے ہے کیونکہ وہ خود قربانی کے گوشت میں سے نہیں کھاتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے امام قرطبی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ قانع فقیر کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ تھوڑے پر (قناعت) گزارہ کر لیتا ہے اور معترہ وہ ہے جو اپنے آپ کو پیش پیش کرتا ہے یعنی ملاقات کے بہانے سے سوال کرتا ہے چاہے ظاہر کرے یا مخفی: تَشْكُرُوْنَ: اس جگہ شکر سے مراد ذبح اور نحر کا عمل ہے جیسا کہ گزر گیا یعنی سنت کے مطابق کیا جائے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیے ہیں تا کہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطاء کی ہے اور جو لوگ اچھے طریقے سے نیک عمل کرتے ہیں انہیں خوشخبری سنا دو" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں اخلاص کا ذکر ہے جو ہر عمل کیلئے قبولیت کی شرط ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی قربانی اتباع سنت اور اخلاص کے بغیر ذبح کیا جائے۔ وہ گوشت اور خون تو ہے مگر اس میں اجر و ثواب نہیں ہے: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا: اس میں اللہ تعالیٰ کے بڑے انعام کا ذکر ہے کہ کمزور انسان کیلئے بڑی قوت والے حیوان کو تابع بنایا ہے۔ پہلی آیت میں تسخیر کا ذکر ہوا ہے تا کہ اس پر: بِسْمِ اللّٰهِ: پڑھی جائے اور اس آیت میں بھی تسخیر کا ذکر ہے تا کہ بسم اللہ کے ساتھ اللہ اکبر بھی پڑھا جائے اور گزشتہ آیت میں: جَعَلْنٰهَا: متکلم صیغہ سے ذکر کیا تھا: سَخَّرْنَا: بھی متکلم صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اس آیت میں لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ غائب کے صیغہ سے ذکر کیا ہے تو: سَخَّرَنَا: بھی غائب کے صیغہ سے ذکر کیا ہے: اَلْمُحْسِنِيْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو مذکورہ احکام حسن طریقے سے بجالاتے ہیں اور بدعات و رسومات سے اجتناب کرتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

"یقیناً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دفاع کرے گا جو ایمان لائے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ دغاباز ناشکرے کو پسند نہیں کرتا ہے" [38]۔

خلاصہ: اس آیت سے 58 تک تیسرا باب ہے اس میں قتال کی طرف ترغیب اور اس کی علتوں کا بیان آیت 38، 39 اور 40 میں ہے اور مجاہدین کی ذمہ داریوں کا بیان آیت 41 میں ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تخویف دنیاوی کے ساتھ ساتھ منکرین قوموں کی ہلاکت پر تسلی آیت 44، 45 اور 46 میں دی گئی ہے پھر آٹھواں زجر جلدی عذاب طلب کرنے پر کیا گیا ہے اور تخویف دنیاوی بھی آیت 47 اور 48 میں ذکر ہوا ہے پھر اثبات رسالت آیت 49 میں اور خوشخبری آیت 59 میں ہے اور وعید آیت 51 میں ذکر ہے پھر شیطان کی دشمنی کا تذکرہ ہوا ہے کہ وہ انبیاء کو شبہات میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے آیت 52 اور 53 میں یہ مذکور ہے اور اللہ ان شبہات کو زائل کرتا ہے پھر آیت 55 میں تخویف

ہے اور آیت 56 میں خوشخبری اور آیت 57 میں بھی تخویف اخروی ذکر ہے۔

تفسیر 38 اس آیت میں ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر وہ جہاد کیلئے یا حج کے سفر پر نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور اہل وعیال کی حفاظت کرے گا، اور ساتھ میں ان کے نفسوں کی بھی حفاظت فرمانے کا اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کیلئے دوست ہیں جبکہ: خَوَّانٍ كَفُورٍ: میں جو لوگ مراد ہیں وہ اللہ کے دشمن ہیں جو ان ایمان والوں کے بھی دشمن ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا دشمنوں سے دفاع کرے گا: خَوَّانٍ: بہت ہی خائن کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے دوستوں کے مال جان واہل میں خیانت کرتا ہے: كَفُورٍ: ناشکرا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعامات کیے ہیں اور یہ ان کی ناشکری کرتا ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

"جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ اپنے دفاع میں وہ لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے" [39]

تفسیر 39 اس آیت میں دفاع کا ایک طریقہ بتایا گیا ہے یعنی اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا لیکن تم بھی دین اور اپنے جانوں کی حفاظت کیلئے مستعد رہو گے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ قتال کی پہلی آیت ہے البتہ اس میں اباحت یعنی جواز کا ذکر ہوا ہے یعنی أُذِنَ سے قتل کا حکم ثابت نہیں ہوتا بعد میں: قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ: سے فرضیت ثابت ہوئی ہے اس میں تین (علتوں) سببوں کا ذکر ہے۔ پہلا سبب: يُقَاتَلُونَ: دوسرا سبب: بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا: تیسرا سبب: وَإِنَّ اللَّهَ الخ۔

فائدہ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اباحت یعنی کسی چیز کے مباح (جائز) ہونے کیلئے بھی دلیل چاہیے اسلئے کہ یہ بھی حکم شرعی ہے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اس بات پر گھروں سے نکالا گیا ہے کہ انہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ایک گروہ کے شر کو دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو راہبوں کی خانقاہیں، نصاریٰ کے گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ضرور مسمار ہوتیں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی ضرور مدد کریگا جو اس کے دین کی مدد کریں گے بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا اور بڑی زور آور ذات ہے" [40]۔

تفسیر 40 اس آیت میں ان کی مظلومیت کا بیان ہے اور: قِتَالٌ: کی اجازت کے لیے ایک اور علت کا بیان ہے نیز یہ نصرت الہٰی کے لیے بھی علت ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ اہل توحید کے ساتھ دشمنی بوجہ توحید کے ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 126 سورۃ حٰم مومن آیت 28 اور سورۃ بروج آیت 8 میں ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ: یہ قتال کی اجازت کے لئے ایک اور علت ہے یعنی اہل توحید کا قتال اور اللہ کی نصرت نے توحید کے مراکز کو حفاظت بخشی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ آیت لفظ کے اعتبار سے عام ہے دیگر امور بھی اس میں شامل ہیں یعنی اگر اللہ تعالیٰ عادل حکمرانوں کے ذریعے سے ظالموں کے ظلم کو نہ روکتا اگر نمازیوں کی وجہ سے بے نمازیوں سے عارضی طور پر عذاب نہ ٹلتا۔ اگر دفع نہ ہوتا صالحین کی دعاؤں سے عذاب اس طرح اگر دفع نہ کرتے شرک کفر و فجور کی دعوت حق دینے والے: لَّهُدِّمَتْ: ظاہری طور پر آبادی کا ویران ہونا یا عبادت سے خالی ہونا دونوں مراد ہے یعنی توحید و سنت سے خالی ہونا دونوں مراد ہے مذکورہ عبادت خانے ان امتوں کے ہیں جنہوں نے تحریف دین سے قبل ان میں عبادت کی ہے اور انکی عبادت تحریف سے قبل توحید پر ہی بنا تھی: كَثِيْرًا کثرت سے مراد وہ ذکر ہے جو شریعت سے ثابت ہو اگرچہ کم ہو اور جو غیر شرعی یعنی شرک و بدعت پر مبنی ذکر ہو اگرچہ زیادہ ہو وہ کم ہے اور لا حاصل ہے: مَنْ يَّنْصُرُهٗ: اس میں اشارہ ہے کہ دین کی نصرت اللہ و رسول کی نصرت ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی جماعت میں شمولیت و شراکت ہے ورنہ اللہ کسی کی مدد کا محتاج نہیں ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾

"یہ ایسے لوگ ہیں اگر ہم انہیں زمین میں طاقت دے تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی تاکید کریں اور برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے" [41]۔

تفسیر 41 یہ صفات مجاہدین کی ہیں ضحاک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جن کو اللہ اقتدار سے نوازتا ہے ان کے ذمہ یہ سارے کام لازم ہیں اور نصرت الٰہی کو دوام دینے کے لیے یہ امور قائم رہنا رکھنا لازم ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اقتدار کے بعد صرف یہ چار امور انجام دیں گے بلکہ مکمل شریعت قائم کریں گے: إِقَامَةُ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءُ الزَّكٰوةِ: سے مراد پورے ملک میں جاری کرنا ہے: وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ: اس میں اشارہ ہے کہ کسی کے اقتدار کو ہمیشگی دینا اسی اللہ کے اختیار میں ہے جیسے اس کے ابتداء اس کے اختیار میں ہے۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾

"اے نبی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے قبل نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد وثمود کی قومیں اپنے پیغمبروں کو جھٹلا چکی ہیں" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو تسلی دی گئی ہے یعنی اس سورۃ میں جو احکام اور وعدے بیان ہوئی ہیں اگر یہ لوگ آپ کی اس میں پیروی نہیں کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ سابقہ اقوام کی طرح عذاب دے گا ۔اصحاب مدین کو قوم شعیب اس لیے نہیں کہا کہ اس کی ایک اور قوم اصحاب ایکہ کے نام سے تھی لیکن وہ عرب میں مشہور نہیں تھی ۔قوم موسیٰ نہیں فرمایا کہ اس کی قوم بنی اسرائیل تھی مگر ان سب نے اس کو نہیں جھٹلایا تھا جن پر اجتماعی عذاب اتر آتا اور آیت میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا ہے مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں۔

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝۴۳ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝۴۴

"نیز ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور لوط علیہ السلام کی قوم" [43]۔ اور مدین کے لوگ بھی اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا تھا تو ان کافروں کو میں نے کچھ مہلت دی پھر انہیں پکڑا دیکھ لو میری پکڑ کیسی ہے" [44]۔

تفسیر 43، 44 اس آیت میں جھٹلانے والی قوموں کو ترتیب سے ذکر کیا ہے اس ترتیب کے ساتھ سورۃ ہود میں ہے البتہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی تکذیب کا ذکر سورۃ انبیاء اور سورۃ انعام میں ہے نَكِيْرِ: انکار اور بدلنے کے معنیٰ میں ہے یہاں مراد عذاب ہے کیونکہ عذاب کے ساتھ نعمتیں بدل جاتی ہیں۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝۴۵

"کتنی بستیاں تھیں جن کو اس وقت ہلاک کیا جب وہ ظلم کر رہی تھیں تو وہ چھتوں کے بل گر پڑی اور کتنے ہی کنویں جواب بھی بیکار پڑے ہوئے ہیں اور کتنے پکے بے محل جو کھنڈر بن چکے ہیں" [45]۔

تفسیر 45 یہ بھی تخویف دنیوی ہے اور عذاب کیلئے علت بھی ذکر ہوئی ہے جو کہ ظلم ہے خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا: یہ ان آبادیوں کی کیفیت ہے جن کی پہلی چھتیں گر جائیں پھر چھتوں کے اوپر دیواریں اور پھر مدت کے بعد وہ مٹی کا ڈھیر بن جائیں۔ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ: یعنی جو قومیں ہلاک ہو جاتی ہیں ان کے گھروں اور بستیوں میں کنویں بھی خشک ہو جاتے ہیں یا وہ کنویں مراد ہیں جو حنظلہ بن صفوان کے زمانہ میں خشک ہو گئے تھے تفسیر ابن کثیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے: قَصْرٍ مَّشِيْدٍ: گزشتہ قوموں کے بڑے بڑے بنگلے ویران رہ گئے یا ثمودیوں کی آبادکاریاں محلات مراد ہیں۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝

"کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں ہیں کہ جس سے انہیں وہ دل حاصل ہوتے جن سے یہ سمجھ سکیں یا ایسے کان ہوتے جو سن سکتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں"۔[46]

تفسیر 46 سابقہ قوموں کی ہلاکت وعذاب ذکر کرنے کے بعد اب ان موجودہ قوموں کی طرف التفات کیا گیا ہے کہ زمین میں سیر کرکے ذرا دیکھ لو اور ان کے کھنڈرات اور ویران بستیوں سے عبرت حاصل کرو: یَعْقِلُوْنَ بِهَا: اس میں اشارہ ہے کہ عقل کا مرکز دل ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ زمین میں پھرنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور عقل میں ترقی پیدا ہوتی ہے اور حق سننے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ: چونکہ سفر کرنے سے ظاہری بینائی میں ترقی نہیں ہوتی اسلئے کلام کا طرز بدل دیا۔ ابن عطیہ نے فرمایا کہ اس میں مبالغہ ہے یعنی کامل نابینا آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ دل کا نابینا کامل نابینا ہے یعنی یہ مراد نہیں کہ کسی کی آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں کیونکہ یہ تو واقع کے خلاف ہے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ باوجود گھومنے پھرنے کے فائدہ حاصل کرنے سے محروم رہے اسلئے کہ ان کے دل نابینا ہیں۔

وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

"اور یہ لوگ آپ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا اور جان لو کہ تمہارے رب کے پاس ایک دن تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کا ہے"۔[47]

تفسیر 47 یہ ایک اور زجر ہے کہ عبرت لینے کے بجائے عذاب طلب کرنے میں جلدی کرتے ہو: وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ: آیت کے قرینے کی وجہ سے وعدے سے مراد عذاب کا وعدہ ہے اگرچہ وعدہ ثواب کے وعدے میں بھی استعمال ہوتا ہے وَاِنَّ یَوْمًا الخ یعنی طویل اور سخت عذاب ہے لہٰذا یہ بڑے ہی جاہل ہیں جو اس کے لانے میں جلدی مچاتے ہیں كَاَلْفِ سَنَةٍ: یعنی جب تم کسی بستی کو ایک ہزار سال میں اجھاڑتے ہو اس کو اللہ تعالیٰ ایک ہی دن میں ویران کرکے رکھ دیتا ہے نیز ہزار سال بطور مثال فرمایا ہے کیونکہ عرب لوگ زیادہ مقدار کے لیے ہزار سال ذکر کرتے ہیں اس لیے بھی کہ بلا تکرار یہ عدد کی انتہاء ہے یا اس سے مراد قیامت کا دن ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہے کہ فقراء مسلمین مالدار مسلمانوں سے آدھا دن قبل جنت میں جائیں گے اور وہ پانچ سو سال ہیں۔ (ترمذی کتاب الزھد حدیث

2353ابن ماجه کتاب الزهد حدیث4122 ابن حبان 1675احمد 2/296 نسائی فی السنن الکبری 11348 شیخ البانی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ یعنی پورا دن ہزار سال کا ہے۔

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

"اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنہیں میں نے مہلت دی تھی اور وہ ظلم کرتی رہیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور سب کو آخر کار میرے پاس لوٹنا ہوگا" [48]۔

تفسیر 48 یہ بھی تخویف ہے اور سوال کا جواب ہے یعنی جب یہ لوگ عذاب کا جلدی مطالبہ کرتے ہیں تو ان پر عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ سنت الٰہی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر ان کو عذاب کی لپیٹ میں لیتا ہے گزشتہ آیت میں فَكَأَيِّن: (فا) کے ساتھ ذکر کیا تھا کیونکہ مہلت ختم ہونے پر فوراً عذاب آیا ہے جبکہ اس کے بعد عذاب کا وعدہ ذکر کیا ہے اور مہلت بعد میں ذکر کی گئی ہے اس لیے درمیان واؤ کے ساتھ وَكَأَيِّن: ذکر کیا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾

"آپ فرما دیجئے کہ اے لوگوں میں تمہیں وضاحت کے ساتھ خبردار کرنے والا ہوں" [49]۔

تفسیر 49 اس آیت میں اثبات رسالت ہے اور ان کے جلدی عذاب طلب کرنے کا جواب ہے یعنی میں رسول ہوں مجھے عذاب لانے یا مؤخر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾

"پھر جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کرنے لگے تو ان کیلئے مغفرت اور باعزت رزق ہے" [50]۔

تفسیر 50 یہ رسالت پر تفریع ہے یعنی اس کی دعوت سے دو گروہ وجود میں آتے ہیں ایمان والے دوسرے منکرین پھر ایمان والوں کے لیے خوشخبری ہے اور عزت والا رزق ہے جو صرف جنت میں ہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ دنیا کے رزق میں ذلت یا تھکاوٹ ضرور ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿51﴾

"اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں (آیتوں) کا مقابلہ کیا وہ جہنم میں رہنے والے ہیں" [51]۔

تفسیر 51 اس آیت میں منکرین کے لیے تخویف ہے: مُعَاجِزِيْنَ: یہ باب مفاعلہ سے ہے ضمیر سَعَوْا: سے حال بنتا ہے یعنی یہ لوگ صاحب آیات کو مجبور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جبکہ آیتوں نے ان کو عاجز کر دیا ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور آیتوں پر عمل سے لوگوں کو منع کرتے ہیں: مُعْجِزِيْنَ: یہ بعد والی آیت کیلئے تمہید ہے کہ شیاطین جنی اور انسی لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿52﴾

"اور آپ سے پہلے جب کبھی ہم نے کوئی رسول یا نبی بھیجا تو اس کے ساتھ یہ ضرور ہوا کہ جب اس نے (اللہ کا کلام) پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے کے ساتھ ہی (کفار کے دلوں میں) کئی شبہات ڈال دیے پھر جو شبہات شیطان ڈالتا ہے اللہ انہیں زائل کر دیتا ہے پھر اپنی آیتوں کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ بڑے علم حکمت کا مالک ہے" [52]۔

تفسیر 52 دو فرقوں کا ذکر کرنے کے بعد اب ان کے الگ الگ اسباب کا ذکر فرما رہا ہے کافروں کے کفر کا سبب شیطانوں کے وسوسے ہیں خواہ انسی ہو یا جنی اور ایمان والوں کے ایمان کا سبب ان وسوسوں کو زائل کرتا ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے۔ نیز: مُعَاجِزِيْنَ: کا ذکر گزر گیا تھا تو یہ اب اس کی تفصیل مذکور ہے: مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ: نبی اور رسول میں فرق کئی وجوہ سے ہے پہلا یہ ہے کہ رسول اللہ تعالی کی طرف سے پیغام پہنچانے والا اور نبی کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو خبر دینے والا ہے یہ نسبتی فرق ہے دوسرا فرق رسول خاص اس ذات کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالی کی جانب سے کتاب کا یا صحیفوں کا نزول ہوا ہو جبکہ نبی عام ہے۔ تیسرا فرق رسول کا اطلاق ملائک پر بھی ہوتا ہے جو انسانوں کی طرف وحی لاتا ہے جبکہ نبی انسانوں کے ساتھ خاص ہے: اِذَا تَمَنّٰٓى: یہ تلاوت اور وحی بیان کرنے کے معنی میں ہے اور عرب کے اشعار میں بھی اس معنی میں استعمال ہوا ہے: اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ: یعنی اس کی دعوت کے وقت انسی و جنی شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسے و شبہات پیدا کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں یہ مجنون ہے کبھی شاعر تو کبھی کاہن و جھوٹا قرار دیتے ہیں: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ: اللہ تعالی اس طرح وحی نازل فرما دیتا ہے کہ ان کے شبہات کے جوابات

ہوجاتے ہیں اور اس طریقے سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے: ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ: یعنی وحی نازل ہونے کے بعد اپنے احکام کو دلائل سے مضبوط کر دیتا ہے اس طرح نبی کی دعوت محکم ہو جاتی ہے۔

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾

"(اس مقصد کیلئے) تاکہ بنادے فتنہ اس شبہے کو جو شیطان نے ڈالا تھا ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں مرض (نفاق) ہے اور جن کے دل سخت ہیں بلاشبہ یہ ظالم مخالفت میں بہت دور جا پہنچے ہیں" [53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں: اَلْقَى الشَّيْطٰنُ: کی حکمت کا ذکر ہے یعنی شیطان کو شبہات ڈالنے کا اختیار اس لیے دیا ہے تاکہ ان کو منافقین او سخت دل کافروں کیلئے امتحان بنا دیں تاکہ وہ شک میں پختہ ہو کر دشمنی پر اتر آئیں۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

"اور (ان شبہات کو اللہ نے اس لیے زائل کیا) تاکہ جن لوگوں کو علم سے نوازا گیا ہے وہ جان لیں کہ یہی (کلام) برحق ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے پھر وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے" [54]۔

تفسیر 54 اس آیت کا تعلق: فَيَنْسَخُ اللّٰهُ: سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ شبہات مٹا دیتا ہے تو ایمان والوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی حقانیت پر ان کا یقین اور پختہ ہو جاتا ہے: فَيُؤْمِنُوْا: اس سے مراد ایمان میں ترقی اور یقین میں اضافہ ہے اس لیے کہ ایمان تو وہ پہلے لا چکے ہیں یا مراد: اُوْتُوا الْعِلْمَ: سے پہلے اہل کتاب ہیں یعنی جب انہوں نے قرآن کی حقانیت کو پہچان لیا تو ایمان لے آئیں: فَتُخْبِتَ: آیت 34 میں: مُخْبِتِيْنَ: کا معنیٰ گزر گیا اور یہ صفت قرآن پر ایمان لانے کے ذریعے سے پیدا ہوتی ہے: لَهَادِ: یعنی علم ایمان کی زیادت سے اور اخبات سے ہدایت میں اضافہ پیدا ہوتا ہے فائدہ: اس آیت کی مذکورہ تفصیل واضح اور صحیح ہے ایک اور تفسیر بعض مفسرین نے لکھی ہے جس میں انہوں نے واقعہ غرانیق ذکر کیا ہے وہ واقعہ کئی وجوہات سے غلط ہے پہلی وجہ اور سبب یہ ہے کہ اس حوالے سے جو روایت نقل کی گئی ہے وہ بقول قاضی عیاض درست نہیں ہے اور اس روایت کی سند کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ الفاظ میں بھی اضطراب ہیں امام بیہقی سے صاحب سراج المنیر نے نقل کیا ہے کہ یہ روایت سنداً ثابت نہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی ا

یہ منکر اور مضطرب قرار دیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے اس روایت کو باطل من گھڑت یعنی موضوع قرار دیا ہے۔ دوسرا سبب: یہ ہے کہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے نقل کیا ہے مگر اس میں غرانیق کا واقعہ (قصہ) نہیں ہے۔ تیسرا سبب: یہ ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب یا غلطی کی نسبت ہوتی ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام دعوت کے عنوان میں کذب اور غلطی سے اتفاقی طور پر معصوم ہیں۔ چوتھا سبب: یہ واقعہ سورۃ الحاقہ آیت 47 اور سورۃ بنی اسرائیل آیت 75 سے بھی خلاف ہے۔ پانچواں سبب: اگر شیطان کو اتنی قوت حاصل ہو جائے کہ نبی کی زبان پر شرکیہ غلط الفاظ بھی جاری کر سکتے ہو یا اس کی آواز کے مشابہ آواز نکال سکے اور سننے والوں کو اس سے تشبیہ آتی ہو تو پھر سارے قرآن پر اعتماد ختم ہو جائیگا۔ چھٹا سبب: کہ سورۃ نجم مکی سورۃ ہے جبکہ یہ سورۃ اکثر مدنی زندگی میں نبی کریم پر نازل ہوئی ہے تو اتنے طویل عرصہ تک قرآن مجید میں کس طرح شیطان کا کلام برقرار رہا اور اس کی تردید نہیں ہوئی یہ احتمال بہت بعید ہے۔ ساتواں سبب: ابن عبدہ مفسر نے لکھا ہے کہ لفظ الغرانیق عرب کی نظم ونثر اشعار وغیرہ میں کبھی الٰہ یعنی معبود کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ غرانیق تو بدبودار مردوں کو کھانے والے چیل وگدھ کو کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جملہ تو ان تحقیر کے لئے استعمال ہوا ہے۔ آٹھواں سبب: اگر یہ واقع صحیح ہوتا تو ضرور ہمارے نبی پر یہودی بطور اعتراض پیش کرتے مگر یہودیوں نے کبھی ذکر نہیں کیا اور نہ ہی نصاریٰ نے ذکر کیا ہے اور منافقین نے بھی پر اعتراض کرتے کہ شرک سے منع کرتے ہو جبکہ اس واقعہ میں دعوت شرک ہے؟ لیکن منافقین سے بھی یہ اعتراض ثابت نہیں ہے۔ (یہ واقعہ بے بنیاد ہے جس پر مذکورہ علماء کے علاوہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ بنام: نَصْبُ الْمَجَانِيقِ نَسْفُ الْقِصَّةِ غَرَانِيقَ: تصنیف کیا ہے)۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ہمیشہ اس قرآن سے شک میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ ان پر اچانک قیامت آجائے یا ایسے دن کا عذاب پہنچے جو ہر قسم کی خیر سے خالی ہو" [55]۔

تفسیر 55 اس آیت کا تعلق آیت 53 سے ہے یعنی شیاطین کے شبہات کی وجہ سے کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے اس آیت میں تخویف بھی ہے: سَاعَةُ: سے قیامت یا موت کا وقت مراد ہے: يَوْمٍ عَقِيمٍ: دنیاوی عذاب والا دن یا قیامت کا دن مراد ہے: عَقِيمٍ: لفظ کا معنی بانجھ ہے مگر وہ دن مراد ہے جو کسی قوم کیلئے عذاب کا دن ہو جو ان کیلئے خیر سے خالی ہو یا وہ

دن جس کے بعد رات نہ آتی ہو۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝

"اس دن بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلہ کریگا لہٰذا جولوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہیں وہ نعمتوں کے باغات میں ہوں گے" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت میں اشارہ ہے کہ اس عذاب کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا ہے اس لیے کہ تمام اختیار وقدرت اس نے اپنے ہی پاس رکھا ہے اور آیت کے آخر میں ایمان والوں کو خوشخبری ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ع

"اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے تو ایسے لوگوں کیلئے ذلت والا عذاب ہے" [57]۔

تفسیر 57 اس آیت میں آخرت کے عذاب کی وعید ہے چونکہ انہوں نے کفر وتکذیب کرتے ہوئے آیتوں کی توہین شیطانی شکوک وشبہات سے کی ہے تو ان کے لیے عذاب بھی رسوا کن ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

"اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی پھر قتل کیے گئے یا ان کا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ ان کو اچھا رزق دے گا اور بلاشبہ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے" [58]۔

خلاصہ: اس آیت سے سورۃ کے آخر تک چوتھا اور آخری باب ہے اس میں ہجرت کی ترغیب اور آخرت کی خوشخبری آیت 58 اور 59 میں ذکر ہے پھر آیت 60 میں قتال کی ترغیب اور نصرت کا وعدہ بھی ذکر ہے آیت 61 اور 62 میں نصرت کے اسباب اور علتوں کا ذکر ہے اس میں شرک فی الدعاء کا رد اور توحید پر چوتھی دلیل عقلی آیت 61 میں مذکور ہے۔ پانچویں آیت 63 چھٹی آیت 64 اور ساتویں دلیل آیت 65 آٹھویں آیت 66 پھر دعوت شجاعت دی گئی اور دعوت کے طریقے بھی بیان ہوئے ہیں 67، 68 اور 69 پھر نویں دلیل عقلی ذکر ہوئی آیت 70 میں پھر شرک فی العبادت پر نویں وعید ذکر ہے آیت 71 پھر دسویں وعید ہے ان لوگوں کیلئے جو تلاوت قرآن کو ناپسند کرتے ہیں یعنی قرآن کو سننا گوارا نہیں ہے 72۔ پھر مشرکین کا رد ہوا ہے جو غیر اللہ سے دعا طلب کرتے ہیں اور ایک مثال کے ذریعے سے اس سے نفی کی گئی ہے 73 اور سوال کرنے والوں کا جواب بھی ذکر ہے 74 اور 75 اور دسویں 10 دلیل عقلی ذکر ہے آیت 76 میں اور پھر آٹھ احکام

اوامر توحید پر استقامت کیلئے 77 اور 78 میں ذکر ہوئے ہیں۔

تفسیر 58 اس آیت میں عام مسلمانوں کو خوشخبری دینے کے بعد خاص مہاجرین کو بشارت دی جاتی ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ ہجرت کے بعد مہاجر کے لئے شہادت اور عام موت برابر ہے البتہ یہ برابری بعض نعمتوں میں ہے کیونکہ شہید درجات میں عام موت والوں سے افضل ہے: رِزْقًا حَسَنًا: یعنی بغیر تکلیف کے حاصل ہو ہر وقت میسر ہو لذت والا ہو بغیر نقصان ہو بیماری پیدا کرنے والا نہ ہو رزق حسن ہے اور یہ رزق برزخ میں ہے جیسا کہ آل عمران آیت 129 میں ذکر ہے۔ رَازِقِیْنَ: یہ جمع ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ لوگ بھی ایک دوسرے کو رزق دیتے ہیں۔

لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾

”وہ انہیں ضرور ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور یقیناً اللہ ہر بات کو جاننے والا بڑا بردبار ہے“ [59]۔

تفسیر 59 یہ بھی خوشخبری ہے جس میں طعام کے بعد مکان کی بشارت ہے کیونکہ رزق کی فکر پہلے اور رہائش کی بعد میں بیان ہوئی ہے: مُدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ: اس سے جنت مراد ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

”یہ خوشخبری تو یقینی ہے (اور یہ بھی سنو) جس شخص کو بدلہ میں اتنی ہی تکلیف پہنچائی جتنی اس کو پہنچائی گئی تھی اس کے بعد پھر اس پر زیادتی کی گئی تو اللہ اس کی ضرور مدد کریگا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے“ [60]۔

تفسیر 60 آخرت کی خوشخبری کے بعد دنیاوی خوشخبری اس آیت میں دی گئی ہے: عَاقَبَ: سے مراد جہاد کے ذریعے سے انتقام لینا ہے: ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ: یہ عُوْقِبَ: پر عطف ہے یعنی اس شخص کو ہجرت پر مجبور کیا گیا اور اس کو تکلیفیں دی گئیں اور اس پر ظلم ہوتا رہا اگر اس نے قتال کے ذریعے سے اپنا انتقام لیا تو اس کی اللہ ضرور مدد کریگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۶۱﴾

”اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دن کو رات میں اور رات کو دن میں داخل کر دیتا ہے اور اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سنتا ہے اور ہر چیز دیکھتا ہے“ [61]۔

تفسیر 61 یہ مجاہد کی نصرت کیلئے پہلی علت ہے جس کو علت (انی) کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ رات کو دن کے انقلابات پر قادر ہے تو بندے کی مدد و نصرت پر بھی قادر ہے یا اس میں بطریقہ مثال فائدے کی طرف اشارہ ہے یعنی امداد اسلئے فرماتا ہے

تا کہ اندھیرے کو روشنی سے بدل دے جس طرح روشنی کو اندھیرے سے بدل دیتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

"یہ امداد اس لیے ہے کہ اللہ ہی مددگار برحق ہے اور یہ لوگ اسے چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور اللہ ہی وہ ذات ہے جس کی شان بھی اونچی ہے اور رتبہ بھی بڑا ہے" [62]۔

تفسیر 62 یہ نصرت و مدد کے لیے دوسری علت ہے جس کو علت لمی کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ الٰہ برحق ہے اور دیگر الٰہ باطل الٰہ اس لیے اللہ مدد پر قادر ہے اور معبودان باطلہ اس کی طاقت نہیں رکھتے یا پھر اس میں نصرت کے مقصد کی طرف اشارہ ہے یعنی مدد اس لیے کرتا ہے کہ توحید کو غالب اور شرک کو مغلوب کرنا چاہتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی کو اتارا جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے؟ یقیناً اللہ بڑا مہربان اور ہر بات سے باخبر ہے" [63]

تفسیر 63 یہ توحید کیلئے عقلی دلیل ہے جو سابقہ آیت میں نقل ہوئی ہے: فَتُصْبِحُ: عکرمہ رحمہ اللہ سے نقل ہے کہ یہ تہامہ مکہ میں واقع ایک علاقہ ہے کہ بارش کی رات گزرتے ہی صبح زمین پر سبزیاں نظر آتی ہیں ابن عطیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایسا علاقہ انہوں نے سوس اقصا میں بھی دیکھا ہے تو یہاں پر (ف) برائے اتصال ہے اگر عام ممالک مراد لیے جائیں تو پھر صرف عطف کیلئے ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٦٤﴾

"جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے او بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو سب سے بے نیاز ہے اور وہی قابل تعریف ہے" [64]۔

تفسیر 64 یہ ایک اور عقلی دلیل ہے اس میں اثبات توحید اور شرک فی التصرف پر رد ہے لَهٗ میں ملکیت ملوکیت عبودیت سب داخل ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝65

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے تابع کر رکھا ہے اور وہ کشتیاں بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہیں اور اس نے آسمان کو اس طرح تھام رکھا ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا اللہ لوگوں پر شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے" [65]۔

تفسیر 65 یہ بھی عقلی دلیل ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا ذکر ہے جو زمین آسمان اور سمندروں میں کرتا ہے اور یہ دلیل آفاقی ہے زمین کی چیزوں کو مسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے فائدے اس سے امر الٰہی کی وجہ سے لیتے ہیں: وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ: اس میں اشارہ ہے کہ آسمان کو بغیر ستون کے اللہ نے تھام رکھا ہے: اِلَّا بِاِذْنِهٖ: میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن آسمانوں کو اللہ کا اذن ہوگا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝66

"اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی ہے پھر وہ تمہیں موت دیگا پھر تمہیں زندہ کریگا حقیقت میں انسان بڑا ناشکرا ہے" [66]۔

تفسیر 66 اس آیت میں دلیل عقلی نفسی ہے اس میں انسان کی تین حالتوں کا ذکر کیا ہے پھر زجر ہے کہ اتنے دلائل دینے کے باوجود انسان منکر و مشرک ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝67

"ہم نے ہر امت کے لوگوں کیلیے عبادت کا طریقہ مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ بندگی کرتے ہیں تو وہ آپ کو جھگڑے میں مصروف کر کے دعوت دین سے پھیر نہ دیں تو دعوت دیتے رہیں آپ یقینی طور پر ہدایت پر ہیں" [67]۔

تفسیر 67 انسان کا کفر ذکر کرنے کے بعد اس کا علاج بتایا جا رہا ہے اور وہ دین حق کی دعوت ہے یعنی ہر گروہ کے لیے الگ الگ راستے ہیں لہٰذا یہ لوگ ضرور آپ سے آپ کے مسلک یعنی توحید و سنت کے بارے میں لڑیں گے لیکن ان جھگڑوں میں

مشغول کر کے آپ کو دعوت سے غافل نہ کردیں لہذا آپ دعوت دیتے رہیں آپ کے پاس پورے دلائل ہیں: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا: اس جملہ میں: مَنْسَكًا: دونوں طریقوں کیلئے استعمال ہوا ہے حق ہو یا باطل ہو اسلئے کہ: مَنْسَكٌ: اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس کی طرف انسان عادتاً آتا جاتا ہے خواہ اچھائی کے لیے ہو یا شر و گناہوں کیلئے ہو اور: جَعَلَ: تکوینی اور تشریعی دونوں کو عام ہے اور هُدًى بمعنی مقصد اور دلائل کو کہتے ہیں۔

وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

"اور اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو آپ فرما دیجئے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے" [68]۔

تفسیر 68 یعنی دعوت حق کے باوجود اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے الجھنے لگیں تو آپ مزید جواب دینے سے گریز کریں کیونکہ یہ عنادی ہیں ان کو اللہ کے سپرد کریں۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان باتوں میں تمہارے درمیان فیصلہ کریگا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے" [69]۔

تفسیر 69 اس آیت میں بھی عنادی کافروں کا جواب ہے تفسیر قرطبی میں ہے کہ ان آیتوں میں داعیان حق کے لیے آداب و تعلیم ہے کہ جب ان کا واسطہ ایسے عنادیوں سے پڑ جائے تو اس طریقہ پر ان سے ہم کلام ہوں۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

"کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ اللہ کے علم میں ہے یہ سب باتیں ایک کتاب میں محفوظ ہے یقیناً یہ سب کچھ اللہ کیلئے آسان ہے" [70]۔

تفسیر 70 اس آیت میں عقلی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے آسمان و زمین کی ہر چیز احاطہ کیا ہوا ہے اور اس میں سابقہ آیت کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ اسلئے کر سکتا ہے کہ وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے: إِنَّ ذَٰلِكَ: اس میں لوگوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے یا زمین و آسمان کی تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک کتاب میں مرتب ہے۔ دوسرے: ذَٰلِكَ: میں بھی یہ دونوں توجیہات ہیں اور یہ آیت تقدیر کے لکھنے کی اثبات پر دلیل ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

"اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے معبود ہونے) کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان لوگوں کو بھی خود کوئی علم ان کے بارے میں نہیں اور ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا" [71]۔

تفسیر 71 اس آیت میں شرک فی العبادت پر زجر ہے یعنی مشرکین کے پاس نازل شدہ دلیل بھی نہیں ہے اور دلیل عقلی بھی نہیں ہے اور اسے ظلم کہا گیا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ (ع)

"اور جب ان پر ہماری آیتیں پوری وضاحت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں تو آپ ان کافروں کے چہروں پر ناگواری کے آثار پہچان لیتے ہیں قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں جو ان کو ہماری آیتیں سنا رہے ہیں۔ فرما دیجئے لوگوں سے کیا میں تمہیں اس سے بڑھ کر ناگوار چیز بتلا دوں؟ آگ ہے۔ جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کر رکھا ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے" [72]۔

تفسیر 72 اس آیت میں ان کے لیے زجر ہے کہ قرآن سے انکار کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اور جب انہیں قرآن سنایا جاتا ہے تو ان کو ناگوار گزرتا ہے اور قرآن کے واضح دلائل سننے سے غصہ میں آتے ہیں اور غصہ کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ مبلغ قرآن پر حملہ کر بیٹھیں بِشَرٍّ: یعنی ان کو بتلا دو کہ تمہاری نظروں میں تو قرآن بیان کرنے والا شر پسند ہے لیکن اس سے زیادہ وہ شر جہنم کی آگ ہے جو قرآن سے روکنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾

"اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے کان لگا کر غور سے سنو اللہ کو چھوڑ کر تم جن جن کو مدد کیلئے پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے چاہے وہ سب اس کام کیلئے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے ایسا دعا مانگنے والا اور جن سے دعا مانگی جا رہی ہے دونوں کمزور ہیں"[73]۔

تفسیر73 جب درس قرآن اور سماع قرآن کے وقت یہ مشرکین شور وغل مچانے لگے تو آپ ان کو خاموش کرنے کیلئے فرما دیجئے کہ لوگو شور وغل مت کرو خاموشی اختیار کرو تمہیں ایک عجیب مثال پیش کی جا رہی ہے۔مَثَلٌ: ذباب کا ذکر ساری مخلوق سے بطور مثال ذکر کیا ہے یا مَثَلٌ: سے عجیب بیان مراد ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے ماسوا معبودان باطلہ خواہ وہ اولیاء وانبیاء یا بت ہوں سب اتنے کمزور ہیں کہ ایک مکھی بنانے (پیدا کرنے) سے قاصر اور بے بس ہیں بلکہ وہ مکھی اگر ان کے کھانے سے اپنے منہ یا پنجوں میں کوئی چیز اڑا کر لے جائے تو سب ملکر اس سے وہ چیز چھڑانے میں ناکام ہیں تو نہ تو ان کو ایجاد کرنے کا اختیار حاصل ہے اور نہ ہی اپنی ذات سے ضرر دور کر سکتے ہیں لہذا جن کی کمزوری کا یہ عالم ہو وہ حاجت روا یا مشکل کشا ہو سکتے ہیں؟ [illegible] ذباب کو مثال کیلئے بعض وجوہات سے خاص کیا ہے۔ [illegible] غیر اللہ کے درباروں مزاروں میں مٹھائیاں کھانے پینے کی اشیاء کثرت سے ہوتی ہیں جن کیلئے مکھیاں بہت آتی ہیں۔ [illegible] یہ ہے کہ مکھی کے اعضاء (جوڑ) مچھر سے بھی کم ہیں تو جو کم اعضاء والا پیدا نہیں کر سکتے وہ زیادہ اعضاء والا کس طرح پیدا کریں گے اور اس کی مزید وضاحت درباروں اور مزاروں کے قریب مجاور بن کر رہنے والے ہیں اکثر معذور، نابینا، لنگڑے، کانے، شل یعنی ناقص الخلق جس کے وجود میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو لیکن برسوں مجاور بن کر بھی ان کو تندرستی حاصل نہیں ہوتی تو جب وہ ناقص کو کامل نہیں کر سکتے کامل کو کس طرح پیدا کر سکیں گے۔ [illegible] یہ ہے کہ علامہ دمیری نے حیاۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مکھی اجہل مخلوق ہے اس لیے قبروں اور مزاروں کے مجاورین کی مثال اس بے حیا مکھی کے ساتھ دی جا سکتی ہے لہذا یہ اولیاء کرام سب ملکر بھی اس کمزور بے حیا مکھی سے اپنی چیز نہیں چھڑا سکتے اور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے: اَلطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ :ابن جریر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ معبود (صنم قبر وغیرہ) ہے اور مطلوب ذباب مکھی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ طالب عبادت کرنے والا ہے اور مطلوب معبود من دون اللہ ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

"ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ذات ہے" [74]۔

تفسیر 74 یہ ان مشرکین کیلئے زجر ہے جو کمزور مخلوق سے حاجتیں طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی اور اس کی صفتوں کو نہیں پہچانا نیز مشرکین کے اس اعتراض کا بھی جواب ہے کہ وہ اہل توحید پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم لوگ اولیاء کی قدر نہیں کرتے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اہل شرک ہی قدر نہیں جانتے اس لیے اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۷۵﴾

"اللہ ملائکہ میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے مقرر کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات سنتا ہے اور ہر چیز دیکھتا ہے" [75]۔

تفسیر 75 اس آیت میں مشرکین کا جواب ہے یعنی وہ کہتے ہیں کہ ان بزرگوں سے ہم اپنی حاجات اسلئے طلب کرتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے (الوہیت) کے اختیارات دیے ہیں جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو سب سے بڑا مرتبہ ورتبہ رسالت ونبوت دیا ہے اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے اگر ہے تو ربوبیت والوہیت کا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

"وہ ان کے آگے اور پیچھے کی ساری باتوں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام معاملات کا مرجع یعنی پلٹنا ہے" [76]۔

تفسیر 76 یہ سابقہ آیت کے لیے دلیل ہے یعنی جس کو رسالت دیتا ہے اس کے حال پر پورا عالم ہے اور ان کی عبودیت وعجز پر بھی عالم ہے اسلئے ان کو اپنے ساتھ شریک نہیں ٹھہرایا۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ: حالات حاضرہ یا آئندہ آنے والے؛ وَمَا خَلْفَهُمْ: گزرا ہوا حال مراد ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩

"اے ایمان والو رکوع سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کے کام کرو تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو" [77]۔

تفسیر 77 مشرکین کے حالات بیان کرنے کے بعد اب ایمان والوں کو ان امور کے متعلق حکم دیتا ہے جن کے ذریعے سے انسان کو فلاح (کامیابی) حاصل ہوتی ہے ان میں سے چار امور اس آیت میں مذکور ہیں اور چار بعد والی میں رکوع سجدہ ذکر کرنے میں دوسرے لوگوں سے جو سرکش ہیں فرق پیدا ہوتا ہے جب کہ قیام میں یہ فرق نہیں ہوسکتا: وَاعْبُدُوا: اس میں عام عبادت کی طرف اشارہ ہے یعنی مالی بدنی تمام عبادات اس میں شامل ہیں: وَافْعَلُوا الْخَيْرَ: یہ لفظ عبادت کے لفظ سے بھی عام ہے یعنی مخلوق سے اچھے اخلاق سے پیش آنا احسان کرنا ہے، نفلی عبادات وغیرہ۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس سورۃ کی آیت 18 میں سجدہ کے حوالے سے احادیث نقل کی ہے: (۱) ترمذی کتاب الصلوۃ حدیث 578 (۲) صحیح ابو داؤد کتاب الصلوۃ سجود القرآن حدیث 1402 (۳) احمد 1 / 221 دارقطنی 1، 408۔ امام ترمذی حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہم اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۴) اور ان میں سے ہر ایک پر کلام نقل کیا ہے پھر فیصلہ یہ کیا ہے کہ ان میں سے بعض روایتیں بعض کی تائید کرتی ہیں۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرٰهِيمَ ۚ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ۖ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ ع

"اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جس طرح جہاد کا حق ہے اس نے تمہیں (اپنے دین کیلئے) منتخب کیا ہے اور دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کو مضبوطی سے تھام لو اور اس نے تمہارا نام پہلے بھی (کتابوں میں) مسلم رکھا تھا۔ اور اس (قرآن) میں بھی تا کہ ہو جائے رسول تم پر گواہ اور تم دوسرے لوگوں کیلئے گواہ بنو۔ تو نماز قائم کرو زکوۃ ادا کرتے رہو اور اللہ تعالی کے دین پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ وہ تمہارا نگران ہے پس وہ بہترین مددگار ہے" [78]۔

تفسیر 78 جہاد عام ہے نفسی مجاہدہ شیطان سے مجاہدہ ظالموں سے جہاد اور قرآن وسنت کی تبلیغ سب مراد ہیں: حَقَّ جِهَادِهِ:

ہر شخص کو شرعی طریقے سے جہاد کرنا چاہیے اور مراد یہ ہے کہ نفس مال جان سب جہاد میں صرف کرے۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ یہاں سے جہاد کی چھ (6) علتوں کا ذکر ہو رہا ہے پہلی علت اللہ نے تمہیں اپنے دین کیلئے منتخب کیا ہے جہاد اور دعوت کیلئے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 110 میں ہے کہ: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ الخ۔ دوسری علت: یہ ہے کہ تمہارے اوپر اعمال میں کوئی تنگی حرج نہیں رکھا ہے بلکہ تمام کاموں کو تمہاری طاقت کے مطابق جاری کیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کی طرف اشارہ ہے۔ تیسری علت: جہاد ملت ابراہیمی کی نشانی ہے۔ چوتھی علت: ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام سابقہ کتابوں میں مسلمین رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی اور مسلمین کا کام جہاد ہے: سَمّٰىكُمْ: ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور: فِيْ هٰذَا میں سورۃ بقرہ آیت 138 کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے اور مِنْ قَبْلُ: سے سابقہ کتابوں میں اور فِيْ هٰذَا: میں قرآن مجید مراد ہے جس کی آیتوں میں اس امت کو اسلام کی نسبت کی گئی ہے خواہ یہ نسبت اسم فاعل یا فعل سے کی گئی ہو اور نسائی کی روایت میں: اَلْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللهِ: ذکر ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تسمیہ حقیقی ہے یہ: بِعَلَمٍ: نہیں ہے۔ (ترمذی حدیث 429 ابن ماجه 1161 صحیح الجامع الصغیر حدیث 1725 قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین صحیح ترغیب 552 سنن نسائی۔ صحیح ابن خزیمه صحیح ابن حبان) پانچویں علت: یہ رسول تمہارے حق میں تبلیغ دین کی شہادت کرے گا۔ چھٹی علت: یہ ہے کہ تم لوگ حق میں گواہی دو گے اور یہ مرتبہ تمہاری جہاد کی وجہ سے ہے اس شہادت کی تفسیر سورۃ بقرہ آیت 143 میں گزر چکی ہے پھر تین امور کا ذکر ہوا ہے جن کے ذریعے جہاد اور دعوت کے لئے ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے اور سورۃ کا اختتام بشارت یعنی خوشخبری پر کیا ہے یعنی اس طریقہ پر اللہ تعالیٰ کی ولایت یعنی دوستی حاصل ہوتی ہے اور نصرت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

سورۃ الحج کی خصوصیات:

۱۔ الزلزلۃ الکبریٰ کا تذکرہ اس سورۃ کی خصوصیت ہے۔

۲۔ حج کے مسائل کی تفصیل سورۃ البقرۃ اور اس سورۃ کا خاصہ ہے۔

۳۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قتال کی اجازت دی ہے۔

۴۔ شیطانی دشمنی کا تذکرہ۔

۵۔ مشرکین کی ہلاکت بطور مثال ذکر ہے۔

۶۔ معبودانِ باطلہ کی عاجزی اور کمزوری ظاہر کرنے کیلئے مکھی کی مثال کا تذکرہ۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ اَعِنَّا وَلَا تُعِنْ عَلَيْنَا۔

الحمدللہ! سورۃ حج کی تفسیر مکمل ہوگئی

(آیاتہا ۱۱۸) (۲۳ سورۃ المؤمنون مکیۃ ۷۴) (رکوعاتہا ۶)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

ربط: سورۃ حج کے آخر میں دنیوی کامیابی کے لیے ایمان والوں کو اوامر یعنی احکام بیان ہوئے تو اس سورۃ کے شروع میں ایمان والوں کی صفات کا ذکر ہے جو آخرت کی کامیابی کے لیے اسباب ہیں۔ گزشتہ سورۃ میں شرک فی التحلیل والتحریم کا رد کیا تھا تو اس سورۃ میں رد شرک فی البرکات ہے جو شرک فعلی کے لئے مبداء ہے۔ سورۃ کا بنیادی مضمون (6) طریقوں سے رد شرک فی البرکات ہے۔ (پہلا طریقہ) بارہ عقلی دلائل جن میں سے (6) چھ سورۃ کے اول حصہ میں اور چھ (6) آخری حصہ میں ہیں۔ دوسرا طریقہ (6) چھ نقلی دلائل ذکر ہوئے ہیں۔ تیسرا ایمان والوں اور مشرکین کی صفات میں تقابل کا ذکر ہوا ہے اور ہر ایک چودہ ہیں۔ چہارم مشرکین کو سات (7) اسباب عذاب اور اس کے ساتھ مشرکین کو ڈرانے کے لئے عذاب کے سات اسباب اور عذاب کی سات حالتیں ذکر کی گئیں ہیں پنجم شرک کی چھ (6) قسموں کا رد ہے ششم اللہ تعالیٰ کے گیارہ (11) اسماء حسنیٰ معرفت الٰہی کیلئے ذکر ہوئے ہیں۔ اس سورۃ میں چار ابواب ہیں پہلا باب آیت 23 تک ہے اس میں ایمان والوں کو ان کی سات صفات ذکر کرتے ہوئے خوشخبری دی گئی ہے پھر (6) عقلی دلائل اور سورۃ کا عنوان یعنی دعویٰ ذکر ہوا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿1﴾

"ایمان والے یقیناً کامیاب ہو گئے" [1]۔

تفسیر: اس آیت میں مرکزی صفت کا ذکر ہے جو کہ ایمان ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو انہوں نے قبلہ کی طرف چہرہ کرکے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَعِنَّا وَلَا تُعِنْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا وَلَا تَنْصُرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَاَرْضِنَا: اس دعا کے بعد آپ نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جس نے ان پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہوگا۔ اس میں اشارہ ہے کہ فلاح سے مراد جہنم سے بچنا اور جنت کا داخلہ

ہے (ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3173 حاکم 2/392 نسائی فی الکبریٰ 1439 اس روایت کو شیخ البانی اور شیخ زبیر علی زئی رحمہم اللہ نے ضعیف کہا ہے)۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

"جو اپنی نماز میں (دل سے) عاجزی کرنے والے ہیں" |2|۔

تفسیر 2 خشوع دل کی صفت ہے جس کے آثار ظاہر وجود پر نمودار ہوتے ہیں یعنی نماز میں لباس وغیرہ کے ساتھ مشغول نہیں ہوتے اور دل میں پورا پورا نماز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ نماز میں سجدہ گاہ کی طرف نظر رکھتے ہیں سجدہ کی جگہ سے کنکری پتھر وغیرہ بلاضرورت نہیں ہٹاتے ہیں۔ قرآن کے معانی میں فکر کرتے ہیں خشوع کے متعلق علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگرچہ پوری نماز میں کامل طور پر نہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

"اور وہ لوگ جو لغویات سے اجتناب کرتے ہیں" |3|۔

تفسیر 3 یہ ایمان والوں کی تیسری صفت ہے اولغو سے تمام گناہ مراد ہیں اور بے فائدے عبث کام بھی مراد ہیں۔ کفر شرک، بدعات، رسومات، جھوٹ، غیبت وغیرہ اس میں داخل ہیں۔ بدعات قصیں، عرس میلوں کی مجالس سب اس میں شامل ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

"لوجوز کو ۃ ادا کرنے والے ہیں" |4|۔

تفسیر 4 زکوۃ سے نفس کا تزکیہ مال کی پاکی، زکوۃ صدقات دینا سب اس میں داخل ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ زکوۃ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے اور ان کی مقدارات یعنی فیصد وغیرہ کی تعین مدینہ میں مقرر کی گئی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝

"اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں" [5]۔ "سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں (لونڈیوں) کے جوان کی ملکیت میں آچکی ہوں کیونکہ یہ لوگ قابل ملامت نہیں ہیں" [6]۔

تفسیر 5 اس آیت میں پانچویں صفت ہے جو عفت پاکدامنی کی یعنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت دو طریقوں سے کرتے ہیں۔ برہنہ ہونے اور زنا کرنے سے بھی محفوظ اور پاک رکھتے ہیں۔

تفسیر 6 اس آیت میں دلیل ہے کہ لونڈی اپنے مالک کیلئے بغیر نکاح کے حلال ہے اس لئے کہ اس کو: اَزْوَاجِهِمْ سے الگ ذکر کیا ہے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

"پھر جو تلاش کرے سوائے ان کے (اور کوئی ذریعہ) تو یہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں" [7]۔

تفسیر 7 یہ آیت دلیل ہے کہ زنا، اغلام بازی، متعہ وغیرہ سب حرام ہیں اس لئے کہ یہ سب: وَرَآءَ ذٰلِكَ: میں داخل ہیں۔ سورۃ معارج آیت 31 میں بھی مذکور ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ استمنا بالید حرام ہے (یعنی ہاتھ کے ذریعے سے اپنی منی کو خارج کرنا)۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

"اور اپنی امانتوں اور عہد کی پاسداری کرتے ہیں" [8]۔ جو اپنے نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں" [9]۔

تفسیر 8، 9 یہ چھٹی صفت ہے اس میں تمام دینی ذمہ داریاں شامل ہیں اور عہد سے مراد وہ کام یعنی امور ہیں جو انسان اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے خواہ وہ حقوق اللہ میں ہوں یا حقوق العباد میں ہوں۔ یہ ساتویں صفت ہے اور صلوٰۃ کی حفاظت سے مراد تمام شروط کا لحاظ ہے یعنی ہمیشہ ادا کرنا سنت کے مطابق ادا کرنا مفسدات وغیرہ سے محفوظ رکھنا، پہلے خشوع کا ذکر تھا جو صفت قلبی اور باطنی ہے اور محافظت صفت ظاہری ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾

"یہ لوگ حقدار اس کے ہیں [10]۔ جنہیں جنت الفردوس کی میراث ملے گی یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" [11]۔

تفسیر 10، 11 اس آیت میں کامیابی کا بیان ہے جو پہلی ہی آیت میں ذکر کیا گیا ہے میراث سے مراد استحقاق ہے یعنی جس طرح وارث میراث کا حقدار رہتا ہے اس طرح یہ لوگ جنت کے حقدار ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾

"اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی کے گارے سے بنایا ہے" [12]۔

تفسیر 12 اس آیت میں پہلی دلیل عقلی نفسی ہے انسان سے مراد آدم علیہ السلام ہے اور: سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ: سے مراد وہ گیلی مٹی ہے جیسے مٹھی میں پکڑ کر دبوچ لیا جائے تو انگلیوں کے بیچ سے باہر نکل آئے تو اس کو "سلالۃ" کہا جاتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾

"پھر ہم نے اس کو ٹپکتی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ میں رکھا" [13]۔ پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دیدی پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنادیا پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کیا پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اس کو ایک خلقت دی پس بابرکت ہے اللہ کی ذات جو خوبصورت پیدا کرنے والا ہے" [14]۔

تفسیر 13، 14 "جَعَلْنَهُ: ضمیر سے مراد اولاد آدم ہے یعنی: جَعَلْنَا نَسْلَهُ: جس کیلئے سورۃ سجدہ آیت 8 قرینہ ہے عام انسانوں کی پیدائش کی (6) چھ حالتیں بیان کی ہیں سورۃ حج میں بھی اس طرح گزر گیا ہے اور خلق آخر سے روح ڈالنے پیدائش اور موت تک سارے حالات مراد ہیں: فَتَبَارَكَ اللَّهُ: یہ سورۃ کا دعویٰ یعنی بنیادی مضمون ہے۔ اور اس لفظ کی تفسیر سورۃ اعراف میں گزر گئی ہے۔ أَحْسَنُ: یہ مضبوط اور قوی کے معنی میں ہے۔ یا خلق کا معنی شکل وصورت بنانے کے معنی میں ہے اور احسن کا معنی خوبصورت ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾

"پھر اس کے بعد تمہارے اوپر موت آئے گی[15]۔ پھر قیامت کے دن تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا" [16]۔

تفسیر 15: یہ عام حکم ہے جس میں اولیاء انبیاء سب شامل ہیں اس میں سابقہ دنیاوی نعمت کے زوال کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 16: اس آیت میں دوسری زندگی کا ذکر ہے جو دنیا کی طرح حقیقی زندگی ہے نیز قبر کی (برزخی) زندگی بھی دوسرے دلائل سے ثابت ہے مگر وہ حقیقی زندگی کی مانند نہیں ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾

"اور ہم نے تمہارے اوپر تہہ در تہہ سات راستے بنائے ہیں اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں" [17]۔

تفسیر 17: یہ دوسری دلیل عقلی آفاقی علوی ہے: طَرَآئِقَ: ایک دوسرے کے اوپر راستے یا ملائک کے آنے جانے کے راستے مراد ہیں: عَنِ الۡخَلۡقِ: یہ مصدر ہے مگر مفعول کے معنی میں ہے یعنی سب مخلوق اور اس میں اشارہ ہے کہ آسمانوں کے تھامنے کی حفاظت بھی اسی کے اختیار میں ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ‌ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ‌ ﴿۱۸﴾ فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ‌ۘ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ‏ ﴿۱۹﴾

"ہم نے آسمان سے اندازے سے پانی اتارا پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور یقیناً اسے خشک (غائب) کرنے پر ہم قادر ہیں" [18]۔ "پھر ہم نے اس سے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کئے جس سے تمہیں بہت سے پھل حاصل ہوتے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو" [19]۔

تفسیر 18: اس میں تیسری دلیل عقلی وسطی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ چشموں نہروں سمندروں کی صورت میں ہم اسے بسا دیتے ہیں: وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ: اس میں بندوں کو تخویف ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر پانی خشک کر ڈالے تو پھر کوئی بھی پانی لانے کا اختیار نہیں رکھتا جیسا کہ سورۃ ملک آیت 30 میں ہے۔

تفسیر 19: اس آیت میں چوتھی دلیل سفلی ہے: فَوَاكِهُ: اس سے کھجور انگور کے سوا پھل مراد ہیں یا مطلب یہ ہے کہ انگور کھجور سے مختلف اور بہت سی قسمیں پھل کی بن جاتی ہیں: وَمِنۡهَا: اس میں اشارہ ہے کہ کھانے کے علاوہ بھی اس میں فائدے ہیں۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

"اوروہ درخت بھی پیدا کیاجو طور سینا سے نکلتا ہے جو اپنے ساتھ تیل لیکراُگتا ہےاورکھانےوالوں کیلئے سالن ہے"[20]۔"اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے مویشیوں میں نصیحت ہے جو(دودھ)ان کے پیٹ میں ہے ہم تمہیں اس سے سیراب کرتے ہیں اوران میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں اور انھی میں سے تم غذابھی حاصل کرتے ہو"[21]۔

تفسیر20 یہ پانچویں دلیل عقلی ہےاس درخت سے زیتون کا درخت مراد ہےیعنی اس کا تیل دھن (چکنائی) کے لئے استعمال ہوتا ہے اور سالن کی جگہ بھی استعمال ہوتاہےاورطورسینااس پہاڑکوکہاجاتا ہے جو ہرا بھرا کثیر درختوں پودوں والا اورپھل والا ہوجس سے وہ پہاڑخوبصورت لگتا ہو۔

تفسیر21 اس آیت میں چھٹی دلیل ذکر ہےدودھ کے فائدے بہت زیادہ ہیں اس لئے عرب لوگ اس کو (درّ) کہتے ہیں لسی،دہی،گھی،مکھن وغیرہ اس سے بنایا جاتا ہےاس کے چمڑے سے بھی مختلف فائدے لئے جاتے ہیں اوران کے بالوں کے الگ فائدے ہیں۔

ع وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

"ان پراورکشتیوں پرتم سوار بھی کئے جاتے ہو"[22]۔

تفسیر22 اس آیت میں ساتویں دلیل نقلی ہے سواری کیلئے اَلْاَنْعَام سے اونٹ مراد ہےاس لئے کہ گائے پرسواری درست نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری فی ذکر بنی اسرائیل حدیث 3871 صحیح مسلم فی الفضائل حدیث 2388 میں اس کی ممانعت کی طرف اشارہ کیا گیا ہےاورآیت میں خشکی اورتری دونوں سواریوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾

"اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کے پاس بھیجا تھا لہٰذا انہوں نے اس قوم سے کہا کہ میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود برحق نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں" [23]۔

خلاصہ: اس آیت سے 51 تک دوسرا باب ہے اس میں انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک فی البرکات کے رد میں چھ عقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ یعنی ان انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی تھی اور ان کے مخالفین کو ہلاک کیا تھا۔

تفسیر 23 اس آیت سے پہلی دلیل نقلی ذکر ہو رہا ہے چونکہ انبیاء کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت ہے تو اسی وجہ سے اس کو سابقہ انعامات پر عطف کیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

"اس پر ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا اس شخص کی اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں کہ یہ تم ہی جیسا انسان ہے جو تم پر برتری جمانا چاہتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ملک ہی نازل فرما دیتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے پچھلے باپ دادا میں کبھی نہیں سنی" [24]۔

تفسیر 24 اس آیت میں مخالفین کی جانب سے چار اعتراضات نوح علیہ السلام پر کیے گئے: يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ: اکثر دنیا پرست لوگ اہل حق کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے الزام لگاتے ہیں کہ یہ سردار لیڈر بننا چاہتا ہے: بِهَٰذَا: اس میں مسئلہ توحید یا دعویٰ نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز اپنی جہالت کو دلیل میں پیش کیا ہے جو کہ دوسرا جہل ہے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٢٦﴾

"یہ تو ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہوا ہے اس لئے اس کا کچھ وقت انتظار کر کے دیکھ لو (شاید مر جائے)[25]۔نوح علیہ السلام نے فرمایا اے رب جس طرح انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے اس پر تو ہی میری مدد فرما"[26]۔

تفسیر 25 یہ پانچواں اعتراض ہے اور اس میں انہوں نے پیغمبر کی بہت ہتک کرنے کی کوشش کی ہے: حَتّٰى حِينٍ: یعنی اس کا دیوانہ پن بالکل عیاں ہو جائیگا یا موت سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

تفسیر 26 اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت ایک برکت ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾

"چنانچہ ہم نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور ابل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لیکر اسے بھی اس کشتی میں سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کے خلاف پہلے سے حکم صادر ہو چکا ہے اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کرنا یہ بات طے ہے کہ وہ سب غرق کئے جائیں گے"[27]۔

تفسیر 27 اس آیت کی تفسیر سورۃ ہود آیت 40 میں گزر چکی ہے: فَاسْلُكْ: اس سے مراد داخل کرنا ہے سورۃ ہود میں اِحْمِلْ: ذکر کیا ہے یعنی داخل کر کے سوار کیا چونکہ اس سورۃ میں کشتی کی سواری پہلے ذکر ہوئی ہے اس لئے اس میں اِحْمِلْ: ذکر نہیں کیا ہے: بِاَعْيُنِنَا: یہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے اور اس کا ظاہری معنی مراد ہے بغیر کسی تشبیہ اور تمثیل کے اور یہ [illegible] سلف صالحین کا عقیدہ ہے۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾

"پھر جب آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں ٹھیک ہو کر بیٹھ جائیں تو کہنا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ظالموں سے نجات عطا فرمائی" [28]۔ "اور فرمائیں کہ اے اللہ مجھے ایسا اترنا نصیب فرما جو بابرکت ہو اور تو بہترین اتارنے والا ہے" [29]

تفسیر 28 اس آیت میں وضاحت ہے کہ برکتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور اس آیت میں سواری کے وقت ذکر الٰہی کی تعلیم دی گئی ہے۔

تفسیر 29 اس آیت میں وضاحت ہے کہ برکات دینے والی صرف ذات باری تعالیٰ ہے: مُنْزَلًا: یہ مصدر ہے یعنی اتارنا یا پھر ظرف ہے تو پھر معنی ہے اترنے کی جگہ: مُبَارَكًا: یعنی جس میں سلامتی اور نجات ہو اور دین کی اشاعت اور رضائے الٰہی کیلئے ہو اس میں اشارہ ہے کہ جب کسی جگہ ٹھہر جانا ہو اقامت دین کیلئے یا مسجد اور کسی مکان وغیرہ میں داخل ہونا ہو تو یہ دعا پڑھ لے یہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی تفسیر میں لکھا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

"یقیناً اس واقعہ میں عبرت ہے اور یقیناً ہم امتحان کرنے والے ہیں" [30]۔ "پھر ان کے بعد ہم نے اور نسلیں پیدا کیں" [31]۔

تفسیر 30 اس آیت میں توحید فی البرکات کے لئے بہت سے دلائل اور دیگر بہت ساری عبرتیں ہیں اور کافروں کے عذاب اور ایمان والوں کیلئے امتحان اس میں مذکور ہیں۔

تفسیر 31 قرن اسم جنس ہے عاد، ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین سب اس میں شامل ہیں چونکہ اس میں مقصد عمومیت ہے اس لئے بعد میں رسول عام مبہم ذکر کیا ہے تا کہ سب کو شامل ہو جائے۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾

"اوران کے درمیان انہیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمہارا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت سے دوسری دلیل نقلی ذکر ہو رہی ہے اس میں اختلاف ہے بقول بعض مفسرین یہ واقعہ عادیوں کا ہے اور رسول سے ہود علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ دیگر سورتوں میں جہاں انبیاء کرام کے واقعات ذکر ہوئے وہاں نوح علیہ السلام کے بعد ہود علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے لیکن اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ عادیوں پر تو تیز آندھی آئی تھی جبکہ یہاں پر اس قوم کا عذاب صیحہ ذکر ہوا ہے یعنی (چیخ) لیکن اس کا جواب قرطبی میں اس طرح ذکر ہوا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں عذاب اکٹھے آئے ہوں۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ قصہ ثمودیوں کا ہے کیونکہ صیحہ کا عذاب پہلے ان پر آیا تھا جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے جیسا کہ انکا عذاب سورۃ "حجر" میں صیحہ لفظ سے ذکر ہوا ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے اور موسیٰ علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کے درمیان دیگر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں جیسا کہ سورۃ قصص سے معلوم ہوتا ہے اور یہاں درمیان میں: اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا: ذکر ہے اس میں بہتر قول یہ ہے کہ اس سے وہ تمام قومیں مراد ہیں جن پر صیحہ کا عذاب آیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

"ان کی قوم کے کفر کرنے والے سرداروں نے جنہوں نے آخرت کو جھٹلایا تھا اور جنہیں ہم نے عیش کی زندگی سے نوازا تھا وہ کہنے لگے اس شخص کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم جیسا ایک انسان ہے جو تم کھاتے ہو یہ بھی وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہ بھی پیتا ہے" [33]۔

تفسیر 33 اس آیت میں اس کی قوم کی دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے 1 کفر 2 تکذیب کفر سے مراد توحید سے انکار ہے اور ان صفتوں کا سبب ان کی مالی فراخی بتائی ہے پھر ان کا اعتراض نبی پر ذکر کیا ہے۔ کہ یہ بشر ہے اور یہ بھی انسانوں کی طرح کھاتا پیتا ہے یعنی ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے یعنی انہوں نے دنیاداری کی وجہ سے رسول کی رسالت سے انکار کیا ہے۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٣٤﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴿٣٦﴾

"اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے انسان کی فرمانبرداری کی تو یہ تم بڑے ہی گھاٹے کا سودا کرو گے" [34]۔ "کیا یہ تمہیں ڈراتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جاؤ گے تو تمہیں دوبارہ زمین سے نکالا جائے گا" [35]۔ جس بات سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے وہ تو بالکل ہی بعید اور سمجھ سے ہی دور ہے" [36]۔

تفسیر 34 اس آیت میں ان کا بڑا جرم ذکر کیا ہے یعنی لوگوں کو نبی کی اطاعت سے روکنا اور یہ سبب ہے نقصان اور تباہی کا۔

تفسیر 35، 36 اس آیت میں ان کی جانب سے نبی پر ایک اور اعتراض کا ذکر ہو رہا ہے جو بعث بعد الموت سے متعلق ہے اور دوسری آیت میں ان کا انکار ذکر ہو رہا ہے کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا عقل سے بعید ہے۔ هَيْهَاتَ: مصدری معنی میں ہے یعنی بُعْدًا : یا فعل کے معنی میں ہے مگر تکرار تاکید کیلئے ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾

"زندگی ہماری بس دنیوی زندگی ہے اسی دنیا میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا ہے" [37]۔ یہ ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں" [38]۔

تفسیر 37 یہ سابقہ آیت کے لئے تاکید ہے بعث بعد الموت کے انکار کے بارے میں: نَمُوتُ وَنَحْيَا: بعض فوت ہوتے ہیں اور بعض کچھ وقت تک زندہ رہتے ہیں۔

تفسیر 38 اس آیت میں بھی رسالت سے انکار ہے اور رسول پر اور رسول کی طرف سے اللہ تعالی پر جھوٹ بولنے کی نسبت کی گئی ہے اور یہ دلیل ہے کہ مشرکین اللہ تعالی کو مانتے تھے ان کے نزدیک اللہ تعالی پر جھوٹ گھڑنا برا عمل تھا لیکن ایک سچے رسول کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا ان کا کفر ہے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاۗءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"پیغمبر نے فرمایا اے میرے رب ان لوگوں نے جس طرح جھوٹ بنایا ہے تو ہی میری مدد فرما[39]۔اللہ نے فرمایا اب تھوڑی ہی دیر کی بات ہے کہ یہ لوگ پچھتاتے رہ جائیں گے[40]۔لہذا جب اس سچے وعدے کے مطابق ان کو ایک چنگھاڑ نے پکڑا اور ہم نے ان کو کوڑا کرکٹ بنا کر رکھ دیا ہے ایسے ظالم لوگوں پر پھٹکار ہے"[41]۔

تفسیر 39، 40، 41 یہ رسول کی دعا کا ذکر ہے اس میں واضح دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام مدد میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھا: لَيُصْبِحُنَّ: اس لیے فرمایا کہ اکثر عذاب صبح کے اوقات میں آئے ہیں: نٰدِمِيْنَ: کفر پر ندامت ہے ندامت بھی توبہ ہے مگر عذاب کے آنے کے وقت یہ قبول نہیں ہوتی ہے جیسے اس میں اگر قوم عاد مراد ہو تو پھر اس پر آندھی کے ساتھ چیخ کا بھی عذاب آیا ہے جیسا کہ تفسیر قرطبی اور ابن کثیر نے لکھا ہے: بِالْحَقِّ: عذاب مراد ہے یا عذاب کا مستحق ہونا مراد ہے غُثَاۗءً: وہ کوڑا کرکٹ جو سیلاب کے اوپر تیرتا ہوا آتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"پھر ان کے بعد ہم نے اور امتیں پیدا کیں[42]۔کوئی امت نہ اپنے معین وقت سے پہلے جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کے بعد ٹھہر سکتی ہے[43]۔پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے جب بھی کسی قوم کو ان کا پیغمبر آتا تو اسے جھٹلاتے لہذا ہم نے بھی ایک کے بعد ایک کا سلسلہ (ہلاک کرنے کا) باندھ رکھا اور ہم نے ان کو عبرت کے قصے بنا دیے اس قوم کیلئے ہلاکت ہے جو ایمان نہیں لاتی"[44]۔

تفسیر 42، 43، 44 یہ دلیل نقلی اجمالی ہے اور اس میں وہ اقوام اور ان کے انبیاء کرام علیہم السلام مراد ہیں جو عادیوں سے فرعون تک پے در پے آئے ہیں: تَتْرَا: متابعۃ پے در پے مراد ہے۔احادیث سے مراد عبرت کے واقعات ہیں یہ لفظ اکثر شر اور عذاب میں استعمال ہوا ہے: قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ: یہ تمام اقوام کا مشترکہ عیب اور عمل قبیح ہے عادیوں میں ظلم کی

کثرت تھی۔ اس لئے آیت 41 میں :ظَالِمِیْنَ: لفظ استعمال ہوا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

"پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی ہارون علیہ السلام کو واضح نشانیوں دیکر بھیجا[45]۔فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس تو انہوں نے گھمنڈ کا مظاہرہ کیا وہ بڑے تکبر والے لوگ تھے[46]۔لہٰذا کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلامی کر رہی ہے[47]۔آخرکار انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا اور وہ بھی ان لوگوں میں جا شامل ہوئے جنہیں ہلاک کیا گیا تھا"[48]۔

تفسیر 45، 46، 47، 48 یہ اور دلیل نقلی ہے :فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ: اس میں :اِسْتَكْبَرُوْا: کا بیان ذکر ہوا ہے :وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ: اس میں :عَالِيْنَ: کی وضاحت کی گئی ہے :عٰبِدُوْنَ: سے خدمتگار مراد ہیں کیونکہ فرعون نے بنی اسرائیل کو خدمتگار غلام بنالیا تھا۔جیسا کہ سورۃ شعراء میں یہ لفظ ذکر ہوا ہے کہ :اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ فَاسْتَكْبَرُوْا: اس میں (ف) برائے عطف ہے :فَقَالُوْۤا (فا) برائے تفسیر ہے اور :فَكَذَّبُوْهُمَا: اور :فَقَالُوْا: میں (فا) برائے سبب ہے یعنی تکبر جھٹلانے کا سبب بنا اور جھٹلانا ہلاکت کیلئے سبب بن گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ
وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع

"اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب عطاء کی تا کہ ان سے لوگ رہنمائی حاصل کریں[49]۔اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان دونوں کو ایک اونچی بلندی پر پناہ دی جو پرسکون جگہ تھی اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا"[50]۔

تفسیر 49 تورات کو صرف موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اس لئے اس آیت میں اس کا خاص ذکر کیا ہے اور یہ فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے دی گئی تھی۔

تفسیر 50 یہ بھی عیسیٰ و مریم علیہما السلام سے دلیل نقلی ہے کہ وہ برکات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تھے :اٰيَةً: اس کو مفرد ذکر کیا

ہے تو مراد عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا ہے لہٰذا یہ صرف ایک نشانی تصور ہوگی یا: آيَةً: مفرد ہے مگر جنس مراد ہے تو پھر عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے سارے حالات کی طرف اشارہ ہے: رَبْوَةٍ: ہر اس زمین کو کہا جاتا ہے جو زرخیز اور باقی زمین کی سطح سے بلند ہو اور: قَرَارٍ: سے مراد یہ ہے کہ اس میں رہائش اختیار کرنے کے تمام اسباب موجود ہوں اور: مَعِيْنٍ: سے مراد چشمے جس میں پانی میسر ہو سیراب ہوا اس میں مختلف اقوال ہیں کہ اس سے مراد رملہ، بیت المقدس یا دمشق ہے اور اس میں سبب یہ تھا کہ یہودی ظالم بادشاہ نے عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے قتل کا ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اپنی حفاظت کیلئے ہجرت کی تھی۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

"(اور ہم نے کہا) اے رسولوں (کی جماعت) پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو اور یقیناً تم جو کچھ کرتے ہو مجھے اس کا پورا پورا علم ہے" [51]۔

خلاصہ: اس آیت سے تیسرا باب ہے آیت 77 تک اس میں دلیل نقلی اجمالی تمام رسولوں سے نقل کی گئی ہے پھر لوگوں کے اختلاف پر زجر ہے پھر مشرکین کے چودہ قبیح عادتوں پر زواجر ہیں درمیان میں ایمان والوں کی (7) صفات اور باب کے آخر میں دو آیاتوں میں تخویف دنیاوی ہے۔

تفسیر 51 اس آیت میں بہتر توجیہہ یہ ہے کہ یہ حکم تمام رسولوں کو اپنے اپنے دور میں دیا گیا تھا اور یہاں پر: قُلْنَا: مقدر ہے چونکہ گزشتہ آیت میں نبیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذکر ہوا تو اس آیت میں اس مدد کے سبب کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ تمام انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے محکوم بندے ہیں لہٰذا وہ برکات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج تو ہیں مگر اس کے ساتھ برکات میں شریک نہیں ہیں: طَيِّبَاتِ: وہ پاک کھانا اور دیگر کھانے کی چیزیں مراد ہیں جو شرک اور حرمت کے شبہات سے پاک ہوں اور پاک کھانا پینا قبولیت اعمال کے لئے سبب ہے اس لئے اس کو پہلے ذکر کیا ہے اور عمل صالح وہ عمل ہے جو وحی کے موافق ہو۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

"اور یقیناً یہ تمہارا دین سب کیلئے ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو" [52]۔

تفسیر 52 اس میں دلیل ہے کہ حلال چیزوں کا کھانا اور وحی کے موافق عمل کرنا تمام نبیوں کا اتفاقی دین ہے: فَاتَّقُوْنِ: یعنی

حرام کھانوں اور خلاف شرع اعمال سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ سورۃ انبیاء، آیت 92 میں اس طرح گزر چکا ہے اس سورۃ میں انبیاء کی عبادتوں اور دعاؤں کا ذکر تھا اس لئے اس امت سے فرمایا کہ: فَاعْبُدُوْنِ: اور اس آیت میں تقویٰ ذکر کیا کہ حرام سے اپنے آپ کو بچاؤ جو کہ سابقہ آیت سے مناسبت بھی ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

"پس انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر ایک گروہ اپنے خیال میں جو طریقہ اپنا چکا ہے اس پر مگن ہے"[53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں گروہ بندی پر زجر ہے جو نبیوں کے دین سے انحراف کا سبب ہے چونکہ دعا اور عبادات میں اختلاف بعد میں آیا اور بہت زیادہ تفرق نہیں تھا اس لئے سورۃ انبیاء میں: وَتَقَطَّعُوْٓا: واؤ کے ساتھ ذکر کیا تھا اور: زُبُرًا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ جبکہ کھانوں اور اعمال میں اختلاف جلدی پیدا ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے بہت فرقے بن گئے تھے اس لئے آیت کی شروع میں: فَتَقَطَّعُوْٓا: (ف) ذکر کیا اور: زُبُرًا: بھی: كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ ہر جماعت اپنے عمل اور طریقے کو دین مانتی ہے اور اسے ذریعہ ثواب سمجھتی ہے، اگرچہ وہ انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے خلاف ہو جیسا کہ اہل بدعت کی جماعتیں۔ سورۃ انبیاء میں صرف مخالفت کا ذکر کیا تھا اگرچہ انہوں نے ان طریقوں کو اجر و ثواب کا ذریعہ نہیں کہا تھا اور وہاں تخویف کیلئے: وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ: فرمایا تھا۔

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

"لہذا ان کو ایک خاص وقت تک ان کی گمراہی میں مہلت دو"[54]۔

تفسیر 54 اس آیت سے منکرین کے چودہ (14) حالات بیان کئے جا رہے ہیں۔ اس آیت میں ان کی غفلت اور گمراہی کا ذکر ہے کہ دین کو ٹکڑے کرنے کے بعد بے پرواہ ہو کر غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں: فَذَرْهُمْ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان کی مہلت اور عذاب آنے کی تاخیر سے پریشان مت ہونا۔

اَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّبَنِيۡنَ ۙ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِى الۡخَيۡرٰتِ‌ ؕ بَلْ لَّا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۵۶﴾

"کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ ہم ان کو جو دولت اور اولاد سے نوازر ہے ہیں [55]۔ان کو بھلائی پہنچانے میں جلدی دکھارہے ہیں؟ نہیں بلکہ ان کو حقیقت کا شعور نہیں ہے" [56]۔

تفسیر 55، 56 ان آیتوں میں منکرین کی دو حالتوں کا ذکر ہوا ہے (1) خیر کا گمان (2) بے شعوری یعنی ہم ان کی اولاد اور مالوں میں ترقی پیدا کرتے رہتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہے جو ظاہر ہو رہا ہے یا ان کے اچھے حالات کیلئے اسباب ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو استدراج ہے یعنی عذاب میں بتدریج پکڑنے کا طریقہ ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 178 میں گزرا ہے: نُسَارِعُ لَهُمۡ : اس سے مراد جلدی دینا ہے یعنی دنیا کی جزاء اور بدلہ ہے: فِى الۡخَيۡرٰتِ: اس میں (فِى) اجلیہ ہے یعنی ان کے نیک اعمال کے بدلہ میں دی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ خَشۡيَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۵۷﴾

"یقیناً وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف کی وجہ سے اس سے محبت کرتے ہیں" [57]۔

تفسیر 57 اس آیت میں بطور تقابل ایمان والوں کی صفات کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ سات صفات ہیں اور سورۃ کے شروع میں سات صفتوں کا ذکر ہوا ہے جو کل چودہ (14) ہیں یہ سب خیرات ہے یعنی نیکیوں کیلئے سبب ہے اور یہ خوشخبری ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے نبیوں کے لائے ہوئے دین سے انحراف نہیں کیا ہے: خَشۡيَةِ: حالات باطنی (دل) کا حال ہے جبکہ (اشفاق): مُّشۡفِقُوۡنَ: ظاہری حال ہے یعنی خوف کی کیفیت ظاہر پر نمودار ہو جائے اور دل بھی نرم ہو جائے یہ دو صفات ہیں اور ان دونوں میں عقیدے کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِرَبِّهِمۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ ۙ﴿۵۹﴾

"اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں [58]۔اور جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے ہیں" [59]۔

تفسیر 58، 59 اس میں دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے چونکہ آیاتوں پر ایمان لانا شرک سے بچنے کا سبب ہے تو اسی وجہ سے آیاتوں پر ایمان لانے کو شرک نہ کرنے پر مقدم کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾

"اور وہ لوگ جو دیتے ہیں تو دیتے ہوئے بھی ان کو خوف لاحق ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس جائیں گے [60]۔ یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور ان نیکیوں کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہیں" [61]۔

تفسیر 60 ترمذی کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں نماز ادا کرتے ہیں صدقات دیتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ یہ عبادت اللہ تعالیٰ نے قبول کی ہوگی یا نہیں ترمذی کتاب التفسیر حدیث 3175 حاکم 2 / 393 احمد 6 / 159 شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے یہ ایمان کا کامل درجہ ہے، بنسبت ان لوگوں کے جو گناہ پر گناہ کرتے ہیں اور ان کو خوف الٰہی نہیں ہوتا ہے اس آیت میں ایمان والوں کی ایک اور صفت کا ذکر ہوا ہے کہ عقیدہ توحید عمل صالح اور عقیدہ قیامت رکھتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر 61 اس آیت میں دو صفتوں کا ذکر ہوا ہے: يُسَارِعُوْنَ: سے مراد اَهَمَّ فَالْاَهَمَّ: کام کو مقدم کرنا اور یہ عجلت کے مقابل ہے باب مفاعلہ یہ مبالغہ کیلئے ہے: لَهَا: میں لام: اِلٰى: کے معنیٰ میں ہے یا پھر لام اجلیہ ہے تو مراد یہ ہے کہ یہ نیکیوں کی وجہ سے درجات کی طرف یا جنت کی طرف سبقت کرتے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

"اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق بول دے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا" [62]۔

تفسیر 62 پہلے جملے میں یہ سوال ہوا کہ گزشتہ صفات حاصل کرنا مشکل کام ہے جو انسان کے بس میں نہیں ہے جواب ہوا کہ یہ انسان کی طاقت سے باہر نہیں ہے اور دوسرے تیسرے جملے میں تسلی دی گئی ہے کہ انسانوں کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کریگا کیونکہ وہ ملائک کے صحیفوں میں محفوظ اور درج ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾

"لیکن ان کے دل اس بات سے غفلت میں ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے اعمال ہیں جن کو وہ کرتے رہتے ہیں [63]۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے دولت مند لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو وہ ایک دم بلبلا اٹھیں گے" [64]۔

تفسیر 63 اس مقام سے پھر منکرین کی صفات کا ذکر ہو رہا ہے جو معنی میں: بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ: کے ساتھ متصل ہے اور: غَمْرَةٍ غفلت کے معنی میں ہے اور هٰذَا میں ایمان والوں کی صفات کی طرف یا اعمال نامہ کی طرف اشارہ ہے: وَلَهُمْ اَعْمَالٌ یعنی کفر شرک کے علاوہ ان کی بدعات رسم ورواج اور دیگر فجور بھی ہیں یا مراد یہ ہے کہ مؤمنین کے اعمال کے خلاف اعمال کرتے ہیں۔

تفسیر 64 یہ تخویف دنیاوی ہے: حَتّٰی عٰمِلُوْنَ: کے ساتھ متعلق ہے اور: مُتْرَفِیْهِمْ: میں ان کی عیش پرستی اور سرمایہ داری کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

" آج بلبلاؤ نہیں ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی [65]۔ ہماری آیتیں تمہیں پڑھائی جاتی تھیں تو تم الٹے پاؤں مڑ جاتے تھے" [66]۔

تفسیر 65 یہ ان سے ملائکہ کہیں گے حالت نزع میں یا زبان حال سے خود ہی کہیں گے یا پھر جملہ خبریہ کے معنی میں ہے یعنی اس چیخ و پکار کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا: مِنَّا: یعنی ہماری طرف سے تمہیں کوئی امداد نہیں دی جائے گی یا ہمارے عذاب سے تم بچ نہیں سکو گے۔

تفسیر 66: اس میں عذاب کا سبب اور منکرین کے تفصیلی احوال کا ذکر ہے۔

مُسْتَكْبِرِیْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

"تکبر کرتے ہوئے (قرآن) سے رات کو افسانہ گوئی کرتے تم بے ہودہ باتیں کرتے تھے" [67]۔

تفسیر 67 اس میں منکرین کی تین حالتوں کا ذکر ہوا ہے: مُسْتَكْبِرِیْنَ: مراد یہ ہے کہ تکبر کرتے ہیں حرم کی وجہ سے

اور قرآن کریم مکہ میں اور ان کی قوم پر نازل ہونے کی وجہ سے یا مراد یہ ہے قرآن سے تکبر کرتے تھے اس سے خود کو بلند سمجھتے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے (با) سببیہ ہے اور (ہ) ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے دوسرے معنی کے اعتبار سے (با) عن: کے معنی میں ہے اور ضمیر (ہ) قرآن اور رسول کی طرف راجع ہے: سَامِرًا: جمع کے معنی میں ہے یعنی قرآن نہیں سنتے اور عشاء کے وقت قصہ گوئی کیلئے مجالس بنا کرتے ہیں۔ یہ مشرکین کی عادت تھی اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز عشاء دین کی باتوں اور اپنے اہل سے گفتگو کے علاوہ باتوں سے منع فرمایا ہے اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعد نماز عشاء باتوں پر سزا دیتے تھے یا سَامِرًا: مفرد معنی میں ہے یعنی تقدیری عبارت اس طرح ہے :تَظُنُّوْنَ بِهٖ سَامِرًا: یعنی اس نبی اور قرآن پر قصہ گو ہونے کا گمان کرتے ہو: تَهْجُرُوْنَ: یہ ہجر ان سے لیا گیا ہے یعنی قرآن اور رسول کو چھوڑ جاتے ہو یا ہجر سے لیا گیا ہے یعنی بے فائدے (بکواس) باتیں کرتے ہو اور یہ جملہ حالیہ ہے۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

"کیا وہ کلام پر غور نہیں کرتے ہیں بلکہ ان کے پاس تو وہ چیز آگئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی [68]۔ یا یہ اپنے پیغمبر کو (پہلے سے) جانتے ہی نہیں ہیں اس وجہ سے انکار کرتے ہیں" [69]۔

تفسیر 68: اس آیت میں زجر ہے اور ان منکرین کی دو حصلتوں کا ذکر ہے قول سے قرآن مجید مراد ہے اس طرح سورۃ نساء آیت 82 اور سورۃ محمد آیت 24 میں بھی ہے اس میں ان لوگوں کیلئے زجر ہے جو قرآن کے ختم تو کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو غافل رکھتے ہیں قرآن کو سمجھ کر نہیں پڑھتے :اَمْ جَآءَهُمْ: یہ بھی زجر ہے یعنی ان کے پاس عجیب مسئلہ آیا ہے جو کہ توحید ہے لہٰذا وہ اس لئے انکار کرتے ہیں جیسا کہ سورۃ "ص" میں بھی ہے۔

تفسیر 69: اس میں زجر ہے اور منکرین کی ایک صفت کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ عناد سے کام لیتے ہیں ورنہ ان کو اس نبی کی (صدق) سچائی امانتداری پہلے سے معلوم تھی لیکن ضد کی وجہ سے نہیں مانتے ہیں: اَمْ: استفہام انکاری ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝

"یا یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کو جنون ہو گیا ہے؟ نہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ان کے پاس حق لیکر آئے ہیں اور اکثر لوگ حق پسند نہیں کرتے ہیں" [70]۔

تفسیر 70 اس میں زجر کے ساتھ انکار کرنے والوں کی دو صفات کا ذکر ہے۔ (1) جنون کی نسبت نبی کی طرف کرتے

ہیں۔(2)تقلید اور حسد کی وجہ سے حق سے اعراض کرتے ہیں اور اس کو برا جانتے ہیں۔تفسیر قرطبی میں بھی اس طرح ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنٰهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٧١﴾

"اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہوجاتا تو آسمان وزمین اور جو ان میں بسنے والے ہیں سب کے سب برباد ہوجاتے بلکہ ہم ان کیلئے نصیحت لیکر آئے ہیں پس وہ اپنی نصیحت سے اعراض کئے ہوئے ہیں" [71]۔

تفسیر71اس آیت میں بھی زجر دلیل کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خواہشات سے معبود بنا رکھے ہیں اگر انہیں حق قرار دیا جائے اور جو بدعات اور خرافات انہوں نے گھڑ رکھی ہیں ان کو دین قرار دیا جائے تو سارا عالم تباہ وبرباد ہوجائیگا اس لئے کہ شرک وبدعت فساد عالم کیلئے سبب ہے جیسا کہ سورۃ انبیآء آیت 24 میں مذکور ہے اور اس سورۃ میں ان کی ایک صفت ذکر ہوئی ہے یعنی توحید (حق) سے اعراض کرنے والے ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿٧٢﴾

"یا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں (اس لئے وہ انکار کرتے ہیں) پس آپ کے رب کا معاوضہ کئی گنا زیادہ (اور بہتر ہے) اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے" [72]۔

تفسیر72اس آیت میں ایک وہم کا جواب ہے یعنی اگر کہا جائے کہ ہوسکتا ہے لوگ اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ پیغمبر کی طرف سے رکاوٹ ہوگی معاوضہ مزدوری طلب کرنا وغیرہ؟ تو جواب دیا گیا کہ اس نبی نے ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا ہے خرج اور خراج میں فرق یہ ہے کہ خرج اس اجرت کو کہتے ہیں جو پہلے سے طے ہو اور خراج وہ رقم وغیرہ ہے جو بطور بخشش ملتی ہے اس لئے اللہ تعالی کی طرف نسبت خراج کی گئی ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرٰطِ لَنٰكِبُونَ ﴿٧٤﴾

"اور یقیناً آپ ان کو سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں [73]۔اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ لوگ ہدایت سے منہ موڑنے والے ہیں" [74]۔

تفسیر73اس آیت میں بھی ایک اور وہم کا جواب ہے اگر کہا جائے کہ اس نبی کی دعوت کا مقصد درست نہیں ہوگا اس

لئے لوگ اس کی بات نہیں مانتے ؟۔ جواب دیا گیا مقصد ان کا بالکل درست ہے اور اس آیت میں صدق رسول ذکر ہوا۔

تفسیر 74 اس آیت میں بھی زجر ہے اور ان کی آخری (قبیح) بری صفت کا ذکر ہوا ہے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں البتہ ان ہی کی طرف سے رکاوٹ ہے اس آیت میں اشارہ ہے کہ آخرت کا انکار صراط مستقیم سے اعراض کا سبب ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ۝

"اگر ہم ان پر رحم کرے اور اس تکلیف کو دور کریں جس میں وہ مبتلا ہیں تب وہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی پر سرگردان اڑے رہیں گے" [75]۔ یقیناً ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تھا تب بھی یہ اپنے رب کے سامنے نہ جھکے اور عاجزی تو یہ لوگ کرتے ہی نہیں" [76]۔

تفسیر 75، 76 زواجر کے بعد تخویف دنیاوی ہے، جو مکہ والوں پر قحط بھوک کی صورت میں تھا لیکن پھر بھی شرک سے باز نہیں آئے بلکہ عذاب چلے جانے کے بعد سرکشی میں خوب بڑھ گئے: لَلَجُّوْا: یہ لفظ لجاج سے لیا گیا ہے یعنی ضد و عناد کی وجہ سے مخالفت میں مبتلا ہیں۔ فائدہ: اَسْتَكَانُتْ: خاص عذاب کے وقت استعمال ہوتا ہے یعنی توبہ کرتے لہٰذا اس کو صیغہ ماضی کے ساتھ ذکر کیا گیا جبکہ تضرع ہر وقت مطلوب ہوتا ہے یعنی عذاب کے بعد عاجزی ہونی چاہئے اور توحید کو قبول کرنا چاہئے تو اس کو صیغہ مستقبل سے ذکر کیا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ۝ ع

"یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب والا دروازہ کھول دینگے تو یہ ایک دم مایوس ہوکر رہ جائینگے" [77]۔

تفسیر 77 یہ بھی تخویف دنیاوی یا اخروی ہے اس لئے کہ عذاب سے مراد دنیوی عذاب ہے جیسا کہ واقعہ بدر یا فتح مکہ ہے۔ اور: بَابًا: سے عذاب کی ایک قسم مراد ہے یا عذاب سے جہنم مراد ہے اور بَابًا: سے جہنم کا دروازہ مراد ہے کہ جب جہنم میں پہنچ جائیں گے تو ان کے لئے جہنم کا دروازہ کھول دیا جائیگا۔ جیسا کہ سورۃ زمر آیت 71 میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۝

"اور اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے کان آنکھیں اور دل پیدا کئے تم لوگ بہت کم شکرادا کرتے ہو" [78]۔

خلاصہ: یہاں سے سورۃ کے آخر تک چوتھا باب ہے اس میں چھ عقلی دلائل ہیں تین ان میں محض (بغیر اقرار کے) ہیں پھر آخرت کے انکار پر زجر ہے پھر تین دلائل اعترافی ہیں یعنی جن کا انہوں نے اقرار کیا ہے جو توحید اور قیامت کے اثبات کے لئے ہے۔ پھر مشرکین کا رد ہے پھر داعیوں کے لئے تین آداب بیان کئے گئے ہیں اور ساتھ تخویف دنیاوی بھی ہے پھر حالات کے ذریعے تخویف برزخی ہے اور خوشخبری مختصر طور پر دی گئی ہے اور عذاب آخرت کے سات (7) حالات کا ذکر ہیں اور اس کے ساتھ (7) اسباب مذکور ہیں پھر توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور اختتام دعاء پر کیا گیا ہے۔

تفسیر 78 اس آیت میں دلیل عقلی ہے تھوڑا شکر کرنے سے مراد نعمتوں کا اقرار اور شرک کا ارتکاب ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

"اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور تمہیں اس کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائیگا [79]۔ اور وہی ہے جو زندگی اور موت دیتا ہے اور اسی کے قبضہ میں دن اور رات کی تبدیلیاں ہیں تم پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے ہو" [80]۔

تفسیر 79 یہ بھی دلیل عقلی ہے اور اس طرح سورۃ ملک آیت 23 اور 24 میں بھی ہے۔

تفسیر 80 اس آیت میں بھی ایک اور دلیل عقلی ہے اور حالات کے انقلابات کا ذکر ہے یعنی رات اور دن کا اختلاف روشنی اور اندھیرے کے ذریعے، اور اسی طرح رات اور دن کے اوقات کو کم زیادہ کر کے اور رات اور دن کا آنا جانا مراد ہے احیاء اور اماتت ہر وقت نیا ہوتا ہے تو اس کو فعل مضارع سے ذکر کیا جبکہ رات اور دن کی تبدیلی ہمیشہ جاری رہتی ہے تو اس کو اسم سے ذکر کیا ہے۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

"بلکہ یہ لوگ سابقہ لوگوں کی طرح باتیں کرتے ہیں [81]۔ کہتے ہیں کہ جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیوں میں تبدیل ہو جائینگے تو کیا حقیقت میں ہمیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائیگا [82]۔ یہ وہ یقین دہانی ہے جو یقیناً ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئی تھی اس کی کوئی حقیقت نہیں سوائے اس کے کہ یہ پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں" [83]۔

تفسیر 81، 82، 83 ان آیتوں میں بعث بعد الموت کے انکار پر زجر ہے لیکن پہلے اثبات آخرت کی دلائل اور قدرت الٰہی ذکر ہوئی ہے اور: اَوَّلُوْنَ: میں آیت 35 پر حوالہ دیا گیا ہے اور اس قسم کی آیتیں سورۃ نحل آیت 27 اور 68 اور وہاں فرق بھی ذکر ہوا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ

السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ

شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

"اے نبی آپ فرما دیجئے کہ کس کے اختیار میں ہے یہ ساری زمین اور اس کے بسنے والے؟ اگر تم جانتے ہو تو بتا دو [84]۔ وہ ضرور کہیں گے کہ رب کے اختیار میں ہے تو آپ فرما دیجئے کہ پھر تم کیوں نصیحت قبول نہیں کرتے ہو؟ [85]۔ تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا [86]۔ فرما دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے فرما دیجئے کہ کیا پھر بھی تم اللہ سے ڈرتے نہیں [87]۔ فرما دیجئے کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اختیار ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ اگر تم جانتے ہو تو بتا دو [88]۔ وہ ضرور کہیں گے سارا اختیار اللہ کا ہے فرما دیجئے پھر کہاں سے تم پر جادو چل جاتا ہے" [89]۔

تفسیر 84 تا 89 ان آیتوں میں دلائل عقلیہ اعترافیہ ہیں یعنی مشرکین کا اقرار ان آیتوں میں نقل کیا گیا ہے اور توحید کو ثابت کیا گیا ہے اور اس طرح بعث بعد الموت کا عقیدہ ذکر ہے اس میں بہترین ترتیب ہے کیونکہ پہلے زمین اور زمین کے رہنے والوں کے متعلق سوال ہوا ہے پھر اوپر سات (7) آسمانوں کے متعلق سوال ہوا ہے پھر اس سے بھی اوپر عرش سے

متعلق سوال ہوا ہے پھران سب کوشامل اورمشترک صفت باوشاہت اورتصرف کا ذکر کیا گیا ہے نیز ان تمام صفتوں میں اللہ تعالیٰ کیلئے تصرفات اوراختیارات کوثابت کیا گیا ہے فائدہ 1: پہلے کے ساتھ :تَذَکَّرُوْا: فرمایا ہےاس لئے کہ زمین قریب ہےاس سے نصیحت جلدی حاصل ہوتی ہے آسمانوں اورعرش کے ساتھ تقویٰ ذکر کیا ہےاس لئے کہ آسمان اورعرش اللہ تعالیٰ کی عظمت وہیبت شان پر دلالت کرتے ہیں تواس کے ساتھ تقویٰ مناسب ہے۔تیسرے میں :تُسْحَرُوْنَ: اس کوتعجب کے ساتھ ذکرکیا ہےیعنی بادشاہت اورمصیبتوں سے پناہ دینااورتمام مخلوق کااللہ تعالیٰ کے مقابلے سے عاجز ہونا،ایک شخص یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ماننے اورپھراللہ کے ساتھ کسی کوشریک بھی بنائےتوایسا شخص مجنون اور پاگل ہوسکتا ہے۔ فائدہ 2: دوسری دلیل میں رب کا معنی متصرف ہےتومراد یہ ہواکہ آسمانوں اورزمین کاتصرف اختیارات کس کے ہیں؟توجواب :لِلّٰهِ: میں لام کے ساتھ ذکرہواکہ صرف اللہ ہی کے ہیں۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

"(یہ افسانے نہیں ہیں) بلکہ ہم نے ان کوحق بات پہنچادی ہے اور یقیناوہ لوگ جھوٹے ہیں"[90]۔نہ تواللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہےاورنہ ہی اس کے ساتھ کوئی معبود ہے اگرایسا ہوتا توہر معبود لے جاتاہراس چیز کوجواس نے پیدا کی ہےاورپھرایک دوسرے کے اوپر چڑھائی کرتے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک ہے جویہ لوگ اس کے لئے بناتے پھرتے ہیں"[91]۔

تفسیر90، 91اس آیت میں زجر ہے کہ قرآن توحید ثابت کرنے اورقیامت ثابت کرنے کی یقینی اورحقیقی وحی پر مبنی کتاب ہےلہٰذا یہ لوگ جواللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا بناتے ہیں اوربعث بعد الموت کاانکار کرتے ہیں یہ جھوٹ ہے۔یہ اس حق کابیان وتشریح ہے جوسابقہ آیت میں ذکرہوااوراتخاذ ولد کے عقیدہ کارد ہےیعنی:اس شریک کارد ہےاوراس شریک کابھی رد ہےجس کواللہ تعالیٰ کے ساتھ اختیارات اورالوہیت میں برابریاحصہ دار بناتے ہیں حاصل اس دلیل کا یہ ہے کہ الٰہ مستقل اور بااختیار ذات کوکہا جاتا ہے اگرکسی اورکومستقل اختیاروالا مانا جائے تولازم ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہوگا پھروہ اپنی مخلوق کودوسرے کی مخلوق سے الگ کریگا کہ اس میں وہ مستقل اپنے اختیارات چلاسکےاس وقت وہ دوسرے الٰہ کے حصہ پربھی تسلط ہونے کی کوشش کرے گااوراس کے ساتھ جھگڑے گا کیونکہ ایک الٰہ دوسرے الٰہ کاتسلط نہیں مانتا اگرمان لےتواس کی الوہیت میں نقصان آئے گااورجب ایک دوسرے پرغالب آئے گا تومغلوب الٰہ نہیں ہوسکے گا۔لہٰذا غالب

ہونے کے لئے پہلے کے ساتھ جھگڑا جاری رہتا۔ یہ دلیل یقینی قطعی ہے جس کی تفصیل سورۃ انبیاء آیت 22 میں گزری ہے: عَمَّا يَصِفُوْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ ولد کی نسبت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی نسبت کیونکہ یہ صفات ہیں اس لئے: يَصِفُوْنَ: فرمایا۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾

"وہ اللہ جس کو تمام کھلی اور چھپی باتوں کا علم ہے لہٰذا وہ ان کے شرک سے بہت بلند و بالا ہے" [92]۔

تفسیر 92 سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا متصرف ہونا دلائل سے ثابت کیا گیا تو اس آیت میں ان کی صفت علم ذکر ہو رہی ہے اور اس دلیل پر تفریع کی گئی ہے تسبیح صفات سے متعلق ہے اور ملفوظات سے متعلق ہے اس لئے پہلے کے ساتھ: يَصِفُوْنَ: فرمایا ہے اور دوسرے کے ساتھ: يُشْرِكُوْنَ: فرمایا ہے۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

"اے نبی دعا کیجئے کہ اے اللہ جس عذاب کی دھمکی ان لوگوں کو دی جارہی ہے اگر اس کو میری آنکھوں کے سامنے لے آئے [93]۔ تو میرے رب مجھے ان لوگوں میں شامل نہ کیجئے گا" [94]۔

تفسیر 93، 94 ان آیتوں میں مشرکین کیلئے دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے اور دعوت دینے والے کیلئے دعاء کرنے کا ایک ادب ذکر ہوا ہے: تُرِيَنِّيْ: یعنی میری حیات میں ظالموں پر عذاب لادے: فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ اس میں مراد یہ ہے کہ مجھے ان کے عذاب کے اسباب سے بچائے رکھنا جو کہ شرک اور ظلم ہے۔ جامع ترمذی کی حدیث میں بھی ایسی دعاء کا ذکر ہے: وَاِذَا اَرَدْتَّ فِي النَّاسِ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ: یعنی جب تو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے ان فتنوں سے محفوظ کر کے اٹھا۔ ترمذی (وقال حسن صحیح ونقل عن البخاری صحتہ مسلسلۃ اَلصَّحِيْحَةُ 3169 ارواء الغلیل 1684)۔

وَإِنَّا عَلَىٰٓ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَٰدِرُونَ ﴿٩٥﴾ ٱدْفَعْ بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ٱلسَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾

"اور یقیناً اس بات پر ہم قادر ہیں کہ جس چیز کی ہم انہیں دھمکی دے رہے ہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے ہم لا دکھائیں[95]۔ برائی کو آپ ایسے طریقے سے ہٹاتے رہیں جو بہترین ہو ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں جو وہ بناتے ہیں" [96]۔

تفسیر 95 اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے کہ تمہاری زندگی میں ہم مخالفین حق پر عذاب لانے کی قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر 96 داعی کیلئے اس آیت میں دوسرا علمی ادب بیان کیا گیا ہے: اَلَّتِيْ اَحْسَنُ: اس سے توحید وسنت کی دعوت مراد ہے اور: اَلسَّيِّئَةُ: سے شرک وبدعات اور دیگر گناہ مرادہیں اور: اَلَّتِيْ اَحْسَنُ: اچھے اخلاق یعنی صبر تحمل عفو درگزر مراد ہے اور: اَلسَّيِّئَةُ: سے مخالفین کی جانب سے گالی گلوچ ظلم ستم وغیرہ مراد ہے: اَلَّتِيْ اَحْسَنُ: سے وہ دعا مراد ہے جو سابقہ آیت میں گزر چکی ہے: سَيِّئَةَ: سے عذاب مراد ہے جیسا کہ سورۃ رعد آیت 22 میں گزرا ہے اور سورۃ قصص آیت 54 اور حم سجدہ آیت 34 میں بھی۔

وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَٰتِ ٱلشَّيَٰطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾

"اور دعا کریں کہ میرے رب میں تجھ سے شیطان کے وسوسے سے پناہ مانگتا ہوں[97]۔ اور آپ فرمادیجئے کہ میرے رب میں ان کے قریب آنے سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں" [98]۔

تفسیر 97، 98 ان آیتوں میں تیسرا ادب ہے جو کہ بطریقہ دعا ہے اور: هَمَزَاتِ: سے شیطانوں کے وسوسے مراد ہیں یعنی دعوت دینے والے کیخلاف ان کے دلوں میں خیالات پیدا کرتے ہیں کہ ان کی دعوت قبول مت کرنا: أَنْ يَحْضُرُوْنَ اس میں شیطان کی حاضری داعی کے پاس ذکر ہوئی تاکہ اس کے دل میں ریاء، تکبر غضب وغیرہ پیدا کرے اور اس کی دعوت کو نقصان پہنچائے۔

حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَحَدَهُمُ ٱلْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ٱرْجِعُونِ ﴿٩٩﴾

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آگئی ہوگی تو وہ کہے گا کہ میرے رب مجھے واپس بھیج دیجئے" [99]۔

تفسیر 99 اس آیت کا تعلق آیت 90 سے ہے اور یہ تخویف ہے یعنی یہ لوگ موت کفر وشرک میں پڑے ہوئے تھے

اور پھر موت کے وقت دنیا میں واپس ہونے کے لئے افسوس کریں گے: اِرْجِعُوْنِ: یہ جمع کا صیغہ عظمت الٰہی کیلئے ذکر کیا ہے یا تکرار کیلئے جمع ذکر کیا ہے یعنی جلدی جلدی کہتا ہے کہ مجھے واپس کرو اور اس کا یہ قول موت کے یقین آنے کے وقت ہے نیز مؤمن گنہگار کا بھی ایسا قول سورۃ منافقون آیت 10 میں بیان ہوا ہے یا پھر یہ پکار عالم برزخ میں موت کے بعد ہوگی جیسا کہ ایسی پکار سورۃ اعراف آیت 53، سورۃ ابراہیم آیت 44، سورۃ انعام آیت 27، سورۃ سجدہ آیت 12، سورۃ مؤمن آیت 11، سورۃ فاطر آیت 37، سورۃ شوریٰ آیت 44 میں ہے۔ یہ کلام بعض کا روح نکالتے وقت بعض کا قبروں سے اٹھنے کے بعد اور بعض کا قبر میں اور بعض کا اللہ کے سامنے پیشی کے وقت اور جہنم میں پیشی کے وقت ہوگا۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿100﴾

"تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں جا کر نیک اعمال کروں ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہی ہے جو زبان سے کہہ رہا ہے ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے جو اس وقت تک قائم رہے گی جب ان کو زندہ کر کے اٹھایا جائے"[100]۔

تفسیر 100 اس آیت میں واپسی کا مقصد ذکر ہو رہا ہے اور عمل صالح میں عقیدہ توحید اور اتباع سنت شامل ہے تَرَكْتُ: چھوڑ دینے اور برباد کرنے کے معنیٰ میں ہے: كَلَّا: کے ساتھ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ واپسی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے اور وہ عمل صالح کبھی بھی نہیں کر سکتے، جیسا کہ سورۃ انعام آیت 28 میں گزرا ہے اور واپس کے لئے رکاوٹ کا ذکر کیا جو کہ برزخ ہے اور برزخ اصل میں مانع اور پردے کو کہا جاتا ہے اور وہ وقت جو موت سے شروع ہو کر دوبارہ زندہ ہونے تک ہے اسے عالم برزخ کہا جاتا ہے چاہے روح علیین میں ہو یا سجین میں اور بدن چاہے قبر میں یا کسی دوسری جگہ میں اور یہ برزخ غیر محسوس ہے جیسا کہ دو بحرین میں آڑ کو سورۃ رحمٰن آیت 20 میں برزخ کہا گیا ہے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابوصخر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ نہ تو دنیا میں ہیں اور نہ ہی آخرت میں ہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿101﴾

"پھر جب صور پھونکا جائیگا تو اس دن ان کے درمیان نہ رشتے ناطے ہونگے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا"[101]۔

تفسیر 101 اس آیت سے تخویف شروع ہو رہا ہے اور صور سے صور ثانی مراد ہے جس سے لوگ زندہ ہونگے اور بعض مفسرین نے صور اول کا بھی احتمال ظاہر کیا ہے: فَلَآ اَنْسَابَ: مراد یہ ہے کہ خاندانی نسب کوئی فائدہ نہیں دیں گے بلکہ

ایک دوسرے سے بھاگیں گے جیسا کہ سورۃ عبس آیت 35 میں ہے: وَلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ: اگر کہا جائے کہ سورۃ صافات آیت 27 میں يَتَسَاۗءَلُوْنَ: آیا ہے تو اس آیت میں کیسی نفی کی گئی؟۔ پہلا جواب: یہ ہے کہ قیامت میں حالات مختلف ہیں بعض حالات اور مقامات میں اجازت ہوگی۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس میں پہلا صور مراد ہے اور پہلے صور کے بعد سوالات نہیں ہوسکیں گے اور دوسرے صور کے بعد سوالات ہوسکیں گے یہ تفسیر امام قرطبی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ رحم وکرم کرنے کے لئے نہیں پوچھیں گے البتہ تنبیہ اور ڈانٹنے کے لئے سوال جواب ہوگا۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۳

"اس وقت جن کے اعمال بھاری نکلے تو وہی فلاح پانے والے ہونگے [102]۔ اور جن کے اعمال ہلکے نکلے تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا تھا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے" [103]۔

تفسیر 102 یہ مختصر بشارت ہے اور: مَوَازِيْنُ: سے اعمال مراد ہیں ثقل سے مراد یہ ہے کہ وہ اعمال جو قرآن وسنت کے موافق نکلے تو یہ وزنی ہونگے سورۃ اعراف آیت 8 میں بھی ایسا گزرا ہے۔

تفسیر 103 یہاں سے آیت 115 تک عذاب کے سات (7) حالات اور سات (7) اسباب کا ذکر ہوا ہے جن کو معلوم کرنے کیلئے فکر اور تدبر: کی ضرورت ہے۔

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ (104) أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ (105) قَالُوا رَبَّنَا
غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ (106) رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ (107) قَالَ اخْسَئُوا
فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (108) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ
الرَّاحِمِينَ (109) فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ (110) إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا
صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ (111) قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ (112) قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ (113) قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (114) أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ
إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (115)

"ان کے چہروں کو آگ جھلس ڈالے گی اور اس میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی [104]۔ (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟ اور تم ان کو جھٹلایا کرتے تھے [105]۔ وہ کہیں گے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی تھی اور ہم گمراہ لوگ تھے [106]۔ ہمارے رب ہمیں یہاں سے باہر نکال دیجئے پھر اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے [107]۔ اللہ فرمائے گا اسی دوزخ میں ذلیل ہو کر پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو [108]۔ میرے بندوں میں سے ایک جماعت یہ دعا کرتی تھی کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا [109]۔ تو تم نے ان لوگوں کا مذاق بنایا تھا یہاں تک کہ تمہیں غافل کیا ہماری توحید سے اور تم ان کی ہنسی اڑاتے رہے [110]۔ انہوں نے جس طرح صبر سے کام لیا آج ہم انہیں یہ بدلہ دے رہے ہیں کہ یہ خاص کامیاب لوگ ہیں [111]۔ پھر اللہ فرمائے گا تم زمین میں گنتی کے کتنے سال رہے ہو [112]۔ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا اس سے بھی کچھ کم رہے (ہمیں پوری طرح یاد نہیں، لہذا جنہوں نے گنتی کی ہے ان سے پوچھ لیجئے [113] اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم تھوڑی ہی مدت رہے کاش کہ تم جانتے ہوتے [114]۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم نے تمہیں ویسا ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تمہیں واپس ہمارے پاس نہیں لایا جائے گا" [115]۔

تفسیر 104 تا 115 ان آیاتوں میں عذاب کے سات احوال اور سات اسباب ذکر کیے گئے ہیں جو فکر و تدبر سے معلوم ہوں گے: کَالِحُونَ: اس بدصورتی کی تفصیل ترمذی (کتاب صفۃ جہنم حدیث 2586) میں اس طرح ذکر ہوئی ہے کہ ان

کے چہرے جہنم میں جل جائیں گے اوپر کے ہونٹ سر کے آدھے حصے میں جا پہنچیں گے اور نیچے والا ہونٹ ناف پر لٹک جائے گا اور دانت سارے نظر آئیں گے۔ (اس روایت کو شیخ شعیب ارناووط نے ضعیف کہا ہے الموسوعة 11836 شِقْوَتُنَا: اس سے مراد دنیا کی خواہشات اور دنیا کی لذتیں ہیں جو بدبختی کا سبب ہے یا تقدیری بدبختی مراد ہے: اِخْسَئُوْا اہل عرب یہ کلمہ کتوں کو بھگانے کیلئے استعمال کرتے ہیں تو اس میں اشارہ ہے کہ ان کا حال کتوں کی طرح ہوگا یا یہ کہ دنیا میں یہ لوگ موحدین کو کتوں کی طرح کاٹتے تھے، اور ان کے پیچھے بھونکتے رہتے تھے جیسا کہ بعد والی آیت میں ان کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ وہ موحدین کا مذاق اڑایا کرتے تھے: فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی صفات حسنہ سورۃ کے شروع اور درمیان میں بیان ہوئی ہیں باوجود ان اچھی صفتوں کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحم کے طالب ہیں: وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ: جیسا کہ سورۃ المطففین آیت 29 میں ہے: فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ: اس سے حساب کرنے والے مراد ہیں یا پھر: كِرَامًا كَاتِبِيْنَ مراد ہیں یعنی ہیبت اور پریشانی اتنی سخت ہوگی کہ اصلی جواب دینے سے قاصر ہو جائیں گے۔ اَفَحَسِبْتُمْ: یہ ڈانٹ بھی آخرت میں ہوگی یا پھر ابتدائی کلام ہے تو پھر اس میں منکرین توحید و قیامت کو زجر کی گئی ہے عَبَثًا سے مراد یہ ہے کہ مکلف نہ ہو کوئی حساب و کتاب اس کے ساتھ نہ ہو۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

"غرض یہ کہ بہت اونچی شان ہے اللہ تعالیٰ کی جو صحیح معنوں میں بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ عزت والے عرش کا مالک ہے" [116]۔

تفسیر 116 یہ سابقہ آیت کیلئے دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ بے فائدے عبث کام نہیں کرتا ہے یا ساری سورۃ پر تفریع ہے چونکہ سورۃ کی ابتداء میں: فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ: اور دیگر تصرفات اسی ربوبیت والوہیت کے دلائل اور اس کے ساتھ مرنے کے بعد کی زندگی کے ثبوت کو ذکر کیا تو پھر اس کا نتیجہ بیان کیا کہ اللہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اور عبث کاموں سے مبرا ہے اور چار صفات بعد میں اللہ تعالیٰ کیلئے بطور دلیل پیش کیں: اَلْكَرِيْمِ: اللہ تعالیٰ کا عرش کریم (عزت) والا ہے کیونکہ تمام نعمتیں اور رحمتیں اس کی طرف سے اترتی ہیں کریم ہے یعنی اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اور اس کی عزت کو کوئی کم نہیں کر سکتا ہے کریم خوبصورت کے معنیٰ میں بھی ہے اس آیت میں توحید کا دعویٰ ہے اللہ تعالیٰ کی علو اور بلندی کے ساتھ ساتھ توحید الوہیت و ربوبیت کا ذکر ہے۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

"اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور کو پکارے جس پر اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ کافر کامیاب نہیں ہوں گے" [117]۔

117 یہ سابقہ آیت پر رد شرک فی الدعاء کی ساتھ تفریع ہے: لَا بُرْهَانَ: یہ قید واقعی ہے یعنی شرک پر کوئی دلیل نہیں ہے: فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ: اس میں سزا کی عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ شرک کی سزا عظیم ہے اور اس کیلئے بخشش نہیں: اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ: اس میں اجمالی حساب کا ذکر ہے اس آیت میں واضح ثبوت ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو بغیر اسباب مدد کیلئے پکارنا کفر ہے اور یہ جملہ سورۃ کی ابتداء کے مقابل ہے وہاں: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ: یعنی ایمان میں کامیابی ہے کفر میں فلاح (کامیابی) نہیں ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

"اور اے نبی کہہ دو میرے رب ہماری خطائیں معاف فرما اور رحم فرما دیجئے تو رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے" [118]۔

118 اس آیت میں نبی کریم کو ان امتیوں کے لئے دعا طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے جنہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا ہو اور وہ ایمان والے ہیں جن کی صفات کا سورۃ کی ابتداء میں بیان ہیں ان کے لئے سورۃ کے آخر میں نبی کی زبان مبارک سے دعاء ذکر ہوئی ہے اور یہ دعا آیت 109 میں تمام مؤمنین سے نقل کی گئی ہے۔

[illegible]

١۔ ایمان والوں کے (14) خصوصیات یعنی صفتوں کا تذکرہ۔

٢۔ مشرکین کی (14) قباحتوں یعنی صفات کا تذکرہ۔

٣۔ اس سورۃ میں دلائل اعترافیہ مذکور ہے۔

٤۔ آخرت کے عذاب کا تفصیلی ذکر اس سورۃ میں ہے۔

٥۔ اس سورۃ میں داعی حق کے لئے آداب کا ذکر ہے۔

٦۔ اس سورۃ میں برزخ کا تذکرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس سورت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

آیاتہا ۶۴ | ۲۴ سورۃ النور مدنیۃ ۱۰۲ | رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ نور کا سابقہ سورۃ سے ربط:

ربط 1: گزشتہ سورۃ میں ایمان والوں کو مشرکین کی صفات سے منع کیا گیا تھا تو اس سورۃ میں ان کو منافقین کی صفات سے منع کیا جا رہا ہے۔ ربط 2: سابقہ سورۃ میں توحید کے مسئلہ کو دلائل نقلیہ عقلیہ کے ذریعے سے ثابت کیا گیا تھا تو اس سورۃ میں موحدین پر طعن و تشنیع سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اسی سہارے سے منافقین اہل توحید پر الزامات تہمتیں لگاتے ہیں۔ سورۃ کا مرکزی مضمون: فحاشی، عریانی اور تہمتوں کے دروازے بند کرنا ہے اور اس کے اسباب سے منع کرنا ہے اور آداب بھی تہمت لگنے کے وقت اپنانے ہیں اور تہمت لگانے والوں کے لئے بہت سے زواجر اور تخویفات کا ذکر کیا ہے اور مومنین و منافقین کی صفتوں کا فرق بیان کیا ہے تاکہ لوگ امتیاز کر سکیں اور توحید کی طرف مثالوں کے ذریعے سے اور دلائل عقلیہ سے دعوت دے نیز شرک فی التصرف فی العلم وفی العباد کا رد کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ پندرہ (15) ذکر کئے ہیں۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس سورۃ کا مقصد ستر اور پاکدامنی کے احکام بیان کرنا ہے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو لکھ کر بھیجا تھا کہ یہ سورۃ اپنی عورتوں کو سکھا دو۔ سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں پانچ ابواب ہیں پہلا باب آیت 10 تک ہے اس میں آنے والے احکام ماننے کی ترغیب ہے اور یہ سورۃ کے بنیادی مضمون کا ماخذ ہے پھر چار احکام کا ذکر ہے جو فحاشی کی بندش کے لئے سبب ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

"یہ ایک عظیم الشان سورۃ ہے جو ہم نے نازل کی ہے اور اس پر عمل فرض کیا ہے اور اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو" [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں ترغیب ہے اس سورت کی طرف چند وجوہ سے اس کی عظمت شان ذکر کر کے، (1) یہ قرآن مجید کا عظیم الشان ٹکڑا ہے (2) نازل شدہ ہے۔ (3) اس پر عمل کرنا اللہ نے فرض کیا ہے۔ (4) اس کی حکمتیں واضح اور ظاہر

ہیں۔(5)اس میں فکر وتدبر کرنے میں فائدے ہیں۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

”زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد دونوں کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہو تو ان پر اللہ کے دین کے معاملے میں نرمی وشفقت تم پر غالب نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ ایمان والوں کا ایک مجمع ان کی سزا کو کھلی آنکھوں دیکھے“[2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں بے حیائی کی اور فحاشی کی روک تھام کے لئے پہلا قانون ذکر ہوا ہے جو کہ 100 سو کوڑے لگانے ہیں، اور آیت میں ظاہرا شادی شدہ اور غیر شادی شدہ برابر ہیں (یعنی دونوں کو سو، سو کوڑے مارے جائیں گے)۔ پھر صحیح بخاری کتاب الوکالۃ حدیث 2314 صحیح مسلم کتاب الحدود حدیث 1697 ترمذی کتاب الحدود حدیث 1433 ابو داؤد کتاب الحدود حدیث 4445 ابن ماجہ 2549 حدیث میں وضاحت ہے کہ شادی شدہ کو رجم یعنی سنگسار بھی کیا جائیگا اور غیر شادی شدہ مرد کو کوڑوں کے ساتھ ایک سال کے لئے جلاوطنی بھی ہے۔ اگر چہ دونوں سزاؤں کے ایک ساتھ دینے میں علماء کا اختلاف ہے۔زانی اور زانیہ ان کو اس وقت کہا جا سکتا ہے جب ان کا زنا شہادت شرعی سے ثابت ہوا ہو: اَلزَّانِيَةُ :عورت کو اس لئے مقدم بیان کیا ہے کہ اکثر زنا کے اسباب عورت کی طرف سے شروع ہوتے ہیں۔ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں پر تہمت زنا مردوں کی بنسبت زیادہ شرمناک ہے اور سبب عیب ہے :فَاجْلِدُوْا : اس میں عام مسلمانوں کو خطاب ہوا ہے تا کہ یہ فریضہ ملکر ادا کریں یا پھر یہ خطاب مسلمان حاکموں کو ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ اسلامی خلافت قائم کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے:وَلَا تَاْخُذْكُمْ : مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے اس حکم کو نافذ کرنے میں زانی پر کسی قسم کی نرمی وشفقت نہ کرنا۔یعنی 100 سو کوڑوں سے کم کرنا یا آرام سے مارتے رہنا یا معاف کرنا وغیرہ: وَالْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا :اس میں مقصد یہ ہے کہ عام لوگ بھی عبرت حاصل کریں اور دوسرا سبب یہ ہے کہ کثیر تعداد کی موجودگی میں مجرم بھی خوب شرمندہ ہو۔لوگوں کی عبرت کے لئے یہ حکم تمام حدود وقصاص میں ہے:طَآئِفَةٌ: یہ لفظ ایک شخص سے لیکر غیر معین تعداد پر بولا جاتا ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ١ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ۝۳

"زانی نکاح نہیں کرتا ہے مگر زانی عورت سے یا مشرک عورت سے اور زنا کار عورت سے نکاح وہی کرتا ہے جو زنا کار ہی ہو یا مشرک اور یہ عمل مومنوں پر حرام کیا گیا ہے" [3]۔

تفسیر [3] اس آیت میں بے حیائی ختم کرنے کا دوسرا حکم اور قانون بیان ہو رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ بدکاروں سے نفرت پیدا کرنا ہے ان سے اور ان کے عمل سے مشرکین کی طرح قطع تعلق کرنا ہے۔ اشکال اس آیت میں دو وجوہ سے اشکال ہے۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ آیت کی ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر زانی کی بیوی زانیہ یا مشرکہ ہوتی ہے اور جملہ بھی خبریہ ہے جبکہ بہت سے بدکار لوگ ایسے ہیں جن کی بیویاں پاکدامن ہوتی ہیں اور اسی طرح بہت سی بدکار عورتیں ہوتی ہیں جن کے شوہر پاکدامن ہوتے ہیں۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ: وَحُرِّمَ ذٰلِكَ : ظاہری معنی یہ ہے کہ زنا کاروں کے ساتھ نکاح مومنوں پر حرام ہے حالانکہ علماء دین کا فتویٰ یہ ہے کہ عام آیتوں کی وجہ سے ان سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ : اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ : اور: وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ : جواب اس آیت میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں بعض مفسرین نے اس کو بعض مخصوص مومنین یعنی اصحاب صفہ کے ساتھ خاص قرار دیا ہے۔ بعض نے خاص بدکار خواتین مراد لی ہیں لیکن یہ قول کمزور ہے کیونکہ اس پر کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک آیت عام ہے بعض مفسرین کے نزدیک آیت میں نفی انکار کے معنی میں ہے اور آیت منسوخ ہے۔ بعض کے نزدیک آیت میں بدکار مرد و عورت کی عام عادت اور فطرت بیان کی گئی ہے جس کے لئے : اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ : قرینہ ہے۔ یہ نکاح چاہے عقد کے معنی میں ہو یا جماع کے معنی میں ہو درست ہے اور ذٰلِكَ میں عادت اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے یہ آخری توجیہ بہتر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ بدکاری فحاشی انتہائی برا عمل ہے اس کا اثر دونوں طرف پر یکساں ہے یعنی اس عمل کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری جانب سے بھی بدکار ہے، یعنی اگر اس عمل کو گناہ سمجھتے ہوئے کرے یا دوسری جانب سے مشرک ہے جب وہ اس عمل کو جائز سمجھے گا تو یہ دلالت ہوگی اس بات پر کہ خباثت دونوں طرف سے ہے، اور اس وجہ سے زنا کار کو اپنی بیوی کی بدکاری ناگوار نہیں گذرتی ہے اور ایسے شخص کو "دیوث" کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ بدکاروں کا آپس میں تعلق ہوتا ہے نکاح اور غیر نکاح دونوں صورتوں میں لیکن ایمان والوں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو ان سے الگ رکھیں ان کے ساتھ تعلق رکھنا حرام

ہے انہیں بدکاروں سے براءت کرنی چاہیے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہیں رکھنے چاہئیں تاکہ وہ اس خباثت سے باز آجائیں یا کم از کم پاک لوگ ان سے الگ رہ کر بچ جائیں۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کو اسی (80) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرنا اور وہ فاسق ہیں" [4]۔

تفسیر 4 معاشرے سے زنا ختم کرنے کا اس آیت میں تیسرا حکم اور قانون ذکر ہو رہا ہے جس میں زنا کے سزا کے بعد کسی پاکدامن پر تہمت زنا لگانے والے کے لیے سزا بیان ہو رہا ہے جن کو "حدِ قذف" کہا جاتا ہے اس آیت میں صفات تو عورتوں کی ذکر کی ہیں لیکن مرد اس میں شامل ہیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ :اَلْمُحْصَنَاتُ سے مراد نُفُوْسُ الْمُحْصَنَاتُ ہیں تو یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ہے ۔بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اَرْبَعَةٍ: میں (ة) دلالت کرتی ہے کہ شہداء سے مراد صرف مرد ہیں کیوں کہ زنا کے باب میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اسماء کے عدد میں جب ة آجائے تو اس کی تمیز مذکر ہوتی ہے اور ان کے لئے تین سزاؤں کا تذکرہ کیا ہے۔(1) اسی کوڑے لگانا (2) اس کی شہادت کو مردود کرنا تاکہ ان کو معاشرے سے الگ کیا جائے اس لئے کہ یہ لوگ معاشرے کے لئے سبب فساد ہے۔(3) ان کو فاسق قرار دیا جائے ، اور فاسق کے احکام مرتب ہوں گے ان پر کیوں کہ اس نے جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے اور مسلمانوں کی بے عزتی کی ہے اور یہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں اور اس آیت میں دلیل ہے کہ جو سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت کو واقعی سمجھتے ہیں جبکہ ان کے پاس اس تہمت پر چار گواہ بھی نہیں ہے تو ایسے لوگ مردود الشہادۃ ہیں جیسا کہ اس زمانے کے اکثر شیعہ و روافض۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے" [5]۔

تفسیر 5 اس استثنیٰ کا اثر فسق دور کرنے میں اجماعی ہے مگر سزائے تہمت یعنی کوڑے معاف نہیں ہوں گے ۔البتہ بعض علماء کے نزدیک توبہ کے بعد اس کی شہادت مقبول ہوگی جبکہ بعض علماء کے نزدیک ہمیشہ کے لئے مردود ہے۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ
إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٦﴾ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٧﴾ وَيَدْرَأُ عَنْهَا الْعَذَابَ أَن
تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ ۙ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِن كَانَ مِنَ
الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور اپنے نفس کے سوا کوئی اور ان کے پاس گواہ نہ ہو تو ایسے کسی شخص کو جو گواہی دینی ہوگی وہ یہ ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ بیان کردے کہ وہ (اس الزام میں) سچا ہے [6]۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں (اس الزام میں) جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو [7]۔ اور عورت سے (زنا کی) سزا دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار قسمیں کھا کر یہ گواہی دے کہ اس کا شوہر (اس الزام میں) جھوٹا ہے [8]۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو" [9]۔

تفسیر 6 تا 9 ان آیتوں میں میاں بیوی کے درمیان بدکاری کے الفاظ رد کرنے کے لئے چوتھا حکم بیان ہو رہا ہے جو کہ لعان سے متعلق ہے اور چاروں شہادات اس لئے فرمایا ہے کہ یہ: أَشْهَدُ بِاللهِ: کے لفظ سے ادا ہوتے ہیں یہ معنیٰ کے لحاظ سے قسم ہے اور پانچویں مرتبہ میں لفظ قسم نہیں ہے۔ بلکہ شوہر کی طرف سے بددعاء ہے یعنی اپنی ذات کے لئے جھوٹا ہونے کی شرط پر لفظ لعنت استعمال کیا گیا اور بیوی کی طرف سے لفظ غضب کے ساتھ بددعاء ہے اس شرط پر اگر شوہر اپنے الزام میں سچا ہو جبکہ دعاؤں میں لفظ: أَشْهَدُ: کا استعمال نہیں ہوتا ہے۔ فائدہ: شوہر کے لئے لفظ لعنت اور بیوی کے لئے لفظ غضب ذکر کرنے میں حکمت تو یہ ہے عورتیں لفظ لعنت اکثر استعمال کرتی ہیں اور اس استعمال کے عادی ہونے کی وجہ سے گھبراتی نہیں ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث 29 صحیح مسلم کتاب العیدین حدیث 884 حدیث میں ہے کہ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ: اور مردوں کے لئے لفظ لعنت استعمال ہوا ہے کیونکہ مرد اس لفظ سے اجتناب کرتے ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ لعنت میں صرف رحمت الٰہی سے محرومیت آتی ہے جبکہ لفظ غضب میں رحمت سے محرومی کے ساتھ قہر و عذاب کے بھی نزول ہے چونکہ شوہر کی سچائی سے عورت پر حد زنا ثابت ہوتی ہے اگرچہ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور شوہر کے جھوٹا ثابت ہونے پر حد قذف یعنی الزام تہمت کی سزا آتی ہے جو کہ زنا کی سزا سے کم ہے۔

تیسری حکمت یہ ہے کہ اس معاملے میں اکثر عورتیں مجرم ہونے کے باوجود جھوٹ بولتی ہیں جبکہ اس کے برعکس شوہر سچا ہوتا ہے تو باوجود علم رکھنے کے جھوٹ پر اصرار کرنا: مَغْضُوبٌ عَلَيْهِ: قرار پائے گی اس لئے اس کے لئے لفظ غضب استعمال کیا ہے۔ فائدہ ۲: اکثر مردوں کی عادات میں سے ہے کہ وہ آرام وسکون سے بات کرتے ہیں تو ان کی جانب کو ذکر کرتے ہوئے: وَالْخَامِسَةُ: پیش کے ساتھ ذکر کیا ہے جو مستقل جملہ ہے اور ماقبل پر عطف ہے اور عورتوں کی عادت بخصلت جلدی سے گفتگو کرنا ہے اس لئے ان کے کلام میں: وَالْخَامِسَةَ: زبر کے ساتھ ذکر کیا ہے جو ماقبل کے ساتھ متصل ہے۔ یعنی: اَنْ تَشْهَدَ الشَّهَادَةَ الْخَامِسَةَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ: لعان کے باقی احکام احادیث اور فقہی کتب میں تفصیل سے مذکور ہیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

"اور تم پر اگر اللہ کا فضل ورحمت نہ ہوتی اور یہ بات نہ ہوتی کہ یقیناً اللہ کثرت سے توبہ قبول کرنے والا ہے (تو پھر تمہارا کیا حشر ہوتا)"[10]۔

تفسیر 10 گذشتہ احکام پر عمل کرنے کی ترغیب اس آیت میں دی گئی ہے اور نعمت الٰہی کا ذکر ہے۔ فضل سے مراد اعمال فاش سے بچانا ہے جو پہلے دو حکموں میں ذکر ہے اور رحمت سے مراد بے حیائی کی باتوں سے بچانا ہے جو بعد کے دو حکموں میں حدود اور لعان کے ذریعے ذکر ہوا ہے اور: لَوْلَا: کی جزا جو کہ: لَابْتُلِيْتُمْ بِالْفَحْشَاءِ: ہے کو حذف کیا گیا ہے یعنی تم ضرور بے حیائی میں مبتلا ہو جاتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾

"یقیناً جو لوگ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں وہ تمہارے ہی درمیان ایک ٹولہ ہے اس بات کو تم اپنے لئے برا مت جانو بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہی بہتر ہے ان لوگوں میں سے ہر شخص کے حصے میں اپنے کئے ہوئے گناہ کا وبال آیا ہے اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے اس کے لئے تو بہت بڑا عذاب ہے"[11]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 27 تک دوسرا باب ہے اس میں منافقین کے لئے جو ایمان والوں پر تہمتیں لگا رہے ہیں زواجر ذکر ہو رہے ہیں ۔ اور ایمان والوں کے لئے آداب کا ذکر ہے کہ جب کسی مؤمن پر تہمت لگائی جائے تو اس وقت ان

آداب کو اختیار کرو منافقین کی صفات کا بھی ذکر ہے تخویف اخروی کے ساتھ۔ ایمان والوں کو ترغیبات دی ہیں اور ساتھ میں خوشخبری دی ہے۔

تفسیر: اس آیت میں ان منافقین کا ذکر ہے جنہوں نے صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی ان میں صرف تین ایمان والے غلطی سے شامل ہو گئے تھے یعنی حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم باقی سب منافقین تھے: عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ: تین سے دس تک افراد کی جماعت کو عصبہ کہتے ہیں: مِنْكُمْ: اس لئے فرمایا کہ منافقین بھی مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں: لَا تَحْسَبُوْهُ: اس میں ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے کہ اس واقعہ کو اپنے لئے برامت سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لئے خیر ہے یعنی سورۃ نور کا نزول عظیم خیر ہے اور تہمت جس پر لگائی جائے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ اولیاء کرام پر جو بھی مصیبتیں آتی ہیں اس میں ان کے لئے خیر ہوتی ہے: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ: یعنی اس تہمت میں جتنا کسی نے حصہ لیا ہے اتنا وہ گناہگار ہے کسی نے ابتداء کی ہے تو کسی نے ایک کو اور کسی نے زیادہ لوگوں کو یہ جھوٹ افشاں کیا ہے تو کسی نے اس کو گمان تک محدود رکھا ہے تو کسی نے یقین کر رکھا ہے: وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ: اس سے مراد عبداللہ بن اُبَی بن سلول ہے یہ رئیس المنافقین تھا اور اسی نے اس تہمت کی ابتداء کی تھی اور اس کی نشر و اشاعت بھی کرتا رہا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے (صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4749) میں نقل کیا ہے جس نے اس کی نسبت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے وہ درست نہیں ہے وہ راوی کا غلط اجتہاد ہے۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ⑫

”جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو کیوں نہ ہوا کہ مومن مرد اور اسی طرح مومن عورتیں بھی ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے“ [12]۔

تفسیر: اس آیت میں ایمان والوں کے لئے پہلا ادب ہے کہ جب تمہارے کسی بہن بھائی پر تہمت لگائی جائے تو تم الزام والے کی تصدیق مت کرو بلکہ اپنے مسلمان بہن بھائیوں پر پاکدامنی کا گمان کرو اس لئے کہ ظاہری طور پر مومن پاکدامن ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

"وہ اس (الزام) پر چار گواہ کیوں نہیں لے آتے؟ اب جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں" [13]۔

تفسیر [13] اس آیت میں منافقین کے لئے زجر ہے اور یہ ماقبل کے لئے علت ہے یعنی جب وہ منافقین چار گواہ شرعی پیش کرنے میں ناکام ہوئے تو پھر ایمان والوں کے بارے میں کیوں بدگمانی کرتے ہیں؛ عِنْدَ اللّٰهِ: اس سے شریعت کا حکم مراد ہے ایسے امور میں انسان کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے ثبوت شرعی نہ ہو تو پھر جھوٹا شمار ہوگی۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

"اور تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے ان کی وجہ سے تم پر اس وقت عذاب آپڑتا" [14]۔

تفسیر [14] اس آیت میں ایمان والوں کے لئے ترغیب اور تسلی ہے فضل سے مراد منافقین کے لئے ایمان والوں پر الزامات اور تہمتیں لگانے والوں کے لئے زواجر ہیں اور رحمت سے مراد آداب ہیں جو مؤمنین کے لئے دنیا و آخرت میں مفید ہیں فضل سے توفیق توبہ اور رحمت سے مراد قبولیت توبہ ہے یعنی ان ایمان والوں کو الزام میں شریک ہونے کے بعد توبہ استغفار کی توفیق دی۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

"جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو ایک دوسرے سے نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہیں تھا اور اس بات کو معمولی سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ در حقیقت اللہ کے نزدیک بہت بڑی سنگین بات تھی" [15]۔

تفسیر [15] اس آیت میں پھر منافقین کے لئے زجر ہے اور یہ سابقہ مضمون کے لئے علت ہے جو عذاب کے لئے سبب ہے اس میں تین کاموں کے کرنے پر زجر ہے (1) بلا تحقیق ایک دوسرے سے بات کو نقل کرنا (2) بے دلیل بات زبان پر لانا (3) عظیم گناہ کو معمولی تصور کرنا۔ یہ صفات منافقین کی ہیں۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ⑯

"اور جس وقت تم نے یہ بات سنی تھی اسی وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم یہ بات منہ سے نکالیں تیری ذات ہر قسم عیب سے پاک ہے یہ بڑا زبردست بہتان ہے"[16]۔

تفسیر 16 اس آیت میں ایمان والوں کو تیسرا ادب بتایا گیا یعنی منافقین ان باتوں پر زبانیں چلاتے ہیں لیکن ایمان والوں کو چاہیے کہ اپنی زبانیں کنٹرول کریں اس میں پہلے ادب سے زیادہ تاکید ہے پہلے میں صرف ترغیب اچھے گمان پر تھی اور اس میں واضح انکار پر ترغیب دی ہے: سُبْحٰنَكَ: یہ بھی قُلْتُمْ: کے حکم میں داخل ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰

"اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر واقعی تم مومن ہو"[187]۔

تفسیر 17 اس آیت میں ایمان والوں کو مزید ادب سکھایا گیا ہے کہ بہتان سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہنا۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱

"اور تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ ہدایت کی باتیں واضح طور پر بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم اور حکمت کا مالک ہے"[18]۔

تفسیر 18 اس آیت میں گزشتہ ادب پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب ہے اور آیٰت سے مراد آداب اور منافقین کی علامات مراد ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲

"یقیناً جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو"[19]۔

تفسیر 19 اس آیت میں منافقین کی اس صفت کا بیان ہے (کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیل جائے) نیز تخویف دنیاوی و اخروی ہے۔ بے حیائی کا پھیلانا عام ہے یعنی مومن کو بدنام کرنا کفر شرک کی اشاعت کرنا اسی طرح بدعات رسم ورواج پھیلاتے رہنا، بدکاری بے حیائی کے اسباب عام کرنا مثلاً سینما گھر بنانے، ویڈیو آڈیو گانوں کی ترغیب دینا یہ سب فحاشی

میں داخل ہے اور عذاب توبہ نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت تمہارے ساتھ شامل ہے (تو تم عذاب کی لپیٹ میں آتے) اور اللہ بڑا شفیق بڑا مہربان ہے" [20]۔

تفسیر 20 اس آیت میں ترغیب ہے اور تخویف کی طرف اشارہ ہے جزاء کے حذف کے ساتھ یعنی: لَعَذَّبَكُمْ: تمہیں ضرور سزا دیتا۔ جو کہ حذف ہوئی ہے اس آیت میں فضل سے مراد منافقین کی علامات بیان کرنا ہے اور رحمت سے مراد بے حیائی سے حفاظت ہے اور یہ دونوں باتیں ایمان والوں کے لئے رءفت اور رحمت ہے اس لئے آخر میں رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ: فرمایا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾

"اے ایمان والو تم شیطان کی پیروی مت کرو اگر کوئی شیطان کی پیروی کریگا تو شیطان ہمیشہ برائی اور بے حیائی کی تلقین کرتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی پاک صاف نہ ہوتا لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک صاف کر لیتا ہے اور اللہ ہر بات سنتا اور جانتا ہے" [21]۔

تفسیر 21 اس آیت میں مومنین کے لئے ادب ہے اور منافقین کی عادتوں سے منع ہے: خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ: میں اس کی طرف اشارہ ہے فحشاء سے مراد وہ اعمال ہیں کہ جسے ہر صاحب عقل برا سمجھے جیسا کہ جھوٹ، بہتان، بے حیائی وغیرہ: وَالْمُنْكَرِ: اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو شریعت کی رو سے منع ہوں اگرچہ لوگوں کی نظر میں برے نہ ہوں۔ اس فضل سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ وہ شیطان کی پیروی سے روکتا ہے اور رحمت سے مراد اس سورت کا نزول ہے عفت اور پاکدامنی کے لئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مراد ہے، اور یہ سورۃ نساء کی طرح ہے: مَا زَكٰى مِنْكُمْ: اس سے مراد کفر و شرک اور بدعات، اور اس طرح تہمت کے اسباب اور بہتان سے بچنا ہے: يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ: اس

سے مراد تزکیہ اور تقویٰ کے توفیق دینا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ہر انسان پاکی میں اللہ کا محتاج ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

"اور تم میں سے جو صاحب خیر ہیں مالی وسعت رکھتے ہیں وہ ایسی قسمیں نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انہیں چاہئے کہ درگزر اور معافی سے کام لیں۔کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تمہاری خطائیں معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے"[22]۔

تفسیر22 اس آیت میں ایمان والوں کے لئے تین آداب کا ذکر ہے یعنی بڑے مرتبہ والے کو اعلیٰ اخلاق کی ضرورت ہے اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان کا تذکرہ ہے آیت میں ابوبکر اور مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہما کا تذکرہ ہے مسطح رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پھوپھی کا بیٹا ہے اور مسکین ہے اور مہاجر بھی تھا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ ان پر خرچ کرتے تھے لیکن جب وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان میں شریک ہوگیا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ میں آئندہ اس کو خرچ وغیرہ نہیں دوں گا تو ان آیتوں کا نزول ہوا اور مسطح رضی اللہ عنہ کی توبہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اس میں اشارہ ہے کہ شرک کفر کے ماسوا گناہ کرنے سے ایسے شخص کی نیکیاں برباد نہیں ہوں گی۔لہٰذا ایسے شخص کی ہجرت اور قرابت کی رشتہ داری پر کوئی اثر نہیں پڑیگا اس آیت میں دلیل ہے کہ کسی کے گناہ سے درگزر کرنے پر اپنے گناہ معاف ہوتے ہیں۔صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 4757

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ
تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ
وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

"یقیناً وہ لوگ جو پاک دامن بھولی بھالی ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ ان پر دنیا و آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے اور ان کو اس دن زبردست عذاب کا سامنا ہوگا [23]۔ جس دن خود ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے [24]۔ اس دن اللہ انکو وہ بدلہ پورا پورا دیگا جس کے وہ حقدار ہوں گے اور ان کو پتا چل جائے گا کہ اللہ ہی حق ہے اور وہی ہر بات کھول دینے والا ہے" [25]۔

تفسیر 23 تا 25 ان آیتوں میں ان منافقین کے لئے تخویف اخروی ہے جو مومن عورتوں مردوں پر تہمتیں لگاتے ہیں اور اس عمل کو جائز بھی سمجھتے ہیں پھر توبہ کئے بغیر مر جائیں یہ صفت ان کے مردوں کی بیان ہوئی ہے مگر یہ آیت عام ہے جو منافق مرد و زن سب کو شامل ہے: اَلْمُحْصَنَاتِ: سے پاکدامن نفوس مراد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں نیز منافقین نے اس عمل میں زبانیں ہاتھ اور پاؤں استعمال کئے ہیں تو اس لئے انہیں میں سے شہادت دلا دی جائے گی۔ اس طرح شہادت سورۃ یٰسین آیت 65، سورۃ حم سجدہ آیت 20 میں ذکر ہوئی ہے: اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں سے ایک اسم صفت ہے یعنی صفتی نام ہے اس کا لازمی معنی یہ ہے کہ اس کی حقانیت واضح دلائل سے ثابت ہو چکی ہے متعدی معنی یہ ہے کہ وہ حق بیان کرنے والا ہے۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا
يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾ ع

"گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہیں اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لائق ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لائق ہیں یہ ان باتوں سے بالکل مبرا ہیں جو یہ لوگ بنانے میں مصروف ہیں ان پاکبازوں کے حصہ میں تو مغفرت اور عزت والا رزق ہے" [26]۔

تفسیر 26 تخویف کے بعد اس آیت میں ایمان والوں کے لئے بشارت ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کی دلیل کی

طرف اشارہ ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکدامنی ان کی بیویوں کی پاکدامنی کی دلیل ہے اس لئے کہ اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ اور: اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ: اس میں دلیل ہے کہ خبیث لوگوں کی بہتان تراشیوں سے پاکدامنوں پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ نیز: اَلْخَبِيْثٰتُ اور اَلطَّيِّبٰتُ: عورتوں کے، اچھے کلمات، اعمال عادات سب کو شامل ہیں۔ فائدہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی اللہ تعالیٰ نے ایک شاہد (گواہ) کے ذریعے سے ظاہر کرائی تھی۔ مریم رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کو ان کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے کم سنی میں ظاہر کیا تھا جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکی خود اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے ظاہر کی ہے جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کی واضح دلیل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

"اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوں جب تک اجازت نہ لے لو اور ان میں بسنے والوں کو سلام نہ کر لو یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے امید ہے کہ تم اس حکم کو یاد رکھ سکو" [27]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 35 تک تیسرا باب ہے اس میں دس آداب کا ذکر ہے جو بے حیائی کی بندش کے لئے اسباب ہیں پھر آخر میں ترغیب ہے۔

تفسیر 27 اس آیت میں پہلا ادب ذکر ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہونا حرام ہے لہٰذا اجازت لیکر داخل ہوا کرو۔ اس میں بڑا فساد یہ ہو سکتا ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے گھر والوں کو بے حجابی کی حالت میں دیکھ لے خواہ مرد ہو یا عورتیں ہوں جو کہ حرام فعل ہے یہ حکم تمام لوگوں کے لئے عام ہے یہاں تک کہ والدہ کے کمرے کو بھی یہ حکم شامل ہے صرف اپنی ہی بیوی کے کمرے میں بغیر اجازت جا سکتا ہے ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے: حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا: اس سے اجازت طلب کرنا مراد ہے چونکہ اس اجازت کے لئے کوئی خاص الفاظ متعین نہیں ہے صرف مقصد عرفی تعارف ہے تاکہ گھر والوں کو آنے والے کی پہچان ہو سکے اس لئے لفظ استیناس ذکر کیا ہے اور اس اجازت کے مختلف طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ دروازے سے ایک جانب کھڑے ہو کر آواز دے کہ میں فلاں شخص اجازت مانگ رہا ہوں اور اس اجازت سے قبل متصل سلام بھی پیش کرے اور اس سلام کو استیذان کہتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاستئذان حدیث 6250 صحیح مسلم کتاب الادب حدیث 2155) دوسرا طریقہ بلا واسطہ اور اس

بڑے پردہ آجائے تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں قاصد کے ساتھ اس کا آنا اجازت ہے۔

تیسرا طریقہ: دروازے کو آرام سے کھٹکھٹائے اور اجازت کا انتظار کرے یہ تینوں طریقے صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

چوتھا طریقہ: ابن ماجہ کتاب الادب حدیث 3709 میں ہے کہ استیناس یہ ہے کہ تسبیح یا اللہ اکبر یا الحمد للہ پڑھ لے ان لفظوں والی روایت ابن ماجہ 3707 میں وارد ہے۔(جس کو ابن حجر اور حافظ بوصیری نے ضعیف کہا ہے)۔ یا اسکی آواز سے کھنکارے کہ گھر والوں کو معلوم ہو سکے کہ آنے والا اندر آنا چاہتا ہے پھر اجازت طلب کرے۔ پانچواں طریقہ: دروازے کے داہنے یا بائیں کھڑے ہو کر سلام کریں صحیح ابو داؤد حدیث 5186 وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا: اس سے سلام کرنا مراد ہے جو اجازت کے وقت کیا جاتا ہے یعنی: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَاَدْخُلُ تین مرتبہ اس طرح سلام کرنا یا اجازت حاصل کرنے کے بعد کا سلام مراد ہے تین بار سلام کا ذکر ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اجازت کا سلام اگر پیش نہ کرے تو اس کو واپس کیا جائے یہاں تک کہ وہ سلام کرے۔(صحیح ابو داؤد کتاب الادب حدیث 517 ترمذی 2710) فائدہ: یہ اجازت لینا لازمی عمل ہے کہ اگر کوئی بغیر اجازت کسی کے گھر میں دروازے یا کھڑکی سے دیکھ لے تو اس کی آنکھ پھوڑنے پر گھر والوں سے کوئی دیت وغیرہ نہیں لی جائے گی جیسا کہ (صحیح بخاری کتاب الدیات حدیث 6902 صحیح مسلم کتاب الادب حدیث 2158) میں حدیث ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨﴾

"اور اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تب بھی ان میں اس وقت تک داخل نہ ہوں جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جاؤ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اس کا اللہ تعالیٰ کو پورا پورا علم ہے" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں مقصد یہ ہے کہ بلا اجازت نہیں داخل ہونا ہے خواہ گھر میں افراد ہوں یا نہ ہوں یعنی خاموشی اختیار کر کے اجازت نہ دیتا ہو اور اگر واپسی کا کہا جائے تو ناراض نہیں ہونا چاہئے بلکہ واپس ہو جانا چاہیے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝

"تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے گھر میں بغیر (اجازت لئے) داخل ہو جن میں کوئی رہتا نہ ہو اور ان سے تمہیں فائدہ اٹھانے کا حق ہو اور تم جو کام علانیہ یا چھپ کر کرتے ہو ان سب کو اللہ جانتا ہے" [29]۔

تفسیر 29 اس سے مراد دکان، دفتر منڈی وغیرہ جس میں لوگ فیملی سمیت آباد نہیں ہوتے ہیں تو اس میں بلا اجازت داخل ہونے میں قباحت نہیں: فِيهَا مَتَاعٌ: یعنی جس میں تمھاری ضرورت کی اشیاء ہوں اس میں اشارہ ہے کہ بلا ضرورت ان ٹھکانوں اور جگہوں میں بھی جانا درست نہیں۔ اس لیے کہ اس قسم کی جگہوں میں بلا ضرورت جانا بدنامی کا سبب ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لئے پاکیزہ ترین طریقہ ہے وہ جو بھی کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں ایمان والوں کے لئے دوسرے ادب کا ذکر ہے جو نظروں اور شرمگاہوں کی حفاظت سے متعلق ہے آنکھوں کا ادب مقدم کیا ہے کہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے اور یہ اصل سبب ہے اور میلان پیدا ہونے کا ذریعہ ہے: مِنْ أَبْصَارِهِمْ غَضّ: کے لئے لفظ مِنْ صلہ ہے اس لئے کہ غَضّ: کم کرنے کو کہا جاتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ نظر سے کچھ کم کیا جائے یا تبعیض کے معنی میں ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ اپنی نظروں میں سے کچھ نظر جھکائے رکھیں۔ دونوں میں مراد یہ ہے کہ اپنی آنکھوں سے ہر جگہ اور ہر چیز کو نہ دیکھیں تیز یہاں پر مفعول کا ذکر نہیں ہے لیکن شرعاً اور عادتاً معلوم ہے کہ اس سے مراد بدن کے اعضاء ہیں جو مردوں عورتوں سب کے لئے ظاہر کرنا حرام ہے بعض جو جائز ہے وہ جیسے کسی نامحرم پر بے اختیاری میں اچانک نظر پڑ جائے اس کا حکم یہ ہے نظر فوراً ہٹائی جائے جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الادب حدیث 2149 ترمذی 2776 ابوداؤد 2148 میں جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے نیز اس سے بعض نظر بطور علاج دیکھنا ضرورتاً شامل ہے: يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ: اس سے شرمگاہوں کی حفاظت مراد ہے یعنی فاحشی سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنا اور غیروں کی نظروں سے بھی محفوظ رکھنا ہے اس میں لفظ مِنْ نہیں لایا۔ وجہ یہ ہے کہ اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ ہر وقت شرمگاہوں کی حفاظت لازم ہے اگرچہ وہ خلوت میں ہو تب بھی ملائک اور اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اپنے مخصوص اعضاء کو نہیں کھولیں گے اس طرح صحیح حدیث میں مذکور ہے۔ ابوداؤد فی الحمام

حدیث 4017، ترمذی حدیث 2794 ابن ماجہ حدیث 1920 نسائی فی الکبری 8972، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے: اَزۡکٰی: اس قانون شرعی پر عمل پیرا ہونے سے انسان کا دل اور بدن گناہوں اور برے خیالات نیز تہمتوں اور بدنامی سے بھی پاک رہتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ ایک پاک صاف معاشرہ اس قسم کے آداب اپنانے سے قائم ہوتا ہے یَصۡنَعُوۡنَ: صناعت اس کام کو کہا جاتا ہے جس کو انسان نے معمول بنایا ہو اس میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جنہوں نے اپنی نظروں اور شرمگاہوں کو خلاف شریعت استعمال کرنے کا عادی بنایا ہو۔

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ وَ یَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡیَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوۡبِهِنَّ ۖ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اٰبَآئِهِنَّ اَوۡ اٰبَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآئِهِنَّ اَوۡ اَبۡنَآءِ بُعُوۡلَتِهِنَّ اَوۡ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اِخۡوَانِهِنَّ اَوۡ بَنِیۡۤ اَخَوٰتِهِنَّ اَوۡ نِسَآئِهِنَّ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیۡنَ غَیۡرِ اُولِی الۡاِرۡبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفۡلِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یَظۡهَرُوۡا عَلٰی عَوۡرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِهِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوۡبُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیۡعًا اَیُّهَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝

"اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈال لیا کریں اور اپنی زینت کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے باپ کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جو تمہارے اپنے ہاتھوں کی ملکیت میں ہیں یا ان خدمت گزاروں کے جن کے دل میں کوئی تقاضا باقی نہیں ہوتا یا ان بچوں کے جو ابھی عورتوں کے چھپے ہوئے حصوں سے آشنا نہیں ہوئے اور مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ ماریں کہ انہوں نے جو زیور چھپا رکھے ہیں وہ معلوم ہو جائیں اور اے ایمان والو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ فلاح پا سکو" [31]۔

تفسیر 31 اس آیت میں مومن عورتوں کے لیے پانچ آداب بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا ادب: غَضُّ الۡبَصَرِ: یعنی نگاہیں

نیچی رکھنا، جیسا مردوں کے لئے بیان کیا گیا تھا تو اسی طرح خواتین کو بھی یہ ادب سکھایا جارہا ہے کہ اپنی نظروں کو غیر مردوں کے دیکھنے سے روکے رکھو۔ دوسرا ادب شرمگاہوں کی حفاظت کا ذکر ہوا ہے وضاحت وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ زینت دو قسم کی ہے: (1) خلقی یعنی چہرہ اور بدن کے دیگر اعضا ہے اور کسبی یعنی لباس، زیور پہننا کلر پوڈر وغیرہ لگانا سرمہ وغیرہ استعمال کرنا: اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا: ظہر سے وہ حصہ مراد ہے جو مجبورا ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا یہ استثنیٰ منقطع ہے یعنی کوئی عورت جان بوجھ کر اپنی زینت ظاہر نہ کرے مگر مجبوری سے اگر ظاہر ہو جائے تو اس پر گناہ نہیں ہے مجبوراً ظاہر ہونے والی زینت چادر، برقعہ، دوپٹا کیونکہ اس کو مزید کپڑوں سے چھپا لینے میں حرج ہے یا راستہ دیکھنے کے لئے ایک آنکھ ظاہر کرنا ہو تو یا ہاتھ سے چادر وغیرہ کو تھام رکھا ہو اور ہاتھ پر زیور انگوٹھی وغیرہ نظر آئے تو بھی حرج نہیں ہے یا ہوا کے ذریعے سے برقعہ چادر اڑ جانے کی صورت میں بدن نظر آجائے تو یہ بھی مجبوری کی صورت میں داخل ہے۔ فائدہ 1: بعض مفسرین نے: مَا ظَهَرَ مِنۡهَا: سے چہرہ اور ہاتھ مراد لیے ہے لیکن انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ شہوت بھی نہ ہو اور شہوت کا احتمال بھی نہ ہو اور اس کے لئے انہوں نے علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا ہے جس میں انہوں نے: مَا ظَهَرَ مِنۡهَا: کی تفسیر کی ہے۔ دوسری دلیل اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ عورت جب بالغ ہو جائے تو جائز نہیں کہ اس کے بدن کا کوئی حصہ ظاہر ہو جائے البتہ یہ یعنی چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ صحیح ابو داؤد کتاب اللباس حدیث 4104 پہلے دونوں اقوال کا جواب یہ ہے کہ ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ: مَا ظَهَرَ مِنۡهَا: کی تفسیر میں دیگر صحابہ کرام سے اقوال منقول ہیں جو مذکورہ تفسیر پر دلالت نہیں کرتے ہیں اور ان دونوں اقوال میں وضاحت بھی نہیں ہے کیونکہ ان سے جو الفاظ منقول ہیں وہ: اَلۡکُحۡلُ وَالۡخَاتَمُ: ہیں ظاہرا یہ ثابت ہوتا ہے اس سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی آنکھیں ہیں اور خاتم سے مراد انگوٹھی کی جگہ ہے یعنی انگلیاں مراد ہیں لہٰذا یہ دلائل مدعا پر واضح نہیں ہیں دوسری دلیل کا جواب ابن کثیر نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوداؤد اور ابو حاتم رحمہم اللہ نے اس روایت کو مرسل (منقطع) قرار دیا ہے اس لئے خالد بن دریک راوی کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سننا ثابت نہیں ہے۔ (شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے صحیح ابو داؤد کتاب اللباس حدیث 4104) دوسرا جواب ابن قدامہ نے المغنی ص 500 جلد 9 میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ اسماء کی روایت اگر صحیح ثابت ہو بھی جائے تو یہ احتمال ہے کہ یہ حکم نزول حجاب سے پہلے کا ہے اور (خطبہ) منگنی کے پیغام میں چہرہ دیکھنے کے علاوہ مرفوع احادیث میں چہرہ کھلا رکھنے کی دلیل نہیں ہے تفسیر سمرقندی حنفی نے

ص 437ج2 میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کیا ہے کہ جب ان سے مَا ظَهَرَ مِنْهَا: کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے سر پر چادر ڈال کر چہرہ چھپا لیا صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی چھوڑ دی اور اسی طرح سورۃ احزاب کی يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ: کی تفسیر میں ذکر ہے جو ان شاء اللہ آئندہ پڑھ لینگے۔ تنبیہ: روایتوں میں اختلاف کی وجہ سے چہرہ اور ہاتھوں کے پردہ کے حکم میں بدن کے دوسرے اعضاء کی بنسبت تخفیف یعنی نرمی ہے جیسا کہ ہدایہ کے مصنف نے گھٹنہ، ران اور عورت غلیظہ (شرمگاہ) کے حکم میں فرق بیان کیا ہے انہوں نے بھی اختلاف روایتوں کے فرق کی وجہ سے ذکر کیا ہے چوتھا ادب :وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ: اس میں چادر دوپٹا پہننے کے لئے طریقہ ذکر کیا ہے کہ اپنے سر گریبان وغیرہ کو اچھی طرح چھپا کر رکھیں اور دور جاہلیت کے طریقوں کا رد کیا گیا ہے کیونکہ دور جاہلیت کی عورتیں دوپٹا اور چادر پر گریبانوں کو نہیں چھپاتی تھیں بلکہ کندھوں پر یا پیچھے کی طرف لٹکا لیتی تھیں۔ خُمُرِهِنَّ: یہ خمار کی جمع ہے یعنی ڈھانپنے چھپانے والا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس چادر دوپٹا سے سر کے بال، گریبان، سینہ وغیرہ نہیں چھپتا ہے اس کا استعمال حرام ہے۔ فائدہ 2: اس آیت میں دلیل ہے کہ قمیصوں میں جیب سینہ پر بنائی جانی چاہئے جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کتاب اللباس میں حدیث 5797 بھی ترجمۃ الباب اس طرح قائم کیا ہے کہ: بَابُ جَيْبِ الْقَمِيصِ عِنْدَ الصَّدْرِ: لہذا بعض صوفیاء یا علاقہ والے یا عورتیں جو قمیص کے کندھے یا پشت میں جیب بناتی ہیں یہ سنت کے خلاف ہے :وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ: پہلے استثنیٰ مجبوری کی وجہ سے ذکر کیا تھا تو اب استثنیٰ اختیاری کا ذکر ہے۔ زینت سے مراد زینت کی اعضاء ہیں یعنی سر، چہرہ، کان، گردن، ہاتھ کہنیاں، پاؤں پنڈلی وغیرہ کیونکہ اکثر زیورات ان مقامات میں استعمال کئے جاتے ہیں یا پھر زینت زیور کے معنی میں ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت 87 میں مذکور ہے راجح قول کے مطابق اس میں سر داخل نہیں ہے نیز بارہ (12) قسمیں ہیں جن میں حکم کے اعتبار سے تفاوت یعنی فرق ہے لیکن زینت کی حکم میں مطلقاً شریک ہیں :أَوْ نِسَائِهِنَّ: اس میں دلیل ہے کہ مشرک کافر خاتون سے پردہ کرنا فرض ہے :أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ: صحابہ کرام وتابعین عظام میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خاتون اپنے غلام سے پردہ کرے گی یا نہیں۔ راجح قول کے مطابق غلام اس میں داخل نہیں ہے البتہ اس کے بارے میں کچھ نرمی ضرور ہے :غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ: اس سے وہ مرد مراد ہیں جن میں شہوت کا مادہ ختم ہو چکا ہو عورتوں کے حسن وجمال سے بھی صرف نظر کر چکے ہوں اور گھروں میں خدمت پر مامور ہوں۔ اس میں ہیجڑے وغیرہ

داخل نہیں ہیں۔ فائدہ 3: مذکورہ لوگوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو زینت ظاہر کرنا منع ہے جیسا کہ چچا اور اس کی اولاد، ماموں اور اس کی اولاد، دیور بعض علماء نے چچا اور ماموں کے متعلق جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ پانچواں ادب: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ یعنی عورتوں کے لیے اس طرح قدم رکھنا یا رفتار اختیار کرنا جس سے زیور کی آواز آنے منع ہے اس لئے کہ اس سے دلوں میں شہوت پیدا ہوتی ہے۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾

"تم میں سے جن کی شادی نہ ہوئی ہو نکاح کراؤ اور تمہاری باندیوں اور غلاموں میں سے جو صالح (موحد) ہوں ان کے بھی نکاح کراؤ اگر وہ تنگ دست ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل میں سے ان کو فراخی عطا کر دیگا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت والا اور سب کچھ جانتا ہے" [32]۔

تفسیر 32 اس آیت میں غیر شادی شدہ مسلمانوں کے لئے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مرد ہوں یا عورتیں لونڈیاں ہوں یا غلام سب کی ضرور شادی کرالو اسلئے کہ غیر شادی شدہ افراد کی کثرت سے فحاشی بدنامی اور بدکاری کا یقینی خطرہ رہتا ہے: الْأَيَامَىٰ: یہ أَيِّم: کی جمع ہے یعنی وہ مرد و زن جن کے جوڑے نہیں ہیں یعنی ابھی شادی نہیں کی ہے یا بیوہ ہوتے اور بیوی کے فوت ہونے کی وجہ سے تنہائی کی زندگی گزارتے ہیں مگر بالغ ہوں: يُغْنِهِمُ اللَّهُ: مراد یہ ہے کہ جو غریب شخص اس نیت سے شادی کر رہا ہے کہ اسے عفت پاکدامنی حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو مالداری سے نواز دے گا یعنی مالی اور دلی غنیٰ دونوں سے نوازے گا اس کی تائید و تشریح میں ابن ماجہ کی وہ صحیح حدیث ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائیگا۔ (۱) فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا۔ (۲) پاکدامنی اور عفت کے لئے نکاح کرنے والا۔ (۳): مکاتب یعنی غلام کا اپنے مالک سے قیمت لگا کر آزادی حاصل کرنے والا بشرطیکہ ادائگی کی نیت ہو۔ (ابن ماجہ حدیث 2518 ترمذی 1655 ابن حبان 4030) کتاب العتق امام ترمذی اور البانی رحمہم اللہ نے حسن کہا ہے البتہ ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ شادی کے لئے کفایت (برابری) شرط نہیں ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٣﴾

"اور جن لوگوں کے نکاح کے مواقع میسر نہ ہوں وہ پاکدامنی کی زندگی بسر کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو بے نیاز کر دے اور تمہارے غلام باندیوں میں جو مکاتب کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں ان سے مکاتب کرو بشرطیکہ ان میں تمہیں (ایمان) اچھائی نظر آتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو مال دے رکھا ہے اس میں سے ایسے غلام باندیوں کو بھی دے دیا کرو اور اپنی باندیوں کو حصول دنیا کے لئے بدکاری پر مجبور مت کرو جبکہ وہ پاکدامنی چاہتی ہوں اور جو کوئی انہیں مجبور کریگا تو ان کو مجبور کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [33]۔

تفسیر 33 اس آیت کی ابتداء سابقہ آیت سے متعلق ہے یعنی جو شخص شادی کی طاقت فقیری یا دیگر اسباب کی جہ سے نہیں رکھتا ہو تو وہ اپنی پاکدامنی کو تباہ نہ کرے لہذا وہ زنا اور اس کے اسباب سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور اس کا علاج نفلی روزوں سے بتایا ہے: فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (صحیح بخاری کتاب الصوم حدیث 1906 صحیح مسلم کتاب النکاح حدیث 1400 ترمذی کتاب النکاح حدیث 1081 ابوداؤد کتاب النکاح حدیث 2046) اس آیت میں بدکاری کے اسباب کی بندش کی گئی ہے یعنی جس معاشرے میں غلام اور لونڈیاں کثرت سے ہوں تو اس سے بدکاری بہت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہ خود مختاری سے نکاح نہیں کر سکتے ہیں اور مالکان انکا خیال نہیں رکھتے ہیں لہذا دین اسلام نے معاشرے سے غلام لونڈیوں کو کم کرنے کے لئے مختلف طریقے بتائے ہیں۔ (1) عام طور پر ان کی آزادی کی ترغیب دی ہے۔ (2) گناہوں کے کفارے میں آزاد کرنا۔ (3) مدبر ہونے کی کیفیت پر آزادی، (4) مکاتب بنا کر آزاد کرنا چونکہ انسان حریص ہے تو عمل کے بدلہ میں معاوضہ طلب کرتا ہے اس لئے اس آیت میں مکاتب کے طریقہ پر غلاموں کو آزادی کا حکم دیتا ہے جو ادائی آزادی کا طریقہ ہے۔ کتابت یہ ہے کہ غلام یا لونڈی اپنے مالک سے اپنی قیمت طے کر لیتے ہیں جو اس کو قسط وار ادا کریں گے اور مولیٰ یعنی مالک سے قسطوں کے مکمل

ہونے پر آزادی حاصل کرلیں گے اس طرح مالک اس کو آزادی دینے کا پابند ہوتا ہے اور اس کو کتابت اسلئے کہتے ہیں کہ قسطوں اور معاہدے کی تفصیل اس میں لکھ دی جاتی ہے:خَيْرًا:اس میں ایمان ،تقویٰ اور مال کمانے کی صلاحیت مراد ہے:وَّاٰتُوْهُمْ :اس میں عام مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ وہ مل کر ان سے زکوۃ صدقات کے ذریعے سے ان کی مدد کریں اور اس خطاب میں اس کا مالک بھی شامل ہے کہ وہ بھی ان کی مالی مدد کرے :وَلَا تُكْرِهُوْا : یہ دسواں باب ہے یعنی بیٹیوں بہنوں کو نکاح سے مت روکو یا اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرنا مراد ہے جو فحاشی کا بہت بڑا سبب ہے جس سے اجتناب فرض ہے اس آیت میں دو تفسیریں ہیں پہلی تفسیر یہ ہے کہ :فَتَيٰتِ:سے لونڈیاں مراد ہیں اور :بِغَآءِ : سے زنا مراد ہے اور :تَحَصُّنًا : سے مراد اپنے آپ کو پاکدامن رکھنا ہے:عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا : سے مراد زنا کی اجرت ہے یعنی لونڈیوں پر زنا کے لئے جبر مت کرو تاکہ تم اس کے ذریعے سے مال کمالو جبکہ وہ پاکدامن رہنا پسند کرتی ہوں اس میں یہ اشکال ہے کہ :اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا : شرط ہے تو شرط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ پاکدامنی نہیں چاہتی ہوں تو پھر ان پر اکراہ جبر کرنا جائز ہے؟ پہلا جواب یہ ہے کہ :اِنْ :اِذَا : کے معنی میں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اکراہ جبر تو تب ہوسکتا ہے کہ جب وہ پاکدامنی چاہتی ہوں اور جب زنا پر راضی ہوں تو پھر اکراہ یعنی جبر کی ضرورت و نوبت نہیں آتی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ :فَتَيٰتِ :سے مراد بہن بیٹیاں ہیں اور :بِغَآءِ : سے مراد نکاح نہ کرنا ہے اور :تَحَصُّنًا : سے مراد نکاح کرنا ہے اور :عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا : سے مراد نکاح کے عوض مہر کے نام سے مال وصول کرنا ہے۔ یعنی بہن بیٹیوں کو مالدار لوگوں کے نکاح کے لئے بٹھا لیتے ہیں دیندار غریب لوگوں کو رشتہ نہیں دیتے اسلئے کہ ان کے دنیاوی مفاد پورے نہیں ہوتے یہاں تک کہ یہ عمل ان کے گناہوں کے لئے سبب بن جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۟

"اور ہم نے تمہاری طرف واضح آیتیں نازل کی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت ہے" [34]۔

تفسیر 34 اس آیت میں قرآن مجید کی طرف عموماً اور اس سورۃ پر عمل کرنے کی طرف خصوصاً ترغیب دی گئی ہے یعنی اس میں احکام اور سابقہ لوگوں کے واقعات وقصص عبرت اور نصیحت کے لئے واضح طور پر بیان کئے گئے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے :بَيِّنٰتٍ :اکثر احکام عقائد میں مستعمل ہوتا ہے جبکہ :مُبَيِّنٰتٍ :اجمال میں استعمال

ہوتا ہے مثلاً اس میں مخالفین کے عذاب کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی اشارہ ہے کہ اس قسم کے مسائل عفت کے حوالہ سے سابقہ ملتوں میں بھی تھے مَوْعِظَةً: اس میں متقین کی خوش خبریوں کی طرف اشارہ ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۟ۙ

"اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے ایک طاق ہو جس میں چراغ رکھا ہو چراغ ایک شیشے میں ہو جیسے ایک ستارہ موتی کی طرح چمکتا ہو وہ چراغ ایسے برکت والے درخت یعنی زیتون سے روشن کیا جائے جو نہ (صرف) مشرقی ہو اور نہ (صرف) مغربی ایسا لگتا ہے کہ اس کا تیل خود ہی روشنی دیدیگا چاہے اسے آگ بھی نہ لگے نور پر نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نور سے ہدایت دیتا ہے جسے وہ چاہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے فائدے کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے" [35]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 47 تک چوتھا باب ہے اس میں توحید کا دعویٰ ہے اور موحد کی مثال دی ہے کہ وہ اس نور کی طرف دعوت دیتا ہے نیز اہل نور یعنی موحد کی صفت بیان کی ہے اور ان کے لئے خوشخبری کا ذکر ہے پھر دو مثالیں بیان کی ہیں۔ یعنی اہل کفر و شرک جن کے اعمال ظلم پر مبنی ہیں پھر پانچ عقلی دلائل کا ذکر ہے اور آخر میں قرآن اور اس سورۃ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی گئی ہے نیز اس آیت کو آیت نور کہتے ہیں۔ سابقہ مضمون کے ساتھ ربط اور تعلق یہ ہے کہ سابقہ آیات میں برے اعمال و اخلاق کا بیان ہوا تو اب نور کی طرف دعوت و ترغیب دی جارہی ہے اور اخلاق خبیثہ سے منع کرنے کے بعد طَیِّبِیْنَ: (پاک لوگوں) کا حال بیان ہو رہا ہے۔

الفاظ کی تشریح: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے نور بھی ہے جو بلا تشبیہ و تمثیل و تاویل ہے اور دلالت کرتا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کی تدبیر کرنے والا، نظام چلانے والا، ہدایت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ توحید کا دعویٰ ہے اور منافقین نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

پر الزامات اسی توحید کی وجہ سے لگائے تھے اور آج بھی یہی معاملہ ہے ان تمام الزامات اور دیگر حربوں کے استعمال کرنے کا مقصد صرف اس نور کو ختم کرنا بجھانا ہے مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہونگے اس مثال میں دلیل ہے کہ اس نور کا مقابلہ کسی کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لئے جو چراغ جلا دیا ہے اگر کوئی اسے بجھانے کی کوششیں کرے گا تو وہ اپنے آپ کو جلا دے گا: مَثَلُ نُوْرِهٖ: یہ پہلے والے نور کے علاوہ ہے کیونکہ یہاں اضافت کے ساتھ ذکر ہوا ہے جبکہ مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے اس سے مومن کے دل میں اللہ کی طرف سے توحید اور ایمان کی ہدایت مراد ہے پھر یہ موحد اس نور توحید کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے اور اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا ہے: كَاَنَّهَا: یہ اَلزُّجَاجَةُ کی صفت ہے کہ اس میں صفائی کی انتہاء ہے: يُّوْقَدُ: یہ جملہ: اَلْمِصْبَاحُ: سے حال بنا ہے: مِنْ شَجَرَةٍ: اس میں مضاف مقدر ہے یعنی: مِنْ زَيْتِ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ: اس کی بعض برکتوں کا ذکر سورۃ مومنون آیت 20 میں گزر چکا ہے (مصباح) چراغ کے لئے (مشکوٰۃ) طاق اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں اس کی روشنی مجتمع ہوتی ہے تو اس کی روشنی اور تیز ہو جاتی ہے اور زجاجہ شیشہ کی قندیل میں اس لیے ذکر کیا کہ بغیر اس کے ہواؤں سے بجھنے کا خوف ہوتا ہے اور شیشہ کی قندیل میں روشنی اور تیز اور دور تک پہنچتی ہے: لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ: خالص مشرق میں بھی نہیں اور نہ ہی خالص مغرب کی جانب ہو یعنی بالکل سائے میں بھی نہیں اور مکمل ہمیشہ دھوپ والی زمین میں بھی نہ ہو بلکہ درمیانی جگہ میں واقع ہے یا مطلب یہ ہے کہ زیادہ مشرق کے قریب ہو تو دھوپ جلدی ختم ہو جائے اور زیادہ مغرب کے قریب ہو تو سایہ جلد ختم ہو جائے البتہ درمیانی جگہ میں ہونے کی وجہ سے اس کا تیل بھی بہت صاف ہے۔

مثال کی تشریح: مومن کا سینہ "مشکوٰۃ" کے مشابہ ہے تو اس کے دل کی تشبیہ زجاجہ سے دی ہے شیشہ میں تین صفتیں ہوتی ہیں (1) شیشہ زیادہ نرم بھی نہیں جو مثل گارے اور مٹی کے ہو اور زیادہ سخت بھی نہیں جو مثل پتھر کے ہو (2) صاف ستھرا ہونا (3) شفاف ہونا جس سے آر پار چیز نظر آتی ہو اسی طرح مومن کا دل نرم ہوتا ہے ایمان والوں کے لئے اور سخت ہوتا ہے کافروں کے لئے یعنی: اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ: اور مومن کا دل صاف ستھرا بھی ہوتا ہے یعنی اس میں دین کے متعلق اللہ اور رسول کے متعلق شکوک و شبہات نہیں رہتے ہیں اور اس شفافیت کی وجہ سے مومن کے دل میں اعمال و حکمتیں جھلکتی ہیں مومن کا عقیدہ (مصباح) چراغ کے مشابہ ہے جس میں روشنی ہوتی ہے: كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ: یعنی جس طرح شیشہ میں چراغ تیز روشن مزیدار ہے اسی

طرح مومن کے دل میں ایمان کی روشنی اندھیروں میں اصل مقصد تک پہنچنے کے لئے ایک عظیم ذریعہ ہے یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ زَيْتُوْنَةٍ: جس طرح چراغ زیتون کے تیل سے روشن رہتا ہے اسی طرح مومن کے دل میں ایمان قرآن وسنت کے علوم ودلائل جوانہوں نے حاصل کئے ہیں روشن رہتے ہیں اور جوایمان تقلیدی ہوتا ہے اس میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اس میں استقرار ودوام نہیں رہتا ہے جبکہ قرآن وسنت کے دلائل سے لیا گیا ایمان ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک رہتا ہے اور اس کو ہمیشگی اور دوام حاصل ہوتا ہے اور جس طرح زیتون کے درخت کو مشرقی اور مغربی جانب کے بجائے درمیان قرار دیا ہے تو اسی طرح قرآن وسنت کا نزول سرزمین حجاز میں ہوا ہے جو ہر دونوں جانب کے درمیان ہے جو نہ تو مشرقی ملک ہے اور نہ ہی مغربی ہے: يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ: جس طرح بغیر آگ لگائے بھی زیتون کا تیل چمکتا ہے اسی طرح قرآن وسنت کے دلائل پر کوئی عمل کرے یا نہ کرے مگر وہ چمکتے رہتے ہیں کیونکہ واضح اور صاف ہیں نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ: جس طرح تیل کی چمک کے ساتھ چراغ کی روشنی جمع ہوتی ہے اسی طرح قرآن وسنت کے ساتھ جب دلائل عقلیہ جمع ہو جائیں تو ایمان میں مزید تکمیل ہوتا ہے اس تشبیہ کی وجہ جس طرح نور مذکورہ صفات کے ساتھ موصوف ہے جو حالات ذکر ہوئے ہیں تو انہیں تیز ہوائیں وغیرہ بجھا نہیں سکتیں کیونکہ شیشہ میں ہے اور روشنی دور تک پھیلا دیتی ہے تو اسی طرح متوحد نے جو توحید کی دعوت کو پھیلانا شروع کیا ہو دور دراز تک مشہور ہو جاتا ہے اور موحدین اس سے محبت کرتے ہیں چونکہ قرآن وسنت کی روشنی اس کے دل میں ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا: اور دور دراز سے لوگ توحید وسنت کی روشنی حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس آتے ہیں رعب اور دلائل کی وجہ سے مخالفین دین پر غالب ہوتا ہے: سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ: سورۃ صف مخالفین اس کے مقابلے سے عاجز ہوتے ہیں اور اس کی دعوت کو ختم نہیں کر سکتے ہیں: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ: سورۃ صف مصابیح سے روشنی لی جاتی ہے تو اسی طرح دیندار لوگ اس عالم کے علم سے روشنی یعنی اعمال صالح کے لئے دلائل لیتے ہیں: يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ: اپنے اس نور سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو ہدایت دیتا ہے۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

"ان گھروں میں جن کے ادب واحترام اور اللہ تعالیٰ کا نام لئے جانے کا حکم ہے وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں"[36]۔

تفسیر 36 اس آیت کا گزشتہ آیت سے تعلق ہے اسی طرح مثال اور ممثل لہٗ سے بھی تعلق ہے مثال کے ساتھ تعلق اس طرح ہے کہ جس مشکوٰۃ میں زجاجہ ہے اور اس زجاجہ میں مصباح چراغ ہے وہ مساجد میں ہوتا ہے اس میں ترغیب ہے کہ مساجد میں روشنی کرنا سبب اجر وثواب ہے اور ممثل لہٗ سے تعلق یہ ہے کہ توحید وایمان کی دعوت مساجد ومراکز توحید مدارس میں ہوتی ہے اور جہاں بھی توحید وسنت کی تبلیغ ہورہی ہے۔ فائدہ: اس آیت میں دینی مراکز ومساجد کے آداب کا ذکر کیا گیا ہے پہلا ادب: اَنْ تُرْفَعَ: اس میں مسجد کی تعظیم واحترام کا ذکر ہے مگر طریقہ تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے ان میں سے بعض طریقے یہ ہیں ان کی صفائی کا اہتمام کرنا، خوشبو لگانا، اس میں آوازوں کو بلند کرنے سے گریز کرنا۔ (نعی) یعنی میت کے اعلان سے اس میں گریز کرنا تجارت وصناعت سے اس میں گریز کرنا، داخل ہوتے وقت مسنون دعاؤں کے ساتھ اور دائیں قدم کو مقدم رکھنے کا اہتمام کرنا، واپسی میں بائیں پاؤں کو باہر مقدم کرنا اور ذکر مسنون کرنا۔ گمشدہ چیزوں کے اعلان سے گریز کرنا اس کے علاوہ دیگر آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے: وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ: اس میں قرآن کی تلاوت علوم شریعہ کا درس وتدریس کرنا۔ دعوت وتبلیغ اور سنت کے موافق ذکر داخل ہے اس جملہ کو: تُرْفَعَ: کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کہ اصل تعظیم تو مساجد میں ذکر الٰہی ہے يُسَبِّحُ لَهٗ: گزشتہ اعمال مساجد کے ساتھ خاص تھے اور ذکر الٰہی مسلم ومومن کا عام عمل ہے جو مساجد کے اصل آباد رکھنے کا سبب ہے۔ تسبیح سے صلوٰۃ ادا کرنا کلمات توحید زبان پر جاری کرنا اور ان کلمات توحید کی طرف دعوت دینا مراد ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝

"(وہ) لوگ جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید وفروخت اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی ہے اور نہ ہی پابندی نماز وادائیگی زکوٰۃ سے وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ پلٹ کر رہ جائیں گے"[37]

تفسیر 37 اس آیت میں اصحاب نور کی چھ صفات حسنہ کا ذکر ہے پہلی صفت: رِجَالٌ: اس میں کمال رجولیت کی طرف

اشارہ ہے یعنی بہادر افراد ہیں مردوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہ کمال مردوں کے لئے ہے جبکہ عورتوں کی نماز تو گھر کے بھی آخری حصہ میں ادا کرنا افضل ہے سنن ابو داؤد کتاب الصلوۃ حدیث 567۔ عیدین کی نمازوں کے لئے خواتین کا جانا لازمی ہے جیسے کہ اُم عطیہ رضی اللہ عنھا کی حدیث پوری جماعت محدثین نے نقل کی ہے۔ البتہ جو عورتیں شریعت کے اصول کے مطابق مساجد میں جاتی ہیں ان کو جانے سے روکنے والوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 873 وغیرہ میں روایتیں موجود ہیں۔ (۲) لَا تُلْهِيهِمْ: حلال دنیاوی کام کسب مراد ہے البتہ تجارت کو بطور خاص اس لیے ذکر کیا ہے کہ وہ بہتر کسب ہے لیکن وہ ان کاموں کی وجہ سے دین اور صلوۃ سے غافل نہیں ہوتے ہیں بلکہ سورۃ منافقون کی آیت 9 پر عمل کرتے ہیں۔ (۳) عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ: یعنی اللہ تعالیٰ کو اطاعت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ (۴) وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ: یعنی صلوۃ کے پابند رہتے ہیں۔ (۵) وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ: زکوۃ ادا کرتے ہیں (۶) يَخَافُونَ: قیامت کے حساب کتاب سے ڈرتے ہیں۔ قیامت کی اس طرح بیت سورۃ حم مومن آیت 18 اور سورۃ ابراہیم آیت 42 میں موجود ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

"تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ عطا کرے جو انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں اور اپنے فضل سے مزید اور بھی دیگا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب دیتا ہے" [38]۔

تفسیر 38 اس آیت میں خوشخبری ہے اور یہاں پر آحْسَنَ حسن کے مقابل نہیں ہے بلکہ اتباع رسول میں ہر عمل احسن ہے وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ: اس سے نیک عمل کے بدلہ میں اضافہ کرنا مراد ہے یعنی دس (10) گنا سے جتنا اللہ چاہے زیادہ دیتا ہے: وَاللَّهُ يَرْزُقُ: اس سے جنت کا رزق مراد ہے جس کا نہ کوئی اندازہ ہے اور نہ اس کا کوئی حساب ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹیل صحرا میں ایک سراب ہو جسے پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب ان کے پاس پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں تھا اور اس کے پاس اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے لہذا اللہ اس کو پورا پورا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے" [39]۔

تفسیر 39 اصحاب نور کی مثالیں ذکر کرنے کے بعد اب اصحاب ظلمات کی مثالیں بیان کی جا رہی ہیں پہلی مثال ان اعمال کی ہے جو بظاہر نیک اعمال ہیں لیکن مشرک کے اعمال ہیں یعنی نماز، روزہ، صدقات لوگوں کے ساتھ احسان لیکن آمیزش شرک کی وجہ سے مردود ہیں۔ دوسری مثال مشرک اور کافر کے ظالمانہ اعمال کی دی گئی ہے یا پہلی مثال ان کافروں مشرکوں کی ہے جو کفر و شرک کے داعی ہیں یعنی ان کے مقتدا سردار ہیں اور دوسری مثال مشرک جاہل لوگوں کی ہے جنہوں نے تقلید میں شرک کا ارتکاب کیا ہے اس دوسری توجیہ کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے راجح فرمایا ہے تشریح: كَسَرَابٍ شدت گرمی میں جب انسان صحراء میں کسی میدان وغیرہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو ایسے لگتا ہے کہ پانی چمکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن جب بندہ قریب جا پہنچتا ہے تو وہاں کوئی پانی نہیں ہوتا اسی طرح جب انسان ریگستانی علاقوں میں نکلتا ہے تو دھوپ میں اس کو ریت پانی کی طرح نظر آتی ہے حالانکہ وہ ریت ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ سراب معدوم چیز کا نام ہے یعنی جس کا وجود ہی نہ ہو: قِيعَةٍ: صاف میدانوں کو کہتے ہیں: حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ: یہ ضمیر سراب کی طرف راجع ہے یا کافروں کے اعمال کی طرف راجع ہے یعنی عمل ضائع ہونے کے سبب سے خالی ہاتھ ہوں گے: وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ: پہلی توجیہ کی بناء پر عبارت اس طرح ہوگی: لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا فَكَذَلِكَ الْكَافِرُ لَا يَجِدُ مِنْ جَزَاءِ عَمَلِهِ شَيْئًا بَلْ وَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ: یعنی وہ کچھ نہیں پائیں گے پس کافر بھی اپنے اعمال کے بدلہ میں کوئی اجر نہیں پائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کو وہ پالیں گے جبکہ دوسری توجیہ کی بناء پر تقدیری عبارت کی ضرورت نہیں ہے اور عِنْدَهُ: میں ضمیر عمل کی طرف راجع ہے یعنی جزاء کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان کی ملاقات ہوگی مثال کی تطبیق اس طرح ہے کہ جس طرح ایک پیاسا انسان اس سراب (چمک) کے پیچھے دوڑتا رہے مگر وہاں پہنچے پر اس کو ندامت ہو جائے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا تو اسی طرح کافر و مشرک اس گمان پر نیکیاں کرتا رہتا ہے کہ اس کا مجھے اجر و ثواب مل جائے گا لیکن جب قیامت کے دن عدالت الٰہی میں حاضر ہوگا تو اسے کچھ

نہیں ملے گا یعنی جنت سے وہ محروم ہوگا اور اس محرومیت کے لئے سبب شرک ہے اسی طرح جس نے دنیا میں شرک وکفر کے باوجود اقتدار یا دنیاوی عزت ومقام حاصل کیا ہے اس کا یہ گمان ہے کہ آخرت میں بھی اسی طرح اللہ تعالی مجھے مرتبہ دیگا لیکن آخرت میں اس کا یہ گمان غلط ثابت ہوگا۔

أَوْ كَظُلُمَٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾ ع

"پھر ان اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں پھیلے ہوئے اندھیرے کہ سمندر کی ایک موج نے ڈھانپ رکھا ہو جس کے اوپر ایک اور موج ہو اور اس کے اوپر بادل ہوں اوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے ہوں اگر کوئی اپنا ہاتھ باہر نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ ہی نور نہ دے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے" [40]۔

تفسیر 40 اس آیت میں اصحاب ظلمات کی دوسری قسم والوں کا ذکر ہے جو جاہل مقلدین ہیں یا مشرکین کے برے اعمال کی مثال ہے مثال کی تطبیق اس طرح سے ہے کہ جب انسان گہرے سمندر میں ہو ایک اندھیرا یہ ہے دوسرا اندھیرا پانی کی موج کا ہے پھر ایک اور موج اس کے اوپر ہو جو کہ تیسرا اندھیرا ہے پھر سمندر کے اوپر بادل چھائے ہوئے ہوں یہ چوتھا اندھیرا ہے ایسے اندھیروں میں وہ اپنی ذات سے بے خبر ہوتا ہے سخت اندھیرے کی وجہ سے اپنا ہاتھ دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے اس طرح کافر جہالت کے اندھیرے میں ہوتا ہے پھر اپنی جہالت جاننے یا اس کے اقرار سے منکر ہے یہ اور اندھیرا ہے پھر تقلید کے اندھیرے میں ہے اس کا پیشوا امام بھی جاہل ہے مبتدع مشرک ہے یہ اور اندھیرا ہے لہذا راہ نجات کسی بھی صورت نہیں پاسکتا ہے لہذا جب اسے اللہ تعالی نور نہیں دیتا ہے تو اسے کوئی بھی نور نہیں دے سکتا ہے مثال سمجھنے کا دوسرا طریقہ اس طرح ہے کہ ایک شرک کی ظلمت ہے دوسری ظلمت انکار جہل ہے یا عناد ہے تیسری ظلمت فسق فجور برے اخلاق کی ہے۔ چوتھی ظلمت لوگوں پر مظالم ڈھانے کی ہے پھر بھی اپنے گناہوں کو محسوس نہیں کرتا ہے اسلئے وہ نور الہی سے محروم ہے لُّجِّيٍّ: اس میں اشارہ ہے کہ نیچے کی طرف اندھیروں کی کوئی انتہا معلوم نہیں ہے۔ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ: اس میں اشارہ ہے کہ سورج، چاند ستاروں کی روشنی سے بھی محروم ہے کیونکہ بادلوں نے اس کی روشنی سے محروم کیا ہے۔ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ: انسان کو دیکھنے کے لئے قریب ترین اپنا ہاتھ ہوتا ہے تو جب اس کو اپنا ہاتھ نظر نہیں آتا ہے تو اور کیا چیز دیکھ سکے گا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۱﴾

"کیا آپ نے دیکھا نہیں آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہیں وہ اللہ ہی کی تسبیح پڑھتے ہیں اور پرندے بھی جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے ہیں ہر ایک کو اپنی نماز اور اپنی تسبیح کا طریقہ معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے پوری طرح خبردار ہے" [41]۔

تفسیر 41 نور کو حاصل کرنے اور ظلمات سے محفوظ رہنے کے لئے اب توحید پر عقلی دلائل پیش کئے جاتے ہیں یہ پہلی دلیل ہے۔صٰٓفّٰتٍ: اس کیفیت میں پرندے لوگوں کو واضح نظر آتے ہیں یا اس حال میں وہ تسبیح کثرت سے پڑھتے ہیں: كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ: صلوۃ انسانوں، ملائکہ اور جنات سے متعلق ہے جبکہ تسبیح پرندوں سے متعلق ہے یا پھر تسبیح صلوۃ کے لئے بیان وتوضیح ہے اور قَدْ عَلِمَ: میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کی صلوۃ و تسبیح کو جانتا ہے اس معنی کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ کے لئے علم عموم کا ذکر ہوا ہے یہ توجیہ بہتر ہے یا ضمیر: عَلِمَ کی مخلوق کی طرف راجع ہے تو پھر معنی یہ ہوگا کہ ہر ایک مخلوق انسان جنات ملائکہ اور پرندے وغیرہ صلوۃ و تسبیح اس طریقہ پر ادا کرتے ہیں اور جانتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۴۲﴾

"آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے" [42]۔

تفسیر 42 یہ دوسری دلیل عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسم ذات دو مرتبہ برائے تاکید ذکر کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

"کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو لیجاتا ہے پھر ان کو دوسرے سے جوڑ دیتا ہے پھر انہیں تہہ بہ تہہ گھٹا بنا دیتا ہے پھر تم ان (بادلوں) کے بیچ سے بارش کو برستے ہوئے دیکھتے ہو اور آسمانوں میں (بادلوں کی شکل میں) جو پہاڑ ہوتے ہیں اللہ ان سے اولے برساتا ہے پھر جس کے لئے چاہتا ہے ان کو مصیبت بنا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کا رخ پھیر دیتا ہے ایسا لگتا ہے کہ اسکی بجلی کی چمک آنکھوں کی بینائی اچک لے جائے گی" [43]۔

تفسیر 43 اس آیت میں تیسری دلیل عقلی ہے جس میں درمیانی حالات ذکر کیے ہیں اس میں بادلوں کی بناوٹ اور ان سے بارش برسانا اور اولے برسانا اور کسی کو بطور مصیبت پہنچا دینا اور کسی سے پھیر کر ان کو اس کی مصیبت سے بچالینا اور تیز بجلی کی چمک کی تیزی کا ذکر کیا ہے۔ یزجی زمین اور گردونواح سے اجزاء جمع کر کے اٹھالینے کو ازجاء کہتے ہیں جبال اس کو استعارہ کہتے ہیں یعنی ذکر مشبہ بہ کا کیا ہے جبکہ مراد مشبہ ہے یعنی بادل جو مثل پہاڑوں کے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کے تصرف کا بیان ہے کہ بارشوں کو پیدا کرنے والی ذات اسی کی ہے۔

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٤٤﴾

"وہی دن اور رات کو پھیرتا رہتا ہے یقیناً ان باتوں میں بصیرت رکھنے والوں کے لئے سامان نصیحت ہے" [44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں چوتھی دلیل عقلی ہے جس میں مزید احوال کا ذکر ہے جو ظرف زمانی مکانی اور زمانے میں تصرفات واختیارات ہیں۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

"اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پھر ان میں وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں کچھ وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" [45]۔

تفسیر 45 اس آیت میں دلیل عقلی سفلی ہے یعنی زمین کے احوال کا ذکر ہے اور چلنے والوں کی تین قسمیں ہیں پیٹ کے بل رینگنے والے سانپ وغیرہ دو پاؤں پر چلنے والے یعنی انسان پرندے اور چار پاؤں پر چلنے والے یعنی جانور حیوان چوپائے وغیرہ :يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ :میں زیادہ پاؤں والوں کی طرف اشارہ ہے یعنی مکڑی ،البتہ معروف یہ ہے کہ انکا بھی چلنا پھرنا چار پاؤں پر ہوتا ہے اس لیے ان کو الگ قسم کے طور پر ذکر نہیں کیا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"یقیناً ہم نے واضح آیتیں نازل کی ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے" [46]۔

تفسیر 46 اس آیت میں قرآن اور ان آیتوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی ہے چونکہ گزشتہ آیتوں میں عقیدہ توحید کا ذکر ہو گیا اس لیے اس کا اختتام صراط مستقیم پر کیا گیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"اور یہ (منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے فرمانبرداری اختیار کی ہے پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے یہ لوگ حقیقت میں مؤمن نہیں ہیں" [47]۔

خلاصہ: اس آیت سے سورۃ کے آخر تک پانچواں باب ہے اس میں مؤمنین و منافقین کی صفات کا تقابل ذکر ہوا ہے منافقین کے لئے زواجر اور مؤمنین کے لیے دنیا و آخرت کی خوش خبریاں ذکر ہیں پھر ایمان والوں کے لئے حرج سے نجات کے لئے تین آداب ذکر کیے گئے ہیں پھر آخر میں مؤمنین اور منافقین کی صفات کا تقابل ذکر کیا گیا ہے اور منافقین کے لئے زجر اور

تخویف ذکر کیا ہے اور سورۃ کا اختتام توحید پر کیا گیا ہے۔

وَ إِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ إِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوْٓا إِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ أَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوْٓا أَمْ يَخَافُوْنَ أَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ۚ بَلْ أُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

"اور جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رخ پھیر لیتے ہیں [48]۔ اور اگر خود ان کو کوئی (دنیاوی) فائدہ ہو تو پھر دوڑ کر قبول کرنے کے لئے یہ سبقت کرتے ہیں [49]۔ کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا انہیں یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم ڈھائے گا؟ نہیں بلکہ ظلم ڈھانے والے وہ خود ہیں" [50]۔

تفسیر 47، 48، 49، 50 نور اور توحید ذکر کرنے کے بعد منافقین کے لئے زواجر بیان کیے جارہے ہیں جو اس نور سے اعراض کرتے ہیں اور اس کو بجھانے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور واضح آیتوں کے ساتھ منافقانہ طرز اختیار کرتے ہیں ذیل کی آیتوں میں منافقین کی صفات کا ذکر ہے ان آیات میں منافقین کی نو صفات ذکر کی گئی ہیں پہلی آیت میں تین صفات ہیں دوسری آیت میں ایک اور تیسری آیت میں ایک جبکہ چوتھی آیت میں چار قبیح صفات ذکر کی گئی ہیں: يَقُوْلُوْنَ: اس میں مخفی لفظ اس طرح ہے: وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: یعنی ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: ثُمَّ يَتَوَلّٰى: یعنی تقاضی ایمان کے خلاف اعمال کرتے ہیں: وَمَا هُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ: یہ آیت سورۃ بقرہ آیت 8 کی طرح ہے: لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ: جب ان کو اللہ ورسول یعنی قرآن وحدیث رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو اعراض کر بیٹھتے ہیں جبکہ ختم قرآن یا دیگر رسم ورواج کے لئے دوڑ کر آتے ہیں: إِذَا فَرِيْقٌ: اس سے منافقین مراد ہیں: مِّنْهُمْ: میں ضمیر عام مسلمانوں کی طرف راجع ہے: مُذْعِنِيْنَ: یعنی جلدی قبول کرنے والے ہیں لیکن یہ قبولیت حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ مفاد پرستی اور خواہش پرستی کی وجہ سے ہے اور یہ: الْحَقُّ: کا مصداق ہے اور اس صفت کے مصداق لوگ اس معاشرے میں وہ ہیں کہ جب ان کو قرآن کی طرف اور سنت کی طرف فیصلہ کے لئے بلایا جائے تو وہ دیکھتے ہیں کہ اس فیصلہ میں ہمارے مفادات ہیں یا نہیں اگر دنیاوی فائدہ ہے تو فوری مانتے ہیں مگر اس کے برعکس ان کو اگر نقصان نظر آتا ہے تو پھر کہتے ہیں کہ ہم قانون

ملک پر فیصلہ کریں گے (یعنی قرآن وحدیث پر عمل کرنے میں ان کو فائدہ نظر آئے تو عمل کرتے ہیں اور فائدہ نظر نہ آئے تو اعراض کرکے تھانہ اور کورٹ کی طرف پلٹ جاتے ہیں اور اس طرح وہ متعصب مقلدین مولوی جو قرآن وسنت کے مقابلے میں فقہی روایات کو بغیر دلیل مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مقلد کے لئے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اسی طرح کہتے ہیں کہ اکابر ہم سے زیادہ سمجھنے والے تھے البتہ اگر قرآن وحدیث میں ان کے مفاد ہوتے ہیں تو پھر قرآن وحدیث کے حوالے دیتے ہیں اور اکابرین کی پروا نہیں کرتے ہیں: مَّرَضٌ: اس سے ایمان کی کمزوری مراد ہے اور: أَمْ: بَلْ: کے معنی میں ہے: أَمِ ارْتَابُوا: یعنی قرآن وسنت کے احکام میں یقینی شک کرتے ہیں جو کہ ایمان زائل کرنے کے لئے سبب ہے: أَمْ يَخَافُونَ: یعنی قرآن وحدیث کے فیصلوں کو ظلم کی نسبت کرتے ہیں جیسا کہ حدود شرعی یعنی ہاتھ کاٹنے، رجم کوڑوں کی سزاؤں کو وحشی سزائیں قرار دیتے ہیں اور یہ عین کفر ہے: بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ: یعنی قرآن وحدیث کے فیصلوں میں کوئی ظلم نہیں ہے البتہ ان کے قوانین اور رسم رواج ظلم پر مبنی ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿51﴾ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿52﴾

"مومنوں کی تو بات ہی یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جائے تا کہ ان کا فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں [51]۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی فرمان داری کریں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں تو وہی لوگ کامیاب ہیں" [52]۔

تفسیر 52, 51 ان آیتوں میں مومنین اور منافقین کے درمیان فرق واضح کرنے کے لئے ایمان والوں کی چھ صفات کا ذکر ہے اور ان کو کامیابی ونجات کی خوشخبری دی گئی ہے فلاح اور فوز میں فرق یہ ہے فلاح: نَيْلُ الْخَيْرِ وَالنَّفْعِ الْبَاقِي أَثَرُهُ: ایسے خیر اور فائدہ کو حاصل کرنا جو مستقل ہمیشہ کے لئے ہو: فَوْزُ الْإِخْلَاصِ مِنَ الْمَكْرُوهِ مَعَ الْوُصُولِ إِلَى الْمَحْبُوبِ مصیبت سے بچتے ہوئے مقصد تک پہنچنا: کتاب الفروق اللغوية لابی هلال العسکری: چونکہ پہلی صفت جنت کے دخول کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ نفس ایمان ہے تو اس کے ساتھ فلاح ذکر ہوا ہے۔ اور دوسری آیت میں پورا ایمان یعنی احکام الٰہی پر عمل اور منہیات سے اجتناب ذکر ہوا ہے جو کامل کامیابی کے لئے سبب ہے جس کو فوز کہا جاتا ہے اس لئے اس کے ساتھ فوز ذکر کیا ہے: سَمِعْنَا: یہ سماع قبولیت کے اعتبار سے ہے جو صفت قلب

ہے اور: أَطَعْنَا: صفت اعضا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اس میں مامورات کی اطاعت مراد ہے اور: يَخْشَ اللّٰهَ: گذشتہ اعمال کا خوف ہے جس کی سزا سے ڈرتے ہیں: وَيَتَّقْهِ: اس کا تعلق آئندہ زندگی میں اللہ ورسول کی معصیت سے اجتناب کرنا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

"اور یہ (منافق لوگ) بڑی مضبوط قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو یہ نکل کھڑے ہوں گے فرما دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرمان برداری کا سب ہم کو پتا ہے یقین کرلو کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب سے باخبر ہے"[53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں منافقین کے لئے زجر ہے اور ان کی دسویں صفت قبیحہ ذکر ہوئی ہے چونکہ فرق بیان ہونے پر وہ ناقابل اعتبار ہو گئے تو انہوں نے بہت ہی تاکیدی قسمیں کھانا شروع کیں کیونکہ جب وہ عام حالتوں میں قسمیں کھاتے تو غیر اللہ کے نام لیتے تھے لیکن جب مضبوط اور تاکیدی قسم کھاتے تو اللہ کا نام لیتے تھے: لَيَخْرُجُنَّ: یعنی اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم اپنے مال جائیداد، اولاد سے یہاں تک کہ گھروں سے نکل کھڑے ہوں گے تاکہ آپ کی پیروی کریں یا مراد جہاد میں جانے کے لئے بالکل تیار ہیں: طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ: ایک معنی یہ ہے کہ شریعت پر عمل کرنا قسموں کے کھانے سے بہتر ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہارے اوپر شریعت کی اطاعت لازم ہے۔ تیسرا معنی یہ ہے کہ تمہاری اطاعت معلوم اور مشہور ہے کہ اپنے نفس اور خواہش کی پیروی اور اطاعت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

"فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول کے فرمانبردار بنو پھر بھی اگر تم منہ پھیرے رکھو تو رسول پر اتنی ہی ذمہ داری ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے اور تمہارے ذمہ جو بوجھ ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو اگر تم اس کی فرمان برداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کی اتنی ہی ذمہ داری ہے کہ تمہیں کھول کھول کر حق بات پہنچائے" [54]۔

تفسیر 54 اس آیت میں منافقین کو خصوصاً جبکہ عام لوگوں کو عموماً اتباع رسول کا حکم دیا گیا ہے کہ منافقت چھوڑ کر خلوص کے ساتھ رسول کی اطاعت کریں اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ رسول سے اعراض کرنے میں نقصانات ہیں: فَاِنْ تَوَلَّوْا: اس سے مراد دعوت وتبلیغ یعنی اپنے فرائض کی ادائیگی مراد ہے: مَا حُمِّلْتُمْ: اس سے مراد یہ ہے جو احکام رسول لے کر آئے ہیں ان کو قبول کرنا اور رسول کی اطاعت واکرام کرنا اور پھر اطاعت کا فائدہ اس طرح سے بیان کیا ہے کہ: اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا: یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول کی اطاعت کیئے بغیر ہدایت ناممکن ہے لہٰذا جن لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کی ہے کہ شریعت الگ چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے وہ گمراہ ہیں اور اس طرح وہ لوگ جنہوں نے اپنے سے عقائد واعمال بنا ڈالے اور ان کے لئے ثواب واجر کے قصے گھڑتے رہتے ہیں وہ سب گمراہی کی راہ پر چل رہے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ ان کو زمین میں ضرور بر خلافت سے نوازے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو نوازا تھا اور ان کے لئے اس دین کا اقتدار بخشے گا جسے ان کے لئے چن لیا ہے اور ان کے خوف کو امن میں بدلے گا (بس) وہ میری عبادت کریں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور جو لوگ اس کے بعد بھی نافرمانی کریں گے تو وہ نافرمان ہونگے" [55]۔

تفسیر 55 اس آیت میں ایمان والوں کے لئے دنیاوی بشارت ہے یعنی اس سورۃ کے قوانین کو جاری کرنے کے لئے اللہ

تعالیٰ مسلمانوں کو خلافت سے نوازدے گا اور اس خلافت پر منافقین کو ذلت کا سامنا کرنا پڑیگا اس آیت میں خوشخبری کے لئے تین اسباب بیان کئے ہیں۔(1) ایمان۔(2) عمل صالح۔(3) اللہ تعالیٰ کی ایسی بندگی جس میں شرک کی ذرہ برابر آمیزش نہ ہو پھر اس پر تین خوشخبریاں سنائی ہیں۔(1) خلافت،(2) دین اسلام کا تمکن،(3) امن۔خلافت سے دین اسلام غالب کرنا مراد ہے اور یہ بات تو واضح ہے کہ اسلام کے غلبہ سے امن آتا ہے لہذا اس ترتیب سے اس لئے ذکر کیا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اعراض کا بڑا سبب کفر ہے جسے فسق بھی کہتے ہیں اور خلافت کے قیام سے اس کا زوال آتا ہے اس لئے آیت کا اختتام اَلْفَاسِقُوْنَ: پر کیا ہے:اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ:اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو فرعون کی ہلاکت کے بعد خلافت اسلامیہ کے مالک بنے البتہ ان کی خلافت کی بہترین مثال داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا دور ہے۔فائدہ:لفظ:مِنْكُمْ: میں دلیل ہے کہ یہ وعدہ عام مسلمانوں سے نہیں ہے بلکہ بعض مسلمانوں سے ہے جو مشیت الٰہی پر بنا ہے پھر یہ وعدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے شروع ہو کر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک رہا جس میں فتوحات جاری رہیں پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکہ فتح ہوا۔خیبر،بحرین،جزیرۃ العرب،یمن،ہجر،برس،شام کے اطراف،عمان،حبش میں بعض کو فتح اور بعضوں پر جزیہ ٹیکس مقرر کیا گیا تھا۔خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جزیرۃ العرب سے مرتدین کو ختم کیا گیا تھا اور بصریٰ،دمشق،حوران اور مصر کے کچھ حصوں کے بعض علاقے فارس کے بھی فتح ہو گئے تھے اور خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام،مصر مکمل اکثر بلاد فارس اور روم کو فتح کیا گیا اور مسلمانوں میں کسریٰ وقیصر کے خزانے تقسیم کئے گئے۔خلیفہ ثالث عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مغرب بحر محیط تک اور مشرق میں عراق خراسان،اھواز کابل وغیرہ تک خلافت اسلامیہ پھیل گئی ان کے بعد بھی فتوحات جاری تھیں،ہندوستان پر مسلمان غالب ہو گئے۔فائدہ:اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے لیکن جب مسلمانوں نے قرآن وسنت کو چھوڑ دیا اور شرکیات وبدعات کو دین بنا بیٹھے اور یہود ونصاریٰ کی مشابہت میں مصروف ہو گئے اور قانون اسلامی کے مقابل دوسرے قوانین کو پسند کرنے لگے تو معاملہ برعکس ہو گیا یعنی مسلمانوں کی فتح یابی شکست میں بدل گئی کفار مسلمانوں پر مسلط ہو گئے اور شکست خوردہ ہو کر ذلیل اور مغلوب ہو گئے:اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَانْصُرْنَا عَلٰى اَعْدَائِنَا وَاَعِنَّا عَلَيْهِمْ وَامْكُرْ لَنَا عَلَيْهِمْ وَلَا تُسَلِّطْهُمْ عَلَيْنَا:اٰمِيْن

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

"اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی پیروی کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت میں خلافت کے بقاء کے لئے تین اوامر کا ذکر ہوا ہے۔(1) اقامۃ الصلوۃ، (2) ایتاء الزکوۃ، (3) ساری زندگی رسول کی اطاعت اور خصوصاً نماز و زکوۃ میں اطاعت رسول کی پابندی واجبی طور پر ادا کرو گے: تُرْحَمُوْنَ: اس میں خلافت اسلامیہ کے بقاء کی طرف اشارہ ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾

"ہرگز یہ گمان مت کرو کہ جن لوگوں نے ارتکاب کفر کیا ہے وہ زمین میں (کہیں بھاگ کر ہمیں) بے بس کر دیں گے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یقیناً وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے" [57]۔

تفسیر 57 اس آیت میں مؤمنین کی مخالفت کرنے والوں کے لئے تخویف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ایمان والوں کو تسلی دی گئی کہ کافر تم سے خلافت چھین نہیں سکتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾

"اے ایمان والو! جو غلام لونڈیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اور تم میں سے جو بچے بلوغ تک نہیں پہنچے ان کو چاہیے کہ تین اوقات میں تمہارے پاس آنے کے لئے اجازت لیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتار کر رکھا کرتے ہو اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پاس پردے کے اوقات ہیں ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کوئی تنگی ہے اور نہ ان پر۔ ان کا بھی تمہارے پاس آنا جانا لگا رہتا ہے اور تمہارا بھی ایک دوسرے کے پاس۔ اور اللہ تعالیٰ کھول کھول کر اپنے احکام و تعلیمات بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا اور حکمت والا ہے" [58]۔

تفسیر 58 چونکہ خلافت کا مقصد امن و امان اور مسلمانوں کو محبت و عفت دلانا مقصد ہے تو اب تین قوانین اس کے لئے بیان

فرماتا ہے۔ ان میں سے پہلا قانون اس آیت میں ذکر ہوا ہے اس میں غلاموں اور اولادوں کی اجازت کا ذکر ہے جبکہ آیت 27 میں غیر لوگوں کی اجازت کا ذکر گزر گیا ہے۔ یعنی تین اوقات ایسے ہیں کہ انسان اس میں بے پرواہو کر اٹھا بیٹھا کرتا ہے اور پردے کا لحاظ نہیں کرتا ہے اس لئے اس میں ان کے پاس آنے کے لئے اجازت لینا لازمی قرار دیا ہے (1) نماز فجر سے پہلے (2) ظہر کے وقت (3) اور نماز عشاء کے بعد۔ ان اوقات میں وہ اولاد جو سمجھدار ہو اگرچہ نابالغ ہو البتہ عورتوں کی پوشیدہ کیفیت سے واقف ہو۔ اور خادم غلام بھی تمہارے پاس آنے کے لئے اجازت لیں۔ ان اوقات کے علاوہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ ہر آن آنا جانا کرتے ہیں اگر ہر وقت ان پر اجازت لینا فرض کی جائے تو یہ ان کے لئے (حرج) مشکل ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ دین میں بندوں پر (حرج) تنگی نہیں ڈالتا ہے۔ (امام ابو داؤد نے کتاب الادب باب في الاستئذان حدیث 5191) میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اکثر لوگ اس آیت پر عمل نہیں کرتے ہیں جبکہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے میں اپنی لونڈی کو اس آیت پر عمل کا حکم دیتا ہوں۔ ابن کثیر: ثَلٰثَ مَرّٰتٍ: اس سے رات اور دن میں تین اوقات مراد ہیں: وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ: اس سے سارا لباس مراد ہے جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ سونے سے قبل سب لباس اتارتے ہیں اکثر لباس مراد ہے جس میں ان کا ستر بھی کھل جائے تو اس سے بے پرواہ ہوتے ہیں نیز ظہر کے وقت اکثر جماع نہیں ہوتا ہے تو اس لئے صرف کپڑے اتارنا اس کے لئے علت قرار دیا جبکہ صلوۃ فجر سے قبل اور صلوۃ عشاء کے بعد والے اوقات میں دونوں وجوہات ہیں اس لئے وہاں فقط کپڑے اتارنا ذکر نہیں کیا۔ طَوّٰفُوْنَ: یہ سابقہ حکم کے لئے علت ہے ان اوقات خدمت گاروں کا تو آنا جانا خدمت کی وجہ سے ہے اور اولاد کی تو ضرورت زیادہ پڑتی ہے اس لئے والدین کے پاس کثرت سے آتی جاتی ہے لہٰذا اگر ہر وقت ان کے لئے اجازت فرض قرار دی جائے تو ان کے لئے بہت حرج ہوگا۔

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿59﴾

"اور جب تمہارے بچے بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اسی طرح اجازت لیا کریں جیسے ان سے پہلے بالغ ہونے والے اجازت لیتے رہے۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر تمہارے لئے بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ علم اور حکمت والا ہے" [59]۔

تفسیر 59 یہ سابقہ قانون کے لئے تتمہ ہے یعنی وہ لڑکے (اولاد) جب بالغ ہوجائیں تو وہ بھی ہر وقت اسی طرح اجازت طلب کریں گے جیسا کہ آیت 27 میں گزر گیا ہے۔ دونوں آیتوں کے آخر میں تاکید کے لئے اس طرح فرمایا ہے کہ : كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ : چونکہ بعد والی آیت میں گزرے ہوئے حکم کا حوالہ دیا تھا تو اس کے اشارے کے لئے : اٰيٰتِهٖ : ذکر کیا ہے چونکہ پہلی آیت میں معلق حکم تھا اس لئے وہاں : اَلْاٰيٰتِ : فرمایا تھا۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؀

"اور عمر رسیدہ عورتیں جنہیں نکاح کی کوئی توقع نہ رہی ان کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے اتار کر رکھ دیں بشرطیکہ زینت کی نمائش نہ کریں اور اگر وہ خود کو محفوظ رکھیں تو ان کے لئے بہت ہی اچھی بات ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والا ہے" [60]۔

تفسیر 60 ایمان والوں کے لئے تنگی (حرج) ختم کرنے کے لئے یہ دوسرا قانون ہے۔ جس میں عفت اور آسانی دونوں جمع کیا گیا ہے : وَالْقَوَاعِدُ : اس میں اشارہ ہے کہ یہ عام ضروریات سے جو عورتوں سے متعلق ہو عاجز آچکی ہیں : اَلّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا : اس میں اشارہ ہے کہ یہ اپنی عمر کے اس نہج کو جا پہنچی ہیں کہ ان کے شوق اور خاص رغبت (شہوت) ختم ہوگئے ۔ اس عمر میں عموماً بداخلاقی کا عملی خطرہ نہیں رہتا ہے : ثِيَابَهُنَّ : اس سے برقعہ بڑی چادر وغیرہ مراد ہے : غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ : یعنی برقعہ یا بڑی چادر اس لئے نہیں اتارتی ہیں کہ زینت کا مظاہرہ کریں یا اس کی اپنی پنڈلیاں، ہاتھ گردن سینہ لوگوں کو ظاہر کرنا مقصد نہیں ہوتا ہے نیز سرخی پاؤڈر سرمہ وغیرہ زینت بھی نہیں کرتی ہوں۔ تو تب ان کے لئے نکلنا درست ہے : اَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ : اس میں اشارہ ہے کہ احکام کی دو قسمیں ہیں ایک عظیمت اور دوسری رخصت۔ عظیمت پر عمل افضل اور رخصت پر جائز ہوتا ہے۔

لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا مِنۡۢ

بُيُوۡتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اٰبَآئِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اُمَّهٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اِخۡوَانِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخَوٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ

بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَا مَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ‌ ؕ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ

اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا‌ ؕ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُيُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً‌ ؕ

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝٦١

"نہ کسی نابینا کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے اور نہ پاؤں سے معذور شخص کے لئے کوئی گناہ ہے نہ کسی بیمار کے لئے اس میں کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے کوئی گناہ ہے کہ تم اپنے گھروں میں سے کچھ کھالو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے اپنے ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنے بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان کے گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔لہٰذا جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کر لیا کرو یہ ملاقات کی بابرکت پاکیزہ دعا ہے۔جو اللہ کی طرف سے آئی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم عقل حاصل کرو" [61]۔

تفسیر 61 یہ تیسرا قانون ہے جو (حرج) تنگی ختم کرنے، محبت پیدا کرنے اور آسانی دلانے کے لئے ہے۔چونکہ کبھی انسان معذور لوگوں کے ساتھ کھانا پسند نہیں کرتا ہے بلکہ گناہ تصور کرتا ہے اس خیال سے کہ یہ معذور ہے ہم کہیں زیادہ نہ کھالیں۔اسی طرح ماں باپ بھائیوں رشتہ داروں کے گھروں سے کھانا اس اعتبار سے کہ گھر کا مالک موجود نہ ہو۔لہٰذا فرمایا کہ اس کو گناہ مت سمجھو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس میں ترغیب دی ہے کہ اس کھانے پینے اور شراکت سے تمہارے درمیان محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔اسی لئے مل کر کھانے اور الگ الگ کھانے کی اجازت بھی اسی تناظر میں دی گئی ہے کہ محبت بھی باقی ہو اور (حرج) تنگی بھی نہ ہو۔اور داخل ہوتے وقت سلام کا بھی حکم دیا ہے کہ اپنے اہل و دوستوں رشتہ داروں پر سلام بھی کرو۔لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ: ایک معنی یہ ہے کہ معذوروں کے ساتھ کھانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ ان معذوروں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تمہارے ساتھ کھانا کھائیں۔مِنۡۢ بُيُوۡتِكُمۡ: مراد وہ گھر ہے جس میں یہ

شخص رہتا ہے اور خرچ بھی کرتا ہے یعنی اپنے گھر میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح ان دیگر گھروں کو بھی تصور کرو۔یعنی دوستوں اور رشتہ داروں کو ایک دوسرے کے گھروں میں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بُيُوتِكُمْ: بیٹوں کے گھر بھی اس میں داخل ہیں۔کیوں کہ حدیث میں ہے کہ اولاد کا مال بھی والد کا مال ہے یعنی ضرورت کے وقت وہ استعمال کر سکتے ہیں۔(ابو داؤد کتاب البیوع حدیث3530ابن ماجه حدیث2292و احمد حدیث6678قال احمد شاکر صحیح وقال البانی حسن صحیح):صَدِيقِكُمْ :اس طرح دوست دوستوں کے کھانے پر خوش ہوتے ہیں:جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا جَمِيعًا: پہلے اس لئے فرمایا کہ جمع ہو کر کھانا افضل ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے:فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ: گھر میں رہنے والے مراد ہیں۔خواہ اپنی ہی بیوی بچے ہوں:تَحِيَّةً :اس لئے فرمایا کہ یہ زندگی کی دعا ہے اور سبب حیات ہے اور اللہ کی جانب سے ہے:مُبَارَكَةً:سبب محبت اور دوستی ہے اور بغض وحسد دور کرنے کے لئے علاج ہے:طَيِّبَةً:یعنی سننے والے اس پر خوش ہوتے ہیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾

"مومن تو وہ لوگ ہیں جو اللہ ورسول کو دل سے مانتے ہیں اور رسول کے ساتھ جب کسی اجتماعی عمل میں ہوتے ہیں تو اس سے اجازت لئے بغیر کہیں نہیں جاتے۔آپ فرمادیجئے یقیناً جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں۔یہی لوگ حقیقت میں ایمان والے ہیں۔لہذا جب وہ کسی کام کے لئے آپ سے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جن کو آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے رب سے مغفرت کی دعا کیا کریں یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے"|62|۔

تفسیر 62 سابقہ آیت کے ساتھ ربط۔یعنی جس طرح مسلمانوں کے آپس میں سلام کا حکم ہے تو اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوتے وقت بھی ہے جو بطور اجازت لینے کے ہے اور پوری سورۃ سے ربط یہ ہے کہ پہلے آداب واحکام بیان ہو گئے جو آیات بینات کہلاتے ہیں تو آخر میں شان رسالت کا بیان ہوا کہ قرآن کے احکام ماننے کے ساتھ فرمان نبوی بھی ماننا لازم ہے۔نیز ان آیتوں میں منافقین ومومنین کی صفات مقابلہ (تقابل) ذکر ہے:أَمْرٍ جَامِعٍ: مراد یہ ہے کہ جس

کام پر امیر المومنین یا اصحاب رائے جمع ہوجائے، اور بعض اہل علم نے اس میں جمعہ اور جماعت کی نمازوں کو بھی داخل کیا ہے۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل اپنے امیر سے اجازت بھی اس میں شمار ہے: وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ: اس میں رخصتی کی دعا کا ذکر ہے البتہ اس میں ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ امیر جب ساتھی کے لئے دعا کرلیں تو یہ ان کی خوشی واجازت کی دلیل ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

"اے لوگو! رسول کے بلا دے کو آپس میں ایسا معمولی مت سمجھو جیسا کہ آپس میں تم ایک دوسرے کو بلاتے ہو اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی آفت نہ آن پڑے یا انہیں کوئی دردناک عذاب نہ آ پکڑے" [63]۔

تفسیر 63 اس آیت کی ابتداء میں شان رسالت کا بیان ہے دوسرے جملے میں منافقین کے حالات کا ذکر ہے تیسرے جملے میں ان لوگوں کے لئے تخویف ہے جو سنت کی مخالفت کرتے ہیں: لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ: اس میں تین توجیہات ہیں۔ پہلی توجیہ یہ ہے کہ دعا کا معنی بلانا ہے یعنی رسول کو اس طرح نام سے مت پکارو جس طرح تم ایک دوسرے کو نام سے بلاتے ہو۔ یعنی یا محمد مت کہو بلکہ بلاتے وقت یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہو۔ اس طرح ابن کثیر وابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کسی ایک صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے کہ صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام محمد سے پکارا ہو بلکہ منافقین اور یہود آپ کو نام سے پکارتے تھے، نیز اگر اللہ کی طرف سے یا ملائک کی طرف سے لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پکارا گیا ہو تو اس پر قیاس نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ وہ اس آیت کے مخاطب نہیں ہیں دوسری توجیہ یہ ہے کہ دعا مشہور معنی میں ہے جیسا کہ پہلی آیت میں نبی سے فرمایا گیا کہ جب ان کو اجازت دو تو استغفار کے ساتھ ان کو رخصت کرلیا کرو یعنی اللہ سے ان کے لئے دعا کرلیا کرو۔ تو اب ترغیب دی جاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا کو اپنی دعا کی طرح مت سمجھو۔ اس لئے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے لہذا اس کی دعا حاصل کرنے کے لئے جاتے وقت اس سے اجازت طلب کرلیا کرو۔ تیسری توجیہ یہ ہے کہ دعا حکم کے معنی میں ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم

کو اپنے حکم کی طرح مت سمجھو کیوں کہ اس کے حکم کی اطاعت فرض ہے: يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ: تَسَلُّلٌ: کا معنی ہے چھپ چھپ کر کھسکنا اور لِوَاذًا: کا معنی ہے اپنے آپ کو پناہ کر لینا یعنی چھپا لینا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے منافقین ایک دوسرے کی پناہ (آڑ) لے کر کھسک جاتے تھے اور بغیر اجازت چھپ کر مجلس سے نکل جاتے۔ اس صفت میں وہ لوگ بھی شامل نہیں جو مختلف حیلوں اور بہانوں سے سنت نبوی سے اعراض کرتے ہوئے منہ پھیرتے ہیں: يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ: ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ أَمْرِهِ: سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منہاج سنت اور شریعت مراد ہے لہذا ہر قول وفعل کو اس کی سنت پر پیش کیا جائے گا اگر موافق ہوگا تو ٹھیک ہوگا ورنہ رد کیا جائے گا اور ان کا رد کرنا اس آیت کے تحت آئے گا: فِتْنَةٌ: اس سے کفر، نفاق اور بدعت مراد ہے یعنی سنت کی مخالفت رفتہ رفتہ انسان کو کفر، شرک اور بدعت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ یا اس :فِتْنَةٌ: سے دنیاوی عذاب، قحط، مہنگائی، ظالم بادشاہوں کی حکمرانی وغیرہ مراد ہے جیسے ہمارے اس دور میں لوگوں نے سنت رسول کو پس پشت ڈال رکھا ہے عقائد اعمال اور احکام، قوانین میں قرآن وسنت کے خلاف راستے اپنائے ہوئے ہیں اس لئے دنیا کے اکثر ممالک میں کافروں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور مختلف عذابوں میں بھی مبتلا ہیں: عَذَابٌ أَلِيمٌ: اس میں دنیا وآخرت کے دونوں عذاب مراد ہے: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ: وَنَعُوذُبِكَ مِنَ الْأَعْدَاءِ وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا: اَللّٰهُمَّ امین۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

"یاد رکھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے تم جس حالت میں ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے اور جس دن سب کو اس کے پاس لوٹایا جائے گا۔ اس دن ان کو بتا دے گا کہ انہوں نے کیا عمل کیا تھا اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے" [64]۔

تفسیر 64 چونکہ گزشتہ آیت میں عذاب کا ذکر کیا تھا تو اس آیت میں اس کے قادر ہونے کا ذکر ہے کہ وہ ہر چیز پر علم رکھتا ہے تو عذاب دے سکتا ہے اور عالم ہے جانتا ہے کہ کون عذاب کا مستحق ہے اور اس آیت میں سورۃ کا اختتام توحید پر کیا جو رد شرک فی التصرف اور رد شرک فی العلم ہے: يَوْمَ يُرْجَعُونَ: کے ساتھ اثبات قیامت کیا ہے۔

سورۃ نور کی خصوصیات:

ا۔ اس سورۃ میں فحاشی روکنے کیلئے قوانین کا تذکرہ ہے۔

۲۔ اس سورۃ میں اہل ایمان کے متعلق طعن و تشنیع سننے کی صورت میں آداب کا ذکر ہے۔

۳۔ شرک اور توحید کے لئے مثالیں۔

۴۔ اس سورۃ میں عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائی گئی تہمت اور ان کے برأت کا تذکرہ ہے۔

۵۔ منافقین اور اہل ایمان کے صفات میں فرق۔

الحمدللہ! سورۃ نور کی تفسیر مکمل ہوگئی

ایاتہا ۷۷ | ۲۵ سورۃ الفرقان مکیۃ ۴۲ | رکوعاتہا ٦

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

اس سورۃ کا سورۃ نور کے ساتھ ربط1: سورۃ نور میں اہل توحید اور اہل شرک کا فرق مثالوں سے سمجھایا گیا تھا تو اس سورۃ میں اہل توحید و اہل شرک کے فرق کو ان کی صفات کے ذریعے سے بیان کیا ہے۔ ربط 2: گزشتہ سورۃ میں جاہلیت کے اعمال سے منع فرمایا تھا تو اس سورۃ میں ان کے باطل عقائد اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ربط 3: نور کے ذریعے سے روشنی آتی ہے جس سے بندہ صحیح اور غلط کا فرق کرسکتا ہے تو اس لئے نور کے بعد فرقان لایا تاکہ لوگ روشنی میں صحیح اور غلط عقائد اور اعمال میں فرق کرسکیں۔ سورۃ کا بنیادی اور مرکزی مضمون: شرک فی البرکات کا رد اور شرک کی تمام اقسام کا رد کیا گیا ہے۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ بیان کرتے ہوئے منکرین کے لئے تخویفات بھی ہیں اور مقاصد اربعہ کے انکار پر زجر ہے جو کہ توحید۔ رسالت۔ قرآن اور آخرت پر ایمان ہے۔ نیز مشرکین اور مؤمنین کا تقابل بھی ذکر ہے۔ سورۃ کا خلاصہ: اس میں چار ابواب ہیں۔ پہلا باب آیت 10 تک ہے اس میں سورۃ کا عنوان اور اس پر چھ دلائل عقلیہ پیش کیے ہیں۔ پھر باطل معبودوں سے چھ چیزوں کی نفی کی ہے جو کہ مشرکین کے لئے زجر ہے۔ پھر انکار قرآن پر چھ طریقوں سے زجر سنائی ہیں۔ پھر انکار رسول پر چھ طریقوں سے زجر کیا ہے۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾

"بڑی شان ہے اس کی جس نے اپنے بندے پر حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی اس کتاب کو نازل کیا تاکہ وہ دنیا والوں کو ڈرائیں" [1]۔

تفسیر 1 اس آیت میں سورۃ کا بنیادی مضمون یعنی دعویٰ ہے جس میں شرک فی البرکات کا رد کیا گیا ہے اور یہ تین مرتبہ ہے پہلی مرتبہ سے مراد دنیاوی برکات ہیں دوسری مرتبہ سے مراد اخروی برکات ہیں تیسری مرتبہ سے مراد روحانی برکات ہیں تَبٰرَکَ: اس لفظ میں ہمیشگی اور کثرت خیر اور فائدے کا معنیٰ ہے لہٰذا پہلے معنیٰ کے اعتبار سے لازمی ہے یعنی ہمیشہ اور فنا سے پاک ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے متعدی ہے یعنی بہت خیر اور فائدے دینے والی ذات صرف اللہ کی

ہے۔ خیر اور نعمتوں کی پیدا کرنے اور ان میں اثر وزیادتی پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یہ دونوں معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں لہٰذا: تَبٰرَكَ: صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (ر) کی زبر کے ساتھ: مُبَارَكٌ مُتَبَارَكٌ: نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ برکتوں میں کسی اور کا محتاج نہیں ہے: الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ: یہ پہلی دلیل عقلی ہے۔ قرآن کا نزول سارے عالم کے لئے بابرکت ہے اور اس میں عظیم برکت یہ ہے کہ حق وباطل میں اس سے فرق واضح ہوتا ہے۔ اس لئے لفظ: فُرْقَانَ: ذکر کیا ہے: لِيَكُوْنَ: اس میں ضمیر عبد یا فرقان کی طرف راجع ہے: لِلْعٰلَمِيْنَ: اس سے عام انسان اور جن مراد ہے اس میں دلیل ہے کہ یہ کتاب اور نبی سارے عالم کے لئے بھیجے گئے ہیں لہٰذا اس قرآن کے بعد کوئی کتاب اور اس نبی کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝

"وہ ذات جو آسمان اور زمین کا مالک ہے اور جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا ہے اور نہ ہی اس کی بادشاہت میں کوئی شریک ہے اور جس نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کو ایک مناسب انداز سے ٹھہرا دیا ہے" [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں پانچ دلائل کا ذکر اللہ تعالیٰ کی صفات کے ذریعے کی ہے ان میں تین صفات ثبوتی اور دو صفات سلبی ہے۔ یعنی ہر چیز پر بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہے مخلوق سب کے سب اس کی مملوک اور رعیت ہے۔ لہٰذا ان میں برکات عطا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ سوال اگر کوئی کہہ دے کہ ہوسکتا ہے کہ برکات دینے کا اختیار کسی اور کو دے رکھا ہو یا کسی کو اس میں شریک کیا ہو تو اس کا جواب اس طرح دیا ہے: وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ: یعنی ہر چیز جب اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے تو ہر خیر اور شر کا خالق بھی وہی ہے۔ پھر ایک مزید سوال پیدا ہوا کہ اگر کوئی کہہ دے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے لیکن کمی زیادتی کا اختیار کسی کو دیا ہوگا اس سوال کا جواب اس طرح دیا گیا کہ: فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا: یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کیا ہے لہٰذا کسی کو اس میں تبدیلی پیدا کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ برکات کے اختیارات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور اس آیت میں دلیل ہے کہ ہر خیر اور شر کی تقدیر مقدر کیا ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے متعین کیا ہے۔ اور تقدیر کی شر وخیر پر ایمان لانا فرض ہے۔ تقدیر مخلوق سے قبل لکھی گئی ہے لیکن اس کو حرف (ف) کے ساتھ ہر چیز کی خلقت کے بعد ذکر کیا ہے تاکہ پیدا کرنے میں مخلوق کے ساتھ موافقت پیدا ہو

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

"اور لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور جن کو خود اپنے نفع ونقصان پر بھی کوئی بس نہیں چلتا ہے۔ اور نہ کسی کا مرنا اور جینا ان کے اختیار میں ہے اور نہ ہی کسی کو دوبارہ زندہ کرنا" [3]۔

تفسیر 3 اس آیت میں مشرکین کے لئے شرک فی البرکات کی اعتقاد پر وعید ہے: اٰلِهَةً: اس سے وہ معبود مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے ماسوا برکات کی مالک تصور کئے جاتے ہیں اور لوگ ان کی بندگی بھی کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان سے چھ صفتوں کے نفی کی گئی ہے اور ایک صفت ان کے لئے ثابت کی ہے یعنی مخلوق ہے۔ خالق نہیں مالک نہیں تو کسی کو برکات کس طرح دے سکیں گے نَفْعًا: کسی قسم کے مالی وجانی نقصان کے اختیارات ان کے پاس نہیں ہیں: مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا: یعنی اپنی موت وحیات کسی اور کی موت وحیات کا اختیار بھی ان کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے اس کو نکرہ ذکر کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝

"جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو صرف جھوٹ ہی ہے جس کو اس شخص نے گھڑ رکھا ہے اور اس (نبی) کے ساتھ اس کام میں اور لوگ بھی اس کے مددگار رہے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ بڑے ظلم کھلے جھوٹ پر اتر چکے ہیں" [4]۔

تفسیر 4 اس آیت میں انکار قرآن پر تین طریقوں سے زجر ہے (1) اِفْكٌ (2) اِفْتِرَاءٌ (3) دوسروں کی مدد کا الزام۔ پہلے دونوں کو ظلم قرار دیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب کی طرف جھوٹ وافتراء کی نسبت کرنا یقیناً ظلم ہے۔ اور تیسری کو (زُوْر) کہا کیوں کہ زور کا معنیٰ ہے پھر جانا۔ لہٰذا ان کی تیسری بات حقیقت سے بہت پھری ہوئی ہے۔ کیوں کہ قرآن ان کے شرک پر تنقید کرتا ہے تو غور وفکر کے بجائے قرآن سے انکار کرتے ہیں۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

"اور کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کے لکھی ہوئی کہانیاں ہیں جو اس شخص نے لکھوائی ہے اور صبح شام وہی اسکے سامنے پڑھ کر سنائیں جاتی ہیں" [5]۔

تفسیر 5 اس آیت میں بھی تین طریقوں سے زجر ہے: اكْتَتَبَهَا: کسی اور سے کتابت کا مطالبہ کرنا کیوں کہ خود کتابت نہیں

کرسکتا ہے: اِمۡلٰی: کرنا کسی کی جانب سے لکھوانا ہوتا ہے جو خود پڑھنے پر قادر نہ ہو: بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا: دن رات یا صبح وشام مراد ہے۔

قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِىۡ يَعۡلَمُ السِّرَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۞

"فرما دیجئے کہ یہ کلام تو اس (اللہ) نے نازل کیا ہے جو ہر بھید کو آسمانوں اور زمین میں بھی اچھی طرح جانتا ہے یقیناً وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [6]۔

تفسیر 6 اس آیت میں مذکورہ چھ طریقوں پر رد کیا گیا ہے اور قرآن مجید کی حقانی ثابت کی گئی ہے: السِّرَّ: جب وہ مخفی چیزوں کا علم رکھتا ہے تو ظاہر چیزوں کا علم تو بلاشبہ وہ جانتا ہے اور السِّرَّ: میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید میں رموز اشارات بہت زیادہ ہیں تو کیوں اس سے انکار پر تلے ہوئے ہو: اِنَّهٗ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا: یعنی توبہ کرنے پر تمہیں اللہ تعالیٰ معاف بھی کردیں گے اور تم پر رحم بھی فرما دیں گے۔ اس میں منکرین کے لئے توبہ وانابت کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سخاوت اور کرم کو دیکھ لو اس کے دوستوں کو لوگ قتل کرتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو توبہ اور رحمت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ‌ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَلَكٌ فَيَكُوۡنَ مَعَهٗ نَذِيۡرًا ۞ اَوۡ يُلۡقٰٓى اِلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ تَكُوۡنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاۡكُلُ مِنۡهَا‌ؕ وَقَالَ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ۞

"اور یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے؟ اس کے پاس کوئی کیوں نہیں بھیجا گیا کوئی ملائک جو اس کے ساتھ ہو کر لوگوں کو ڈراتا؟ [7]۔ یا اس پر کوئی خزانہ ہی آپڑتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس میں سے یہ کھایا کرتا۔ اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم جس کی پیروی کرتے ہو بس وہ اور کچھ نہیں بس ایک شخص ہے جس پر جادو کیا گیا ہے" [8]۔

تفسیر 7-8 اس آیت میں انکار رسول پر زجر ہے چونکہ ان کا اصل مقصد انکار قرآن ہے لیکن قرآن بیان کرنے والے تو رسول ہیں اس لئے انہوں نے اس پر اعتراضات اور اس کے نبوت سے انکار شروع کیا اور یہ اعتراضات چھ (6) ہے۔ پہلی

آیت میں تین اعتراضات ہیں اور دوسری آیت میں بھی تین اعتراضات۔ پہلی آیت میں رسول کی بشریت کا ذکر ہے اور اس پر اعتراض میں اشارہ ہے کہ مشرکین بزرگ اس کو مانتے تھے جو کھانے پینے کا محتاج نہ ہو اور اس طرح دنیاوی مشاغل تجارت وغیرہ نہ کیئے ہوں۔ چونکہ نبی بازاروں میں دعوت کے لئے گھومتے پھرتے تھے تو یہ بات مشرکین کے لئے بوجھ تھی اس لئے انہوں نے اعتراض کر ڈالا۔ دوسری آیت میں ان کا مطالبہ ذکر ہے کہ وہ مال دار کیوں نہیں ہے کیوں کہ جاہلوں کی نظر میں مالداری اصل عظمت والی چیز ہے: مَّسْحُوْرًا: جس پر جادو کیا گیا ہو یا جادو کرنے والا ساحر ہو یا وہ انسان جو کھانے کا محتاج ہو۔ یا: مَسْحُوْر: مجنون کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی سحر نے اس کا دماغ خراب کر لیا ہے انہوں نے طعن ایسے بشر پر لگایا ہے کہ خوب فصیح بلیغ اور سارے لوگوں سے ہوشیار ہیں اور یہ عین ظلم ہے۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ع

"آپ دیکھ لیں کیسی کیسی (بری) باتیں بنائی ہے لہٰذا ایسے بھٹکے ہیں کہ راستے پر آنا ان کے بس میں نہیں" [9]۔

تفسیر 9 اس آیت میں نبی کے لئے تعجب اور مخالفین کے لئے زجر ہے۔ اور اشارہ ہے ان کا نبی پر اعتراضات ایسے ہیں کہ ان سے ہدایت پر آنے کی امید نہیں ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ایسا ہی آیت 48 میں گزرا ہے۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 34 تک دوسرا باب ہے اس میں بھی برکت کا مسئلہ ذکر ہے اور مراد برکات اخروی ہے یعنی جہنم سے بچانا اور جنت کے نعمتوں سے نوازنا۔ پھر منکرین قیامت کے لئے زجر ذکر ہے۔ پھر چھ، چھ طریقوں پر تخویف اور بشارت ہے پھر مشرکین کے لئے زجر ہے کہ ان کے معبود بھی ان سے براءت کریں گے اور بعض اعتراضات کا جواب۔ پھر تخویف اور زجر کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے پھر قرآن پر اعتراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے اور پھر اس اعتراض کا جواب اور تخویف ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝١٠

"بڑی شان ہے اس ذات کی جو اگر چاہے تو تمہیں ان سب سے کہیں بہتر چیز (ایک باغ کے بجائے) بہت باغات دے دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور تمہیں بہت سے محلات کا مالک بنا دے" [10]۔

تفسیر 10 اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور آیت 8 کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے: ذٰلِكَ اس میں اشارہ ہے کنز اور جنت کی طرف جن کا وہ مطالبہ کر رہے تھے: جَنّٰتٍ: اس سے آخرت کے باغات اور محلات مراد ہے

اِنْ: بمعنی: اِذْ: ہے۔ کیوں کہ نبی کے لئے جنت کے انعامات یقینی ہے۔ یا دنیا کے باغات ومحلات ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا ﴿١١﴾ إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿١٢﴾ وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿١٣﴾ لَّا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾

"بلکہ انہوں نے قیامت کی گھڑی کو جھٹلایا ہے اور جو کوئی قیامت کو جھٹلاتا ہے ان کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے" [11]۔ "اور جب وہ دیکھے گی انکو دور کی جگہ سے سنیں گے اسکا جھنجھلانا اور چلانا [12]۔ اور جب ڈالے جائینگے اسکے اندر کسی تنگ جگہ میں ایک زنجیروں میں جکڑے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت کو [13]۔ (انہیں کہا جائے گا) آج تم ایک بار موت کو نہ پکارو بلکہ موت کو بار بار پکارو" [14]۔

تفسیر 11، 12، 13، 14: ان آیتوں میں منکرین قیامت کے لئے زجر ہے اور ان کو سعیر سے ڈرایا گیا ہے اور قیامت کے دن اور جہنم کے چھ حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ (1) دور سے دیکھنا (2) تَغَيُّظًا (3) وَّزَفِيرًا (4) مَكَانًا ضَيِّقًا: تنگ جگہ (5) ثُبُوْرًا: ہلاکت طلب کرنا (6) کثرت سے ہلاکت۔ دوسری حالت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جہنم کو شعور اور احساس دیں گے۔ تو وہ دیکھے گا بھی اور بپھرے گا، اور چنگھاڑے گا بھی: مَكَانًا ضَيِّقًا: جیسا کہ سورۃ ہمزہ میں ہے نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ: ابن کثیر میں روایت ہے کہ ان کو اس طرح تنگ جگہ میں رکھا جائے گا جس طرح کیل کو کسی چیز میں ٹھوک دیا جاتا ہے مرسل ضعیف ہے درمنثور 117/5: ثُبُوْرًا: یہ لفظ ہلاکت، تباہی، خسران پر دلالت کرتا ہے جہنمی موت کو طلب کریں گے تو انہیں کہا جائے گا کہ موت تمہارے اوپر کئی بار آئے گی لیکن تم مرو گے نہیں۔ یعنی شدت تکلیف سے ہر آن موت جیسی تکلیف ہوگی۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

"فرما دیجئے یہ انجام بہتر ہے یا ہمیشہ رہنے والی جنت ۔جس کا وعدہ متقی لوگوں سے کیا گیا ہے؟ وہ ان کے لئے انعام اور پلٹنے کی جگہ ہوگی [15]۔وہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ بستے ہوئے ہو وہ چیز ملے گی جو وہ چاہیں گے۔یہ وعدہ ہے جو تمہارے رب نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے" [16]۔

تفسیر 15،16: ان آیتوں میں خوش خبری ہے اور جنت کی چھ حالتوں کا ذکر ہے (1) جَنَّةُ الْخُلْدِ: جو وعدہ کیا ہوا ہے (2) جَزَآءً (3) وَّمَصِيْرًا (4) ہر وہ چیز جو وہ چاہیں گے (5) جنت والوں کی خلود (6) وَعْدًا مَّسْئُوْلًا: مطلب یہ ہے کہ متقین اس کا سوال کرتے رہتے ہیں جیسا کہ سورۃ آل عمران آیت 194 میں گزرا ہے دوسری بات یہ ہے کہ مسئول واجب کے معنیٰ میں ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ ہر اعتبار سے یہ وعدہ پورا کرے گا جیسا کہ واجب چیز ہوتی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق واجبی نہیں ہے لیکن اس کو واجب اور حق تفضلی کہتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

"اور اس دن جب اللہ ان کو اور جن کی انہوں نے اللہ کے سوا عبادت کی ہے حشر میں جمع کریں گے اور ان کے معبودوں سے کہے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود راستے سے بھٹکے تھے" [17]۔

تفسیر 17: اس آیت میں تخویف اخروی ہے ایسے عابدین سے براءت کا اظہار ہے جو ملائکہ، صالحین اور انبیاء کرام وغیرہ ہے یعنی مشرکین نے ان کے عبادتیں کی تھی اور ان سے برکتوں نصرتوں کا عقیدہ بنا رکھا تھا اور ان کے مجسمے بنا ڈالے تھے۔اسی طرح صالحین کے قبروں کے طواف کرتے اور ان کو اپنے لئے وسیلہ بناتے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان بزرگوں نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے اور انہوں نے ہمیں کہا ہے کہ ہم تمہارے ضامن ہیں۔تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس الزام کو ختم کرنے کے لئے ان سے پوچھ لیں گے۔اس طرح سورۃ مائدہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گزر چکا ہے: اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ: اس سے مراد گمراہی کی طرف دعوت ہے اس لئے کہ گمراہی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا

الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

"وہ کہیں گے کہ آپ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے ہماری مجال نہیں کہ تجھے چھوڑ کر ہم کسی اور کو مددگار مانتے لیکن ہوا یہ کہ آپ نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے مال و دولت سے نوازا یہاں تک کہ انہوں نے توحید کو بھلا دیا اور وہ تباہ ہونے والی قوم تھی" [18]۔

تفسیر: اس میں جواب ترقی کی ساتھ دیا گیا ہے کہ ہم نے تو گمراہی کی طرف دعوت نہیں دی ہے اس لئے کہ ہم خود عقیدہ توحید پر گامزن تھے اور کسی کو ہم بندگی کے حقدار نہیں مانتے اور مختیار کل تیرے سوا کسی کو نہیں مانتے تھے۔ کسی غیر کی بندگی کے ہم قائل ہی نہیں تھے اور موحد کسی کو شرک کی دعوت نہیں دیتا ہے: وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ: اس میں گمراہی کے اسباب کا ذکر ہے کہ اللہ نے باوجود مشرک ہونے ان کو دنیا کا مال و دولت سے مالا مال رکھا اور اسی طرح ان کے بڑوں کو بھی تو انہوں نے شرک کو دین سمجھ لیا اور توحید کو بلا دیا اس لئے وہ تباہ ہوگئے: الذِّكْرَ: اس سے توحید مراد ہے: بُوْرًا: بَائِرٌ کی جمع ہے هَالِكٌ: (هلاک ہونے والا کے معنی میں ہے)۔

لَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾

"(اللہ فرمائے گا) یقیناً انہوں نے تمہیں جھٹلا دیا ان باتوں میں جو تم کہا کرتے ہو۔ اب نہ عذاب کا ٹالنا تمہارے بس میں ہے اور نہ کوئی مدد حاصل کرنا، اور تم میں جو کوئی ظلم کا مرتکب ہے ہم انہیں بھاری عذاب کا مزہ چکھائیں گے" [19]۔

تفسیر: یہ خطاب روز قیامت مشرکین سے کیا جائے گا یعنی تم کہا کرتے تھے کہ ان بزرگوں نے ہمیں یہ عقائد سکھائے ہیں اور ہمیں کہا ہے کہ ہمیں پکارو جبکہ انہوں نے تو اس سے انکار کر لیا ہے: صَرْفًا: عذاب کو اپنے جانوں سے پھیر دینا: وَّلَا نَصْرًا: اپنے معبودوں سے مدد حاصل کرنا: وَمَنْ يَّظْلِمْ: یہ بھی قیامت والے دن کا حال ہے اگرچہ: يَّظْلِمْ: مضارع ہے مگر ماضی کے معنی میں ہے یا اس قول کا دنیا سے تعلق ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿20﴾

"اے نبی آپ سے پہلے ہم نے جتنے پیغمبر بھیجے وہ کھانا بھی کھاتے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تم کو ایک دوسرے کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے کیا صبر کرو گے؟ اور تمہارا رب ہر بات دیکھ رہا ہے" [20]۔

تفسیر 20 قیامت کا ذکر کرنے کے بعد اب مضمون پھر مشرکین کے اعتراضات اور جوابات کی طرف موڑ دیا ہے۔ تو اس میں ساتویں آیت کا جواب دیا گیا ہے کھانا تناول فرمانا اور اپنی ضروریات کے لئے یا دعوتی کاموں کے لئے بازاروں میں شان رسالت کے بالکل منافی نہیں ہے۔ پھر ان اعتراضات کی وجوہات بیان کی گئی ہے کہ دنیا دار الامتحان ہے۔ انبیاء کا جاہلوں کے دعوت کے لئے ارسال کرنا اور ان کا اعتراضات پیش کرنا یہ جاہلوں کے لئے امتحان ہے جبکہ جاہلوں کی طرف سے انبیاء علیھم السلام پر اعتراضات اور طعن وتشنیع کرنا اور انبیاء کا ان پر صبر کرتے رہنا بھی امتحان ہے۔ مالدار اور غریب بھی ایک دوسرے کے لئے امتحان ہے صحت مند اور مریض ایک دوسرے کے لئے امتحان ہے: وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا: یعنی جانتا ہے اس لئے ہر ایک کو اس کے مناسب مقام وصفات سے نواز لیتا ہے لہٰذا نبی پر اعتراض کی ضرورت نہیں اس کو اللہ نے اس مقام کے قابل اور مستحق بنایا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿21﴾

"جن لوگوں کو اللہ سے ملاقات پر یقین ہی نہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم پر ملائک کیوں نہیں اتارے جاتے ہیں۔ یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے دلوں میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھے ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی اپنائی ہوئی ہے" [21]۔

تفسیر 21 اس آیت میں بھی منکرین کے لئے ان کے غیر مناسب اقوال واعمال پر تنبیہ کی گئی ہے اور اس میں اہل باطل کی جانب سے اہل حق کے لئے فتنہ کی تفصیل ذکر کی گئی ہے ان کا یہ کہنا کہ ہم پر ملائک نازل ہو جائیں تا کہ ہمیں اس نبی کے متعلق مطلع کریں کہ یقیناً یہ اللہ کا رسول ہے حقیقت میں یہ ان کا تکبر اور سرکشی ہے اور ان کا یہ کہنا کہ ہم رب کو دیکھ لیں تا

کر ہمیں بتا دے کہ یہ میرا رسول ہے یہ ان کی بڑی سرکشی ہے سورۃ بنی اسرائیل آیت 92 میں بھی ایسا گزر چکا ہے۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

"جس دن ان کو ملائک نظر آئیں گے اس دن ان مجرموں کے لیے خوشی کا کوئی موقع نہیں ہوگا بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ اے اللہ ہمیں پناہ دے دے پناہ یقینی" [22]۔

تفسیر 22 یہ ان کے پہلے قول کا جواب ہے یعنی ملائک نازل ہوکر ان کو خوشی کی خبر نہیں بلکہ ناامیدی اور خسران کی خبر دیں گے اور ان سے کہیں گے کہ تمہارے اوپر خوشی کو ہمیشہ کے لیے منع کیا گیا ہے اس معنی میں قیامت اور موت کا دن مراد ہے۔ يَقُوْلُوْنَ: اس میں ضمیر ملائک کی طرف راجع ہے دوسرا معنی یہ ہے کہ کافر ملائک سے کہیں گے کہ ہمیں پناہ دے دیں عذاب الٰہی سے کامل پناہ مگر وہ جواب دیں گے کہ اس مدد سے ہم قاصر ہیں۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

"اور انہوں نے دنیا میں جو اعمال کیے تھے ہم ان کا فیصلہ جب کریں گے تو انہیں فضا میں بکھیرے ہوئے گرد و غبار بنا دیں گے" [23]۔

تفسیر 23 اس میں سوال کا جواب ہے کہ ان کے تو نیک اعمال بھی ہیں یعنی اولیاء کرام سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی خدمت کرتے ہیں صدقات وغیرہ دیتے ہیں تو ان پر ہمیشہ کے لیے خوشی کیوں منع کی گئی جواب دیا گیا کہ وہ اعمال تو کفر و شرک کی وجہ سے اس طرح ضائع ہو گئے ہیں کہ جس طرح گرد و غبار ہوا میں اڑ جائے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

"اس دن جنتی لوگوں کا مستقر بھی بہترین ہوگا اور آرام گاہ بھی بہت ہی اچھی ہوگی" [24]۔

تفسیر 24 اس آیت میں بشارت (خوشخبری) ہے ان لوگوں کے لیے جن کا طعن و تشنیع الزامات تھوپتے رہتے تھے لہٰذا ان کے اعمال کارآمد ہیں ضائع نہیں ہیں، مَقِيْلًا: اصل میں قیلولہ کرنے کی جگہ کو کہا جاتا ہے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ جنت میں نیند نہیں ہے تو یہاں پر معنی صرف آرام کی جگہ ہے۔ (سنن کبری حدیث 4745 شعب الایمان مسند بزار سلسلة الصحيحة حديث 1087)۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾

"اور جس دن بادلوں کے ساتھ آسمان پھٹ جائے گا اور ملائک نازل کیئے جائیں گے نازل کیا جانا" [25]۔

تفسیر 25 اس آیت سے تخویف اخروی ہے قیامت کے دن کے سات ہیجوں کے ذکر کرنے کے ساتھ (1) آسمانوں کا بادلوں کے ساتھ پھٹ جانا بِالْغَمَامِ : سے مراد اللہ تعالیٰ کے نور کا سایہ سورۃ بقرہ آیت 210 میں ایسا گزر گیا ہے یا غمام سے مراد ملائک کی بہت ساری جماعتیں ہیں جو بادلوں کی طرح نظر آئیں گے۔ دوسری ہیبت یہ ہے کہ ملائک کا میدان حشر کے انتظام وانصرام سنبھالنے کے لئے اترنا ہے۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿٢٦﴾

"اس دن حقیقی بادشاہت رحمٰن کی ہوگی اور کافروں پر وہ دن بہت سخت ہے" [26]۔

تفسیر 26 تیسری ہیبت یہ ہے کہ بادشاہت واختیارات صرف رحمٰن کے پاس ہوں گے۔ لہٰذا کوئی بھی سفارش اور بات رحمٰن کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکے گا۔ کافروں پر یہ دن بڑا سخت دن ہوگا جیسا کہ سورۃ مدثر آیت 10 میں مذکور ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿٢٧﴾

"اور جس دن ظالم انسان اپنے دو ہاتھوں کو کاٹتے ہوئے کہے گا کاش میں رسول کی (اطاعت) میں راہ اختیار کرتا" [27]۔

تفسیر 27 اس آیت میں پانچواں حال یہ ہے کہ ظالم انسان اپنے ہاتھوں کو چبا کر کاٹے گا اور ساتھ کہے گا کہ افسوس میں رسول کی (اطاعت) کرتا، یہ عملی افسوس ہے۔ اس ظالم سے مراد اطاعت رسول سے منہ پھیرنے والے بدعتی مشرک اور دیگر گناہوں میں مگن لوگ ہیں: يَقُولُ يَا لَيْتَنِي: اس میں چھٹا حال ذکر ہے یعنی ظالم اتباع رسول کے پیچھے افسوس کرتے ہوئے زبانی افسوس کرے گا ہاتھوں کو اس لئے کاٹ ڈالا کہ اکثر گناہ ہاتھوں سے کیے جاتے ہیں اس میں اس شخص کے افسوس کا طرز ذکر ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ﴿٢٨﴾

"ہائے میری بربادی کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا" [28]۔

تفسیر 28 اس آیت میں ساتویں ہیبت ذکر ہے انس وجن شیطانوں کی دوستی اور اطاعت پر واویلا اور افسوس کریں گے

فُلَانًا: عام شیاطین مراد ہیں انسی ہوں یا جنی۔ فلاں اس لئے فرمایا کہ ہیبت کی وجہ سے اس کا نام بھول گئے یا ذلت اور رسوائی سے اس کا نام نہیں لیتا ہے۔

لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾

"میرے پاس نصیحت آ چکی تھی مگر اس نے مجھے اس سے بھٹکا دیا اور شیطان تو ہے ہی ایسا کہ وقت پڑنے پر انسان کو شرمندہ چھوڑ جاتا ہے" [29]۔

تفسیر 29 اس آیت میں ان کے افسوس کا سبب ذکر ہے کہ شیطان انسی ہو یا جنی اس کو انہوں نے قرآن سے مختلف بہانوں اور وسوسوں سے روک رکھا تھا: خَذُوۡلًا: مدد کے وعدے کرتا ہے پھر برے وقت میں امداد سے غائب ہوتا ہے یا مخالف ہو جاتا ہے تو اس وقت ایسا انسان شرمندہ ہو جاتا ہے۔

وَ قَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَہۡجُوۡرًا ﴿۳۰﴾

"رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ یا رب میری قوم قرآن بالکل چھوڑ بیٹھی تھی" [30]۔

تفسیر 30 اس آیت میں مخالفین قرآن کے لئے زجر ہے جنہوں نے شیطان کے وسوسوں اور بہکنے پر قرآن کی مخالفت کی تھی۔ اس میں رسول کی شکایت ذکر ہے جو انہوں نے دنیا میں کی ہے اور یہ ان کے انکار پر شہادت رسول ہے دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن ہوگا۔ اس تفسیر کے مطابق: قَالَ یَقُوۡلُ: کے معنی میں ہے: مَہۡجُوۡرًا: ابن کثیر میں ہے کہ قرآن کا ہجران عام ہے قرآن کے بیان کے وقت شور شغب کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کے مقابل دیگر کتابوں وعلوم کو ترجیح دینا، اس سے لوگوں کو منع کرنا، یہ سب ہجران قرآن میں داخل ہے۔ قوم کی تخصیص اس لئے کی کہ حیات رسول میں قریش اور دیگر عربوں نے اس طرح قرآن سے ہجران کیا تھا۔

وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ہَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا ﴿۳۱﴾

"اور ہم نے اسی طرح مجرم لوگوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا تھا اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کے لئے کافی ہے" [31]۔

تفسیر 31 چونکہ نبی کی ناراضگی ان کی قوم سے ذکر کی تو اب اس کو تسلی دی جا رہی ہے کہ ایسا معاملہ تو ہر نبی کے ساتھ پیش آیا ہے لوگوں نے ان سے دشمنی کر رکھی لیکن انہوں نے صبر کیا ہے لہٰذا آپ بھی صبر کے دامن کو تھام لیجئے۔ اس لئے کہ ہدایت بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور دشمنوں سے حفاظت بھی اسی کے اختیار میں ہے: وَ کَفٰی بِرَبِّکَ ہَادِیًا وَّ نَصِیۡرًا: میں یہی

مقصد بیان کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿32﴾

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿33﴾

"اور یہ کافر کہتے ہیں کہ ان پر ایک دفعہ سارا قرآن کیوں نازل نہیں کر دیا گیا ہے؟ (اے نبی) آپ فرما دیجئے کہ یہ اس لئے تاکہ اس کے ذریعے سے آپ کا دل مضبوط رکھیں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے [32]۔ اور جب یہ لوگ آپ کے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں تو ہم آپ کا ٹھیک ٹھیک اور زیادہ واضح جواب دے دیتے ہیں" [33]۔

تفسیر 32، 33 ان آیتوں میں مخالفین قرآن کے لئے زجر ہے اور ان کے اعتراضات کے تین جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا اتارنے میں حکمت یہ ہے تاکہ آپ کے دل کو استقامت حاصل ہو جائے یعنی جب نبی کو مشرکین کی جانب سے کوئی تکلیف پہنچے تو اللہ تعالیٰ آیتوں کے ذریعے سے اس کو تسلی دیتا ہے تو کچھ آیتیں نازل ہو جاتیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے میں مقصد ترتیل ہے تاکہ الفاظ واضح پڑھے جا سکے اور معانی واضح ہو جائے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جب مشرکین کوئی اعتراض کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کا واضح جواب و تفسیر فرما دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿34﴾ ع

"جن لوگوں کو گھیر کر جہنم کی طرف منہ کے بل لے جایا جائے گا وہ بدترین مقام پر ہیں اور ان کا راستہ بدترین گمراہی کا راستہ ہے" [34]۔

تفسیر 34 اس آیت میں شدید تخویف ہے منکرین قرآن کے لئے اور ان کے تین حالات ذکر کئے ہیں۔ (1) چہروں کے بل میدان محشر میں حاضر ہونا جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 97 میں گزرا ہے (2) شَرٌّ مَّكَانًا: یعنی بدترین ٹھکانا (3) اَضَلُّ سَبِيْلًا: یہ دنیا میں ہے یا مراد یہ ہے کہ آخرت میں ان کو اپنی گمراہی واضح ہو جائے گی۔ خلاصہ اس آیت 36 سے آیت 60 تک تیسرا باب ہے اس میں چھ دلائل نقلیہ ہیں اور یہ عذاب کے نمونے ہیں تخویف کے لئے اور برکات کے بھی نمونے ہیں جو کہ دشمنوں کا ہلاک کرنا ہے اور چھ زواجر ہیں نیز چھ دلائل نقلیہ بھی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور دلیری پر بھی ترغیب دی گئی ہے اور ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ آداب کی ترغیب دی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ﴿۳۶﴾

"یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کے بھائی کو اس کے ساتھ معاون بنایا تھا [35]۔ لہٰذا ہم نے کہا تھا کہ تم دونوں ان لوگوں کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلا دیا ہے۔ آخرکار ہم نے ان کو تباہ کر کے نیست و نابود کر دیا" [36]۔

تفسیر 35، 36 اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر ہوئی ہے یعنی چار قسم کی برکتیں ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیں (۱) کتاب (۲) وزیر (۳) رسالت (۴) فرعونیوں کی ہلاکت۔ ان کا تذکرہ اس لئے پہلے کیا کہ نزول قرآن کے وقت بنی اسرائیل موجود تھے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾

"اور نوح علیہ السلام کی قوم نے جب نبیوں کو جھٹلایا تو ان کو بھی ہم نے غرق کیا اور ان کو لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا اور ان ظالموں کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" [37]۔

تفسیر 37 اس آیت میں نوح علیہ السلام سے دلیل نقلی ذکر کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو برکات سے نوازا اور وہ اس طرح کہ ان کے مخالفین کو غرق کر دیا اور آنے والوں کے لئے عبرت بنایا۔ نیز قیامت میں بھی ان کے لئے سخت عذاب ہے یعنی مخالفین پر عذاب کا بھیجنا بھی برکات الٰہی میں سے ہے لِلنَّاسِ: لفظ اَلنَّاسِ: کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ یہ قوم دیگر تمام قوموں سے پہلے گزری ہے لہٰذا بعد والے تمام انسانوں کے لئے عبرت کا نمونہ ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾

"اسی طرح ہم نے عاد، ثمود اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی نسلوں کو تباہ کیا [38]۔ ان میں سے ہر ایک کو سمجھانے کے لئے ہم نے مثالیں بیان کیں اور جب انہوں نے اعراض کیا تو پھر ہر ایک کو ہم نے تباہ کر رکھا" [39]۔

تفسیر 38، 39 اس آیت میں عذاب کا تیسرا نمونہ ہے ان کے لئے وعظ نصیحت و بیان واضح طور پر پیش کیا۔ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ: میں اختلاف ہے رس کچے کنویں کو کہتے ہیں۔ ان کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صاحب

یٰسین کو کنویں میں قتل کر کے ڈالا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو کنویں کے پاس جمع ہوئی تھی تیسرا قول یہ ہے کہ یہ اصحاب اخدود ہیں لیکن ان اقوال میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

"اور یہ (کفار مکہ) اس بستی سے ہو کر گزرتے ہیں جن پر بری طرح (پتھروں) کی بارش کی گئی تھی۔ کیا یہ لوگ اس بستی کو دیکھتے نہیں رہے؟ بلکہ ان کے دلوں میں دوسری زندگی کا اندیشہ تک پیدا نہیں ہوا ہے" [40]۔

تفسیر 40 اس آیت میں دلیل نقلی ہے جس میں لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے اور مشرکین عرب کے لئے زجر ہے کہ سفر کے دوران لوط علیہ السلام کی قوم کے کھنڈرات سے گزرتے ہوئے شام کا آنا جانا بھی کرتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں لیتے۔ اسی طرح سورۃ حجرات آیت 79 سورۃ صافات آیت 137،138 میں بھی ہے۔ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا: اس میں اشارہ ہے کہ وہ عبرت اس لئے نہیں لیتے ہیں کہ ان کا دوبارہ اٹھنے کا عقیدہ ہی نہیں ہے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝

"اور اے نبی جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو ان کا کوئی اور کام نہیں ہوتا سوائے مذاق اڑانے کے (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے اللہ نے نبی بنا کر بھیجا ہے؟" [41]۔

تفسیر 41 اس آیت میں رسول کے استہزاء اور اس کی نبوت سے انکار پر وعید سنائی گئی ہے۔

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

"اگر ہم اپنے معبودوں پر اس طرح عقیدت سے مضبوط جمے نہ رہتے تو ان صاحب نے تو ان سے بھٹکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی (اس قسم کی باتیں کرنے والے) جب اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھیں گے تو انہیں پتا چلے گا کہ کون راستہ سے بالکل بھٹکا ہوا تھا؟" [42]۔

تفسیر 42 اس آیت میں تخویف کے ساتھ زجر ہے اور یہ رسول کے ساتھ مذاق استہزا کا ذکر ہے۔ اِنْ: مخفف عن المثقل ہے۔ یعنی: اَنَّ: ہے۔ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا: اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نزدیک توحید کی طرف دعوت دینا گمراہ

کرلینے کے مترادف ہے۔ یعنی رسول کی طرف گمراہی کی نسبت کرتے رہے اور شرک پر مضبوط رہنے کو دین تصور کرتے تھے لیکن گمراہ لوگوں کا یہ عذاب آنے کے وقت معلوم ہوتا ہے۔

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾

"اے نبی! جس شخص نے اپنا معبود اپنی خواہش کے مطابق یہی بنا رکھا ہو کیا تم اس کی ذمہ داری لے سکتے ہو" [43]۔

تفسیر 43 اس آیت میں خواہش کی پیروی کرنے والوں کے لئے زجر اور ڈانٹ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی: إِلَٰهَهُ هَوَاهُ: یعنی اپنی خواہش کے موافق معبود بناتے ہیں۔ یعنی جس کے دل کا تعلق کسی قبر والے سے وابستہ ہو جائے تو اس کی عبادت شروع کر لیتا ہے۔ کسی کی دلی وابستگی کسی زندہ پیر سے پیدا ہو جائے تو اسی کی عبادت سے دامن گیر ہو جاتے ہیں۔ تو کسی کے درخت اور بت سے الوہیت کے مرتبہ تک کا عقیدہ بن جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے معبود ہونے پر کسی کے پاس شرعی دلیل نہیں ہے۔ اس معنی میں: إِلَٰهَهُ: مفعول اول ہے اور: هَوَاهُ: مفعول ثانی ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنی خواہش کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس پر اللہ و رسول کی اطاعت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یعنی اطاعت میں شرک کرتے ہیں جس طرح مبتدعین اور دہریوں کا حال ہے۔ فاسق، فاجر ہر ایک اپنے تفاوت کے ساتھ خواہش کا پیروکار ہے لہذا انہوں نے اپنی خواہش کو اللہ بنا رکھا ہے۔ اس معنی میں مفعول ثانی کو اول پر مقدم کیا ہے۔ سورۃ جاثیہ آیت 23 میں بھی اس طرح ہے: أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا: یعنی آپ پر ان کی ہدایت کی ذمہ داری بھی نہیں ہے اور آپ ان پر نگہبان بھی نہیں ہیں۔

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ ع

"کیا آپ کا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں؟ ان کی مثال تو چوپایوں، جانوروں جیسی ہے بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں" [44]۔

تفسیر 44 اس آیت میں بھی منکرین کے لئے زجر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے۔ یہ منکرین حق بات قبول بھی نہیں کرتے اور اس میں غور و فکر بھی نہیں کرتے تو ان کی مثال جانوروں کی ہے کہ کان اور دل تو ہیں مگر ان میں سننے قبول کرنے اور غور کرنے کی صلاحیتیں نہیں ہیں۔ حق و باطل کی تمیز نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی طرح کھاتے پیتے ہیں مگر آخرت کے متعلق کوئی فکر و سوچ نہیں رکھتے ہیں أَضَلُّ سَبِيلًا: یعنی ان جانوروں سے زیادہ نا سمجھ ہیں کیوں کہ وہ توحید و سنت کو نہیں جانتے مگر اس کو باطل تو نہیں کہتے۔ نیز جانور اپنے مالک

کو جانتے ہیں اور اس کی پیروی کرتے ہیں حکم مانتے ہیں جبکہ یہ مشرکین اپنے مالک سے بے خبر اور باغی ہیں اور اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض ایمان لے آتے ہیں۔ اس طرح کا مضمون سورۃ اعراف آیت 179 میں گزرا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾

"کیا تم نے اپنے رب کی (قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے ایک ہی جگہ ٹھہرا دیتا پھر ہم نے سورج کو اس کے لئے رہنما بنا دیا ہے [45]۔ پھر ہم اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اپنی طرف لپیٹ لیتے ہیں" [46]۔

تفسیر 45، 46 یہاں سے برکت الٰہی پر دلائل عقلیہ ذکر کرتا ہے۔ ہر ایک دلیل میں دو دو چیزوں کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور ان چیزوں کے فائدے منافع اور برکتیں بیان کی ہیں۔ اس آیت میں سورج اور سائے کا ذکر ہے اور دونوں میں تصرفات الٰہی کا تذکرہ ہے: مَدَّ الظِّلَّ: اس سے مراد فجر سے لے کر طلوع الشمس تک وقت ہے: الظِّلَّ ظہر سے پہلے کا سایہ مراد ہے اور فیٔ ظہر کے بعد کا سایہ مراد ہے: لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا: یعنی سورج کو طلوع نہ کرتے تو سایہ ہی سایہ رہتا لیکن طلوع شمس سایہ کی پہچان پر دلیل ہے۔ یعنی سورج نہ ہونے پر سایہ کوئی بھی نہیں جانتا، اس سے وہ مشہور مثال لی گئی ہے کہ: تُعْرَفُ الْاَشْيَآءُ بِاَضْدَادِهَا: ہر چیز اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ پھر جب سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا ہے تو سایہ آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے اسی کو: قَبْضًا يَّسِيْرًا: کہتے ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے: دَلِيْلًا: اس کو مذکر اس لئے ذکر کیا ہے کہ شمس سے طلوع شمس مراد ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾

"اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا اور نیند کو سراپا سکون بنایا اور دن کو دوبارہ اٹھ کھڑا ہونے کا ذریعہ بنایا" [47]۔

تفسیر 47 یہ ایک اور دلیل عقلی ہے اور اس میں سکون اور اس کے فائدے ذکر کئے ہیں: سُبَاتًا: اصل میں خالی کرنے اور کاٹ لینے کو کہتے ہیں لہٰذا نیند بھی اس وقت نعمت ہے جب بندہ شغل میں تھک جاتا ہے تو ان تھکاوٹوں کو چھوڑ کر آرام کرنے لگتا ہے: نُشُوْرًا: اس سے اٹھنے کا وقت مراد ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿٤٨﴾

"اور وہی تو ہے جس نے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے ہوائیں بھیجیں جو (بارش کی) خوشخبری لے کر آتی ہیں اور ہم ہی نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا ہے" [48]۔

تفسیر 48 یہ بھی دلیل عقلی ہے جس میں ہواؤں اور بارشوں کا ذکر ہے اور اس کے آثار ذکر کیے ہیں: طَهُورًا: یعنی خود بھی پاک ہے اور دوسری چیز کو بھی پاک کرتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ بارش کا پانی اصلاً پاک ہے البتہ نجاست تو اس میں عارضی واقع ہوتی ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: طَهُورًا: طہارت کے آلے کے معنیٰ میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔

لِّنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ﴿٤٩﴾

"تاکہ ہم ان کے ذریعہ سے مردہ زمین کو زندگی بخشیں اور اپنی مخلوق میں سے اکثر انسانوں، مویشیوں اور حیوانوں کو اس میں سے سیراب کریں" [49]۔

تفسیر 49 اس آیت میں بارش کے دو فائدے ذکر ہوئے ہیں: كَثِيرًا: اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ مخلوق تو سب پانی پینے کی محتاج ہے تو: كَثِيرًا: کیوں فرمایا؟ جواب 1: اصل عبارت اس طرح ہے: كَثِيرًا مِّمَّا خَلَقْنَا: اور أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا: سے بدل ہے۔ جواب 2: بعض انسان سمندر کا پانی پینے کے لئے استعمال کرتے ہیں یعنی اسے صاف کر کے استعمال کرتے ہیں جبکہ ایسا کم لوگ کرتے ہیں باقی اکثریت بارش کا پانی استعمال کرتی ہیں: كَثِيرًا: یہ لفظ مفرد ہے مگر جمع کے معنیٰ میں ہے، اس لئے جمع کے لئے بطور صفت ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٥٠﴾

"اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لئے اس پانی کی الٹ پھیر کر رکھی ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں لیکن اکثر لوگ صرف انکار ہی کرنے پر مصر ہیں" [50]۔

تفسیر 50 اس آیت کا تعلق بھی گزشتہ آیت سے ہے اور (ہ) کی ضمیر: مَآءً: پانی کی طرف راجع ہے یعنی بارش کے پانی کسی زمین پر بارش ہوتی، کسی پر نہیں، اور کسی زمین پر زیادہ بارش ہوتی تو کسی پر کم یا مطلب یہ ہے کہ بارش کا یہ پانی زمین کے مختلف حصوں میں نہروں، چشموں، سمندروں کی صورت میں بہتا رہتا ہے۔ لوگ اس کو دیکھتے ہیں جس پر لوگ عظمت الٰہی کو یاد

کرتے ہیں۔فَاَبٰٓی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا: یعنی بارش برسنے کے بعد ناشکری کرتے ہیں یعنی بعض بارش کے برسنے کے بعد کسی ستارے کی طرف نسبت کرتے ہیں تو کوئی موسم کی طرف نسبت کرتا ہے اور قدرت الٰہی کی تاثیر سے منکر ہیں۔اس آیت میں دوسری توجیہ یہ ہے کہ صَرَّفْنَاهُ میں ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی سورۃ بنی اسرائیل آیت 41،89 کی طرح ہے جو منکرین قرآن کے لئے زجر ہے اور یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿۵۱﴾

"اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے کے لئے رسول بھیجتے" [51]۔

تفسیر 51 دلائل کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے اور انہیں کو شجاعت پر ابھارا جارہا ہے۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کر لیتا تو ہر بستی میں الگ الگ نبی رسول بھیجتا جس طرح بارش زمین میں ہر علاقہ کے لئے الگ الگ بھیجتا ہے۔یعنی رسول کی مثال بارش کی ہے۔جیسا کہ سابقہ ادوار میں ہر علاقہ اور بستی کے لئے الگ رسول بھیجا جاتا تھا لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور یہ ہمارے نبی کی ختم نبوت پر دلیل ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

"لہٰذا اے نبی آپ ان کافروں کا کہنا مت مانیں اور اس قرآن کے ذریعے سے ان کے خلاف پوری قوت سے جدوجہد کریں" [52]۔

تفسیر 52 اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے طریقے بتائے گئے ہیں اور شجاعت پر ابھارا گیا ہے یعنی مشرکین آپ کو شرک کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آپ کو حق چھپانے کی ترغیب دیتے ہیں لیکن ان کی بات مت مانیں بلکہ قرآن کے ذریعے سے ان کو تبلیغ کریں۔جہاد بالقرآن یہ ہے کہ اپنی تمام قوتوں کو قرآن پر صرف کریں اور اس میں کسی قسم کی سستی کاہلی سے گریز کریں اور اس کو جہاد کبیر کہا گیا ہے۔فَلَا تُطِعِ: اس سے پہلے مقدر کلام اس طرح ہے اِذْ كَتَفَيْنَا بِكَ یعنی بعد والے زمانہ میں آپ کی رسالت پر اکتفا کیا ہے یعنی اسے کافی بنایا ہے لہٰذا آپ اپنی ذمہ داری اچھی طرح پوری کریں۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٥٣﴾

"اور وہی ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا کر چلایا ہے کہ ایک میٹھا ہے جس سے تسکین ملتی ہے اور ایک نمکین ہے سخت کڑوا اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ اور ایسی رکاوٹ حائل کی ہے کہ جس کو دونوں میں سے کوئی بھی عبور نہیں کر سکتا ہے" [53]۔

تفسیر 53 اس آیت میں ایک اور دلیل نقلی ہے اس طرح سورۃ فاطر آیت 12 میں بھی ہے اس میں دو قسم کے پانی کا ذکر ہے میٹھے پانی سے نہریں جس سے دریا مراد ہیں جو سمندر میں گرتے ہیں لیکن ان میں آمیزش نہیں ہوتی ہے۔ مَرَجَ: اکٹھا ہونے کے معنیٰ میں ہے یعنی ایک ساتھ چلتے ہیں مگر ملتے نہیں بَرْزَخًا: یہ ایک پردہ ہے جس کے ذریعے سے ایک پانی کو دوسرے پانی کی ملاوٹ سے الگ رکھا ہے یعنی کڑوے سے میٹھا پانی بن جائے اور میٹھے سے کڑوا بن جائے۔ حِجْرًا مَّحْجُورًا: یعنی اختلاط سے الگ رکھا ہے لیکن یہ پردہ محسوس نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح سورۃ رحمٰن آیت 20 میں ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾

"اور وہی ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اس کو نسبی اور سسرالی رشتوں سے نوازا اور تمہارا رب بڑی قدرت والا ہے" [54]

تفسیر 54 اس آیت میں اور دلیل عقلی ہے یعنی عام پانی میں دو فائدے ذکر کئے ہے تو اب خاص پانی (نطفہ) میں دو فائدے ذکر کئے ہیں اور یہ قدرت الٰہیہ کا ایک خاص نمونہ ہے اس میں پیدائش کے بعد دو انعامات ذکر کئے ہیں پیدائش سے نسب بنتا ہے پھر نکاح کرنے کے بعد مصاہرت یعنی سسرالی رشتے بنتے ہیں۔ یہ دونوں انسانوں کی حفاظت اور بقاء کے لئے اسباب ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

"اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو ان کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ ہی نقصان اور کافر نے تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر کمر کس رکھی ہے" [55]۔

تفسیر 55 دلائل کے درمیان شرک فی العبادۃ پر رد کیا گیا ہے: عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا: معنی یہ ہے کہ توحید ربانی کے مقابل شرک پھیلانے میں حزب اللہ کے مقابل حزب الشیطان کا ساتھ دیتے اور کفر و شرک کی اشاعت پر کمر بستہ ہے۔ یا ظَهِيرًا حقیر اور ذلیل کے معنیٰ میں ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝

"اور ہم نے آپ کو کسی اور کام کے لئے نہیں بھیجا مگر یہ کہ آپ لوگوں کو خوش خبری سنا دیں اور (عذاب) سے ڈرا دیں" [56]۔

تفسیر 56 اس آیت میں رسول کی سچائی بیان ہوئی ہے اور آپ کو تسلی دی گئی یعنی اس رسول کو شرک فی العبادۃ کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا ہے۔

قُلۡ مَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ۝

"آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجرت اس بیان پر طلب نہیں کرتا ہوں البتہ اگر کوئی چاہے کہ اپنے رب تک رسائی حاصل کرے" [57]۔

تفسیر 57 اس آیت میں رسول کریم کے لئے ادب ذکر کیا ہے یعنی داعی کو چاہئے کہ دعوت میں اخلاص کا مظاہرہ کرے۔ اِلَّا: استثنیٰ منقطع ہے اور مَن کی جزاء مقدر ہے۔ یعنی: فَلْيَتَّبِعْنِي: پس وہ میری اتباع کرے یا: اِلَّا: استثنیٰ متصل ہے یعنی میں اجر طلب کرتا ہوں ان سے کہ میری پیروی کریں۔ یعنی اطاعت کا اجر مجھے اللہ تعالیٰ ضرور دے گا ان لوگوں کے اعمال کا جو میری دعوت پر ایمان لاکر راہ حق پر گامزن ہو گئے ہیں۔ پہلی توجیہہ بہتر ہے دوسری توجیہ پر اعتراض ہے پہلی توجیہ: مَآ اَسۡـئَلُكُمۡ: سے مناسبت رکھتی ہے۔

وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡحَـىِّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِيۡرَا ۝

"اور تم اس ذات پر بھروسا رکھو جو زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی اور اسی کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے کے لئے کافی ہے" [58]۔

تفسیر 58 یہ ایک اور ادب ہے کہ اخلاص کے بعد توکل لازم ہے: اَلۡحَـىُّ الَّذِىۡ لَا يَمُوۡتُ: یعنی اللہ تعالیٰ کی حیات مخلوق کی حیات کی طرح نہیں کیوں کہ مخلوق کی حیات کے مقابلے میں موت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ موت سے بری ہے: وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ: اس میں ایک اور ادب کا ذکر ہوا ہے: تَوَكَّلۡ: توکل کا معنی یہ ہے کہ دنیاوی شرعی اسباب اختیار کرنے کے بعد اس میں تاثیر پیدا کرنے کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھیں۔ اس لئے کہ اسباب کیلئے فنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے فنا نہیں ہے: بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ: یعنی اگر مخالفین کفر شرک کرنے والے اللہ تعالیٰ کو یا آپ کو برا بھلا کہتے ہیں اور طعن و تشنیع میں مصروف ہوں تو آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سے خوب خبردار ہے۔ پہلے: بِهٖ كَفٰى: کے لئے صلہ ہے جو فاعل تاکید

کیلئے آتا ہے جبکہ: بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا: سے متعلق ہے۔

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾

"وہ ذات جس نے چھ دن میں سارے آسمان وزمین اوران کے درمیان جو چیزیں ہیں پیدا کیے ہیں پھراس نے عرش پر استویٰ فرمایا وہ رحمٰن ہے لہذا اس کی شان کسی خبر رکھنے والے سے پوچھو" [59]۔

تفسیر 59 اس آیت میں بھی دلیل عقلی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی دو فعلی صفات کا ذکر ہوا ہے جو کہ خلق اور استویٰ ہے اور دو ذاتی صفات ہیں یعنی رحمٰن اور خبیر ہے چونکہ اس سورۃ میں مسئلہ برکات پر بحث ہو رہی ہے تو اس کے ساتھ رحمانیت کی صفت مناسب ہے۔ یعنی یہ سب انعامات و برکات دینے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جو کہ رحمٰن ہے یعنی صفت رحمٰن اس کے ساتھ مناسب تھی۔ استویٰ کا معنیٰ واضح ہے کیفیت اس کی مجہول ہے کسی قسم تاویل و تمثیل اس میں جائز نہیں ہے یہ تمام سلف صالحین کا قول ہے: فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا: اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ رحمان اور خبیر ذات کے وسیلہ سے دعا مانگتے رہو۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ بہ میں (با) (زائد) زیادہ ہے تو معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرو جو خبردار ہے۔ یہ ہے: بِهِ عَنْهُ: کے معنیٰ میں ہے۔ اور: خَبِيرًا: سے عالم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم رکھتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت کے متعلق اس عالم سے پوچھ لیجیے اور اس سے مراد وہ عالم ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا علم رکھتا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور معرفت کے متعلق اس عالم سے پوچھ لیجیے اس عالم کا تذکرہ: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ: میں ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾

"اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہوتا ہے کیا جسے بھی تم کہو اسے ہم سجدہ کریں گے اور اس بات سے وہ اور بدکنے لگتے ہیں" [60]۔

تفسیر 60 اس آیت میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے جو رحمٰن کے لئے سجدہ کرنے اور اس کی صفت رحمانی کو خاص اسی کے لئے ماننے سے انکار کرتے تھے۔ کیوں کہ صفت رحمان تو وہ مانتے تھے لیکن رحمٰن مسیلمۃ الکذاب کو بھی رحمٰن کہتے تھے۔ جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور جاہلیت کے اشعار میں صفت رحمٰن اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کی ہے۔ انکا کہنا تھا کہ کونسے رحمان کو

سجدہ کریں بلکہ یہ بطور عناد انکار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)۔ **خلاصہ** یہاں سے سورۃ کے آخر تک چوتھا باب ہے اس میں سورۃ کا بنیادی مضمون ہے جو تیسری مرتبہ مکرر ہوا ہے اور وہ عقلی دلائل ذکر ہیں پھر صالحین کی پندرہ صفات ذکر کی ہیں اور پھر ان کے لئے خوش خبری بیان کی ہے اور سورۃ کا اختتام زجر اور تخویف دنیاوی پر کیا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾

"بڑی بے شان اس کی جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک روشن چراغ اور نور پیدا کرنے والا چاند پیدا کیا" [61]۔

تفسیر 61 اس آیت میں برکت سے روحانی برکات مراد ہیں یعنی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ صالحین بندوں کو عطا کرتا ہے اور یہ دلیل عقلی ہے بُرُوْجًا: بڑے ستاروں کو کہتے ہیں یا چوکیداروں ملائکہ کے لئے آسمان میں جو منزلیں بنائی ہیں یا ستاروں کے ظاہر ہونے کی جگہیں ہیں۔ اس میں بروج شمس اور قمر کا ذکر کیا ہے اس میں تین قسم کے لوگوں کی طرف باریک اشارہ ہے کامل مومن ، درمیانہ اور عام مومنین ہیں۔ ان سب میں روشنی اور زینت ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

"اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ ان باتوں میں اس شخص کے لئے فوائد ہیں جو نصیحت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا شکر بجالانا چاہتا ہو" [62]۔

تفسیر 62 اس آیت میں آخری دلیل عقلی ہے: خِلْفَةً: سے مراد یہ ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے جلدی جلدی آتے ہیں اور ایک معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کے نائب بنتے ہیں حدیث میں ہے کہ جس شخص سے رات کا ذکر رہ جائے تو وہ دن کو ادا کرے اور جس سے دن کا ذکر رہ جائے تو وہ رات کو ادا کر لے۔ عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول و فعل مفسرین نے نقل کیا ہے (ابن کثیر)، فتح البیان، الوجیز) اس معنی کی مناسبت سے اس طرح فرمایا کہ: لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ: اور يَذَّكَّرَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو رات اور دن سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال کریں: اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا: اس سے عقیدہ توحید کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا مراد ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے الجھتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی کی بات کرتے ہیں" [63]۔

تفسیر63 یہاں سے توحید والوں کی پندرہ صفات کا ذکر ہے یعنی اہل توحید پر لازم ہے کہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کریں ۔چونکہ گزشتہ آیتوں میں ذاکرین وشاکرین کا تذکرہ کیا گیا ہے تو اب ان آیتوں میں ذکر وشکر کے طریقے بتلائے جا رہے ہیں۔ان پندرہ صفات میں سے اس آیت میں تین کا ذکر ہوا ہے(1) عِبَادُ الرَّحْمٰنِ :یعنی اللہ تعالیٰ ہی برکت ورحمت کا فقط اکیلا مالک ہے اور اسی کی بندگی کرتے ہیں ان لوگوں کے برعکس جو اس رحمٰن کے سجدہ سے بھی اعراض کرتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ تمام صفات میں پہلے توحید کی صفت لازم ہے اور عباد الرحمٰن کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ تمام عبادات اللہ تعالیٰ کیلئے مختص کرتے ہیں ۔خواہ عبادت رات کی ہو یا دن کی ۔اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالاتے ہیں۔اور جن کاموں سے منع کیا ان سے رکتے ہیں۔قدموں کی عبادت ہو یا ہاتھوں کی ہو کانوں کی یا آنکھوں کے دل ہو یا سر کی ہو بدنی عبادت ہو یا مالی ۔اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنا ہو یا مخلوق کا ہو۔ان تمام ذکر کردہ صفتوں اور اقسام کی طرف فکر کرنے میں اشارہ ہے:اَلَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا: نرم رفتار سے مراد شرعی طریقے سے چلنا ہے اس کا معیار سنت نبوی میں وارد ہے جس میں رفتار کی مقدار وکیفیت اعتدال وغیرہ ذکر ہے۔یعنی بہت تیزی سے بھی نہیں اور بہت زیادہ آہستہ بھی نہیں بلکہ درمیانہ چال۔ بہت سینہ تان کر بھی نہیں اور سینہ دکھا کر بھی نہیں البتہ کچھ نہ کچھ آگے کی طرف جھکاؤ ہو جس طرح انسان کھائی کی طرف اتر رہا ہو(صحیح مسلم کتاب الفضائل حدیث 2330 ترمذی حدیث 3637)احمد ابن حبان مقصد میں یہ بھی مراد ہے کہ قرآن وسنت پھیلانے کے لئے پھرے اس کی دعوت لوگوں کو پہنچائے ۔فساد وگناہ کے لئے نہ پھرے۔نیز صرف پھرنا مراد نہیں ہے بلکہ ساری زندگی سنت کے موافق بسر کرنا مراد ہے۔یہ کنایہ ہے کہ تکبر کے بغیر عاجزی وانکساری سے زندگی گزارتے ہیں:اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا : یعنی جاہلوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کو عدل ومنہج سے ہٹا کر بداخلاقی گالی گلوچ بے اعتدالی پر ابھاریں۔لیکن وہ ان کے طعن وتشنیع بہتانوں کی پرواکئے بغیر حق بات کی دعوت دیتے ہیں اور اپنا دامن ان کے شر سے بچاتے ہیں سلام کا ایک معنی تو براءۃ اور اعراض ہے جیسا کہ سورۃ قصص آیت 55 میں گزرا ہے۔دوسرا معنی حق اور صحیح بات کہنا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾

"اور جو راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ اپنے رب کے آگے کبھی سجدے میں اور کبھی قیام میں ہوتے ہیں" [64]۔

تفسیر 64 اس آیت میں چوتھی صفت کا ذکر ہے یعنی سابقہ آیت میں دن کا عمل ذکر کیا جو دعوت حق کے لئے یا دیگر دینی ضروریات و امور کے لئے شہروں وبستیوں میں پھرتے ہیں تو اس آیت میں رات کا عمل قیام اللیل کا ذکر ہے اس میں اشارہ ہے کہ دعوت حق کے لئے رات کی تہجد کی اشد ضرورت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور استغفار طلب کیا جائے۔ سجدہ اور قیام کو خاص طور پر ذکر کیا اس لئے کہ رات کی نماز میں یہ دونوں طویل ادا کرنے چاہئیں۔ یہ صفت سورۃ السجدۃ آیت 16 میں بھی ذکر کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

"اور جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے رب جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھ۔ یقیناً اس کا عذاب چمٹ جانے نقصان والا ہے" [65]۔

تفسیر 65 اس آیت میں پانچویں صفت ذکر ہوئی ہے یعنی عبادت واطاعت کرتے ہوئے بھی عذاب الٰہی سے ڈرتے ہیں جیسا کہ سورۃ مؤمنون آیت 20 میں گزرا ہے۔ اور عبادت کا اصل مقصد بھی ہے کہ بندہ جہنم سے بچ جائے۔ یعنی رب سے دعا طلب کرتے ہیں کہ اے اللہ عبادت کی توفیق اس طرح دیدے کہ وہ عذاب سے ہمارے بچاؤ کے لئے سبب بن جائے۔ غَرَامًا: ہمیشہ لازم۔ تاوان اور ہلاکت کو کہتے ہیں۔

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

"یقیناً وہ کسی کا مستقر اور قیام گاہ بننے کے لئے بدترین جگہ ہے" [66]۔

تفسیر 66 اس آیت میں عذاب کی عظمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عذاب بہت سخت اور بدترین ہے اس لئے اس سے ڈرنا چاہئے۔ مقام میم کے پیش سے معنی قیام گاہ و رہائش کی جگہ مراد ہے اور میم کے زبر سے کھڑے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

"اور جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ ان کا طریقہ اس کے درمیان اعتدال کا ہے" [67]۔

تفسیر 67 اس آیت میں تین صفات کا یعنی چھٹی ساتویں آٹھویں کا ذکر ہے۔ گزشتہ صفات میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت

کا ذکر تھا تو اب گناہوں سے اجتناب کا ذکر ہے اور گزشتہ میں بدنی عبادت کا تذکرہ تھا تو اب مالی عبادت کا ذکر ہے۔ اسراف خلاف سنت اور فضول خرچ کرنے کو کہتے ہیں جیسا کہ شرک وبدعت رسم ورواج فسق وفجور میں خرچ کرنا اقتار بخل کرنا اور اس کے رسول کی اطاعت میں خرچ کرنے میں اس طرح۔ دعوت وجہاد اور دیگر واجب نفقات میں خرچ نہ کرنا۔ پھر اشکال پیدا ہوا کہ اسراف بھی نہیں کرتا ہے اور اقتار کنجوسی بھی نہیں کرتا ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ کچھ بھی خرچ نہیں کرتا ہوگا تو فرمایا کہ: وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا: اس میں دو صفات سلبیہ اور ایک ثبوتیہ ہے قوام اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرنا مراد ہے اس طرح سورۃ بنی اسرائیل آیت 29 میں گزر چکا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

"اور جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے حاجت روا و مددگار جان کر۔ اور جس جان کو اللہ نے حرمت دی ہے اسے قتل نہیں کرتے اور نہ ہی وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا" [68]۔

تفسیر 68 اس آیت میں تین صفات یعنی نویں دسویں گیارہویں ذکر کی ہیں۔ سابقہ صفات میں تحلیہ تھا اور یہ صفات تخلیہ ہیں یعنی سلبیہ ہیں۔ سابقہ صفات کی بدولت یہ مشرکین کے اعمال سے اپنا بچاؤ کرتے ہیں ان میں سے ایک شرک فی الدعاء ہے: مَعَ اللّٰهِ: اس میں اشارہ ہے کہ مشرک اللہ کو جانتا ہے کبھی اس کو پکارتا ہے لیکن غیر اللہ یعنی اولیاء کرام انبیاء، بتوں وغیرہ کو بھی پکارتا ہے اور اس عقیدے کے ساتھ کہ وہ ہمارے مددگار ہیں۔ مشکل کشاء، حاجت روا، نفع ونقصان کا مالک ہے۔ مختار کل، عالم الغیب اور شرک کا ظاہری سبب قتل ہے اور قتل خفی بھی ہے جو کہ زنا ہے اس لئے اس کو بھی ساتھ بیان فرمایا: اَثَامًا: معنیٰ یہ ہے کہ جزاء اثمہ: یا جہنم میں خاص مقام کا نام ہے۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾

"قیامت کے دن اس کے لئے عذاب بڑھا بڑھا کر دوگنا کیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا" [69]۔

تفسیر 69 یہ تخویف دلیل ہے کہ گزرے ہوئے گناہ شرک کفر کی حالت میں صادر ہو چکے ہیں کیوں کہ ہمیشہ کے لئے رہنا عذاب کا بڑھتے چلے جانا اور ذلت سے گزارتے رہنا یہ تینوں کافر مشرک کے ساتھ خاص ہیں۔

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾

"البتہ جو کوئی توبہ کرلے ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کردے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے" [70]۔

تفسیر70 اس آیت میں توبہ کی طرف ترغیب ہے کہ گزشتہ گناہوں سے اجتناب کر کے توبہ کرو۔ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ: اس میں تین اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ ان کے نام۔ القاب۔ صفات بدل کر کے اچھے ناموں صفتوں سے پکارے جائیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کے گناہوں کو معاف کر کے نیک اعمال کی انہیں توفیق عطاء کردے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے اعمال ناموں سے گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

"اور جو کوئی توبہ کرکے اور نیک عمل اختیار کرلیتا ہے تو یقیناً وہ اللہ کی طرف سچا توبہ کرتا ہے" [71]۔

تفسیر 71 گزشتہ آیت میں کفر شرک سے توبہ کرنا مقصود تھا اس لئے اس میں: آمَنَ: ذکر کیا جبکہ اس آیت میں گناہ گار ایمان والوں کی توبہ مذکور ہے: فَإِنَّهُ يَتُوبُ: اس میں مقدر جزاء کے لئے علت ہے یعنی اس کی توبہ اخلاص کے سبب سے قبول ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ بھی قبول ہے اگرچہ قتل عمد کیا ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے یہ فتویٰ کثیر تعداد کا ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

"اور رحمٰن کے بندے ناحق کاموں میں شریک نہیں ہوتے اور جب کسی لغو کام سے گزرتے ہیں تو وقار کے ساتھ دامن بچا کر گزرتے ہیں" [72]۔

تفسیر72 اس آیت میں دو صفات یعنی بارہویں تیرہویں مذکور ہے۔ ان صفات کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو گناہوں کے اسباب سے بھی بچاتے ہیں: لَا يَشْهَدُونَ: مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی مجالس وغیرہ میں حاضر نہیں ہوتے اور نہ ہی اس قسم کے لوگوں کے تماش بین بنتے ہیں۔ جھوٹ کی گواہی بھی نہیں دیتے: الزُّورَ: ہر باطل قول فعل کو کہتے ہیں۔ یعنی جس کو مزین کیا گیا ہو۔ اس میں شرک، بدعات، فسق، فجور اور مشرکین کی عیدیں، عرس اور قبروں پر میلے۔ سینما گھر، کھیل کود جس میں گناہ ہو بے دینی کے جلسے جلوس۔ ناچ گانوں، جھوٹ اور بہتان کے مجالس وغیرہ سب کے لئے ہے کیوں کہ مذکورہ

مجالس بہت ساری گناہوں کا سبب ہے: اَللَّغْوِ: غزلوں سرور کی مجالس باطل اعمال کی مجلس اس میں شامل ہے: كِرَامًا: اعراض کرتے ہیں یعنی ایسی مجالس میں شریک بھی نہیں ہوتے تو اس پر خوش بھی نہیں ہوتے۔ اگر ضرورت کے وقت ان پر گزرتے ہیں تو ان سے منہ پھیرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝

"اور جب انہیں اپنے رب کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے بہرے بن کر نہیں گرتے" [73]۔

تفسیر 73 اس آیت میں چودھویں صفت ذکر ہے اور یہ وہ صفت ہے جس کے ذریعے سے باقی تمام صفات حسنہ حاصل ہوتی ہیں یعنی توجہ سے قرآن سننا تمام اچھی صفات کے حصول کا ذریعہ ہے کیوں کہ جب قرآن توجہ سے سنتا ہے پھر اس میں غور فکر کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو تب سابقہ اچھی صفات اس میں آجاتی ہیں: لَمْ يَخِرُّوْا: یہ غفلت نہ کرنے سے کنایہ ہے: خَرُّوْا اس لئے فرمایا کہ جب انسان قرآن کے درس میں غفلت کر لیتا ہے تو اس پر نیند کا غلبہ آتا ہے جس سے اس کا سر آگے کی طرف جھک جاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

"اور جو دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں اپنی بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے" [74]۔

تفسیر 74 اس آیت میں پندرہویں صفت کا ذکر ہے یعنی گزشتہ صفات اپنی ذات میں بھی چاہتے ہیں تو اہل وعیال میں بھی چاہتے ہیں: قُرَّةَ اَعْيُنٍ: آنکھوں کی ٹھنڈک یہ خوشی سے کنایہ ہے جو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے یعنی مومن شخص جب یہ صفات اپنے اہل وعیال میں دیکھتا ہے تو خوش ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنی اولاد کی بداخلاقی دیکھ کر ناراض و پریشان نہیں ہوتے تو ان کے ایمان میں نقص واقع ہے: وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا: یہ حقیقت میں اپنے اہل وعیال کے لئے دعا طلب کرتے ہیں یعنی میرے اہل کو متقین بنا دے تاکہ میں متقین کا امام بن جاؤں۔ اِمَامًا: یہ ام کی جمع ہے اور یا مصدر جمع کے معنیٰ میں ہے اور مبنی للمفعول ہے یا مقتدا کے معنیٰ میں ہے اور مفرد ہے۔

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾

"یہ لوگ ہیں جنہیں ان کے صبر کے بدلہ میں جنت کے بنگلے دیئے جائیں گے اور وہاں دعا اور سلام سے ان کا استقبال ہوگا[75]۔ وہ وہاں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور مستقر و قیام گاہ کے لئے وہ بہترین جگہ ہے"[76]۔

تفسیر 75، 76: اس آیت میں خوش خبری ہے چونکہ گزشتہ صفات صبر سے حاصل ہوتی ہیں اس لئے: صَبَرُوْا: فرمایا۔ اور جنت میں ان کو اعلیٰ اور بلند بنگلے اس لئے دیئے جا رہے ہیں کہ ان کے اخلاق و عادات اور سارے صفات اعلیٰ تھیں: تَحِيَّةً اور سلام میں فرق تحیہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور سلام ملائک اور دوستوں کی جانب سے ہوگا۔ یا تحیہ بادشاہ ہے اور ہمیشگی کا پیغام ہے اور سلام عام ہے، یا تحیہ سلام ہے اور سلام مبارک باد اور سلامتی کی ہے: حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا: یہ آیت 66 کے مقابل ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

"اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ میرے رب کو تمھاری ذرہ بھی پرواہ نہ ہوتی اگر تم اس کو نہ پکارتے اب تم نے جب حق کو جھٹلا دیا تو اس جھٹلانے سے عنقریب تمہارے لئے عذاب لازم ہوگا"[77]۔

تفسیر 77: اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے ان لوگوں کے لئے جو مذکورہ صفتوں سے اعراض و اختلاف کرتے ہیں اور تکذیب کرتے ہیں اور اس سورۃ کے مقصد سے انکار کرتے ہیں۔ اس آیت میں کئی توجیہات ہیں ما استفہامیہ انکار کے معنی میں ہے یا نافیہ انکار کے معنی میں ہے: بِكُمْ: تمہارے عذاب پر یا مغفرت پر: دُعَاؤُكُمْ: (1) عبادات مراد ہیں جو سابقہ صفات کے ساتھ ادا کی ہوں اور یہ معنی ایمان کا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ایمان کے باب میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے مدد مانگنے کے معنی میں ہے اگر تم مدد طلب نہ کرتے اللہ تعالیٰ سے اپنی پریشانیوں میں ان دونوں معانوں میں دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہوئی ہے تیسرا معنی اگر اللہ تعالیٰ کی دعوت تمہیں توحید کی طرف نہ ہوتی اس میں دعا کی اضافت مفعول کی طرف ہوئی ہے چوتھا معنی یہ ہے کہ اگر نہ ہوتا تمہارا غیر اللہ کو پکارنا شرک کے عقیدہ پر اس میں دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہوئی ہے سابقہ تین توجیہات میں: بِكُمْ: کا معنی: بِعَذَابِكُمْ: اور چوتھے معنی میں ہے: بِمَغْفِرَتِكُمْ: اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ پہلا معنی کیا پرواہ کریگا یا پرواہ نہیں کریگا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے کی۔ اگر تم عباد الرحمٰن کے طرز پر عمل نہ کرتے۔

اس میں خطاب ایمان والوں کو ہے۔ پس (اے کافرو) تم نے اس طریقہ پر عبادت کرنے سے انکار کیا: فَقَدْ كَذَّبْتُمْ لہٰذا عنقریب تمہارے اس عمل پر تمہیں ضرور عذاب کا سامنا کرنا پڑیگا۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ پروا نہیں کرتا یا کس وجہ سے پروا کریگا تمہیں عذاب دینے کی۔ اگر نہ ہوتا مصیبتوں میں تمہارے اللہ کو پکارنا پھر تم نے اس کے بعد شرک کا ارتکاب کیا تو اب عذاب تم پر لازم آئیگا۔ تیسرا معنی پروا نہیں کریگا یا کیا پروا کریگا تمہیں عذاب دینے کی اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں توحید کیلئے بلانا پس جب تم نے توحید سے اعراض کیا تو عنقریب اس کا عذاب تم پر ضرور مسلط ہوگا۔ چوتھا معنی کیا پروا کریگا یا پروا نہیں کرتا ہے تمہیں معاف کرنے کی اگر نہ ہوتی تمہاری پکار غیر اللہ کو۔ یعنی مصیبتوں حاجتوں میں البتہ تم نے شرک کیا تو عذاب تم پر ضرور مسلط ہوگا۔

سورۃ الفرقان کی خصوصیات:

۱۔ منکرین کے کثیر شبہات اور انکا ازالہ۔

۲۔ تین مرتبہ شرک فی البرکات پر رد کیا گیا ہے۔

۳۔ مشرکین کے صفات قبیحہ فی الاقوال والافعال کثرت سے ذکر ہے۔

۴۔ اہل توحید کے صفات کا ذکر۔

۵۔ ظالم اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض پر افسوس کی صدائیں لگائیں گے۔

الحمدللہ! سورۃ فرقان کی تفسیر مکمل ہوئی

آیاتھا ۲۲۷ | ۲٦ سورۃ الشعراء مکیۃ ٤٧ | رکوعاتھا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالٰی کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

ربط: سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط اس طرح ہے کہ اس میں تبارک کا مضمون تھا تو اس سورۃ میں منکرین پر عذاب نازل کرنے اور مؤمنین کو نجات دینے کے ذریعے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے نیز مسئلہ تبارک پر پہلے عقلی دلائل بیان ہوئے تو اب انبیاء کرام علیہم السلام سے نقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں۔

اس سورۃ کا بنیادی اور مرکزی مضمون: مختلف طریقوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ پہلا طریقہ منکرین کی ہلاکت اور مومنین کیلئے نجات۔ دوسرا طریقہ رسول کی سچائی سورۃ کے آخر میں بیان ہوئی نیز سات قسم کے شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے سورۃ کا مضمون آیت 3 اور 4 میں ہے اور اس کی تفصیل آیت 8 اور 9 میں مذکور ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں تین ابواب ہیں پہلا باب آیت 10 تک ہے اس میں قرآن مجید کی طرف ترغیب ہے پھر سورۃ کا بنیادی مضمون ذکر ہوا ہے پھر تین زواجر مذکور ہیں پہلی زجر قرآن سے اعراض کرنے پر ہے آیت 5 میں دوسرا زجر آیت 6 میں قرآن جھٹلانے پر ہے تیسرا زجر عقلی دلیل سے انکار کرنے پر آیت 7 میں ہے پھر دو آیتوں میں سورۃ کے مضمون کی تفصیل ذکر کی ہے۔

طٰسٓمٓ ۞ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞

مقصد یہ ہے کہ ان کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے البتہ اعجاز قرآن کا مقصد اس میں موجود ہے [1]۔ "یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں" [2]۔

تفسیر 2:

سورۃ بقرہ کی ابتداء میں حروف مقطعات کی تفصیل گزر چکی ہے مقصد یہ ہے کہ ان کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے البتہ اعجاز قرآن کا مقصد اس میں موجود ہے دوسری آیت میں اس سورۃ کا مضمون اور قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے۔

"اَلْمُبِيْن" اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ دلیل نقلی ہے۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا

خٰضِعِيْنَ ۝

"اے نبی ﷺ شاید تم اس غم میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں[3]۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں کہ اس کے آگے ان کی گردنیں جھکی رہ جائیں[4]۔

تفسیر 3 | 4: ان آیتوں میں سورۃ کا بنیادی مضمون ہے یعنی نبی کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کے انکار کی وجہ سے اپنے آپ کو پریشانی وہلاکت میں مت ڈالیں کہ وہ ایمان نہیں لا رہے ہیں۔ ایمان تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ ان پر جبر نہیں کرتا ہے کیونکہ جبری ایمان مقصود نہیں ہے لَعَلَّكَ یہ استفہام انکاری ہے اس طرح سورۃ کہف آیت 6 میں گزرا ہے۔ اَعْنَاقُهُمْ سردار، بہت ساری جماعتیں گردنیں یہ تینوں معانی ہو سکتے ہیں۔ اِنْ نَّشَاْ کا مفعول مقدر ہے یعنی اَلْاِيْمَانَ بِالْجَبْرِ فَظَلَّتْ ظَلَّ ہمیشگی اور ظہور پر دلالت کرتا ہے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

"نہیں آیا ان کے پاس رحمٰن کی جانب سے کوئی نصیحت مگر یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔[5]۔ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا ہے عنقریب ان کو حقیقت اس چیز کی واضح ہو جائیگی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔[6]۔

تفسیر 5، 6 | ان آیتوں میں تین کاموں کی وجہ سے زجر کیا گیا ہے۔ (۱) اعراض (۲) تکذیب (۳) استہزاء۔

مُحْدَثٍ یعنی نزول میں نئی ہے یا ان کے گمان میں نئی ہے سورۃ انبیاء آیت 2 میں بھی اس طرح گزرا ہے چونکہ سورۃ انبیاء میں غافلین کے احوال کا ذکر تھا تو وہاں لفظ يَلْعَبُوْنَ ذکر کیا تھا اور اس سورۃ میں اعراض کرنے والے منکرین کا ذکر مقصود ہے اسلئے یہاں پر لفظ مُعْرِضُوْنَ ذکر کیا ہے انباء۔ نباء کی جمع ہے اس سے مراد خطرناک اور عظیم الشان خبر ہے جو کہ عذاب ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝

"کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ اس میں ہم نے ہر قسم کے فائدہ مند پودے اگائے ہیں" [7]۔

تفسیر

اس آیت میں عقلی دلیل سے اعراض کرنے والوں کیلئے زجر ہے جبکہ پہلے قرآن سے اعراض کرنے پر زجر تھا۔اس دلیل میں زمین اور اس کے مختلف قسم کے پودے اور ان کے فائدے مراد ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٩﴾ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾

"یقیناً ان سب چیزوں میں عبرت کا بڑا سامان ہے پھر ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے" [8]۔"یقیناً تمہارا رب (دشمنوں پر) غالب اور دوستوں پر خاص رحم کرنے والا ہے [9]۔"اور تیرے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دیکر فرمایا کہ اس ظالم قوم کے پاس جاؤ" [10]۔

تفسیر 8، 9: اس میں سورۃ کے بنیادی مضمون کی تفصیل ہے یعنی قرآن اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں مگر منکرین ضد وعناد کی وجہ سے منہ پھیرے پھرتے ہیں اور یہ عذاب کیلئے سبب ہے اللہ تعالیٰ منکرین کو عذاب دینے پر قادر ہے اسلئے کہ وہ عزیز ہے اور وہ اپنے بندوں کو عذاب اور دشمنوں سے بچاتا ہے اسلئے کہ وہ رحیم ہے۔اس سورۃ میں یہ جملہ آٹھ مرتبہ ذکر ہوا ہے ان واقعات میں پانچ کے شروع میں کَذَّبَتْ فرمایا ہے اس میں اشارہ ہے کہ عذاب کیلئے سبب ایمان سے انکار اور دین حق کا جھٹلانا ہے۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 191 تک سورۃ کا دوسرا باب ہے اس میں سات انبیاء کے واقعات ہیں۔جو بہت سارے فائدوں پر مشتمل ہیں۔(۱) سورۃ فرقان کے مضمون پر نقلی دلائل ہیں۔(۲) منکرین کیلئے عذاب کے نمونے ہیں۔(۳) اس میں نبی کریم اور ایمان والوں کو دنیا و آخرت کے عذاب سے نجات دینے پر تسلی دی گئی ہے۔

اس آیت سے آیت 68 تک موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کا ذکر ہے اس میں چار حصے ہیں اول حصہ آیت 17 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر ہوا ہے اور اس سے دو خوف ہٹائے گئے ہیں اور بھائی یعنی ہارون علیہ السلام کے متعلق دعا کی قبولیت کا ذکر ہے اور رسالت کا مقصد ذکر کیا ہے۔

تفسیر 10: یہاں پر موسیٰ علیہ السلام سے رب کی پہلی آواز کا اجمالی تذکرہ ہے جبکہ سورۃ طٰہٰ میں تفصیل گزری ہے۔

قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّکَذِّبُوۡنِ ﴿ؕ۱۲﴾ وَ یَضِیۡقُ صَدۡرِیۡ وَ لَا یَنۡطَلِقُ لِسَانِیۡ

فَاَرۡسِلۡ اِلٰی هٰرُوۡنَ ﴿۱۳﴾

"یعنی فرعون کی قوم کیا وہ کفر سے بچتے نہیں" [11]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے یقینی ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں" [12]

"اور میرا دل تنگ ہونے لگے گا اور میری زبان بند ہو جائے گی لہٰذا ہارون کی طرف (وحی) بھیج دیجئے" [13]۔

تفسیر 11: اس آیت میں دعوت کا خلاصہ ذکر کیا ہے کہ وہ تقویٰ ہے اس سورۃ میں سب نبیوں کی دعوت میں تقویٰ ذکر ہوا ہے اور یہ اتفاقی مسئلہ ہے اور تقویٰ سے مراد ہر قسم کے شرک سے اجتناب کرنا ہے۔

تفسیر 12: اس آیت میں پہلا خوف اس کا جھٹلانا یعنی تکذیب ذکر کیا ہے اور یہ خوف موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں کے تکبر کی وجہ سے دکھائی دے رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے سابقہ تجربے میں شامل تھا۔

تفسیر 13: اس آیت میں دو حالوں کو ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں سبب کو مسبب پر عطف کیا ہے یعنی جھٹلانے سے میرا سینہ تنگ ہونے لگے گا اور دل کی تنگی زبان کی بندش کیلئے سبب بن جائیگی کیونکہ بعض انسان غصہ اور طیش میں آ کر کلام نہیں کر سکتے ہیں اسلئے یہ دونوں اسباب بھائی کی نبوت کیلئے دعا کا سبب بنے۔

تفسیر 14: اس آیت میں دوسرے خوف کا ذکر ہوا ہے۔ وَلَهُمۡ اس میں دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں کا جرم تھا اللہ تعالیٰ کا (گنہگار) نہیں تھا۔ اسلئے کہ یہ قتل گناہ نہیں تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسباب کے تحت خوف نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

وَ لَهُمۡ عَلَیَّ ذَنۡۢبٌ فَاَخَافُ اَنۡ یَّقۡتُلُوۡنِ ﴿ۚ۱۴﴾ قَالَ کَلَّا ۚ فَاذۡهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَکُمۡ مُّسۡتَمِعُوۡنَ ﴿۱۵﴾ فَاۡتِیَا فِرۡعَوۡنَ

فَقُوۡلَاۤ اِنَّا رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾ اَنۡ اَرۡسِلۡ مَعَنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۱۷﴾ قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّکَ فِیۡنَا وَلِیۡدًا وَّ

لَبِثۡتَ فِیۡنَا مِنۡ عُمُرِکَ سِنِیۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾

"اللہ نے فرمایا ہرگز نہیں (قتل کر سکتا ہے) تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں" [15]۔ "انہوں نے میرے خلاف ایک جرم بھی عائد کر رکھا ہے مجھے ڈر ہے کہ (اس کو بہانہ بنا کر) مجھے قتل کر ڈالیں" [14]۔ "اب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم دونوں رسول بنا کر رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔" [16] "اور (یہ پیغام

لائے ہیں) کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو[17]۔"فرعون نے کہا کیا ہم نے تمہیں اس وقت اپنے پاس رکھ کر پالا نہیں تھا جب تم بچے تھے؟ اور تم نے اپنی عمر کے بہت سال ہمارے یہاں رہ کر گزارے ہیں[18]۔

تفسیر 15:

اس آیت میں دونوں کو تسلی اور ثابت قدمی کیلئے خوف زائل کرنے کی نعمت دی ہے۔ اس میں فَاذْهَبَا تثنیہ صیغہ اسلئے ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا خوف اصل میں دونوں کا خوف ہے اسلئے کہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے اور اس کا تذکرہ وتفسیر سورۃ اعراف اور سورۃ طٰہٰ میں گزر چکا ہے۔

تفسیر 16، 17: اس آیت میں رسالت کے دو مقصد بیان ہوگئے ہیں پہلا مقصد رب العالمین کی رسالت یعنی توحید ربوبیت کی طرف دعوت دینا۔ دوسرا مقصد مظلوم موحد قوم کو ظالموں کے پنجے سے چھڑانا تاکہ وہ توحید کو قائم کرسکیں اور یہ دونوں مقاصد اِعْلَاءِ کَلِمَةُ اللهِ کیلئے ہیں اور یہ جہاد ہے سورۃ طٰہٰ آیت 47 میں رسالت بیان کرنا مقصد تھا اسلئے وہاں (رَسُوْلَا) فرمایا تھا کہ دونوں مستقل رسول ہیں اور چونکہ یہاں رسول کو مفرد اسلئے ذکر کیا ہے کہ اختصار سے بیان کرنا مقصود ہے تو جنس رسول ذکر کیا ہے یا پھر عبارت میں مقدر الفاظ اس طرح ہیں کہ کُلٌّ وَاحِدٍ مِنَّا رَسُوْلٌ۔

خلاصہ: اس آیت سے اس واقعے کا دوسرا حصہ آیت 33 تک ہے اس میں فرعون کے چار اشکالات کا جواب ذکر ہے جو شبہات انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر کیے تھے اور رب العلمین کی وضاحت کیلئے تفصیل ذکر کی ہے اور دو معجزوں کا اظہار بھی فرمایا ہے۔

تفسیر 18: اس آیت میں پہلا شبہ و اشکال ذکر ہوا ہے کہ تم ایک حقیر انسان ہو ہماری پرورش میں تم نے زندگی گزاری ہے ہم نے جوانی تک تمہاری تربیت کی ہے ہم نے تمہیں کھلایا پلایا ہے تو میرا احسان بھول گئے؟۔ دوسرا اشکال وشبہ یہ ہے کہ جب تم ہماری پرورش میں زندگی گزار رہے تھے تو اس وقت تم نے رسالت کا دعویٰ نہیں کیا تو اب کیسے یہ دعویٰ کرنے لگے۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿19﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَّأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿20﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ

لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿21﴾

"اور کر چکے تم وہ کام جو تم نے کیا اور تم بڑے ناشکرے شخص ہو" [19]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس وقت وہ کام میں ایسی حالت میں کر گزرا تھا کہ مجھے پتا نہیں تھا" [20]۔ "چنانچہ جب مجھے تم لوگوں سے خوف ہوا تو میں تمہارے پاس سے فرار ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکمت عطاء فرما کر پیغمبروں میں شامل کیا" [21]۔

تفسیر 19: اس آیت میں تیسرا اشکال ہے کہ ہمارے احسانات کے باوجود ہمارے ہی قوم کے شخص کو تم نے قتل کر ڈالا۔ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ اس قتل پر تم کافر ہو گئے ہو یا تم نے میری ناشکری کی ہے یا جب تم ہمیں کافر کہتے ہو تو اس وقت تم بھی ہماری طرح کافر تھے جب ہمارے پاس تھے یہ سب معنیٰ اس جملہ سے مراد ہو سکتے ہیں چونکہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے لفظ قتل استعمال نہیں کیا بلکہ فعل کا لفظ تین مرتبہ استعمال کیا ہے۔

تفسیر 20: اس آیت میں تیسرے شبہ و اشکال کا جواب ہے اس جواب کو پہلے اسلئے ذکر کیا ہے کہ یہ دینی اعتراض اور بدنامی تھی اسلئے اس کی صفائی پہلے ہونی چاہیے۔ مِنَ الضَّآلِّيْنَ اس میں ہدایت کے مقابل گمراہی ہرگز نہیں ہے اسلئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گمراہی سے معصوم ہوتے ہیں البتہ ضلال کے معنی یہاں پر خطاء (غلطی) ہے یعنی مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ قبطی میرا مکہ مارنے سے مر جائیگا قتل کا ارادہ میں نے نہیں کیا تھا بلکہ میں نے تو ایک دفاعی صورت میں اس کو مکا مارا تھا جبکہ قتل خطا گناہ نہیں ہے۔ دوسرا معنیٰ ضلال بے خبری کے معنیٰ میں ہے جیسا کہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى یہ سورۃ الضحیٰ آیت 7۔ یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کوئی وحی نہیں آئی تھی کہ ایک ظالم قبطی جب دار الحرب میں بھی ہو اور کافر بھی ہو پھر اس کا قتل ناجائز ہوگا؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نے بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کی ہے وہ خود کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا اسلئے کہ کافر ظالم کا دار الحرب میں قتل کرنا جب قتل کا ارادہ بھی نہ ہو اور پہلے سے اس بارے میں اس کے پاس کوئی وحی بھی نہیں آئی ہو نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس طرح نقل کیا ہے صرف اتنی سی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے بے احتیاطی ہو گئی جو کہ خلاف اولیٰ عمل کر بیٹھے جو مقرب لوگوں کی شان کے منافی ہے اسلئے انہوں نے استغفار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے معاف بھی کیا ہے سورۃ قصص میں ان شاء اللہ تفسیر آئیگی۔

تفسیر 21: وطن سے میں نے ہجرت کسی سرکشی یا دنیا پرستی کی وجہ سے نہیں کی تھی بلکہ تمہارے خوف اور ظلم کی وجہ سے کی تھی۔

فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا اس میں دوسرے (شبہ) اشکال کا جواب ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ یعنی میں اپنی جانب سے نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کے بعد رسالت سے نواز تو تب میں اب رسالت کا دعویٰ کر رہا ہوں۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿٢٤﴾

"اور احسان جو تم مجھ پر جتلا رہے ہو (اس کا راز تو) یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا" [22]۔ "فرعون نے کہا رب العلمین کون ہے" [23]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ سارے آسمانوں اور زمین کا اور ان ساری چیزوں کا رب ہے جو ان کے درمیان ہیں اگر تم یقین کرنے والے ہو" [24]۔

تفسیر 22: اس آیت میں پہلے (شبہ) اشکال کا جواب ہے اس میں کئی توجیہات ہیں **پہلی توجیہ** ہے کہ یہ استفہام تقریری ہے یعنی فرعون کے احسان کا اعتراف ہے کہ باقی بنی اسرائیل کو تو تم نے غلام بنا لیا تھا اور مجھے آزاد چھوڑا تھا لہٰذا یہ احسان میں تسلیم کرتا ہوں۔ **دوسری توجیہ** یہ استفہام انکاری ہے یعنی یہ کیا احسان ہے کہ میری قوم کو تو غلام بنا رکھا تھا اور ان کو ذلیل کر رہا تھا جبکہ ان کی تذلیل میری تذلیل ہے مشہور مثال مَنْ أَهْيَنَ قَوْمَهُ ذَلَّ۔ جس قوم کی تذلیل کی گئی ہو تو یہ درحقیقت اس کی تذلیل ہے۔ **تیسری توجیہ** یہ استفہام انکاری ہے کس چیز کا احسان ہے جو تم مجھ پر جتلا رہا ہے یہ کیا احسان ہے جو تم جتلا رہے ہو تم بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کر رہے تھے جس کے خوف سے مجھے دریا میں ڈال دیا گیا پھر تم نے مجھے دریا سے اٹھایا اور تمہاری بیوی نے اپنے بچے کی طرح مجھے پالا یعنی میری تربیت تمہارے گھر میں تمہارے ظلم کا نتیجہ تھا۔ **چوتھی توجیہ** ہے استفہام انکاری ہے یہ کیا احسان ہے جو مجھ پر جتلاتا ہے کہ تم نے میری قوم بنی اسرائیل کو غلام اور خدمتگار بنا رکھا تھا لہٰذا وہ زمینداری اور دیگر محنتوں سے کمائی کرتے تھے جس میں سے میں بھی کھا لیا کرتا تھا اور تم بھی کھایا کرتے تھے لہٰذا یہ تو بنی اسرائیل کا ہی ہم دونوں پر احسان ہے۔

تفسیر 23: یہ فرعون کا چوتھا سوال ہے جس میں انہوں نے قوم کو بے وقوف بنایا ہے یعنی عالمین تو صرف مصر ہی ہے جبکہ اس کا نظام تو میں ہی چلاتا ہوں لہٰذا میں ان کا رب العلمین ہوں عالمین کے معنی سے فرعون بے خبر جاہل تھا۔

تفسیر 24: یہاں سے آیت 23 تک مضاف الیہ "اَلْعَالَمِينَ" کا بیان ہے اسلئے کہ فرعون اپنی قوم کو لفظ عالمین سے دھوکا

دے رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے پہلے علویات، سفلیات، وسطیات یعنی آسمانوں زمین اور درمیانی کائنات کا ذکر کیا اس کے جواب میں فرعون اپنی قوم کو تعجب دلا رہا تھا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا ان پر کوئی اثر نہ ہو جائے پھر موسیٰ علیہ السلام نے موجودہ انسانوں اور اکابرین کا ذکر کیا یہ فرعون کے خلاف سخت حجت تھی کیونکہ فرعون ان کے زمانہ میں نہیں تھا تو ان کا رب کون تھا اور موسیٰ علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ یہ راز ان پر کھل جائے اس وجہ سے فرعون طیش وغضب میں آیا تو موسیٰ علیہ السلام کو مجنون کہا پھر موسیٰ علیہ السلام نے زمین کے اطراف کا ذکر کیا جس میں اشکال تھا کہ مصر کے علاوہ بھی تو دنیا ہے تو انکا رب کون ہے اس حجت واعتراض پر فرعون کا غصہ اور بڑھ گیا تو دھمکی دینے لگا کہ میں جیل میں ڈال دونگا۔

اِلٰهًا غَيْرِيْ: اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ فرعون نے لوگوں کو اپنی عبادت پر لگایا تھا دیگر معبودوں کی بندگی فرعون کی اجازت سے ہوتی تھی۔ اسلئے انہوں نے اِلٰهًا غَيْرِيْ جملہ استعمال کیا ہے یعنی بِغَيْرِ اِذْنِيْ میری اجازت کے بغیر لیکن اس فرعونی کلام نے موسیٰ علیہ السلام پر کوئی اثر رعب نہیں ڈالا البتہ فرعون کے مطالبہ پر دو معجزات پیش کیے۔ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ اس سے دو بڑے معجزے مراد ہیں۔ فائدہ چونکہ آسمان، زمین اور درمیانی کائنات سے شک زائل ہوتا ہے اور یقین پیدا ہوتا ہے اسلئے فرمایا کہ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اور مشرق ومغرب اور درمیانی کائنات میں غور وفکر کی ضرورت ہے اسی طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو مجنون کہا تو اس کے جواب میں سیدنا موسیٰ نے اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ فرمایا۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ
إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا
غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ
الصَّادِقِينَ ﴿٣١﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ﴿٣٢﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ
إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

"فرعون نے اپنے ارد گرد لوگوں سے کہا کہ سن رہے ہو کہ نہیں؟" [25]۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پچھلے باپ داداؤں کا بھی" [26]۔ فرعون کہنے لگا تمہارا یہ پیغمبر جو تمہارے پاس بھیجا گیا یہ تو بالکل دیوانہ ہے" [27]۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ مشرق و مغرب کا بھی رب ہے اور ان کے درمیان ساری چیزوں کا بھی اگر تم عقل سے کام لو" [28]۔ "فرعون نے کہا اگر تم میرے سوا کسی کو معبود بنا ڈالو گے تو میں تمہیں ضرور ان لوگوں میں سے کردوں گا جو جیل خانے میں پڑے ہوئے ہیں" [29]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں حق واضح کرنے کیلئے دلیل لے آؤں" [30]۔ فرعون نے کہا اگر واقعی تم سچے ہو تو لا کر دکھاؤ" [31]۔ "لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ کھلا ہوا اژدھا بن گیا" [32]۔ "اور انہوں نے اپنا ہاتھ (بغل میں سے) کھینچ کر نکالا تو پل بھر میں سب دیکھنے والوں کے سامنے وہ سفید ہو گیا" [33]۔ "فرعون نے اپنے ارد گرد کے لوگوں سے کہا کہ یہ کوئی ماہر جادوگر ہے" [34]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 51 تک تیسرا مقام اور حصہ ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کا ساحرین سے مقابلہ اور ان کی شکست پھر ان کا مغلوب ہونا پھر ان کا ایمان لانے کا ذکر ہے اور فرعون اور اس کے حواریوں کے مقابل ثابت قدمی کا ذکر ہے۔

تفسیر 25 تا 34: ان آیتوں میں فرعون کا اپنے اراکین شوریٰ سے گفتگو کرنا ہے اور پھر ان کی طرف سے جو جواب ملا ہے وہ سورۃ اعراف آیت 109 میں گزر چکا ہے۔

يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ
حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾

"وہ چاہتا ہے کہ جادو کے ذریعے سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دے تو پھر (تمہیں) کیا مشورہ دیتے ہو تم" [35] "انہوں نے کہا ان کو اور ان کے بھائی کو کچھ مہلت دیجئے اور تمام شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجئے" [36]۔ "جو ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں (اور ان جادوگروں کا مقابلہ کریں)" [37]۔

تفسیر 35: اس آیت میں فرعون کا موسیٰ علیہ السلام پر الزام ہے کہ یہ ہماری سرزمین پر قابض ہونا چاہتا ہے یعنی ان کے دینی مقصد کو دنیا سے تعبیر کر لیا جو کہ ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش تھی۔

تفسیر 36، 37: جب موسیٰ علیہ السلام نے معجزے کو ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ میں اس کی عظمت کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے بھی مقابلے میں سحار مبالغے کے ساتھ ذکر کیا۔ اَرْجِهْ اصل میں اَرْجِئْهُ تھا لیکن تخفیف پیدا کرنے کیلئے (ہ) کو ساکن کیا گیا اس کو اِرْجَاءٌ سے لیا گیا ہے جو مہلت اور تاخیر کے معنی میں ہے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ
كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾

"لہٰذا ایک مقررہ وقت پر سب جادوگر جمع کئے گئے" [38]۔ "اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم لوگ جمع ہو رہے ہو" [39]۔ "شاید اگر یہ جادوگر ہی غالب آ گئے تو ہم انہی کے راستے پر چلیں" [40]۔

تفسیر 38، 39: يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ سے مراد يَوْمُ الزِّيْنَةِ ہے جو مقابلہ کیلئے مقرر کیا گیا تھا سورۃ طٰہٰ آیت 59 میں گزر گیا ہے۔ وَقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ یہاں استفہام حکم یعنی امر کے معنی میں ہے اور قِيْلَ کے ساتھ اس کی تعبیر قائلین کہنے والوں کی وجہ سے کی گئی ہے یعنی چاروں طرف اعلان کئے گئے۔

تفسیر 40: ان کا یقین تھا کہ جادوگر غالب آئیں گے اسلئے انہوں نے ان کی پیروی کا اعلان ظاہر کے اعتبار سے کیا مگر شرط کے طریقہ پر ذکر کیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى أَلْقُوْا مَآ أَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

"پھر جب جادوگر آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ یہ بات تو یقینی ہے کہ اگر ہم غالب آگئے تو ہمیں کوئی انعام ملے گا" [41]۔ "فرعون نے کہا ہاں اور تمہیں اس صورت میں مقرب لوگوں میں شامل کیا جائیگا" [42]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے فرمایا جو کچھ تم لوگوں نے پھینکنا ہے پھینکو" [43]۔ "اس پر ان جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈال دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کی عزت کی قسم ہم ہی غالب آئینگے" [44]۔

تفسیر 41، 42 باطل پرست لوگ ہر کام دنیاوی مقاصد کیلئے کرتے ہیں اسلئے انہوں نے اجرت طلب کی اس سورۃ میں مقابلہ کے واقعہ میں تاکید و تفصیل زیادہ ہے اسلئے إِنَّ کے ساتھ ہمزہ استفہامیہ ذکر کیا ہے اور لفظ إِذًا کو اضافی طور پر لایا ہے۔ سورۃ اعراف میں یہ ترتیب نہیں ہے۔

تفسیر 43 سورۃ اعراف آیت 115 اور سورۃ طٰہٰ آیت 65 کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول اس کے بعد ہے تو معنی یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ساحرین کے قول کے بعد فرمایا۔

تفسیر 44 چونکہ فرعون کا اپنے متعلق عزت کا دعویٰ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو مَهِيْنٌ (ذلیل) کہتا تھا جیسا کہ سورۃ زخرف آیت 52 میں ہے تو اسلئے اس وقت یہ معمول تھا کہ فرعون کی عزت کی قسمکھائی جاتی تھی جبکہ شریعت مطہرہ میں غیر اللہ کے نام یا اس کی صفت کی قسم کھانا حرام ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث نقل کی ہے کہ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ یعنی جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (کتاب النذور حدیث 1540 احمد حدیث 6179 ابوداؤد 3251 سلسلۃ الصحیحۃ حدیث 2042)۔

فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۗ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۡ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

"پس ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر تو اچانک اس نے نگلنا شروع کیا جو وہ جھوٹ موٹ بنا رہے تھے" [45]۔ "پس جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔ کہنے لگے ہم رب العلمین پر ایمان لے آئے" [46]۔ "جو موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا رب ہے" [47]۔ "فرعون نے کہا تم میری اجازت دینے سے قبل ہی ایمان موسیٰ پر لے آئے معلوم ہوا کہ یہ تم سب کا سرغنہ (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو کی تعلیم دی ہے اب تمہیں پتا چل جائیگا میں تم سب کے ایک طرف کے پاؤں اور دوسری طرف کے ہاتھ کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا" [48]۔ "جادوگروں نے کہا ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا ہمیں یقین ہے کہ ہم لوٹ کر اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں گے" [49]۔ انہوں نے کہا ہم امید لگائے ہوئے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے تھے" [50]۔

تشریح 45 تا 51 آیت 45 سے 51 تک تشریح سورۃ طٰہٰ میں گزر چکی ہے البتہ بعض وجوہات سے فرق ہے۔ (۱) پہلا طریقہ سورۃ اعراف اور طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کا خوف ذکر ہوا ہے پھر ان سے کہا گیا کہ خوف مت کھائے البتہ اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دے اور اس سورۃ میں خوف کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ وجہ یہ ہے ان سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام پر سحر کا اثر ذکر کیا تھا جبکہ یہاں ذکر نہیں ہوا ہے اور خوف کی مناسبت تو سحر کے اثر کی وجہ سے تھی۔ (۲) سورۃ اعراف میں **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** فرمایا ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں نہیں ہے جبکہ یہاں پر **فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** ذکر کیا ہے اسلئے کہ اس سورۃ میں کثرت سے تاکیدات کا ذکر ہوا ہے تو یہ بھی اس کے ساتھ مناسب تاکید ہے۔ (۳) سورۃ اعراف کے مضمون کے موافق فرعون کو زیادہ اپنے اقتدار کا خوف تھا تو **اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا** آیت 123 جبکہ سورۃ طٰہٰ اور اس سورۃ کے مضمون میں فرعون کی تلبیس ذکر ہوئی ہے یعنی لوگوں کو دھوکا دینا چاہتا تھا کہ موسیٰ تمہارے استاد تھے اسلئے تم نے ان سے مقابلہ نہیں کیا۔

(۴) چوتھا اشکال وشبہ اس سورۃ میں لَا ضَيْرَ ذکر کیا ہے وجہ یہ ہے کہ فرعون نے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ بڑی تاکید سے سزا دینے کو کہا تو اسلئے انہوں نے بھی جواب میں کہا کہ تیرے دھمکانے ڈرانے کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔
اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی معجزہ دیکھتے ہی ایمان لائے ہیں اسلئے محاورہ میں اس کو اول کہتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر دوسرے لوگوں سے پہلے ایمان لایا تھا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو لیکر راتوں رات روانہ ہو جاؤ یقیناً تمہارا پیچھا کیا جائے گا" [52] "فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا" [53]۔

خلاصہ: اس آیت سے چوتھا مقام اور حصہ واقعہ کے اختتام تک ہے اس میں ایمان والوں کی نجات اور فرعون کے غرق ہونے کا ذکر ہے اور کافروں کے عذاب کا تذکرہ ہے۔

تفسیر 52: بِعِبَادِيْٓ اس میں اشارہ ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل اللہ کی بندگی میں مضبوط تھے۔ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ نکلنے اور سفر کرنے میں سست روی سے کام مت لینا اسلئے کہ دشمن تمہارے تعاقب میں ہے۔

تفسیر 53: یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ فرعون اپنے عوام کو غرق کرنے کیلئے خود جمع کررہا تھا آیت 36 میں ساحرین کو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کیلئے جمع ہونے کا حکم تھا اور اس آیت میں فوج پولیس اور عام لوگوں کو اکٹھا کرنے کا ذکر ہورہا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۚ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

"یقیناً یہ (بنی اسرائیل) ایک چھوٹی سی جماعت ہے" [54]۔ "یقیناً یہ ہمیں غصہ دلانے والے ہیں" [55]۔ "اور یقیناً ہم بڑی بیدار اور تیار جماعت ہیں" [56]۔ "اس طرح ہم نے ان کو باغوں چشموں سے باہر لایا" [57]۔ "اور خزانوں اور عزت والی جگہوں سے" [58]۔ "اور ہم نے اسی طرح کیا کہ بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنایا" [59]۔

تفسیر 54، 55، 56: لَشِرْذِمَةٌ حقیر اور ذلیل گروہ کو کہتے ہیں فرعون کا یہ قول بہت ہی معاندانہ اور متکبرانہ ہے لَغَآئِظُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ ہمارے دین کی مخالفت کرتے ہیں اور دھوکا دیکر ہمارے مال بھی ساتھ

لیکر گئے ہیں اور حکومت سے بغاوت کی ہے یہ غصہ دلانے کے اسباب ہیں۔ حَاذِرُوْنَ تیار ہیں مسلح ہیں بیدار ہیں جَمِیْعٌ اس سے جماعت مراد ہے یا سب مراد ہے۔

تفسیر 57، 58، 59: اس میں اشارہ ہے کہ عذاب آنے کے بعد دنیا کا مال کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے باغوں اور چشموں کا آپس میں تعلق ہے اسی طرح بنگلوں اور خزانوں کا بھی آپس میں تعلق ہے اسلئے دو دو چیزوں کی مناسبت سے جمع کیا ہے۔ مَقَامٍ كَرِيْمٍ وہ مقام، کرسی، اور مجلس کی جگہ اسمبلی ہال وغیرہ بادشاہ اور افسروں کیلئے خاص ہوتے ہیں اس کو مَقَامٍ كَرِيْمٍ کہتے ہیں۔ اس طرح سورۃ دخان آیت 25، 26، 27 میں ہے وہاں زُرُوْعٍ بھی ذکر ہے اس میں اشارہ ہے کہ ان میں سرمایہ دار كُنُوْزٍ اور جاگیردار زروع والے بھی تھے، اس سورۃ میں قحط کا عذاب ذکر تھا جس کا اثر فصلوں پر ہوتا ہے اسلئے وہاں زُرُوْعٍ فرمایا ہے وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ سورۃ اعراف آیت 137 میں شام کی زمین کا ذکر ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض بنی اسرائیل مصر واپس پلٹ گئے اور بعض شام کی طرف ہجرت کر گئے۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾

"لہٰذا وہ (فرعونی) سورج نکلتے وقت (بنی اسرائیل) کے پیچھے لگے" [60]۔ "پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ علیہ السلام سے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑے ہی گئے" [61]۔ "موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں میرے ساتھ یقیناً میرا رب ہے وہ مجھے ضرور راستہ بتائے گا" [62]۔ "لہٰذا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو پھر سمندر پھٹ گیا اور ہر حصہ ایک بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہو گیا" [63]۔

تفسیر 60: یہ بے دین لوگوں کی عادات ہیں کہ وہ طلوع شمس تک سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

تفسیر 61، 62: مَعِيَ اس کو صرف (مفرد) ذکر کیا کیوں کہ انہیں بنی اسرائیل کی مصاحبت پر یقین نہیں تھا جبکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ایک ہی ساتھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان پر پورا اعتماد کیا تھا اسلئے صیغہ جمع مَعَنَا سورۃ توبہ آیت 40 میں مذکور ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس کا بھائی بھی تو تھے لہٰذا چاہئے تھا اس کو ساتھ ذکر کر لیتے؟ جواب یہ ہے کہ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ بطور شکایت صرف بنی اسرائیل نے کہا تھا یہ شکایت ہارون علیہ السلام نے نہیں کی تھی لہٰذا صرف ان کی تسلی مقصد ہے۔

تفسیر 63: اس میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا ذکر ہوا ہے اس میں وہ وحی الٰہی کا محتاج ہے با اختیار نہیں اور اس بحر سے دریائے قلزم مراد ہے فِرْقٍ الگ الگ ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے طَوْدِ پتھروں کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾

"اور دوسرے فریق کو بھی ہم نے قریب لایا" [64]۔ "اور موسیٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو ہم نے بچا لیا" [65]۔ "پھر دوسروں کو غرق کر ڈالا" [66]۔

تفسیر 64، 65، 66: ان آیتوں میں ان کے غرق ہونے کے عذاب کا ذکر ہوا ہے وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ اس میں اشارہ ہے کہ وہ سمندر کے راستوں میں داخل ہوئے۔ ثَمَّ (ثَا) کے زبر کے ساتھ مکان (جگہ) کیلئے آتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ﴿٧١﴾

"یقیناً اس واقعہ میں عبرت کا بڑا سامان ہے پھر بھی ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے" [67]۔ "اور یقیناً تمہارا رب غالب رحم کرنے والا ہے" [68]۔ "اے پیغمبر ان کو ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ سنا دو" [69]۔ "جب انہوں نے اپنے والد اور قوم سے کہا کہ تم کس (دلیل پر) عبادت کرتے ہو؟" [70]۔ "تو انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں کے آگے تعظیم (عبادت) کرنے والے ہیں" [71]۔

تفسیر 67، 68: یہ جملہ اس سورۃ میں دو مرتبہ ذکر ہوا ہے یعنی فرعون کے اس واقعہ میں عبرت ہے أَكْثَرُهُمْ اس میں ضمیر فرعونیوں کی طرف راجع ہے یا موجودہ لوگوں کی طرف الْعَزِيزُ میں فرعونیوں کے غرق ہونے کی طرف اشارہ ہے اور الرَّحِيمُ میں بنی اسرائیل کی نجات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 69: یہاں سے دوسرا واقعہ یعنی ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ شروع ہو رہا ہے جو آیت 104 تک جاری ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس امت کے زیادہ قریب ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل بھی موجود تھی اور قرآن کے مخاطب تھی تو اسلئے اس کے واقعہ کو تفصیل سے پہلے ذکر کیا ہے پھر جب تمام نصاریٰ اور یہود بشمول عرب دعویٰ کرتے تھے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کے دین پر ہیں تو اب ان کا واقعہ بیان فرمایا اور اس میں مشرکین کا رد ہے اور حجۃ الزامی ہے اور اس واقعہ میں رب کا تعارف اور اس کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی

دعا ذکر کی ہے پھر ان لوگوں کیلئے جو نبیوں کی مخالفت میں مولویوں اور پیروں کی پیروی کرتے ہیں تخویف اخروی ہے یہ بیان بہت عظمت والا ہے اور جامع ہے اسلیئے اس کو نَبَأً عَظِيْمًا فرمایا ہے۔

تفسیر 70، 71 (مَا) اس حرف کے ذریعے سے ان سے عبادت کرنے کا سبب دریافت کیا یعنی تمہاری عبادت کرنے کی وجہ سبب اور دلیل کیا ہے؟ ان کی طرف سے جواب یہ ہوا کہ یہ بزرگوں اور ستاروں سے حاصل ہونیوالی برکتوں کے روحانی مراکز ہیں اسلئے ان کی تعظیم ہم پر لازم ہے فَنَظَلُّ یعنی ہر وقت ہم ان پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں یا اس سے مراد دن ہے یعنی دن کو ان بتوں کی بندگی عبادت کرتے ہیں اور رات کو چاند، سورج ستاروں کی عبادت کرتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ﴿72﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿74﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿75﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۙ﴿76﴾

"ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا تمہاری بات سنتے ہیں" [72]۔ "یا تمہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچا سکتے ہیں" [73]۔ "انہوں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے بڑوں باپ داداؤں کو ایسا ہی کرتے ہوئے پایا ہے۔ [74] "ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا تم نے ان چیزوں کو غور سے دیکھا بھی ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ (75)۔ تم نے بھی اور تمہارے باپ دادا نے بھی (76)۔

تفسیر 72، 73 یعنی بزرگ ہونا ستارہ چاند سورج ہونا معبود کی صفت نہیں ہے بلکہ معبودیت کی صفات تو یہ ہیں کہ دعاؤں کی قبولیت کرے اور نفع ونقصان کے دینے اور دور کرنے پر قادر ہو۔ کیا یہ صفات ان میں ہیں؟

تفسیر 74 انہوں نے جواب میں صرف تقلید پیش کی یعنی ہمارے پاس بڑوں کی تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔

تفسیر 75، 76 یعنی تمہارے بڑوں کی بندگی اور عبادت کرنے سے تو وہ معبود نہیں بن سکتے اور نہ ہی یہ دلیل وحجت ہو سکتی ہے اَفَرَاَیْتُمْ یعنی مطلب یہ کہ مجھے خبر دو اور ان معبودین کی بے بسی پر غور وفکر کرو صرف تمہاری پرستش اور تمہارے بڑے بزرگ تو دلیل نہیں ہے۔

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ﴿٧٨﴾ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ﴿٧٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ﴿٨٠﴾ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ ﴿٨١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ ﴿٨٢﴾

"میرے لئے تو رب العلمین کے سوا سب دشمن ہیں"[77]۔"جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے"[78]۔"اور جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے"[79]۔"اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے"[80]۔"جو مجھے موت دیگا پھر زندہ کرے گا"[81]۔"اور جس سے میں یہ امید لگایا ہوا ہوں کہ وہ مجھے حساب و کتاب والے دن بخش دیگا"[82]۔

تفسیر 77: یعنی تقدیری عبارت اس طرح ہے اِنْ عَبَدْتُّهُمْ فَاِنَّهُمْ يَصِيْرُوْنَ اَعْدَاءً لِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جیسا کہ سورۃ احقاف آیت 6 میں ہے یا اس طرح عبارت ہے کہ فَاِنَّ عِبَادَةَ الْعَدُوِّ یعنی ان کی بندگی ایسی ہے جیسے دشمنوں کی عبادت جو کسی کام ہی نہ آئے۔

تفسیر 78: اس آیت سے رب کا تعارف شروع ہوگیا جو آٹھ صفات پر مشتمل ہے اس کو توحید ربوبیت کہتے ہیں اول یہ کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے دوم ہدایت اسی کے اختیار میں ہے ہدایت کے مرتبے لطائف القرآن اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ذکر ہوئے ہیں وہ سارے مرتبے خالقیت کے ساتھ متصل شروع ہوتے ہیں اسلئے حرف (فَا) کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تفسیر 79: اس آیت میں تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہے ان دونوں کے ساتھ قوام بدن ہوتی ہے جیسے ہدایت سے قوام روح حاصل ہوتی ہے کامل لوگوں کی نظر میں قوام روح مقدم ہے قوام بدن سے اسلئے يَهْدِيْنِ کو يُطْعِمُنِيْ سے پہلے ذکر کیا ہے اور لفظ هُوَ کو حصر کیلئے ذکر کیا ہے۔ کھانا پینا دینے سے مراد بارش برسانا اور اس سے غلے پھل مشروبات پیدا کئے پھر بدن میں پینے کی قوتیں پیدا کرنا سب اس میں داخل ہیں اس میں بدن کی صحت کی طرف بھی اشارہ ہے اور یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں ہیں۔

تفسیر 80: یہ پانچویں صفت ہے مرض بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے لیکن بظاہر نعمتوں میں شمار نہیں ہے بلکہ امتحان ہے اسلئے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی اور مرض کبھی کبھی آتا ہے اسلئے اس کو حرف اِذَا کے ساتھ بیان فرمایا اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ انبیاء کرام بھی بدنی بیماریوں سے بچ نہیں سکتے ہیں۔ [redacted] (ا) خاص مرض سے نجات دینا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (۲) دوسرا معنی بطور علاج ہے جیسا کہ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ یہاں سے پہلا

معنی مراد ہے۔

82 یہ چھٹی اور ساتویں صفت ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو موت کی نسبت طبیعت اور مزاج کے اختلاف کی طرف کرتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا تخلیق شدہ فعل ہے موت اکثر مرض کے سبب سے آتی ہے اسلئے اس کا ذکر ہوا ہے یعنی موت کو مرض کے بعد ذکر کیا ہے پھر دوبارہ زندگی کچھ عرصہ کے بعد آئے گی اس لئے اس کو حرف (ثُمَّ) کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

82 اس آیت میں آٹھویں صفت کا ذکر ہوا ہے مغفرت کا فائدہ چونکہ قیامت والے دن گناہوں کی معافی سے معلوم ہوگا۔ اسلئے اس کو یُحْیِیْنِ کے بعد یَوْمِ الدِّیْنِ سے مقید کیا، یہاں مراد غلطی سے واقع ہوئے والے گناہ نہیں ہیں کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام تو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں بلکہ یہ اظہار بندگی کے طور پر ہے اور اَطْمَعُ میں اظہار عاجزی ہے کہ میرے اعمال مغفرت کیلئے سبب نہیں ہے یعنی بغیر سبب مغفرت کی امید رکھتا ہوں۔ کیونکہ طمع دل کے تعلق کے بغیر کسی سبب سے وابستہ ہونے کا نام ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾

"میرے رب مجھے (محکم فیصلوں کا) علم عطا فرما اور مجھے کامل صالحین میں سے بنادیجئے" [83]۔ "اور ہمیشہ رکھے میرا ذکر اچھا پچھلوں میں" [84]۔ "اور مجھے ان لوگوں میں سے بنادے جو نعمتوں والی جنت کے وارث ہوں گے" [85]۔

تفسیر 83: چونکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو صفات اور نعمتوں کے ساتھ ذکر فرمایا تو اب اس کی تشریح حقوق رب العلمین سے فرماتا ہے اور وہ رب کریم کے سامنے تضرع اور عاجزی دعاؤں کے ساتھ ذکر ہے اسلئے چھ (6) دعاؤں کا ذکر ہے، حُكْمًا وہ علم جو عمل کے ذریعے سے مضبوط اور قوی ہو نیز انبیاء کرام علیہم السلام علم کے بڑھنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ یعنی موت کے بعد میری روح کو صالحین کے ساتھ اکٹھا کریجئے اور قیامت والے دن جنت میں صالحین کی صحبت نصیب فرما، یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں کامل صالحین کی طرح عمل کی توفیق عطا فرما۔

تفسیر 84: لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد یہ ہے کہ میری اولاد میں توحید کا ذکر جاری رکھنا کیونکہ اس میں والد کا حصہ ہوتا ہے اسلئے (لِیْ) فرمایا ہے یا مراد یہ ہے کہ میری اولاد میں توحید کو جاری رکھنا یا مراد یہ ہے کہ مجھے ایسے اعمال کی توفیق

عطا فرما جو مجھے مرنے کے بعد فائدہ دیں۔

85 جنت اللہ سے مانگنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے جو صوفین کہتے ہیں کہ ہم جنت نہیں مانگتے بلکہ دیدار مانگتے ہیں تو ان کی یہ سوچ اس آیت کے خلاف ہے۔

وَاغْفِرْ لِأَبِيٓ إِنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ ٱلْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ ٱلْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾

"اور میرے باپ کی مغفرت فرما یقیناً وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے"[86]۔"اور اس دن مجھے رسوانہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا"[87]۔"جس دن نہ کوئی مال کام آئے گا اور نہ ہی اولاد"[88]۔"البتہ جو شخص سلامتی والا دل لے کر آئے گا"[89]۔"اور جنت متقی لوگوں کیلئے قریب کردی جائے گی"[90]۔"اور جہنم کھلے طور پر گمراہوں کے سامنے کردی جائیگی"[91]۔

86 والد کیلئے مغفرت کی دعا اس کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی وجہ سے ہے جیسا کہ سورۃ مریم میں گزرا ہے لیکن اس دعا کو بعد میں انہوں نے چھوڑ دیا جس کی تفصیل سورۃ توبہ آیت 114 میں گزری ہے اس آیت کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں وَاغْفِرْ سے مراد والد کی زندگی میں ہدایت کی دعا ہے۔

87 اس آیت میں عام رسوائی اور والد کے عذاب کی رسوائی سے نجات مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء حدیث 3350 میں ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو انتہائی بری حالت میں دیکھ لیں گے تو گزارش کریں گے کہ اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا یعنی میری اس دعا کو قبولیت کے شرف سے نوازا تھا لہٰذا اس سے بڑھ کر شرمندگی میرے لئے کیا ہوگی کہ میرے سامنے والد کس قدر بری حالت میں جہنم کے اندر ڈالا جارہا ہے تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی صورت کو اللہ تعالیٰ بدترین شکل میں تبدیل کردیگا جس سے ابراہیم علیہ السلام کی نفرت پیدا ہوگی اور اس حالت میں اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا چونکہ ابراہیم علیہ السلام اس شکل میں اس کو نہیں پہچان سکیں گے تو اس طریقہ سے وہ شرمندگی سے بچ جائیں گے۔

88 اس آیت میں اشارہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے والد آذر کے مال و دولت کی فراوانی تھی اور بیٹا بھی نبی تھا لیکن اس کے کفر کی وجہ سے بیٹا بھی فائدہ نہ دے سکا اور دولت بھی۔

89 قَلْبٍ سَلِيْمٍ جو دل شرک، کفر، بدعت اور دنیا کی حرص سے پاک ہو اور اللہ سے ڈرتا ہو باقی اعضاء تو دل کے تابع ہوتے ہیں اسلئے ان کو ذکر نہیں کیا اور اس سے مؤمن موحد مراد ہے اس کو اس کا مال اور اولاد فائدہ دے گا جب وہ شرعی طریقہ سے استعمال کیا جائے یا سلیم سے مراد کاٹا ہوا جس سے مراد ڈرنے والا ہے۔

90 چونکہ قیامت کے دن کا تذکرہ کر لیا تو اب اس کی کچھ تفصیل بیان کی جارہی ہے اس آیت میں جنت کو قریب لانے کی خوشخبری دی ہے یعنی متقین کیلئے جانے کی تکلیف کی ضرورت نہیں ہوگی لہذا جنت کو ہی قریب لایا جائیگا۔

91 اس آیت میں تخویف اخروی مراد ہے غَاوُنَ سے مراد وہ مشرک عبادت گزار ہیں جنہوں نے مشرک پیروں مولویوں اور حکمرانوں کی عبادت اور اطاعت کی تھی شیطان اور اس کی اولاد کے وسوسوں کی وجہ سے۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۹۶﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۹۹﴾

اور ان سے کہا جائیگا وہ کہاں ہے جن کی تم عبادت کرتے تھے" [92]۔ "اللہ کے سوا کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا خود اپنے آپ کو چھڑا لیں گے" [93]۔ "پھر ان کو اور گمراہوں کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائیگا" [94]۔ "اور ابلیس کے سارے لشکروں کو بھی" [95]۔ "آپس میں وہاں سب جھگڑتے ہوئے کہیں گے" [96]۔ "کہ اللہ کی قسم ہم تو اس زمانہ میں کھلی گمراہی میں مبتلا تھے" [97] "جب ہم نے تمہیں رب العالمین کے برابر دے رکھا تھا" [98]۔ "اور ہمیں تو گمراہ نہیں کیا تھا مگر (بڑے بڑے) مجرموں نے" [99]۔

92 93 یہ سوال ان کو ذلیل کرنے اور ڈانٹ کیلئے کیا ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کے معبود بے بس ہیں اور یہ وہ معبود ہیں جنہوں نے خود لوگوں کو اپنے شرک پر لگایا تھا اور خود بھی مشرک و بدعتی تھے۔

94 عبادت کرنے والوں کی مدد نہیں کر سکتے کہ ان کو عذاب سے چھڑائیں اور يَنْتَصِرُوْنَ یعنی اپنے آپ کو بھی چھڑا نہیں سکتے ہیں۔

95 هُمْ سے معبود مراد ہیں اور غَاوُنَ سے عَابِدِيْنَ مراد ہیں ابلیس کے لشکر سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اس کے وسوسوں سے مختلف گناہوں کا ارتکاب کیا ہو۔

تفسیر 96، 97، 98، 99 جب عبادت گزار یعنی مریدین وغیرہ ان سے ناامید ہو جائیں گے تو پھر ان سے لڑ پڑینگے۔ نُسَوِّيكُم یعنی جس طرح عبادت اللہ تعالیٰ کا حق تھا اسی طرح ہم نے تمہاری عبادت کی اور تمہیں درجہ دیا یعنی تمام صفات میں نُسَوِّي برابری مراد نہیں ہے اسلئے کہ تمام مشرکین نے اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ سے کم تر نیچے درجہ میں مانا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کیلئے وسیلہ کے طور پر استعمال کیا ہے جیسا کہ لفظ مِنْ دُونِ اللهِ بہت سی آیتوں میں ہوا ہے سورۃ یونس آیت 18 اور سورۃ زمر آیت 3 اس پر دلیل ہے اَلْمُجْرِمُوْنَ اس سے ابلیس اور اس کی اولاد مراد ہے ان کے وسوسے لوگوں کی گمراہی کیلئے سبب بنتے ہیں۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَ
مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ
لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

"پس نہیں ہیں ہمارے کوئی سفارشی" [100]۔ "اور نہ کوئی ہمدرد دوست" [101]۔ "کاش کہ ہمیں دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو ہم مومن بن جاتے" [102]۔ "یقیناً اس سارے واقعہ میں عبرت کا بڑا سامان ہے لیکن پھر بھی ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے" [103]۔ "یقیناً تیرا رب غالب اور بہت مہربان ہے" [104]۔ "نوح علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا تھا" [105]۔ "جب ان سے ان کے بھائی نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاتے ہو" [106]۔ "یقیناً میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں" [107]۔

تفسیر 100، 101، 102 ان تین آیتوں میں بچاؤ کے تین طریقوں کا ذکر ہے جو ان کو فائدہ نہیں دے سکتے۔ سفارش مخلص دوست، دنیا میں واپسی۔

تفسیر 103، 104 وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ ۔ اس سے پہلے اور بعد والے مراد ہیں یعنی ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اور اس زمانہ میں لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔

تفسیر 105 اس آیت سے تیسرا واقعہ شروع ہوا ہے اس کو كَذَّبَتْ سے اسلئے شروع کیا ہے کہ اس سورۃ میں جھٹلانے والوں کے انجام کا ذکر ہے اور تکذیب عذاب کے لئے سبب ہے اور مؤنث کا صیغہ اسلئے ذکر کیا ہے تاکہ ان کی تذلیل و تحقیر ہو جائے۔ مُرْسَلِيْنَ جمع کا صیغہ اسلئے بیان فرمایا ہے کہ تمام رسولوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی توحید الٰہی لہٰذا ایک کی

تکذیب (جھٹلانا) سب کی تکذیب کے برابر ہے نیز اس میں اشارہ ہے کہ توحید کا انکار بہت بڑا گناہ ہے اور توحید کا منکر تمام رسولوں کے نزدیک کافر ہے اور اس آیت کے بعد پانچ نبیوں کے واقعات ذکر ہوئے ہیں اور ان میں پانچ چیزوں میں برابری کا ذکر ہے۔

تفسیر 106 اس سورۃ میں اَخُوْهُمْ ناصح اور خیر خواہ کے معنیٰ میں ہے اگرچہ دوسری قوم سے ہو اور ہر نبی کے پانچ پانچ خطابات کا ذکر ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ سب رسولوں کا ان خطابات میں ایک ہی دین ہے پہلا خطاب اَلَا تَتَّقُوْنَ کفر شرک سے بچنا یا عذاب سے اپنے آپ کو بچانا مراد ہے۔

تفسیر 107 اس آیت میں دوسرا خطاب ہے لَكُمْ ۔ اسلئے مقدم کیا ہے کہ رسول کو ان کی قوم کے فائدے کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ رَسُوْلٌ اس میں اشارہ ہے کہ اپنے پاس سے باتیں نہیں بناتا ہوں، امین میں اشارہ ہے کہ پیغام الٰہی کو بغیر کمی وبیشی پہنچاتا ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

"لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو" [108]۔ "اور تم سے اس دعوت پر دنیا کی کوئی اجرت نہیں مانگتا ہوں میری اجرت تو اللہ ہی کے ذمہ ہے جو ذات سارے جہاں کی پرورش کرتی ہے" [109]۔ "لہٰذا اللہ سے تم ڈرو اور میری بات مان جاؤ" [110]۔ "انہوں نے کہا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ تیرے پیروکار تو نچلے درجہ کے لوگ ہیں" [111]۔

تفسیر 108 اس آیت میں تیسرا اور چوتھا خطاب ہے تقویٰ سے توحید اور اطاعت سے مراد سنت کی پیروی ہے معلوم ہوا کہ تمام نبیوں کا مقصد دعوت دین توحید وسنت ہے۔

تفسیر 109 اس آیت میں پانچواں خطاب ہے اس میں اخلاص مراد ہے انبیاء کرام علیہم السلام پر تبلیغ دین فرض ہوتی ہے اسلئے ان پر اجرت لینا حرام ہوتا ہے اسی طرح ہر وہ شخص جس پر دین کا کوئی عمل فرض عین ہوجاتا ہے اس پر اس عمل میں اجرت لینا حرام ہوتا ہے اس مسئلہ کی تفصیل وَلَا تَشْتَرُوْا سورۃ بقرہ آیت 41 میں گزر چکی ہے۔

تفسیر 110 اس جملہ کو تکرار سے لایا ہے تاکہ کفر شرک سے بچنے کے بعد دیگر گناہوں سے بھی اجتناب کریں اور تقویٰ سے اس مقام پر یہی مراد ہے اور اطاعت سے مراد یہ ہے کہ عقائد کی اصلاح کے بعد اعمال میں اطاعت کریں۔

قوم کو دعوت دینے کے بعد اب ان کی طرف سے تکذیب یعنی نبی کی دعوت کو جھٹلانے کا ذکر ہو رہا ہے اور یہ کَذَّبَتْ کی تفصیل ہے اس جملہ میں کافروں کی جانب سے تین باتیں مقصود ہیں پہلی یہ کہ آپ کے ساتھی جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ عزت والے نہیں ہیں اور ان کے اعمال بھی حقیر ہیں اور یہ اعتراضات باطل پرستوں کی جانب سے اہل حق پر ہمیشہ رہے ہیں کیونکہ وہ اہل حق کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ حق پرست نسبی طور پر اعلیٰ نسب والے کیوں نہ ہوں اور یہاں پر اَرْذَلُوْنَ میں بھی یہی مراد ہے یعنی نسب کی کمزوری مراد نہیں ہے۔

ان کا یہ ہے کہ انہوں نے آپ پر دل سے ایمان نہیں لایا ہے صرف زبانی اور ظاہری اطاعت کرتے ہیں۔

یہ ہے کہ یہ لوگ ذلیل ہیں اور ہم عزت والے ہیں۔ یعنی ہم مالدار ہیں لہٰذا ان کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا ہم پسند نہیں کرتے ہیں ان کو اپنی مجلس سے ہٹالو ان تین باتوں کے جواب بعد والی آیت میں ترتیب سے ذکر کیے گئے ہیں۔

قَالَ وَ مَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"نوح علیہ السلام نے فرمایا مجھے ان کے اعمال کی (حقیقت) کا علم نہیں ہے"[112]۔ "ان کا حساب نہیں ہے مگر میرے رب کے ذمہ ہے کاش اگر تم جانتے ہوتے"[113]۔ "اور میں ان مومنوں کو دھتکار کر دور نہیں کر سکتا"[114]۔

اس میں پہلے اعتراض کا جواب ہے کہ مجھے ان کے اعمال کی حقیقت کا علم نہیں ہے یعنی ان کے برے اعمال مجھے معلوم نہیں۔

اس میں ان کی دوسری بات کا جواب ہے کہ ان کے دلوں کی ایمانی کیفیت اللہ ہی جانتا ہے لہٰذا شریعت مطہرہ میں اعتبار ظاہر کا ہوتا ہے۔

یعنی ان کے ایمان کا اعتبار ہے ان کی غریبی سے ہمارا کوئی سروکار نہیں اور ایمان والوں کو دھتکار نہیں سکتا ہوں۔

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝١١٥ قَالُوا لَئِن لَّمْ تَنتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝١١٦ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي
كَذَّبُونِ ۝١١٧ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝١١٨

"نہیں ہوں میں مگر (واضح) کھول کر ڈرانے والا" [115]۔ "انہوں نے کہا اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائیگا" [116]۔ "نوح علیہ السلام نے فرمایا میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے" [117]۔ "تو میرے اور ان کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو جو ایمان والوں میں سے ہیں بچا لیجئے" [118]

اس آیت میں اشارہ ہے کہ میں ہر کام وحی الٰہی سے کرتا ہوں اور اس مسئلہ میں کسی کی رعایت نہیں کرتا ہوں۔

قوم کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں تھی تو انہوں نے دھمکانا شروع کیا اور یہی حال تمام باطل پرستوں کا ہوتا ہے اور یہ تکذیب کا دوسرا درجہ ہے۔

نوح علیہ السلام نے قوم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے عاجزی شروع کی جو کہ نبی کی طرف سے قوم کے جھٹلانے پر شہادت ہے یعنی اب تک انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور حق جھٹلانے سے باز نہیں آئے لہٰذا یہ عذاب کے مستحق ہیں۔

اس آیت میں قوم کیلئے بددعا ہے جب نوح علیہ السلام ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے جیسا کہ سورۃ ہود آیت 36 میں انہیں بتایا گیا ہے تو پھر ان کیلئے بددعا کی اور ایمان والوں کیلئے نجات کی دعا مانگی۔ فتح یعنی واضح فیصلہ جس سے یہاں عذاب مراد ہے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 89 میں ہے۔

فَاَنۡجَیۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكۡثَرُهُمۡ
مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتۡ عَادُ ۨالۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ هُوۡدٌ اَلَا
تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا
عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبۡنُوۡنَ بِكُلِّ رِیۡعٍ اٰیَةً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

"لہٰذا ہم نے ان کو اوران کے ساتھیوں کو بھری ہوئی کشتی میں بچالیا" [119]۔ "پھرہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کردیا" [120]۔ "یقیناً اس سارے واقعہ میں عبرت کا بڑا سامان ہے لیکن پھربھی ان میں سے اکثریت ایمان نہیں لاتے" [121]۔ یقیناً تیرا رب غالب اور بہت مہربان ہے" [122]۔ "قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلایا" [123]۔ "جب ان سے ان کے بھائی ہود نے فرمایا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے" [124]۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے رسول ہوں امانت دار" [125]۔ "لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" [126]۔ "اور میں تم سے اس (تبلیغ) پرکوئی اجرت نہیں مانگتا نہیں ہے میری اجرت مگر اللہ رب العلمین کے ذمے" [127]۔ "کیا تم ہر بلندی پر یادگار بنا کر عبث کام کرتے ہو" [128]۔

تفسیر 119: اس میں دوسری دعا کی قبولیت کا ذکر ہے اَلۡفُلۡكِ یہاں مفرد مذکر ہے اسلئے اس کی صفت بھی مذکر ہے۔

تفسیر 120: اس آیت میں پہلے دعا کی قبولیت کا ذکر ہے اَلۡبٰقِیۡنَ اس لئے فرمایا کہ ایمان والوں کی نجات کے علاوہ دنیا میں یہی لوگ تھے جنہیں غرق کیا گیا۔

تفسیر 121، 122: ایمان والوں کیلئے نجات اور جھٹلانے والوں اور دشمنوں کیلئے ہلاکت کا یہ نمونہ ہے۔

تفسیر 123 تا 127: یہ چوتھا واقعہ ہے کہ عادیوں نے نبیوں کی تکذیب کی جن پر عذاب مسلط کیا گیا۔ ہود علیہ السلام کے بیان کا خلاصہ پانچ باتوں میں جمع کرکے بیان فرمایا۔

تفسیر 128: شرک کے علاوہ یہ قوم دنیا پرست اور سرمایہ دار تھی اس لئے ان پر رد کیا گیا ریع بلند ٹیلے، راستے پہاڑوں کے درمیان وادی یہ سب معنی مراد ہوسکتے ہیں وہ ایسے مقامات پر اپنی قومی نشانیاں بناتے تھے یعنی مینار وغیرہ۔ جیسا کہ ہمارے زمانے میں قومی اور حکومتی مینارے بنائے گئے ہیں اور ان نشانات پر بہت سارا پیسہ بغیر کسی فائدے کے خرچ

کیا جاتا ہے یہ جاہلوں کا شیوا ں ہے۔ تَعۡبَثُوۡنَ یعنی یہ نشانیاں بے مقصد تھیں یا مراد یہ ہے کہ راستے پر گزرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہوں اور دیگر عبث کام کرتے ہوں

وَتَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ وَاِذَا بَطَشۡتُمۡ بَطَشۡتُمۡ جَبَّارِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ اتَّقُوا الَّذِىۡۤ اَمَدَّكُمۡ بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمۡ بِاَنۡعَامٍ وَّبَنِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ﴿۱۳۴﴾

"اور تم (بڑی کارگیری) سے بنگلے بناتے ہو جیسا کہ تم نے ہمیشہ رہنا ہے"[129]۔ "اور جب کسی کی پکڑ کرتے ہو تو ظالمانہ انداز میں کرتے ہو"[130]۔ "اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"[131]۔ "اور اس ذات سے ڈرو جس نے ان نعمتوں سے تمہاری مدد کی ہے جو تم خود بھی جانتے ہو"[132]۔ "اس نے تمہیں مویشیوں اور اولاد سے نوازا ہے"[133]۔ "اور باغوں اور چشموں سے بھی"[134]۔

تفسیر 129: مَصَانِعَ مضبوط اور بلند بنگلوں یا پانی کے حوض کے معنی میں ہے، لیکن یہ بے مقصد بناتے تھے۔ لَعَلَّكُمۡ استفہام توبیخی کے معنی میں ہے یعنی سوال کے انداز میں زجر ہے یا لَعَلَّ کے معنی میں ہے یعنی تمہارے ارادے ایسے لگتے ہیں کہ تم ہمیشہ کیلئے دنیا میں رہو گے یعنی موت کو بھی تم نے بھلا دیا ہے۔

تفسیر 130: ان کی سرمایہ داری کے ساتھ ظلم کا بھی تذکرہ ہو رہا ہے یعنی سرمایہ دار اکثر ظالم ناترس اور بے رحم ہوتے ہیں۔ بطش بغیر کسی جرم لوگوں کو پکڑ لینا قتل، بے عزتی کرنا جَبَّارِيۡنَ جو شخص اپنے لئے کسی قسم کا کوئی قانون نہیں مانتا ہے وہ جبار کہلاتا ہے جس کو خود سر اور سرکش کہتے ہیں وہ بھی قانون الٰہی کو نہیں مانتے تھے۔

تفسیر 131: یہ تقویٰ اطاعت اور احکامات الٰہی میں مراد ہے۔

تفسیر 132: اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے بِمَا تَعۡلَمُوۡنَ کے ذریعے اس میں ابہام اور اجمال ہے اور کثرت کی طرف اشارہ ہے تَعۡلَمُوۡنَ میں اشارہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ نعمتیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

تفسیر 133، 134: یہ ماقبل کی تفصیل ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بہت جاگیردار تھے اور اولاد بھی اللہ نے کثرت سے ان کو دی تھی۔

إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾ قَالُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡنَآ أَوَعَظۡتَ أَمۡ لَمۡ تَكُن مِّنَ ٱلۡوَٰعِظِينَ ﴿١٣٦﴾ إِنۡ هَٰذَآ
إِلَّا خُلُقُ ٱلۡأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾

"یقیناً میں تم پراس بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں"[135]۔"انہوں نے کہا چاہے تم نصیحت کرو یا نہ کرو ہمارے لئے برابر ہے"[136]۔"یہ باتیں (عمل) تو وہی ہیں جو پچھلے کرتے رہے"[137]۔"اور ہم عذاب کا نشانہ بننے والے نہیں ہیں"[138]۔

تفسیر 135 یہ عذاب کے ذریعے ان نعمتوں کی ناشکری کی وجہ سے تخویف ہے۔

تفسیر 136 یہ ان کی جباریت کا ذکر ہے کہ نبی سے کہتے ہیں تمہاری دعوت ہمارے لئے برابر ہے۔

تفسیر 137 هٰذَآ اس میں عذاب کی طرف اشارہ ہے یعنی قحط وغیرہ کو جو تمہیں عذاب نظر آتا ہے لیکن یہ عذاب نہیں ہے یہ تو زمانہ کی گردش ہے جو سابقہ لوگوں پر بھی آتی رہی یا تعمیرات اور دیگر مظالم کے متعلق کہا کہ یہ ہمارے بڑوں کے طریقے ہیں۔

تفسیر 138 یعنی جو قحط وغیرہ ہم پر آتا ہے یہ عذاب نہیں ہے یا یہ کہ ہم پر عذاب نہیں آسکتا ہے اس لئے کہ ہم بڑی قوت والے ہیں۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ
أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٥﴾

''تو انہوں نے اسے جھٹلایا بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر مسلمان نہ تھے''[139]۔''اور بیشک تمہارا رب غالب اور مہربان ہے''[140]۔''قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا''[141]۔''جب کہ ان سے ان کے بھائی صالح علیہ السلام نے فرمایا کیا تم ڈرتے نہیں''[142]۔''بیشک میں تمہارے طرف بھیجے گئے امانتدار رسول ہوں''[143]۔''اللہ سے ڈرو اور میرا تابعداری کروں''[144]۔''اور میں تم سے اس پر اُجرت نہیں مانگتا ہو میرا اجر تو اللہ پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے''[145]۔

[illegible] ان میں اشارہ ہے کہ ھلاکت کا سبب تکذیب تھا یاقی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

[illegible] ان آیتوں میں صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا واقعہ ہے اور اس کی دعوت وتبلیغ میں پانچ باتوں کا تذکرہ ہے۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٥١﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي
الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٥٢﴾

''کیا تمہیں ان نعمتوں میں یہاں ہمیشہ رہنے دیا جائیگا''[146]۔''ان باغوں اور چشموں میں''[147]۔''اور ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے ایک دوسرے میں پیوست ہیں''[148] ''کیا تم پہاڑوں کو تراشتے ہوئے بے فائدے گھر بناتے ہوں''[149]۔''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو''[150]۔''اور ان حد سے گزرے ہوئے لوگوں کی بات مت مانو''[151]۔''جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح کا کام نہیں کرتے''[152]۔

146 یہ قوم بھی صنعت کار اور جاگیردار تھی اور اس صنعت کاری اور جاگیرداری کو عذاب سے بچاؤ کیلئے سبب سمجھتے تھے۔مَا هَاهُنَا وہ نعمتیں جو تمہارے اس وطن میں ہیں لہٰذا (مَا) موصول اور هَاهُنَا صلہ ہے اور یہ اجمال ہے۔

تفسیر 147؛148: اس میں نعمتوں کی تفصیل ہے چونکہ وہ جاگیردار تھے جن کے باغات زمینی جائیداد بہت تھیں اسلئے زُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ فرمایا ہے طَلْعُ کھجور سے جو ابتداء میں تھیلی سی نکل آتی ہے جس کے اندر چھوٹے چھوٹے دانے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہوتے ہیں اس کو طلع کہتے ہیں اور اندر بالی ہوتی ہے اس کو بھی طلع کہتے ہیں۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہے هَضِيْمٌ جو ایک دوسرے سے پیوست ہو اور ہاتھ لگانے سے اس کے دانے گر پڑتے ہوں۔ امام قرطبی نے ماوردی سے بارہ اقوال اس کے معنی میں نقل کئے ہیں

تفسیر 149: یہ ان کی بے فائدہ صنعت کاری کا رد ہے اس زمانہ میں بھی پتھروں کی صنعتکاری کئی ملکوں میں جاری ہے فٰرِهِيْنَ اپنی مہارت کا اظہار کرتے ہیں، تکبر کرتے ہیں بے خوف وخطر عبث کام کرتے ہیں۔

تفسیر 150: یہ تقویٰ واطاعت اعمال میں مراد ہے۔

تفسیر 151، 152: صالح علیہ السلام کی قوم میں نو(9) افراد جو اس کے مقابل تھے وہ قوم کے سردار تھے صالح علیہ السلام کی اطاعت سے لوگوں کو منع کرتے تھے اپنی اطاعت لوگوں سے کرواتے تھے ان آیتوں میں ان کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے اور اس کی تین وجوہات ذکر کی ہیں۔ (۱) اسراف (۲) فساد (۳) اصلاح نہ کرنا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"وہ کہنے لگے کہ آپ پر کسی نے بڑا ہی جادو کر ڈالا" [153]۔ "آپ ہمارے ہی طرح ایک انسان ہیں اگر آپ سچے ہیں تو کوئی نشانی لیکر آئیں" [154]۔

تفسیر 153، 154: اس آیت میں انکار کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں اَلْمُسَحَّرِيْنَ پہلا معنی آپ پر سحر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا سحر قدیم علم ہے دوسرا معنی آپ پیٹ والے ہیں یعنی کھانے پینے کے محتاج ہیں آپ ہماری طرح بشر ہیں پھر انہوں نے معجزہ کا مطالبہ کیا۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَ

اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع

"صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اونٹنی ہے پانی پینے کیلئے ایک باری اس کی ہوگی اور ایک متعین دن کی باری تمہاری" [155]۔ "اور اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ ایک زبردست دن کا عذاب تمہیں آ پکڑے گا" [156]۔ "انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور آخر کار نادم ہو گئے" [157]۔ "ان کو عذاب نے آ پکڑا یقیناً اس میں عبرت ہے اور نہیں تھے ان میں اکثر ایمان لانے والے" [158]۔ "یقیناً تیرا رب غالب بہت رحم کرنے والا ہے" [159]۔

تفسیر 155: ان کے مطالبے پر معجزہ ظاہر ہوا کہ پتھر سے اونٹنی نکل آئی اور جس کنویں کا وہ پانی استعمال کرتے تھے اس پہ باری لگا دی گئی ایک دن ساری بستی والے اور ان کے جانور پانی پینے کیلئے حاضر ہوں گے جبکہ ایک دن صرف اس اونٹنی کیلئے متعین ہوا۔

تفسیر 156: اس میں معجزہ کے ادب کا ذکر ہے اور یہ بھی ساتھ بتا دیا کہ بے ادبی سبب عذاب ہے۔

تفسیر 157: یہ اس اونٹنی کی انتہائی توہین کرنے کا ذکر ہے کہ ذبح و نحر کے بجائے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ نَادِمِيْنَ عذاب کے آنے کے وقت نادم ہوئے جو قبولیت توبہ کا وقت نہیں ہے۔

تفسیر 158، 159: انکا عذاب سورۃ اعراف و سورۃ ھود میں ذکر ہو چکا ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا
اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾

"لوط علیہ السلام کے قوم نے رسولوں کو جھٹلایا"[160]۔"جب ان سے ان کے بھائی لوط علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاتے ہو یقیناً میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں"[162]۔"لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"[163]۔"اور تم سے اس دعوت پر دنیا کی کوئی اجرت نہیں مانگتا ہوں میری اجرت تو اللہ ہی کے ذمہ ہے جو ذات سارے جہاں کی پرورش کرتی ہے"[164]۔

تفسیر 160 تا 164 | آیت 160 سے 164 تک چھٹا واقعہ سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہوا ہے اس میں پانچ امور کا ذکر ہوا ہے اس میں دلیل ہے کہ لوط علیہ السلام نے بھی دیگر نبیوں کی طرح اپنی امت کو توحید اور اپنی اطاعت کا حکم دیا تھا اور کفر وشرک سے ان کو منع کیا تھا۔

فائدہ | سورۃ اعراف میں لوط علیہ السلام کے متعلق أَخُوهُمْ نہیں فرمایا تھا کیونکہ وہاں اخوت سے قومی بھائی چارہ مراد ہے جبکہ لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے۔یہاں اسے أَخُوهُمْ اس لئے فرمایا ہے کہ یہاں بمعنی خیر خواہ ہے اور نبی اپنی قوم کا خیر خواہ ہوتا ہے اور ناصح ہے ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس قوم کے ساتھ سسرالی رشتہ داری تھی اسلئے أَخُوهُمْ فرمایا ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾

"کیا دنیا جہاں کے لوگوں میں تم ہی ہو کہ بدکاری کی (نیت سے) لوگوں کے پاس جاتے ہو"[165]۔"اور تمہاری بیویاں جو تمہارے رب نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو چھوڑ بیٹھے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو"[166]۔

تفسیر 165 تا 166 | شرک کے علاوہ یہ قوم مردوں کے ساتھ بدکاری کرنے میں مبتلا ہوگئی تھی، اپنی عورتوں کو چھوڑ رکھا تھا اور اس کے علاوہ دیگر برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ پرندوں کو لڑانا، مہمانوں کا مذاق واستہزاء کرنا۔

أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ اس میں اس عُدْوَانَ کی طرف اشارہ ہے جو ان آیتوں میں ان کو وعید سنائی گئی ہے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾ قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ
اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

"کہنے لگے لوط اگر تم باز نہ آئے تو تم بھی ان لوگوں میں شمار کیے جاؤ گے جو بستی سے نکال باہر کیے جائیں گے" [167]۔ "لوط علیہ السلام نے فرمایا یقیناً میں ان لوگوں میں سے ہوں جو تمہارے اس کام سے بیزار ہیں" [168]۔ "میرے رب مجھے اور میرے اہل کو ان کی حرکتوں (کے عذاب) سے نجات عطا فرما" [169]۔ "تو ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی" [170]۔ "سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں سے تھے" [171]۔ "پھر اور سب کو ہم نے تباہ کر دیا" [172]۔ "اور ان پر ایک زبردست بارش برسادی بہت بڑی بارش تھی پس بری تھی ڈرائے ہوئے لوگوں کی بارش" [173]۔ "اس واقعہ میں البتہ عبرت ہے اور نہیں تھے ان کے اکثر ایمان والے" [174]۔ "یقیناً تیرا رب غالب اور انتہائی مہربان ہے" [175]۔ "ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا" [176]۔ "جب ان سے شعیب علیہ السلام نے فرمایا کیا تم اپنے آپ کو عذاب سے نہیں بچاتے ہو" [177]۔ "یقیناً میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں" [178]۔ "لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو" [179]۔ "اور میں تم سے اس دعوت پر دنیا کی کوئی اجرت نہیں مانگتا ہوں میری اجرت تو اللہ ہی کے ذمہ ہے جو ذات سارے جہان کی پرورش کرتی ہے" [180]۔

---

167 یہ ان کی قوم کی طرف سے دھمکی ہے مگر چونکہ بے غیرتی ان میں بہت تھی جس کی وجہ سے وہ یہ نہیں کہہ سکے کہ ہم تمہیں نکال دیں گے بلکہ یوں کہا کہ تمہیں کوئی نکال دیگا۔

---

168 انبیاء کرام علیہم السلام کسی کی دھمکی سے حق نہیں چھوڑتے ہیں قَالِیْنَ یہ لفظ قَلٰی سے لیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ ضحیٰ آیت 3 میں ہے مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى۔ بغض، نفرت کرنا، ناپسند ہونا خواہ شرعاً ہو یا طبعاً۔

---

169 اس آیت سے آیت 175 تک اپنے لئے اور اپنے اہل کیلئے بظاہر دعا ہے لیکن قوم کیلئے بددعا ہے اور یہ اس

وقت انہوں نے کی ہے جب قوم کے ایمان سے ناامید ہو گئے۔ عَجُوزٌ اس میں اشارہ ہے کہ یہ بڑھاپے تک کفر وشرک پر قائم تھی۔ اَلْغٰبِرِیْنَ وہ لوگ جو ہمیشہ کیلئے عذاب میں گرفتار ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ لوط علیہ السلام کی قوم میں شرک کی بیماری تھی اور یہی اصل میں ان کی ہلاکت کیلئے سبب بنا۔ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ تھا ان کو پورا پورا ڈرایا گیا ہے۔

تفسیر 170 تا 180: ان آیتوں میں ساتواں قصہ جو کہ شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم ایکہ کا ہے ذکر کیا گیا ہے لیکن بہتر قول یہ ہے کہ یہ اصحاب مدین کے علاوہ دوسری قوم اس لئے ان کا عذاب بھی الگ ہے۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی دعوت میں پانچ باتیں ذکر کی ہیں۔ فائدہ: شعیب علیہ السلام کے متعلق اَخُوْھُمْ نہیں فرمایا وجہ یہ ہے کہ اصحاب الایکہ والے برادری میں سے نہیں تھے بلکہ مدین والوں کی برادری میں سے تھے۔ نیز اگر خیر خواہ اور ناصح کی حیثیت سے اس کو بھائی اَخُوْھُمْ قرار دیتے تو پھر اشکال (اشتباہ) پیدا ہو جاتا کہ شاید یہ ان کی برادری میں سے ہے جبکہ ان کے متعلق سورۃ اعراف میں مدین والوں کے قصہ میں اَخُوْھُمْ فرمایا ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۸۲﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

”پورا پورا ناپ دیا کرو اور ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں“ [181]۔ ”اور برابر ترازو کے ساتھ تول کیا کرو“ [182]۔ ”اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو اور ملک میں فساد مت کرو“ [183]۔

تفسیر 181، 182، 183: قوم شعیب علیہ السلام (کے لوگ) شرک کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کرتے ہوئے تجارت میں خیانت اور ظلم کے مرتکب ہو گئے تھے شعیب علیہ السلام نے ان کی اصلاح کی بھرپور کوششیں کیں۔ تفصیل سورۃ اعراف اور ھود میں گزر گئی ہے قِسْطَاس عربی لفظ ہے جو قسط سے لیا گیا ہے اور رومی زبان میں بھی استعمال ہوا ہے رومی زبان میں عدل وانصاف کو جبکہ عربی میں ترازو کو کہتے ہیں۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ
اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

"اور اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور پچھلے لوگوں کو بھی" [184]۔ "انہوں نے کہا تم پر تو کسی نے جادو کر رکھا ہے" [185]۔ "تم تو اس کے سوا کچھ نہیں ہو سوائے اس کے کہ ہماری طرح ایک انسان ہو اور ہم تمہیں یقین کے ساتھ جھوٹا سمجھتے ہیں" [186]۔ "اگر آپ سچے ہیں تو آسمان کا ایک ٹکڑا ہم پر گرا دیں" [187]۔ "شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو" [188]۔

ع

تفسیر 184: اس تقویٰ سے مراد اعمال میں تقویٰ ہے اور خیانت سے اجتناب ہے۔ اَلْجِبِلَّةَ یہ معنی میں جمع ہے اسلئے اس کی صفت بھی جمع ذکر کی گئی ہے۔ بہت سے لوگوں کو کہا جاتا ہے چونکہ قوم شعیب سے پہلے بہت سی قومیں گزری ہیں جیسا کہ اس سورۃ میں ذکر گزر گیا اسلئے شعیب علیہ السلام نے ان کے مخلوق ہونے کو بطور دلیل ذکر کیا ہے۔

تفسیر 185، 186: منکرین کی جانب سے تین اعتراض کیے گئے تھے:

(۱) ان لوگوں میں سے ہے جن پر جادو کیا گیا ہے (۲) یہ بشر ہے (۳) جھوٹا ہے۔

تفسیر 187: اس آیت میں عذاب لانے کا مطالبہ شعیب علیہ السلام سے کیا گیا اور یہ تکذیب میں مبالغہ ہے۔

تفسیر 188: اس میں اشارہ ہے کہ عذاب میرے اختیار میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے حالات سے خوب باخبر ہے کہ تمہارا یہ طرز عمل عذاب کا سبب ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾

"پس انہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھلایا ان کو بادل (سائبان) کے عذاب نے آ پکڑا یقیناً وہ بہت بڑے دن کا عذاب تھا" [189]۔ "اس میں نشانی ہے پس ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے" [190]۔ "اور یقیناً تیرا رب البتہ غالب انتہائی مہربان ہے" [191]۔ "یقیناً یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے" [192]۔

تفسیر 189 190 191 اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ ان پر سخت گرمی مسلط کی گئی یہاں تک کہ پھل سائے اور پانی سے محروم کئے گئے اتنے میں اچانک ان پر بادلوں کے سائے فگن ہو گئے تو یہ ان سایوں کے نیچے جمع ہو گئے (کہ اس سے بارش کا نزول ہوگا) مگر ان میں سے آگ برسائی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ایکہ والے مدین والوں سے الگ ہیں کیونکہ ان پر رجفے اور صیحے کا عذاب بھیجا گیا تھا ایکہ والوں نے آسمان سے ٹکڑا گرانے کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اوپر کی جانب سے عذاب بھیجا۔

ربط اس آیت سے تیسرا باب ہے جو سورۃ کے آخر تک ہے اس میں قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت (۱۰) طریقوں سے بیان کی گئی ہے پھر تخویف دنیاوی اور زجر ہے پھر ان کی طرف سے رسول پر کئے گئے شبہات کے جواب کا ذکر کیا گیا ہے اور درمیان میں داعی کیلئے پانچ امور کا ذکر ہوا ہے اختتام تخویف دنیاوی پر ہے۔ فائدہ چونکہ سابقہ واقعات سے معلوم ہوا کہ رسولوں کے جھٹلانے سے عذاب کا نزول ہوتا ہے تو اسلئے لوگوں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ رسول کی تکذیب سے بچتے رہنا اور توبہ کرو ورنہ عذاب کیلئے تیار رہو۔

تفسیر 192 ان آٹھ آیتوں میں قرآن اور رسول کی سچائی کا ذکر ہو رہا ہے 192 میں قرآن کریم کی صداقت کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں (1) تنزیل (2) رب العالمین کی طرف نسبت۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ
الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾
فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا
الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾

"امانت دار روح اس کو لیکر اتری ہے"[193]۔"اے نبی آپ کے قلب پر اترا ہے تاکہ آپ ان پیغمبروں میں شامل ہو جائیں جو لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈراتے ہیں"۔[194]۔"عربی واضح (فصیح) زبان میں"[195]۔"اور یقیناً قرآن کی خبر پچھلی (آسمانی) کتابوں میں بھی موجود ہے"[196]۔"کیا ان کیلئے یہ (نشانی دلیل) نہیں ہے کہ (اس کی سچائی سے) بنی اسرائیل کے علماء واقف ہیں"[197]۔"اور اگر یہ کتاب ہم کسی عجمی پر نازل کرتے"[198]۔"اور وہ ان کے سامنے پڑھ دیتا تب بھی یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے"[199]۔"ہم اسے مجرموں کے دلوں میں اسی طرح داخل کرتے ہیں"[200]۔"یہ لوگ اس پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ اپنی آنکھوں سے دردناک عذاب دیکھ لیں"[201]۔

تفسیر 193 اس آیت میں تیسرا سبب ذکر ہوا ہے اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ سے جبرائیل مراد ہے یہاں قرآن کی سچائی اور امانت ہونے کا ذکر ہے اسلئے جبرائیل کی صفت کو امین کے ساتھ ذکر کیا ہے اور جہاں قرآن کا تقدس ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کو دفع کرنا ہوتا ہے۔ وہاں جبرائیل کی صفت روح القدس ذکر کی گئی ہے۔

تفسیر 194 اس آیت میں چوتھا اور پانچواں سبب ذکر ہے (۱) دل پر اترنا (۲) اور ڈرانے کا فائدہ ذکر ہوا ہے۔

تفسیر 195 اس آیت میں چھٹی اور ساتویں وجہ ذکر ہوئی ہے پوری وضاحت اور فصاحت کا ذکر اس میں موجود ہے۔ مُبِيْنٍ میں قرآن کی انتہائی فصاحت و بلاغت کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر 196 اس آیت میں آٹھواں سبب ذکر ہوا ہے یعنی اس قرآن کی تصدیق یا اس کی خبر سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہے یا اس قرآن کا مضمون سابقہ کتابوں میں بھی موجود ہے اور جس نے یہ کہا ہے کہ نفس قرآن کریم سابقہ کتب میں ہے بغیر اس کے الفاظ کے یعنی قرآن صرف معانی کا نام ہے تو ان کا یہ قول باطل ہے سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی اپنے اس

قول سے رجوع کیا تھا۔

تفسیر [illegible] اس آیت میں قرآن کی سچائی کا آٹھواں سبب ذکر ہے جو قرآن کی سچائی کے متعلق بنی اسرائیل کے علماء کی تصدیق کی خبر دی گئی ہے کہ یہ علماء اس کتاب کی حقیقت پر آگاہ بھی ہیں اور گواہ بھی ہیں۔

تفسیر 198 199 ان آیتوں میں دسواں سبب ذکر ہوا ہے کہ اس رسول کا عربی ہونا ان کے ایمان لانے کے لئے واضح سبب ہے اس میں منکرین ومخالفین کیلئے زجر ہے کہ کسی عجمی پر نازل نہ ہونے کے باوجود یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے ہیں اور عجمی پر ایمان نہ لانے کا پہلا سبب تو ان کا غیر عرب سے تعصب ہے اور دوسرا سبب عجمی زبان میں عربی کی طرح فصاحت وبلاغت کا نہ ہونا ہے۔

تفسیر 200 201 ان آیتوں میں قرآن مجید سے اعراض کرنے والوں کے لئے زجر ہے یعنی پہلے یہ مجرم تھے تکذیب یا شک کی وجہ سے تو پھر ان کے دلوں میں انکار قرآن داخل ہوگیا تو اب اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک عذاب اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں یعنی ایک کفر سے دوسرا کفر پیدا ہوتا ہے۔ سَلَكْنٰهُ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح ہے جس طرح اس کلام خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ میں ہے اور (ہٗ) ضمیر انکار کرنے والے کی طرف راجع ہے جس پر دلیل یہ الفاظ ہیں کہ مَا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾

"اور وہ ان کے پاس اس طرح اچانک آجائے کہ ان کو اس کے آنے کا احساس بھی نہ ہو (202)۔ پھر یہ کہیں کہ کیا ہمیں کوئی مہلت مل سکتی ہے؟ [203]۔ "کیا یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں" [204]۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ اگر کئی سال تک ہم ان کو دنیا کی لذتیں دیتے رہیں یا اگر ہم ان کو کئی سال تک سامان عیش دیتے رہیں" [205]۔ "پھر وہ (عذاب) جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے آجائے" [206]۔ "تو ان کو (عذاب سے) وہ اسباب بچا نہیں سکیں گے جو ان کو دئے گئے تھے" [207]۔ "اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا ہے مگر ان کو (عذاب سے) ڈرانے والے موجود تھے" [208]۔ "(ان کی) نصیحت کیلئے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں [209]۔

[202][203] ان آیاتوں میں ان کو دنیاوی عذاب سے ڈرایا گیا ہے فَيَأْتِيَهُمْ یہ لَا يُؤْمِنُونَ کا جواب ہے اوراس میں اَنْ مقدر ہے اوراسی طرح فَيَقُولُوا بھی فَيَأْتِيَهُمْ پر عطف ہے اسلئے یہ بھی منصوب ہے۔

---

[204] اس میں عذاب مانگنے والوں کے لئے زجر ہے۔

---

[205][206][207] ان آیتوں میں عذاب کے جلدی طلب کرنے کا جواب ہے یعنی عذاب جس وقت بھی آجائے لیکن ان کو دیا گیا دنیاوی ساز وسامان ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکے گا تو پھر عذاب جلدی طلب کرنے میں کیا فائدہ ہے۔

---

[208][209] یہ بھی ان کے عذاب جلدی طلب کرنے پر زجر ہے یعنی یہ منکرین تو عذاب جلدی مانگتے ہیں لیکن قانون الٰہی یہ ہے کہ پہلے بستی میں رسول کو بھیجا ہے تاکہ پورے طریقے سے لوگوں کو ڈرائے اور نصیحت کرے پھر اعراض کرنے والوں کو عذاب دیتا ہے۔ ذِكْرَىٰ یعنی يَذَّكَّرُونَ ذِكْرَىٰ یا یہ مُنْذِرُونَ کیلئے مفعول لہ ہے، یعنی اَلْاِنْذَارُ لِاَجْلِ التَّذْكِيْرِ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾

"اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اترے" [210]۔ "نہ یہ قرآن ان کے مطلب کا ہے اور نہ ہی وہ ایسا کر سکتے ہیں" [211] "انہیں تو یقیناً اس کے سننے سے بھی روک دیا جاتا ہے" [212]۔ "پس آپ کسی کو اللہ (حاجت روا) بنا کر مت پکاریں اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ عذاب دیئے گئے لوگوں میں سے ہو جائیں گے" [213]۔ "اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں" [214]۔

---

[210][211][212] یہ آیتیں 192 پر عطف ہے اوران آیتوں میں پہلے شبہے کے جوابات ہیں شبہہ یہ تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ رسول کاہن ہے یعنی اس پر قرآن کا نزول نہیں ہوا ہے یاد رہے کاہن اس کو کہا جاتا ہے جو مستقبل کی خبریں بتائے جو انہوں نے مسخر کئے ہوئے جنات کے ذریعے سے حاصل کی ہوں اوران کا علم غیب کا دعویٰ بھی ہو تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ کاہنوں کے پاس خبریں پہنچانے والے تو سرکش شیاطین ہوتے ہیں جبکہ اس نبی مکرم کے پاس تو جبریل امین علیہ السلام تشریف لاتے ہیں جیسا کہ آیت 193 میں گزر چکا ہے اس کلام کو شیاطین نے نہیں لایا دوسرا جواب یہ ہے کہ

قرآن مجید کی سچائی اور ہدایت پر مبنی ہونا شیاطین کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتا ہے کیونکہ شیاطین کی باتیں ہوں یا اعمال وہ گمراہی پر مبنی ہوتی ہیں جبکہ قرآن مجید تو ہدایت وسچائی سے بھرپور ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ شیاطین ملائک کا کلام سننے سے قاصر ہیں کیونکہ وہ ملائک کی مجلس سے بھگا دیئے جاتے ہیں جیسے سورۃ حجر آیت 18 اور سورۃ صافات آیت 8 میں ہے اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ یہ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ کے لئے علت ہے۔ [illegible] سَمْع کا اثر اِسْتِمَاع پر مرتب ہے یعنی باوجود اس کے کہ وہ کان لگاتے ہیں یعنی بطریقہ اِسْتِرَاقُ السَّمْع لیکن ان کو سننے سے تھکاوٹ ہوتی ہے۔

تفسیر 213 اس آیت میں مقصد قرآن اور دعوت شیاطین میں فرق کیا جارہا ہے یعنی شیاطین تو غیر اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خود بھی غیر اللہ کو مدد کے لئے پکارتے ہیں جو کہ ارتکاب شرک ہے لہٰذا آپ غیر اللہ سے مدد نہ مانگیں اور ان کو عالم الغیب نہ سمجھیں ان کو الٰہ مت بنائیں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف مان لینا شرک جلی ہے جو کہ سبب عذاب ہے آیت میں خطاب تو رسول کریم سے ہو رہا ہے مگر مراد اس سے امت کے لوگ ہیں اس آیت سے آیت 20 تک حق کے داعی کے لئے پانچ آداب کا ذکر ہے اس آیت میں پہلا ادب ہے کہ داعی حق کو چاہیے کہ مشرکین کی مشابہت سے بھی دور رہے اور اسباب عذاب سے اپنے آپکو بچائے۔

[illegible] اس آیت میں دوسرا ادب ہے کہ اپنے رشتہ داروں کو صاف دعوت دیجئے مالدار ہوں یا غریب اعلیٰ نسب والے ہوں یا ادنیٰ تا کہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے کہ اپنوں کو تو کچھ نہیں کہتے اور ہمیں مسائل بیان کرتے ہیں تا کہ اس طعن سے بھی داعی کو چھٹکارا ملے نیز یہ مقصد بھی حاصل ہو جائے کہ آپ دعوت حق میں کسی قسم کا لحاظ نہیں کرتے اپنے ہوں یا بیگانے ہوں اور یہ بھی رشتہ داروں کو معلوم ہو جائے کہ دعوت حق میں یہ ہمارا لحاظ نہیں کرتا ہے۔اور ان کی امید بھی باقی نہ رہے کہ یہ ہماری بات مان لے گا قریش کو دعوت دینے میں ایک خاص سبب یہ بھی تھے کہ ان پر لوگوں کا اعتماد تھا وہ لوگوں کے لئے مثل لیڈر اور مرشدین کے تھے عام لوگ ان کو اپنے پیر سمجھ کر ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے تابع تھے جب متبوع وغیرہ ایمان لے آتے ہیں تو ماتحت لوگوں کے لئے ایمان لانا آسان ہو جاتا ہے اس لئے ان کو دعوت دوسرے لوگوں کی ہدایت کے لئے ذریعہ تھی۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ
عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿۲۱۷﴾

"اور جھکائے رکھیے اپنے پہلو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ایمان لا کر تمھاری پیروی کی ہے" [215]۔ "پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں اس عمل سے بری ہوں جو تم کرتے ہو" [216] "اور اس (اللہ) پر توکل کیجئے جو خوب غالب اور نہایت رحم کرنے والا ہے" [217]۔

215 اس آیت میں داعی کے لئے تیسرے ادب کا ذکر ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے لئے نرم اور شفیق رہے گا جیسا کہ سورۃ حجر آیت 88 میں گزر گیا ہے پرندوں کی عادت ہے کہ جب وہ اڑتے ہیں تو پروں کو بلند کرتے اور جب اترتے ہیں تو پروں کو جھکا دیتے ہیں تو یہ کنایہ ہے اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ نرمی اور انکساری سے کنایہ کے طور پر دی گئی ہے جیسا کہ مرغی اپنے بچوں کو پروں میں لپیٹ کر آغوش میں لیتی ہے۔

216 اس آیت میں چوتھے ادب کا ذکر ہے یہ ان لوگوں سے براءت کے بارے میں ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہیں اس براءت کا مقصد یہ ہے کہ کوئی جرم کی نسبت داعی حق کی طرف نہ کر سکے۔

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۲۰﴾

"وہ جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے" [218]۔ "اور آپ کے اٹھنے اور (بیٹھنے) پھرنے کو سجدہ کرنے والوں میں" [219]۔ "یقیناً اللہ وہی تو ہے جو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے" [220]۔

218 219 220 اب پانچویں ادب کا ذکر ہے چونکہ مخالفین سے براءت مشکل کام ہے اس لئے اللہ پر توکل ذکر کیا ہے اور اس توکل کو خالص کرنے کے لئے پانچ صفات کا ذکر کیا ہے جن سے متوکل کا مخلص ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ حِيْنَ تَقُوْمُ: اس میں ہر قسم کا قیام شامل ہے البتہ نیند سے بیدار ہو کر قیام اللیل کے لئے کھڑا ہونا اہم ہے وَتَقَلُّبَكَ اس میں نماز کی حرکات وسکنات کی طرف اشارہ ہے یعنی رکوع پھر قیام سجدہ اور اس کے درمیان بیٹھنا اور پھر قیام کے لئے اٹھنا السّٰجِدِيْنَ مراد دیگر ساتھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے یعنی اللہ تعالیٰ عالم ہے چاہے رات میں نماز پڑھنے والے ہوں یا دن میں اکیلے ہوں یا مل کر سب پر یا اہل توحید کے درمیان چلنا پھرنا ہے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آدم علیہ السلام سے والد تک پشت در پشت اہل توحید میں منتقل ہونا ہے لیکن یہ تفسیر کمزور وضعیف ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿٢٢٣﴾ وَ
الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿٢٢٤﴾

"کیا تمہیں خبر نہ دوں کہ کس پر شیاطین اترتے ہیں" [221]۔ "وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے گناہ گار پر" [22]۔ "وہ ڈالتے ہیں (کاہنوں کے کانوں میں) سنی سنائی باتیں اور ان کے اکثر جھوٹے ہیں" [223]۔ "اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں" [224]۔

تفسیر 221 222 223 پہلے شیاطین کی حالت بیان کی پھر صالحین کی تو اب شیاطین کے ساتھیوں کے ذکر ہو رہا ہے اس میں شبہات کے ازالہ کا تتمہ ہے حاصل یہ ہے شیاطین کے ساتھی جھوٹے اور گناہگار ہیں، حق اور باطل کو خلط ملط کرتے ہیں جبکہ انبیاء اور صحابہ کرام ان صفات سے مبرا ہیں پھر شبہات کا کیا معنی ہے۔ أَفَّاكٍ أَثِيْمٍ یہ صفتیں کاہنوں کی ہیں اور دونوں مبالغے کے صیغے سے ہیں جو کثرت عمل پر دلیل ہے يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ یہاں پر السَّمْعَ مَسْمُوْعٌ کے معنی میں ہے یعنی جو بات انہوں نے ملائکہ سے سنی ہو وہ کاہن کے کان میں ڈال آتے ہیں پھر کاہن اس میں اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلاتے ہیں جب ملائکہ سے سنی ہوئی بات سچی ثابت ہو جاتی ہے تو لوگ ان کی دوسری جھوٹی باتوں کی بھی تصدیق کرنے لگتے ہیں جیسے صحیح بخاری کتاب التفسیر حدیث 3350، 4768 صحیح مسلم کتاب السلام حدیث 2228 میں ہے یا السَّمْعَ کان کے معنی میں ہے یعنی شیاطین ملائکہ کو کان لگا کر ان سے بات سن لیتے ہیں پھر اس کے ساتھ اپنے پاس سے جھوٹ ملاتے ہیں۔

تفسیر 224 اس آیت میں دوسرے شبہے کا ازالہ ہے منکرین نے کہا تھا کہ یہ نبی شاعر ہے اور یہ قرآن ان کے اشعار ہیں، اور منکرین کے نزدیک یہ بات ثابت تھی کہ شاعر جھوٹ کو شعر سے مزین کرتا ہے پھر وہ لوگوں پر اثر کرتا ہے لہٰذا اب اس آیت میں ان کو تین طریقوں سے جواب پہلا دیا جاتا ہے، جواب کا طریقہ استدلال بالصَّاحِبِ وَالْقَرِيْنِ مشہور مثال ہے کہ آدمی کو اس کے دوستوں سے پہچان لو یعنی شاعروں کے ساتھی و پیروکار بدمعاش گمراہ فاسق اور جھوٹے ہوتے ہیں جبکہ اس نبی کے ساتھی یعنی صحابہ کرام سجدہ ریز ہونے والے دنیا سے بے رغبت اور اعلیٰ صفات کے لوگ ہیں۔ اس طرح تفسیر سراج المنیر میں ہے۔ فائدہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفات حسنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر استدلال کیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ صحابہ کرام کی برائی کرتے ہیں وہ در اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ

اسلام کی تکذیب کر رہے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ

ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّ انْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾

"کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے نظر آتے ہیں [225]۔ یقیناً وہ کہتے ہیں وہ کلام جس پر عمل نہیں کرتے [226]۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے ایمان لایا اور (سنت کے مطابق) نیک عمل کرتے ہیں اور انہوں نے کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور ان پر ظلم کیئے جانے کے بعد انتقام لیا اور عنقریب وہ جان لیں گے جنہوں نے ظلم کیا ہے کہ وہ کونسی لوٹنے کی (ہیبت ناک) جگہ لوٹیں گے [227]۔

225 اس آیت میں شبہ کے ازالے کا ایک اور طریقہ اپنایا گیا ہے۔ کہ شعراء متضاد اور بے ہودہ گفتگو کرتے ہوئے دنیا کے لالچ کے لئے بے جا کسی کی مدح سرائی تو کسی کی ہجو کرتے ہیں۔ اور لفظ یَهِیْمُوْنَ میں ان شاعروں کی تشبیہ دی گئی پیاسے اونٹوں کے ساتھ جو وادیوں میں اپنی بھوک اور پیاس کی حرص میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جبکہ اس نبی ﷺ کی احادیث و قرآن کریم سراسر ہدایت ہی ہدایت و حکمت سے بھرپور ہے اور ہر قسم کی دنیا پرستی اور خواہش پرستی سے پاک ہے۔

226 اس آیت میں شبہ کا ازالہ ایک تیسرے طریقہ سے کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ شاعروں کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے وہ نبی کی محبت کے اشعار و قصیدے تو پڑھتے رہتے ہیں مگر ان کی سیرت و صورت نبی کے مخالف ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو نیک اعمال کرنے کی اور سخاوت کی ترغیب دیتے ہیں اور خود بے عملی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

227 چونکہ شاعروں میں ایمان والے بھی تھے جیسے صحابہ کرام میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ تو ان کی استثناء کیا گیا اور ان کی چار صفات بیان کیے گئے۔ (1) ایمان (2) عمل صالح (3) کثرت سے ذکر الٰہی (4) انتقام و بدلہ لینا۔ یعنی ان کے اشعار میں ایمان و عمل صالح کی ترغیب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہوتی ہے اور جب کافر شاعر نبی کریم ﷺ یا ایمان والوں کی یا پھر اسلام توہین اشعار میں کرتے ہیں تو پھر یہ ان کا دفاع کرتے ہوئے جواب دیتے ہیں کیونکہ یہ بھی جہاد باللسان ہوتا ہے اور یہ مقولہ معروف ہے کہ تیر کا زخم ٹھیک ہوتا ہے مگر زبان کا زخم ٹھیک نہیں ہوتا ہے۔ آخر میں ظالم شاعروں اور منکرین رسول کے لئے شدید وعید ہے۔ سَیَعْلَمُ اس میں تہدید ہے اور الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا میں تعمیم ہے آئی

میں ابہام ہے کہ یہ خوشیاں غموں میں تبدیل ہوں گی کیونکہ مَرْجِعُ اکثر پہلے والے حال کی طرف پلٹنے میں استعمال ہوتا ہے جبکہ مُنْقَلَبٍ بدتر حال کی طرف واپسی ہے۔ یَنْقَلِبُوْنَ اس میں حالت کی تجدید کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا حال بار بار فساد اور خرابی کی طرف بدلتا رہے گا۔

[illegible]

۱۔ سات واقعات و قصص کا بیان مع التفصیل۔

۲۔ رب العالمین کی تعریف مضاف الیہ کی تعریف کے ساتھ موسیٰ کے واقعے میں اور مضاف کی تعریف کے ساتھ واقعہ ابراہیم علیہ السلام میں ذکر ہے۔

۳۔ قرآن کی سچائی کئی طریقوں سے ثابت کی گئی ہے۔

۴۔ رشتہ داروں اور قرابت داروں کو ڈرانے کا تذکرہ۔

۵۔ کاہنوں کے حال کا تذکرہ۔

۶۔ شعراء کی دو قسموں میں تقسیم۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق و فضل سے سورۃ شعراء کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۹۳ | ۲۷ سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ ۴۸ | رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

سورۃ نمل اور اس کا دوسرا نام سورۃ سلیمان ہے۔

سورۃ شعراء کے ساتھ اس کا ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورۃ میں اظہار غضب ونعمت الٰہی کا تذکرہ تھا تو اس سورۃ میں مخلوق پر اظہار علم وحکمت ہے۔(2) سورۃ شعراء میں اثبات توحید پر نقلی دلائل ذکر کئے ہیں تو اس سورۃ میں رد شرک کے لئے دوعلتوں کا ذکر ہے۔گزشتہ سورۃ کے آخر میں قرآن وبنی کی سچائی ثابت کرتے کے لئے ان کے اشکالات کا ازالہ کیا گیا تو اس سورۃ میں قرآن کی طرف ترغیب کے ساتھ نبی سے 17 خطابات کیئے گئے ہیں۔

دوعلتوں کے ساتھ توحید کو ثابت کیا گیا ہے پہلی علت یہ ہے کہ تمام بزرگان دین وبندگان الٰہی سلامتی وعافیت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں دوسری علت یہ ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصا ہے ان دونوں علتوں کو چار قصص واقعات کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے نیز عقلی دلائل سے غیر اللہ کی الوہیت کا رد کیا گیا ہے اس مضمون دعوے کو آیت 60 سے 64 تک اور آیت 59 سے 65 تک ذکر کیا ہے۔

اس سورۃ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں تین ابواب ہیں پہلا باب آیت 7 تک ہے اس میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے جس میں چار صفات قرآن کی اور چار صفات قرآن والوں کی ذکر کی گئی ہیں نیز منکرین قرآن کے لئے تخویف اخروی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿١﴾

"یہ آیتیں قرآن کریم کی اور حق وباطل میں امتیاز کرنے والی واضح کتاب کی ہیں"[1]۔

یہ حروف مقطعات میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دی گئی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے جو فرعون کی غیر اسلامی سیاست وحکومت کے لئے زوال بنا اور اب سلیمان علیہ السلام کی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ شرعی سیاست سے متعلق ہیں۔اس سورۃ میں میم کو ذکر نہیں کیا ہے اس لئے کہ دو جامع صفات بیان کی ہیں پہلی صفت الکتاب میں قرآن کی

جامعیت کی طرف اشارہ ہے دوسری صفت مُّبِیْنٍ۔ جامعیت کی ساتھ ساتھ مقاصد کی وضاحت کی طرف اشارہ ہے۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

''ہدایت اور مؤمنوں کے لئے خوشخبری ہے'' [2]۔

تفسیر 2 اس آیت میں قرآن مجید کی دیگر صفات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عظیم مقاصد کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس سے تعلق قائم کرنے میں مشکلات اور مصیبتیں نہیں بلکہ بُشْرٰی ایمان والوں کی خوشیاں زیادہ ہوتی ہیں اور ایک صفت قرآن والوں کی ذکر کی ہے۔ لِلْمُؤْمِنِيْنَ. اس میں اشارہ ہے قرآن کے فوائد مذکورہ ایمان والوں کو نظر آتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

''وہ لوگ ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر وہی لوگ یقین رکھتے ہیں'' [3]۔

تفسیر 3 اس آیت میں قرآن والوں کی تین صفات کا ذکر ہے یہ وہ صفات ہیں جو قرآن پر ایمان لانے سے پیدا ہوتی ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝

''یقیناً وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لئے (ان کے برے) اعمال خوبصورت کر دیئے ہیں پس وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ [4]۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور آخرت میں وہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں'' [5]۔

تفسیر 4 اس آیت میں آخرت سے انکار کرنے والوں کے لئے وعید ہے اور انکار آخرت برے اعمال کے لئے سبب ہے اور برے اعمال دنیاوی زندگی میں پریشانی کے لئے سبب ہیں۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اللہ تعالی کی طرف نسبت تخلیق کے اعتبار سے ہے اور کبھی شیطان کی طرف بھی نسبت ہوتی ہے تو وہ بطور وسوسہ ڈالنے کے ہوتی ہے۔ اَعْمَالَهُمْ: ان سے برے اعمال شرکیات بدعات مراد ہیں۔

تفسیر 5 اس آیت میں انکار کرنے والوں کے لئے دنیا و آخرت کی وعید ہے۔ سُوْٓءُ الْعَذَابِ: اس لئے فرمایا کہ ان کے

اعمال سیئہ ہیں اور الْاَخْسَرُوْنَ۔ اس لئے کہ ان برے اعمال کو اچھائیاں نیکیاں قرار دیتے ہوئے ان میں محنت ومشقت کرتے ہیں۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥

اور بلاشبہ آپ کو (یہ) قرآن حکمت والے خوب علم رکھنے والے کی طرف سے سکھلایا جاتا ہے۔

تفسیر اس آیت کا تعلق پہلی آیت سے ہے اور اس میں نبی کریم علیہ السلام کے لئے تسلی ہے اور اپ کو قرآن بیان کرنے پر شجاعت وبہادری کی ترغیب وتاکید بھی ہے۔ لَتُلَقَّى: اس میں پہلی تاکید ہے کہ قرآن آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور آپ اس کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ دوسری تاکید یہ ہے کہ مِنْ لَّدُنْ: میں جبرئیل کا واسطہ ہٹایا ہے کیونکہ رسول کا کلام تو مرسل کا ہوتا ہے یعنی جبرئیل کا کلام میرا کلام ہے۔ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ: اس میں مزید تاکیدات ہیں اور یہ تمہید ہے کہ آنے والے واقعات وقصص میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اور اس ذات کے علوم کا مظہر ہے، نیز اس سورۃ میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلا خطاب ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦

"جب فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اہلیہ سے کہ یقیناً دیکھی ہے میں نے آگ عنقریب میں تمہارے پاس اس سے کوئی خبر لاؤں گا یا اس سے تمہارے پاس (لکڑی کا) سلگتا ہوا شعلہ لاؤں گا تاکہ تم تاپو" [7]۔

ربط اس آیت سے 59 آیت تک دوسرا باب ہے۔ اس میں موسیٰ وسلیمان علیہما السلام کے واقعات وقصص کا ذکر ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کا اظہار کیا ہے کہ علم غیب ان میں سے کسی کے پاس نہیں ہے لوط وصالح علیہما السلام کا بھی تذکرہ ہے اور یہ سب بزرگان دین واولیاء الرحمان ہونے کے باوجود سلامتی وعافیت میں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے تھے۔

تفسیر اس آیت سے آیت 14 تک موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے نیز ہر آیت میں مختلف حکمتیں ہیں چونکہ سورۃ شعراء میں اس واقعہ کی ابتداء کا تذکرہ نہیں کیا گیا تھا تو اب اس سورۃ میں اس ابتداء سے آغاز کیا گیا ہے۔

ان آیات میں بعض حکمتیں (۱) موسیٰ علیہ السلام صاحب اہل وعیال تھے (۲) اہل خانہ کے ساتھ سفر کرنا درست وجائز ہے۔ (۳) علم غیب نہیں جانتے اس لئے نور کو بے علمی کی وجہ سے نار کہنے لگے ہیں۔ (۴) آگ سلگانے والوں سے راستہ کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ (۵) آگ کے ذریعے سے ٹھنڈک سے دفاع حاصل کرنا درست عمل ہے۔

بِشِهَابٍ قَبَسٍ شِهَاب روشنی اور قبس سُلگائی ہوئی لکڑی کو کہتے ہیں یعنی وہاں سے سُلگائی ہوئی لکڑی لیکر آ جاؤں گا۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"پس جب موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے آئے تو آواز دیے گئے کہ برکت دی گئی ہے اس کو جو اس آگ کی تلاش میں ہے اور وہ جو اسکے اردگرد ہیں اور اللہ کے لئے پاکی ہے جو رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے"[8]۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے لئے سفر برکات الٰہی کے حصول کے لئے سبب بنا۔ (۲) ملائک اور موسیٰ علیہ السلام برکات کے حصول میں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں اسلئے اَنْۢ بُوْرِكَ مجہول صیغہ ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کا فاعل سورۃ فرقان سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کے لئے صفت ندا اور کلام بلاتشبیہ ثابت ہے اس لئے سُبْحٰنَ اللّٰهِ فرمایا ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے لئے پاکی منزہ ہونا ذاتی اور فعلی دونوں اعتبار سے ثابت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے صفت اللہ اور رب دونوں کا ذکر کیا ہے اَنْۢ بُوْرِكَ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام موسیٰ علیہ السلام کو بطور خوش آمدید ہے۔

مَنْ فِي النَّارِ: مراد یہ ہے کہ جو آگ کی جگہ یا اس کی تلاش میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے اس کو آگ کہا گیا ورنہ وہ تو نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ "وَمَنْ حَوْلَهَا" اس سے مراد ملائک ہیں جو حکم الٰہی سے اس نور کی طرف جمع ہو گئے ہیں۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

اے موسیٰ علیہ السلام بیشک میں ہی اللہ ہوں نہایت غالب خوب حکمتوں والا[9]۔ آپ ڈال دیں اپنی لاٹھی جب انہوں نے اسے ہلتا چلتا دیکھا اس طرح کہ گویا ایک سانپ ہے تو منہ موڑے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پلٹ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ مت گھبرائیں میرے حضور پیغمبر گھبرایا نہیں کرتے۔[10]

(۱) سلام و مرحبا کے بعد تعارف کرنا چاہیے (۲) سلام کے بعد کلام کرنا چاہیے۔ (۳) الْعَزِيْزُ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو عزت اور غلبہ دے گا۔ (۴) الْحَكِيْمُ میں اشارہ ہے کہ پہلے موسیٰ علیہ السلام پر مختلف مصیبتیں اور تکلیفیں بطور امتحان لے آیا اور پھر آخر میں کامیابی سے نوازا تو یہ حکمت الٰہی تھی۔ (۵) اس

آیت میں وحی الٰہی برائے توحید کا ذکر ہے جو فریضہ اوّل ہے۔

[illegible] 10 [illegible] (۱) رسالت کے لئے معجزہ کی ضرورت ہے۔(۲) اسے وقت کی مناسبت سے معجزہ دیا گیا۔(۳) برکت کے اعتبار سے چھوٹا سانپ جبکہ جسامت کے اعتبار سے اژدھا، دومتضاد صفتوں کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے(۴) ظاہری اسباب سے خوف زدہ ہونا خلاف نبوت نہیں۔(۵) موسیٰ علیہ السلام غیب نہیں جانتے ورنہ لاٹھی سے خوف کیوں کھاتے (۶) اس میں دلیل ہے کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا ہے۔(۷) اس میں نبی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلی ہے(۸) قرب الٰہی کے وقت اسباب سے ڈرنا نہیں چاہئے۔(۹) یہ رسولوں کے ساتھ خاص ہے جو ان کی عظمت شان کی دلیل ہے۔

إِلَّا مَن ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوٓءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ⑪ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ۖ فِي تِسْعِ ءَايَٰتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِۦٓ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ⑫

مگر جس نے ظلم کیا پھر اس کے بدلہ میں نیکی کرے تو میں بھی بہت بخشنے والا مہربان ہوں[11]۔آپ اپنے ہاتھ کو گریبان میں داخل کریں وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی بیماری عیب کے آپ معجزات لیکر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جائیں یقیناً وہ نافرمان ہیں[12]۔

[illegible] اس آیت میں استثنیٰ منقطع ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے یعنی جب انسان گناہ کا ارتکاب کرلے کے بعد اخلاص کے ساتھ توبہ کرلیتا ہے تو اب گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں استثنیٰ متصل مفرغ ہے مگر اس میں یہ عبارت مقدر ہے کہ وَالْخَوْفُ عَلَىٰ مَنْ سِوَاهُمْ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۔یعنی نبیوں کے ماسوا لوگوں پر خوف تو ہوتا ہے مگر توبہ واستغفار کے بعد ان کا خوف بھی زائل ہو جاتا ہے یا استثنیٰ متصل ہے بغیر تقدیری کلام کے مگر مراد یہ ہے ظلم سے مراد خلاف اولیٰ کام ہے جیسے کہ قبطی کا بغیر ارادے قتل ہے۔

تفسیر 12 اس آیت میں دوسرے معجزے کا تذکرہ ہے اور اس میں مندرجہ ذیل حکمتیں ہیں: (۱) پہلے معجزہ میں انقلاب تھا جماد سے حیوان کی طرف جو جماد فوائد کا مجموعہ تھا وہ ایسے حیوان کی طرف منتقل ہوا جو شر وفساد کا مجموعہ ہے یعنی لاٹھی سے سانپ۔دوسرا معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے بدن میں اعضاء کے اندر اعراض کی تبدیلی ہے۔(۲) قمیص میں گریبان سینہ

پر ہونا چاہئے (۳) تبدیلی کے باوجود ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رہے۔(۴) اجمالی حالات اس لئے ذکر کیے ہیں کہ باقی تفصیل سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔اس لئے ان معجزات کو نہیں دہرایا گیا۔(۵) فرعون کی تخصیص اور اس کی قوم کی تعمیم موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کے لئے کی گئی۔(۶) کثرت معجزات کی علت اور فرعونیوں کی تخصیص فسق کی صفت سے ذکر کی ہے۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

"پس جب ان کے پاس ہمارے معجزات دانائی پر مبنی آ پہنچے تو کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے[13]۔اور انہوں نے اس کا انکار کیا جبکہ ان کے دلوں نے اس پر یقین کر لیا تھا (یہ انکار بسبب) ظلم اور تکبر کے ہے پس آپ دیکھ لیجئے کس طرح انجام ہوا فساد کرنے والوں کا[14]۔

تفسیر 13: اس آیت میں فرعونیوں کی تکذیب کا ذکر ہے اس میں اشارہ ہے کہ (۱) ہر حق بات کی مخالفت اور تکذیب کی گئی ہے۔(۲) سچے لوگوں پر جھوٹے فتوے داغے جاتے ہیں۔

تفسیر 14: وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا (1) فرعونیوں کا حق سے انکار عناد کی وجہ سے تھا (2) دل سے اس کی حقانیت پر یقین تھا۔ (3) دل میں یقین ہونے کے باوجود زبان سے انکار ارتکاب کفر ہے ایمان نہیں۔(4) کبھی انسان علم کے باوجود عناد و تکبر کی وجہ سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔(5) فساد کرنے والوں کا آخری انجام ہلاکت و تباہی ہوتا ہے میرے علم کے مطابق یہاں تک 36 حکمتیں ذکر ہو گئیں۔اس کے علاوہ بھی بہت ساری حکمتیں اس میں سموئی ہوئی ہیں۔ان حکمتوں میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام معجزات اور نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود علم غیب نہیں جانتے تھے۔فَانْظُرْ۔اس میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے مگر مراد ساری امت کو خبر دینا ہے کہ دیکھو مفسدین کا آخری انجام ہلاکت اور رسوائی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮

"اور بلاشبہ ہم نے دیا تھا ایک خاص علم داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو اور ان دونوں نے کہا تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سارے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔

اس آیت سے دوسرے واقعہ کا تذکرہ ہے جو کہ سلیمان علیہ السلام کا ہے یہ واقعہ آیت 44 تک ہے اس واقعہ میں دینی شرعی اور سیاسی حکمتیں ہیں مگر یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی علم وقدرت میں ہے۔ اس میں بھی بہت بڑی حکمت سلیمان علیہ السلام سے علم غیب کی نفی ہے اور ان سے علم غیب کی نفی پر اللہ تعالیٰ نے دو گواہ پیش کئے ہیں جو کہ نملہ اور ھدھد ہیں عِلْمًا۔ اس سے بعض خاص علوم مراد ہیں یعنی علم نبوت پرندوں کی بولی وغیرہ اس لئے عِلْمًا نکرہ ذکر کیا ہے اس میں پہاڑوں کی تسبیح شیاطین جنوں کی گرفت وتسخیر شامل ہے۔

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کا علم افضل صفت ہے (۲) عالم کا پر اپنے علم شکر یہ لازم ہے کیونکہ یہ عظیم نعمت ہے۔ (۳) اس پر تکبر نہ کرے اگرچہ اس کو بہت سارے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے مگر اس سے بھی افضل لوگ ہیں۔ (۴) افضل علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو۔ (۵) انبیاء کرام علیہم السلام حصول علم میں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯

"اور سلیمان داؤد علیہما السلام کا نائب بنا اور انہوں نے کہا اے لوگو ہمیں سکھلائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں دی گئی ہے (ضرورت کی) ہر چیز یقیناً یہ بلاشبہ (اللہ تعالیٰ کا) ظاہر فضل ہے" [16]۔

وراثت سے مراد والد کی جگہ بادشاہت اور نبوت کے منصب پر فائز ہونا ہے اور یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی دیگر اولاد کو حاصل نہیں ہوئی ہے۔

(۱) علم وراثت انبیاء ہے۔ (۲) انبیاء پر معجزات کا اظہار لازم ہے اس لئے انہوں نے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر لوگوں کو مخاطب کیا۔ (۳) دو قسم کے معجزات ہیں ایک روحانی جو کہ پرندوں کی بولی ہے اور دوسرا ظاہری جو ایک عظیم ونا آشنا بادشاہت ہے۔ (۴) پرندے بھی کلام کرتے ہیں مگر ان کے کلام کو جاننے کا دعویٰ معجزے کے بغیر کوئی

نہیں کر سکتا ہے جن مفسرین نے پرندوں کے کلام سے متعلق تفصیل ذکر کی ہے وہ درست نہیں اس لئے کہ اس سلسلہ میں صحیح روایت نہیں ہے۔(۵) نطق صرف انسان کا خاصہ نہیں جیسا کہ منطقیوں کا دعویٰ ہے البتہ (نطق) کلام سے قوت ادراک مراد لینا بہت بعید ہے۔(۶) معجزات انبیاء کرام کے اختیار میں نہیں ہیں اس لئے عُلِّمْنَا اور اُوْتِيْنَا مجہول صیغے استعمال ہوئے ہیں کیونکہ فاعل تو معلوم ہے کہ وہ ذات باری تعالیٰ ہے (۷) دنیا کی ایک ایسی خرق عادت نا آشنا بادشاہی جو دین کی ترقی کے لئے استعمال ہو رہی ہو فضل الہٰی ہے۔ کُلِّ شَيْءٍ: اس سے وہ چیزیں مراد ہیں جو بادشاہت کے استعمال میں آتی ہیں ہر چیز مراد نہیں ہے بلکہ یہ استغراق عرفی ہے کیونکہ سبا کی مملکت پرندوں کی بولی اور اُوْتِيْنَا جمع کا صیغہ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کُلِّ شَيْءٍ سے بادشاہت کے لئے قوت کی چیزیں مراد ہے۔ اُوْتِيْنَا میں داود لوگ بھی شامل ہیں۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

"اور اکٹھے کیئے گئے سلیمان علیہ السلام کے لئے ان کے لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے پھر وہ (صف بندی کے لئے) الگ الگ تقسیم کئے جاتے تھے [17]۔ یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کی وادی پر آئے تو ایک چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو تم اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچل نہ ڈالیں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر اور ان کو شعور تک نہ ہو [18]۔

تفسیر 17 اس آیت میں سابقہ خبر کی تصدیق ہے جو پرندوں کی بولی اور عظیم بادشاہت ہے۔

اس آیت میں [illegible] (۱) بادشاہ کے لئے فوجی نظام ضروری ہے۔(۲) ضرورت کے وقت سب فوجیوں کو اکٹھا کرنا چاہئے۔(۳) تین قسم کی مخلوق کو لشکر میں اکٹھا کرنا سلیمان علیہ السلام کا خاص معجزہ تھا۔(۴) سارے لشکر کو ایک جگہ جمع کرنا تا کہ دشمن پر ہیبت اور رعب طاری ہو جائے۔(۵) لشکر کو نظم و نسق کے لئے بوقت ضرورت حصوں میں تقسیم کرنا چاہئے۔ یہ تمام امور سیاسیہ ہیں۔ يُوْزَعُوْنَ۔ ایک جگہ میں جمع کرنا یا نظام کے لئے حصوں میں تقسیم کرنا دونوں مراد ہیں۔

تفسیر 18 سابقہ آیت میں اُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اور اس آیت میں عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ: حتّٰى سے قبل سار وا چل پڑے یہاں تک کہ وَادِ النَّمْلِ تک پہنچ گئے۔ وَادِ النَّمْلِ: امام بقاعی نے نظم الدرر میں لکھا ہے کہ یہ وادی طائف میں ہے میں نے اس کو دیکھا ہے جبکہ بیضاوی کہتے ہیں کہ یہ وادی شام میں ہے۔ نَمْلَةٌ: کہا گیا ہے کہ اس چیونٹی کے

دو پر بھی تھے اس لئے اس کے کلام کو کلام الطیر کہا گیا ہے یعنی مَنْطِقَ الطَّيْرِ: مشہور یہ ہے کہ مؤنث تھی اس لئے بعض جاہل لوگ عورت کی امارت پر اس سے دلیل لیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کم سنی کی عمر میں یہ قول نقل کیا گیا ہے مگر یہ غلطی ہے۔ زمخشری ابوحیان نے اس قول کا رد کیا ہے ظاہر احتمال یہ ہے کہ یہ مذکر تھا اور تانیث لفظی سے اسناد مؤنث کا دلیل مؤنث حقیقی کا استدلال درست نہیں ہے۔

نکات و مسائل: (۱) چیونٹیوں اور دیگر حشرات الارض میں اللہ تعالیٰ نے شعور ڈالا ہے۔ (۲) چیونٹیاں بھی ایک خاص نظم کے تحت زندگی گزارتی ہیں۔ (۳) ہر سردار (بڑے) کو چاہئے کہ اپنی قوم کو بچاؤ کی تدبیر بتائے جیسا کہ اس چیونٹی نے کر کے دکھایا۔ (۴) کسی سے بے شعوری میں کوئی عمل ہو جائے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے جیسا کہ لَا يَشْعُرُوْنَ میں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾

"پھر وہ چیونٹی کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور فرمایا اے میرے رب تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کی ہے اور میرے والدین پر اور یہ کہ میں وہ عمل کروں جو تو پسند کرے اور مجھے تو اپنے نیک بندوں میں رحمت کے ساتھ داخل کر" [19]۔

تفسیر 19 جب اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو چیونٹی کی بولی سنائی تو انہوں نے اپنے رب کی رحمت جانتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شکر ادا کیا۔

نکات و مسائل: (۱) ہنسنے کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ (۱) تبسم (۲) ضحک اور قہقہہ اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ غفلت دل سے پیدا ہوتا ہے جبکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت غفلت دل سے پاک ہے۔ (۲) نعمت الٰہی پر خوشی کا اظہار جائز ہے۔ (۳) شکر گزاری کے لئے دعا کرنا بھی شکر ہے۔ (۴) والدین پر کی گئی نعمت بھی شکر گزاری کا حق رکھتی ہے کہ اولاد اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ (۵) انبیاء کرام علیہم السلام بھی وحی کے مطابق عمل کرنے کے پابند تھیں۔ (٦) انبیاء کرام علیہم السلام بھی اللہ تعالیٰ کے رحمت کے محتاج ہیں دعا کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت بہترین وسیلہ ہے۔

تاکید: تبسم کے بعد ضَاحِكًا ذکر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں ضَاحِكًا اظہار خوشی کے معنی میں ہے یعنی خوش

ہوکر مسکرائے دوسرا معنی یہ ہے کہ پہلے مسکرائے تو پھر ضحک ہنسنے کی صورت اختیار کی۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿٢٠﴾ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ

لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٢١﴾

"اور انہوں نے پرندوں کی تفتیش کی تو فرمانے لگے مجھے کیا ہوا کہ میں ھدھد کو نہیں دیکھتا یا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہے ؟ [20]۔یقیناً میں اسے ضرور سخت سزا دوں گا یا میں اسے ضرور ذبح کردوں گا یا وہ کوئی (معقول) واضح دلیل میرے پاس لائے [21]۔

تفسیر 19 تا 20 جب سلیمان علیہ السلام منزل مقصود تک پہنچ گئے تو لشکر کے خواص اور عوام کی حاضری لی:

ان میں حکمتیں (۱) بادشاہ اور امیر کی ذمہ داری ہے کہ اپنی فوج کے متعلق حاضری اور معلومات حاصل کرتا رہے۔

(۲) سلیمان علیہ السلام غیب کا علم نہیں جانتے تھے اسلئے انہوں نے ھدھد کے متعلق بالترتیب معلومات کی بات بیان کی اور اس کے نہ دیکھنے پر گفتگو کی۔ حل لغات مَالِيَ: یعنی میری نظر میں کوئی فرق ہے کہ مجھے ھدھد نظر نہیں آتا ہے۔

دوسرا اعراب وہ غائب ہے اس لئے مجھے نظر نہیں آرہا ہے یعنی نظر نہ آنے کا سبب غائب ہونا ہے۔اس میں واضح دلیل ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی چیز نہ دکھائے تو وہ غائب چیز خود نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

آیت 21 کی حکمتیں (۱) غیر حاضر ہونے پر سزا جو کہ سبب جرم ہے۔(۲) تفاوت پر سزا دینی چاہیے یعنی زیادہ غیر حاضر رہنے پر ذبح کی سزا جبکہ کم وقت غیر حاضر رہنے پر جیل کی سزا دوں گا۔(۳) صحیح معقول عذر پر سزا کی معافی مناسب ہے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ﴿٢٢﴾

"پھر وہ تھوڑی ہی دیر ٹھہرے (کہ وہ آگیا) اور اس نے کہا میں ایک ایسی خبر لایا ہوں کہ تجھے اس کی خبر ہی نہیں میں سبا کی ایک سچی خبر تیرے پاس لایا ہوں" [22]۔

تفسیر 22 ھدھد تھوڑی ہی دیر غیر حاضر رہا پھر حاضر ہوکر معقول عذر بھی پیش کیا جس پر سزا سے بچ گیا:

اس میں حکمتیں (۱) اپنی ذمہ داری سے بلاضرورت غیر حاضر نہیں ہونا چاہیے۔(۲) کبھی ادنیٰ شخص کسی ایسی بات کا علم حاصل کرلیتا ہے جو اعلیٰ شخص کے پاس نہیں ہوتا ہے۔(۳) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بڑے عالم کا امتحان ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے علم پر تکبر نہ کر بیٹھے۔(۴) تفسیر سراج المنیر میں ہے کہ اس میں سلیمان علیہ السلام سے علم غیب کی نفی ہے جو اللہ

تعالیٰ نے ھدھد کی شہادت سے ظاہر کی ہے۔ اس میں اہل تشیع کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ امام زمانہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی ہے اس طرح عقائد بریلوی طبقہ کے بھی ہیں اور دیگر جہلاء بھی اپنے پیروں کے متعلق یہ عقیدہ وگمان رکھتے ہیں۔

(۵) پہلے اجمال پھر تشریح اور توضیح کرنے سے بات میں وقعت وعظمت پیدا ہوتی ہے یہاں پہلا جملہ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ۔ میں ابہام ہے اور دوسرے جملہ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ میں تفصیل ہے۔ سبا امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس مقام کو مارب کہا جاتا تھا جو صنعا شہر یمن سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾

"تحقیق میں نے پائی ہے ایک عورت جوان پر حاکم بنی ہوئی ہے اور وہ ضرورت کی ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا عظیم الشان تخت ہے" [23]۔

[illegible] یہ اس خبر کا بیان ہے، اور ھدھد امور عجیبہ شرعاً یا عادتاً بطور تعجب ذکر کر رہا ہے۔

[illegible] عورت کی حکمرانی پر ہے کہ وہ عادتاً بھی غیرت کے خلاف ہے اور شرعاً بھی ناجائز ہے۔ [illegible] اسباب زمانہ پر ہے کہ اس وقت بادشاہت کے لئے جو چیزیں درکار تھیں وہ ساری ان کو میسا تھیں اس لئے كُلِّ شَیْءٍ فرمایا۔

[illegible] اس کے تخت ہے کیونکہ اس طرح تخت تو سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی نہیں ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام تو اسراف نہیں کرتے۔ عَرْشٌ: مفسرین نے اس تخت کی عظمت مختلف طریقوں سے درج کی ہے۔ اس میں خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے اس کو سورج کی عبادت کے لئے ذریعہ بنایا تھا۔ اس میں انہوں نے تین سو ساٹھ 360 خانے بنائے تھے جس میں روزانہ کے حساب سے سورج نظر آتا تھا اور لوگ اس کی عبادت کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوتے تھے اس لئے متصل فرمایا کہ وَجَدْتُّهَا یعنی بغیر حرف عطف اگلے جملے کا آغاز کیا ہے۔

[illegible] (۱): اللہ تعالیٰ کی بہت ساری حکمتوں کے علاوہ انبیاء کرام علیہم السلام سے علم غیب کی نفی ہوئی کہ وہ عِلْمٌ بِكُلِّ شَیْءٍ نہیں جانتے۔ (۲): کبھی کبھار اللہ تعالیٰ دنیا میں کافروں کو بھی عظیم بادشاہتوں سے نوازتا ہے جو برائے امتحان ہوتا ہے۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

"میں نے اسے اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا ہے اور ان کے لئے شیطان نے ان کے عمل کو خوبصورت کر دکھایا ہے پس ان کو راہ حق سے روک رکھا ہے لہذا وہ ہدایت نہیں پاتے" [24]۔

تفسیر 24: اس آیت میں ایک امر عجیب کا بیان ہو رہا ہے اور وہ اس عورت کی قوم سمیت سورج کی بندگی ہے جو کہ شرک جلی ہے شرک کی انتہائی قباحت کی وجہ سے اس کو الگ الگ ذکر کیا ہے اور [illegible] (۱) سورج کو پوجنا۔ (۲) پھر اس کو برا بھی نہ جاننا۔ (۳) بلکہ شیطانی وسوسہ کی وجہ سے اس کو اچھا سمجھنا۔ (۴) اس پھر عمل کی وجہ سے توحید الٰہی سے محروم ہونا (۵) پھر اس سبب سے ہر قسم کی خیر و ہدایت سے محروم ہو جانا۔ [illegible] (۱) مشرک کو شرک کا عمل خوبصورت نظر آتا ہے (۲) اور اس کی وجہ سے حق سننے اور اپنانے سے محروم ہو جاتا ہے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

"یہ کہ وہ خالص سجدہ نہیں کرتے اس اللہ کے لئے جو نکال لاتا ہے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اور وہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو [25]۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس کے سوا بندگی کا کوئی حقدار نہیں وہی عظمت والے عرش کا مالک ہے [26]۔

تفسیر 25: اس آیت میں توحید کی دلیل بیان کرتے ہوئے مشرکین کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کا علم اور ان میں تصرفات صرف وہی کرتا ہے۔

الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ: یہ جملہ اللہ تعالیٰ کی دونوں صفتوں پر دلالت کرتا ہے۔ (۱) آسمانوں میں پوشیدہ چیزیں سورج، چاند، تارے، بارش، بادل وغیرہ ہیں۔ (۲) زمین کی پوشیدہ چیزیں، درخت، پودے، خزانے، کانیں اور چشمے وغیرہ ہیں ان میں سے بعض چیزوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بعض انسانوں کو عقل اور آلات سے نواز کر ظاہر کرتا ہے

بعض حکمتیں: (۱) اللہ تعالیٰ کی توحید دلائل عقلیہ سے ثابت ہے۔ (۲) سجدہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

لکن اَلَّا یَسْجُدُوْا تشدید کی قراءت سے یہ اَعْمَالَهُمْ سے متعلق ہے یا پھر صَدَّهُمْ کے ساتھ اور اگر لَا یَهْتَدُوْنَ سے متعلق کریں گے تو پھر (لَا) کو زائد ماننا پڑے گا۔

تفسیر 26 اس آیت میں سابقہ آیت کی تشریح الوہیت کی دلیل سے کی گئی ہے اور توحید ربوبیت کو رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ: کے ضمن میں ثابت کیا ہے۔

ثابت ہونے والی حکمتیں (۱) توحید کی دو قسمیں ہیں یعنی توحید ربوبیت اور توحید الوہیت (۲) اور توحید ربوبیت توحید الوہیت کے لئے دلیل ہے۔ (۳) اس خاتون کا تخت عظیم تھا مگر اللہ تعالیٰ کا عرش بہت ہی عظیم ہے کیونکہ معرفہ عظمت کے کمال پر دلیل ہے جبکہ یہ کمال نکرہ میں نہیں ہے۔ (۴) ھدھد کے کلام سے معلوم ہوا کہ توحید کا شعور حیوانات حشرات کو بھی حاصل ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

"سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اب ہم دیکھیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے یا تم جھوٹوں میں سے ہو[27]۔ میرا یہ خط لے جاؤ بس ان کی طرف اس کو ڈال کر ہٹ جاؤ ان سے پھر دیکھو کہ وہ کیا جواب لوٹاتے ہیں[28]۔

تفسیر 27 اس میں بھی سلیمان علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے کہ وہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایک طریقہ اختیار کر رہا ہے۔

حکمتیں (۱) انبیاء کرام اور ملائک کے علاوہ دیگر مخلوق کے کلام میں سچ وجھوٹ دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ (۲) خبر سن لینے کے بعد اس کی تحقیق لازم ہے (۳) ایک آدمی کی خبر جب وہ معتمد ہو قابل قبول ہے مگر مزید پختگی کے لئے کوشش جاری رہنی چاہیے۔ اَلْكٰذِبِیْنَ نبی کی موجودگی میں اگر کسی پر جھوٹ ثابت ہو جائے تو وہ بڑا جھوٹا ہوگا اور اس کا شمار جھوٹوں میں ہوگا۔

تفسیر 28 ثابت ہونے والی حکمتیں (۱) جب کسی داعی حق کو کسی مشرک مفسد کے متعلق اطلاع مل جائے تو فی الحال اس کو دعوت حق دی جائے اور یہ ضروری امر ہے۔ (۲) دعوت کبھی زبان سے ہوتی ہے تو کبھی قلم سے ہوتی ہے۔ (۳) ملکوں کے بادشاہوں کو خصوصاً خطوط کے ذریعے سے دعوت دینی چاہیے جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد مختلف

ممالک کے بادشاہوں کو خطوط ارسال کیئے تھے صحیح بخاری کتاب العلم حدیث 64 صحیح مسلم کتاب اللباس حدیث 2092 (4) جواب کا انتظار لازم ہے قبل از جواب کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْٓ اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳۰﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَىَّ وَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع

وہ کہنے لگی: اے سردارو میری طرف ایک باوقعت خط ڈالا گیا ہے [29]۔ جو سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ہے جو بخشنے والے مہربان اللہ کے نام سے شروع ہے [30]۔ یہ کہ میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ [31]۔

تفسیر 29 مسائل (۱) شوریٰ والوں کو اہم بات کی اطلاع دینی چاہیے۔ (۲) خط کو باوقعت بنانے کے لئے اس پر مہر لگانا ہے جیسے ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے انگوٹھی میں مہر بنوائی تھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم کتاب اللباس)۔ (۳) احترام والے خط کا احترام کرنا چاہیے۔ كَرِيْمٌ: اس خط کا مکرم ہونا ایک تو مہر کے اعتبار سے تھا دوسرا کلمہ۔ بِسْمِ اللّٰهِ کی وجہ سے تھا۔

تفسیر 30-31 ان آیتوں میں خط کی تفصیل ہے جس میں بھیجنے والے اور مضمون کا ذکر ہے۔ جو اختصار کے ساتھ تین اہم باتوں پر مشتمل ہے۔ اول بِسْمِ اللّٰهِ اس میں مکمل دعوت توحید ہے جو توحید الوہیت توحید استعانت اور توحید اسماء والصفات پر مشتمل ہے۔ دوم اس دعوت کو قبول کرنے کے بعد اَلَّا تَعْلُوْا عَلَىَّ: سے یعنی میرے دین کی مخالفت تکبر اور فخر سے مت کرو۔ سوم پورے اسلامی نظام کو تسلیم کرنے کی دعوت دی ہے وَاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ

فائدہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ "اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ" خط کے آخر یا ایک جانب پر تحریر کیا تھا۔ یعنی بِسْمِ اللّٰهِ سے قبل نہیں لکھا تھا لیکن عام عادت یہ ہے کہ خط وصول کرنے والا بھیجنے والے کے نام کو دیکھتا ہے اس طرح "سراج المنیر" میں مفسر خطیب شربینی نے لکھا ہے۔

مسائل (۱) بھیجنے والے کو اپنا نام لکھنا چاہیے۔ (۲) خط کی ابتدا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کی جائے۔ (۳) صرف بِسْمِ اللّٰهِ یا بِسْمِهٖ تَعَالٰی یا 786 وغیرہ نہیں لکھنا چاہیے۔ (۴) اپنا مقصد مختصر اور جامع طور پر تحریر کرنا چاہیے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ
اُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾

"اس نے کہا، اے میرے درباریو تم مجھے مشورہ دو میرے اس معاملے میں میں کسی امر میں قطعی فیصلہ کرنے والی نہیں ہوں جب تک تمہاری موجودگی اور رائے شامل نہیں کیا کرتی [32]۔ انہوں نے کہا ہم سب قوت والے اور سخت جنگجو ہیں لیکن تمام اختیار تیرے پاس ہیں لہذا تو سوچ لے کہ ہمیں کیا حکم دیتی ہے [33]۔

جب شوریٰ والوں نے کوئی بات اس معاملے میں نہیں کی تو انہوں نے کہا اَفْتُوْنِيْ: ان کے مشورے کو فتویٰ اس لئے کہا کہ فیصلہ میں فتویٰ اس قوی مضبوط جواب کو کہتے ہیں جو اس واقع ہونے والے معاملے میں ضروری ہوتا ہے۔ اَمْرِيْ۔ اس سے خط کا جواب دینا مراد ہے۔ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً: اس جملہ میں ان کی تعظیم اور ان سے صحیح جواب طلب کرنے کی ترغیب ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ یہ خاتون سیاسی امور میں پوری طرح ہوشیار تھی۔

(۱) بادشاہ کے لئے شوریٰ لازم ہے۔ (۲) اہل شوریٰ کو صحیح مشورہ دینا چاہیے۔ (۳) جب ارکان شوریٰ ایک مضبوط اتفاقی بات پر مجتمع ہو جائیں تو اس کو فتویٰ کی صورت میں جاری کرنا چاہیے۔

ارکان شوریٰ نے بغیر سوچ سمجھ کر جنگ کا مشورہ بلا تحقیق دیدیا یہ انہوں نے اپنی قوت مال فوج اور جنگی وغیرہ پر غرور کرتے ہوئے کیا جبکہ دشمن کی قوت کا اندازہ نہیں لگایا اور یہ ان کی بے قوفی تھی۔

(۱) مشورہ تحقیق اور معلومات کے بعد دینا چاہیے۔ (۲) اپنی قوت کے مقابل دوسری جانب کی طاقت کا بھی اندازہ لگائیں۔ (۳) مشورہ دینے کے بعد اختیار امیر کو حاصل ہے وہ شوریٰ کا پابند نہیں ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾

"اس نے کہا یقیناً جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ اسی طرح کرتے ہیں" [34]۔

اس آیت میں ارکان شوریٰ کے مشورے پر بلقیس کی تردید کا تذکرہ ہے ان کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ جب ایک بادشاہ تمہارے ملک پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے تو آخر اس کی کوئی قوت اور طاقت ہوگی لہذا اپنے ملک کی عاقبت پر غور کرو۔ اس کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاتون سیاسی بصیرت میں اپنی قوم میں بہت قابل تھی امام ابن کثیر رحمہ اللہ

نے بھی حسن بصری رحمہ اللہ سے اس طرح قول نقل کیا ہے۔

درس عبرت (۱) شوریٰ کے ہر مشورے پر امیر کے لئے عمل لازم نہیں ہے۔ (۲) کسی مشورے کو اگر رد کرنا ہو تو نرم لہجہ اور مدلل طریقہ سے کرنا ہوگا۔ (۳) بادشاہوں کو جنگی امور میں خوب غور اور فکر کرنا چاہئے۔ (۴) جنگ مسلط ہوتے کے دو آثار مرتب ہوتے ہیں۔ (۱) وطن کی خرابی اور فساد (۲) باعزت لوگوں کی تذلیل ہونا۔

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾

"اور یقیناً میں ان کی طرف ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھ لوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں" [35]۔

تفسیر 35 یہ اس عورت کی بصیرت تھی جسکا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ خط بھیجنے والا دنیا پرست ہے یا دنیا کو ٹھکرا کر اپنے دعویٰ میں پختہ اور پر عزم ہے اور اس کے معلوم کرنے کا طریقہ مالی لالچ ہے مال بہت بڑا فتنہ ہے اگر مال انہوں نے قبول کیا جو بطور ہدیہ ان کو دیں گے تو آسانی سے ہماری جان چھوٹ جائے گی اور وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں ناکام ہوں گے اور یہ آسان طریقہ ہے البتہ اگر انہوں نے ہدیہ لینے سے انکار کیا تو پھر ایسے شخص سے جنگ لڑنا بہت مشکل ہے۔ دور حاضر میں بھی بہت سی جماعتیں اسلام کے نام پر احتجاج شور شرابہ کرتی ہیں۔ مگر جب بادشاہوں کی طرف ان کو کچھ دنیاوی لالچ یا اقتدار میں حصہ مل جاتا ہے تو پھر وہ خاموش ہو کر ہی بیٹھ جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جماعت کی سعی دنیا کے لئے تھی۔ **درس عبرت** (۱) اقتدار یا غلبہ طلب کرنے والے کا امتحان ہونا چاہئے۔ (۲) مال کے ذریعہ سے امتحان آسانی سے ہوتا ہے۔ (۳) نام بدلنے سے رشوت ہدیہ نہیں بن سکتا ہے کیونکہ ہدیہ حلال اور رشوت حرام ہے۔

فائدہ: ہر دور میں اس طرح ہوتا ہے کہ لوگ رشوت کو ہدیہ کے نام دے دیتے ہیں۔ مگر حرام چیز کا نام بدلنے سے حلال نہیں ہوتا ہے۔ جیسے اس عورت نے رشوت کو ہدیہ کا نام دیکر بھیجا تھا۔

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾

"جب ایلچی سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ تم مال سے میری مدد چاہتے ہو؟ اللہ نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے البتہ تم ہی لوگ اپنے تحفے پر خوش ہوتے ہو" [36]۔

تفسیر 36 سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ مجھے رشوت دینا چاہتے ہیں تاکہ مجھے اپنے قصد سے پھیر دیں اسلئے اس ہدیہ کو واپس کیا أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ یعنی میرے دنیاوی مال میں اضافہ چاہتے ہو جبکہ میرا مقصد تو دین کو پہنچانا اور غالب

کرنا ہے فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ نبوت اور بادشاہی جن وطیور پر دیگر بادشاہتوں سے بہتر ہے۔

(۱) کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہدیہ اور رشوت میں فرق کرتے ہیں اور یہ ان کی فراست ہے نیز ہدیہ جب حقیقت میں ہدیہ ہو تو اس کو قبول کرتے ہیں۔ (۲) دنیا کے اس حصہ پر قناعت کرنا چاہتے ہیں جو اسے اللہ نے دیا ہو۔ (۳) دنیا کے مال و دولت پر خوشی میں مست رہنا جاہلوں کا عمل ہے فَلَمَّا جَآءَ اس میں ضمیر رسول کی طرف راجع ہے ورنہ وہ زیادہ افراد تھے جیسا کہ اَلْمُرْسَلُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

"ان کے پاس پلٹ جاؤ اب ہم ان کے پاس ایسے لشکر کو لے کر پہنچیں گے جن کے مقابلے کی ان میں تاب نہ ہوگی اور انہیں وہاں سے اسی طرح نکالیں گے کہ وہ ذلیل ہونگے اور ماتحت بن کر رہیں گے" [37]۔

37 اس میں ان کو دھمکی دی گئی ہے کہ تابع نہ ہونے کی صورت میں ان پر جنگ مسلط ہوگی نیز ان کے ارسال کردہ ہدیہ اور ایلچی واپس بھیجا۔ آیت میں مقدر عبارت اس طرح ہے اِنْ لَّمْ يَاْتُوْا مُسْلِمِيْنَ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ یعنی اگر تابع ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے تو پھر ان سے جنگ کروں گا۔

(۱) دعوت حق ٹھکرانے کے بعد ان سے اعلان جنگ کرنا ضروری ہے (۲) قتل سے بچ جائیں تو ان دشمنوں کو ملک بدر کرنا چاہئے اَذِلَّةً بے عزت بے ملک صٰغِرُوْنَ مغلوب کئے گئے۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

"سلیمان علیہ السلام نے اپنی مجلس کے افراد شوریٰ سے فرمایا تم میں سے کون ہے جو اس عورت کے فرمان بردار بن کر آنے سے پہلے اس تخت کو میرے پاس لئے آئے" [38]۔

38 جب سلیمان علیہ السلام کو اس کے تابع بن کر آنے کی اطلاع دی گئی تو اس وقت انہوں نے شوریٰ والوں سے اس کا تخت لانے کو کہا اور اس تخت لانے میں جو مقصد تھا وہ یہ ہے کہ اس کو اسلام قبول کرنے کے لئے معجزہ دکھائیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلیل بن جائے چونکہ یہ توحید الٰہی کا عظیم اظہار ہے جن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس تخت کو قبضہ کرنا مقصد تھا یہ غلط ہے اسلئے انہوں نے تو ہدیہ لینے سے بھی انکار کیا تھا چونکہ اس طرح کرنا نبی کی شان کے بھی خلاف ہے ایسی روایات اسرائیلی ہیں جن میں صرف سلیمان علیہ السلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱) نبی پر معجزے کا اظہار ضروری ہوتا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے جو کیا سب وحی الٰہی سے کیا ہے۔

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾

"جنوں میں سے ایک طاقت ور دیو نے کہا کہ آپ اپنی مجلس سے اٹھے بھی نہیں ہونگے کہ میں اسے لے آؤں گا اور یقین جانئے کہ میں اس کام پر قوت رکھتا ہوں اور امین بھی ہوں" [39]۔

تفسیر 39 معلوم ہوا کہ اس کی شوریٰ میں جنات بھی تھے اور وہ سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔

اِن آیات میں حکمتیں (۱) جنات میں بہت قوت والے ہیں جو وزنی چیزوں کو اٹھا سکتے ہیں۔ (۲) جنوں کو یہ طاقت دی گئی ہے کہ کم وقت میں زیادہ مسافت طے کر سکتے ہیں جو انسانوں کے بس میں نہیں ہوتا ہے۔ (۳) ہر کام کرنے کے لئے دو صفات ہونی چاہئیں: (۱) قوت، (۲) امانت داری (۳) اپنی قوت کا اظہار بوقت ضرورت جائز ہے عِفْرِيتٌ بہت قوت والا مراد ہے سرکش مراد نہیں ہے اسلئے کہ اس نے اپنے آپ کو امین کہا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے اس کی تردید نہیں کی مَّقَامِكَ اس سے سلیمان علیہ السلام کی مجلس قطعی مراد ہے جو صبح سے دوپہر تک جاری رہتی تھی۔

قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ قَالَ هَٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿٤٠﴾

"کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ کہہ اٹھا میں اس کو آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی آپ کے پاس لے آؤں گا جب سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھا تو فرمانے لگے یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنے لئے شکر کرتا ہے اگر کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز عزت والا ہے" [40]

تفسیر 40 سیدنا سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تخت لانا فوری ضروری ہے اسلئے کہ اس میں ان کے آنے سے پہلے کچھ تبدیلیاں کرنی چاہئے اور وہ جلدی پہنچنے والا ہے تو کتاب کے عالم نے کہا کہ میں پل جتنے وقت میں لے آؤنگا۔

الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اس میں تین اقوال ہیں:

[illegible] یہ ہے کہ یہ آصف بن برخیا تھے جو سلیمان علیہ السلام کے وزیر تھے اور وہ ولی اللہ تھے مگر یہ قول بعض وجوہات کی بناء پر ضعیف ہے پہلا سبب یہ ہے کہ کرامت تو ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی ہے تو انہوں نے کس طرح اپنی طرف نسبت کی کہ تخت لے کر آؤں گا دوسرا سبب یہ ہے کہ نبی کو اس قسم کے کاموں میں ولی کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اسلئے کہ نبوت کا درجہ تو ولایت سے بڑھ کر ہے تیسرا سبب یہ ہے کہ **عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ** یہ صفت تو سلیمان علیہ السلام میں آصف بن برخیا کی جنسبت قوی درجہ میں تھی لہذا غیر قوی شخص کس طرح مراد ہو سکتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے جو سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں موجود تھے اور جبرائیل امین کو اس سے بڑھ کر قوت اللہ تعالیٰ نے عطاء کی ہے اور علم کتاب سے مراد یہ ہے کہ وحی لانے پر وہ مامور تھے اور لازمی ہے کہ اس وحی کا علم بھی وہ جانتا ہے۔ **تیسرا قول** یہ ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام تھے اور عِفْرِیْتٌ کو خطاب ہوا لہذا محاورے میں اس طرح خطاب ہوتا ہے اور یہ معجزہ ہے اور اس کی نسبت کبھی کبھار مجازاً ہوتی ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت ہوئی ہے۔

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ (آل عمران آیت 40) اس طرح سورۃ یوسف آیت 37 میں ہے اس قول کے راجح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے آخر میں فرمایا کہ **هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ** ایسا کلام اس وقت کیا جاتا ہے جب انسان سے اس طرح عمل صادر ہو جائے جو عظیم ہو۔

آیت میں حکمتیں (۱) کتاب الٰہی کا علم عظیم قوت رکھتا ہے۔ (۲) جب انسان کو کوئی نعمت حاصل ہو جائے اگرچہ وہ ظاہر میں انسان کی قوت سے حاصل ہو لیکن اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہے یہ نعمت کا شکر ہے۔ (۳) ہر نعمت انسان کے لئے امتحان ہے (۴) ہر نعمت پر دو نتیجوں میں ایک ضرور مرتب ہوتا ہے شکر گزاری یا ناشکری۔ (۵) اور ہر دونوں میں سے فائدہ یا نقصان انسان کو حاصل ہوتا ہے۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یَهْتَدُوْنَ ۝

"سلیمان علیہ السلام نے اپنے (خدام سے کہا) کہ اس ملکہ کے تخت کو ان کے لئے اجنبی بنادو ہم دیکھتے ہیں وہ ہدایت پا سکتی ہے یا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ہدایت نہیں پا سکتے ہیں" [41]۔

تفسیر اس عمل کا مقصد بلقیس کا استعداد معلوم کرنا ہے کہ وہ اس معجزے سے جو اس کے تخت کو لایا گیا ہے فائدہ حاصل

کر سکتی ہے یا نہیں ہر داعی کو چاہئے کہ سامعین متعلقین کے استعداد کو جاننے کی کوشش کرے اس آیت میں یہ حکمت ہے نیز اس آیت کے ذیل میں اسرائیلی روایت مفسرین نے درج کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس عورت کی عقل اسلئے معلوم کرنا چاہتے تھے تاکہ اس سے نکاح کرلیں لیکن یہ غیر مناسب باتیں ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

"جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تیرا تخت اسی طرح ہے کہنے لگی ایسا لگتا ہے کہ یہ تو بالکل وہی ہے ہمیں اس نشانی سے پہلے (تیرے نبوت) کا علم ہوا ہے اور ہم فرمانبردار ہو چکے ہیں" [42]۔

تفسیر 42: اس آیت میں حکمتیں یہ ہیں: (۱) امتحانی سوال الفاظ کے مقصد کو مخفی رکھنا جیسا کہ فرمایا اَھٰکَذَا اھٰذَا نہیں فرمایا۔ (۲) جواب میں بھی حکمت اور ترتیب ہے پہلے شک کا کلمہ ذکر کیا ہے اور بعد میں یقین کا کلمہ ہے یعنی کَاَنَّ برائے شک اور ھُوَ برائے یقین ہے۔ (۳) دلیل دیکھ لینے کے بعد انقیاد و استسلام ظاہر کرنا ہے۔ (۴) معجزہ دیکھ لینا علم حق کے لئے سبب ہے وَاُوْتِيْنَا الخ ظاہر میں یہ بلقیس کا قول معلوم ہوتا ہے یعنی آپ کا تخت لانے سے نبوت معلوم ہوتی ہے کہ آپ سچے نبی ہیں لیکن اس سے قبل خط کے مضمون اور پھر ہدیہ واپس کرنے سے معلوم ہو گیا تھا کہ سلیمان علیہ السلام نبی ہیں وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ یعنی ہم تابع ہونے اور انقیاد کی نیت سے روانہ ہو چکے ہیں۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

"اور (اب تک) اس کو (ایمان لانے سے) اس بات نے روک رکھا تھا کہ وہ اللہ کے بجائے دوسروں کی عبادت کرتی تھی یقیناً وہ ایک کافر قوم سے تعلق رکھتی تھی" [43]۔

تفسیر 43: اس آیت میں اس وہم کو ختم کیا گیا ہے کہ جب اتنی عقل اور ہوشیاری تھی تو پھر کیوں شرک میں مبتلا تھی؟ اس کا جواب دو سببوں سے دیا گیا ہے پہلا سبب عقیدہ شرک اختیار کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے توحید سے غافل ہو گئی تھی کیونکہ انسانوں کی عادت ایسی ہے کہ جب کسی مذہب و مسلک میں مشغول ہو جاتا ہے تو پھر اسی کو حق تصور کرتے ہوئے اس کے علاوہ کی تحقیق نہیں کرتا ہے اسلئے اس طرح ذکر کیا ہے کہ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ دوسرا سبب: ان کی پوری قوم کافر اور مشرک تھی یعنی اس کے ماحول میں توحید کی آواز ہی نہیں تھی اس کو اس جملہ میں ذکر کیا ہے کہ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔

اس میں حکمتیں: (۱) مذہب اور مسلک میں تعصب انسان کو دوسرے مذاہب سے غافل بنا دیتے ہیں (اگرچہ اس میں حق ہو)۔ (۲) انسان کے اعمال عقیدے میں ماحول کا اثر ہوتا ہے اسلئے غلط مجالس اور برے دوستوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾ ع

"اس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہوجاؤ اس نے دیکھا تو یہ سمجھی یہ پانی ہے اس لئے اس نے اپنی پنڈلیاں کھول لیں سلیمان نے کہا کہ یہ تو محل ہے جو شیشوں کی وجہ سے شفاف نظر آتا ہے ملکہ نے کہا میرے رب یقیناً میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اب میں نے سلیمان علیہ السلام کی اطاعت میں رب العالمین کی فرمان برداری قبول کی ہے" [44]۔

تفسیر 44: یہ سلیمان علیہ السلام کا فرمان اس عورت کو دو وجوہات سے ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ خاتون ہے اور خواتین کا مردوں کی مجلسوں میں بیٹھنا جائز نہیں ہے بلکہ عورت کو محل کے اندر رہنا چاہئے۔

اس آیت میں حکمتیں: (۱) عورتوں کو مردوں کی مجالس میں نہیں بلکہ گھروں میں رہنا چاہئے (۲) ہر شرک اور کفر اپنی ذات پر ظلم ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام اس کو دکھانا چاہتے تھے کہ مجھے تمہارے ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے اللہ نے وہ نعمتیں دی ہیں جو تمہیں نہیں دیں جب سلیمان علیہ السلام کا حکم مانتی ہوئی اس محل میں داخل ہوئی جو شیشے یا چمکدار شیشہ نما پتھر سے تعمیر کیا گیا تھا اس کو تالاب کے پانی کی طرح سمجھ بیٹھی اور اپنے لباس کو پنڈلیوں سے اوپر کیا کیونکہ اس طرح محل اس نے دیکھا ہی نہیں تھا سلیمان علیہ السلام نے اس سے فوری نظر پھیر لی اور اس کو حقیقت سے آگاہ کیا۔

فائدہ: یہ قول کہ جنات نے سلیمان علیہ السلام کو بتایا تھا کہ اس عورت کی پنڈلیوں پر بال زیادہ ہیں اس سے نکاح مت کرو اس حقیقت کو جاننے کے لئے سلیمان علیہ السلام نے یہ محل تعمیر کروایا تھا تاکہ اس کو دیکھ سکیں یہ اسرائیلی روایت کا قصہ ہے جو یہودیوں نے سلیمان علیہ السلام کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے انبیاء کرام غیر عورتوں کو نہیں دیکھتے ہیں اور نہ ہی کسی صحیح روایت میں اس کی کوئی دلیل ہے جب بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کی سچائی اور معجزہ دیکھنے پر یقین ہوگیا تو اس نے شرک اور کفر سے توبہ کی اور سلیمان علیہ السلام کے تابع ہوگئی۔

فائدہ ۲: سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے ساتھ نکاح ثابت نہیں ہے اور نہ ہی واپس بادشاہت پر پلٹ گئی ہے نیز اسلام قبول

کرلے کے بعد بادشاہت پر فائز ہونا کسی صحیح حدیث میں ثابت نہیں ہے بلکہ قرآن کے اس لفظ سے کہ ادْخُلِي الصَّرْحَ محل میں داخل ہو جاؤ اس کے بعد واپس اس محل سے نکلنے کے لئے کوئی نص نہیں ہے۔

اس آیت میں حکمتیں (۱) عالیشان مکانات ضرورت کے لئے بنانا جائز ہے۔ (۲) کبھی کبھار ہوشیار انسان کی نظریں بھی غلطی کر جاتی ہیں۔ (۳) حق دلائل آنے کے بعد عاقل لوگ باطل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (۴) توحید اطاعت رسول کے بغیر کامل نہیں ہوتی ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾

"اور ہم نے قوم ثمود کی طرف انکے بھائی صالح علیہ السلام کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو تو اچانک وہ دو گروہ بن گئے" [45]۔

تفسیر 45 یہ تیسرا قصہ ہے جو کئی حکمتوں پر مبنی ہے اور اس میں بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سلامتی میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں لہٰذا یہ کسی اور کو مصیبت سے نجات اور سلامتی نہیں دے سکتے ہیں نیز اس میں شرک فی التصرف کا رد کیا ہے۔

اس آیت میں حکمتیں (۱) ہر نبی توحید پر مبعوث ہوا ہے۔ (۲) حق مسئلہ بیان کرنے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ (۳) اس اختلاف کی نسبت حق کے داعی کی طرف کرنا درست نہیں يَخْتَصِمُونَ سورۃ اعراف آیت 75:76 میں اس اختلاف کا ذکر گزر گیا ہے۔

قَالَ يَٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِٱلسَّيِّئَةِ قَبْلَ ٱلْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾

"صالح علیہ السلام نے فرمایا میری قوم کے لوگو ایمان سے قبل عذاب طلب کرتے ہو تم اللہ سے معافی کیوں نہیں مانگتے ہو کہ تم پر رحم فرمایا جائے" [46]۔

تفسیر 46 یعنی وہ عذاب طلب کر رہے تھے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 77 میں گزرا ہے اور وہ شرک میں مبتلا تھے جو سبب عذاب ہے اور توحید کی طرف بالکل متوجہ ہونے والے نہیں تھے اسلئے کہ صالح علیہ السلام نے فرمایا لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ پھر انکو استغفار کی ترغیب دی جو رحمت کے لئے سبب ہے۔

اس آیت میں حکمتیں (۱) عذاب کے اسباب سے بچنا چاہئے۔ (۲) رحمت کے لئے سبب توبہ استغفار ہے۔

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝٤٧

”انہوں نے کہا کہ ہم نے تو تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے برا شگون لیا ہے صالح علیہ السلام نے کہا اللہ ہی کے قبضے میں تمہارا شگون ہے البتہ تم لوگ امتحان میں مبتلا کئے گئے ہو“ [47]۔

تفسیر 47 جب ان پر شرک اور کفر کی وجہ سے مختلف عذاب مسلط کئے گئے یعنی قحط سالی بیماریاں وغیرہ تو انہوں نے اس کی نسبت صالح علیہ السلام کی طرف کرنا شروع کی کہ یہ خشک سالی وغیرہ تمھاری نحوست کی وجہ سے ہے یعنی تم اولیاء کرام کا تقرف نہیں مانتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ یہ برے حالات تمہاری اپنی جانب سے ہیں بلکہ یہ تمہارے اوپر عذاب الٰہی ہے۔

فوائد ومسائل (۱) بدشگونی کا عقیدہ کافروں اور مشرکین کا ہے اس کی تفصیل ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ (۲) برے حالات برے اعمال سے پیدا ہوتے ہیں (۳) بعض اعمال کی سزا دنیا میں دی جاسکتی ہے۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝٤٨

”اور شہر میں نو آدمی ایسے تھے جو زمین میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے“ [48]۔

تفسیر 48 رِهْطٌ اسم جمع ہے اس لئے کہ ان میں ایک ایک شخص کے کئی پیروکار تھے اس لئے اس کو رھط فرمایا يُفْسِدُوْنَ فِي الْأَرْضِ ان کا فساد کئی قسم کا تھا: (۱) شرک کا ارتکاب (۲) لوگوں کو صالح علیہ السلام کی اطاعت سے منع کرنا (۳) لوگوں کے عیوب کی تلاش میں لگ جانا (۴) سود پر رقم دینا اور دیگر گناہ وغیرہ لَا يُصْلِحُوْنَ اس میں ان کے خیال کا رد کیا گیا ہے جو اپنے کو مصلح کہتے تھے۔

فوائد ومسائل (۱) حق پرستوں کے مقابل جو بھی آتے ہیں وہ مفسد ہوتے ہیں۔ (۲) فسادیوں کے پیروکار ہمیشہ زیادہ اور حق پرستوں کے کم ہوتے ہیں۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

"انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ قسمیں کھا لیتے ہیں کہ ہم صالح اور اس کے اہل پر رات کے وقت حملہ کریں گے پھر اس کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم ان کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہیں تھے اور اس بات پر یقین کرو کہ ہم سچے ہیں" [49]۔

تفسیر 49: اس آیت میں ان کے فساد کا ایک نمونہ ذکر کیا ہے یعنی صالح علیہ السلام کے قتل کی تدبیر بنا رہے تھے اور قسم کھانے میں حیلے کر رہے تھے تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ یہ باب تفاعل سے فعل ماضی کا صیغہ ہے اور یہ حال واقع ہے اس کا یہ معنی ہے کہ انہوں نے اس حال میں کہا کہ آپس میں قسمیں کھا رہے تھے یا پھر یہ صیغہ امر کا ہے جو باب تفاعل سے ہے یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو اللہ کی ذات پر قسمیں دے کر کہا کہ ملکر اس پر حملہ کریں گے یعنی رات کے وقت اس پر اور اس کے اہل پر حملہ کر کے قتل کریں گے پھر جب ان کے ورثاء ہم سے قتل کے معاملے میں پوچھیں گے تو ہم قسمیں کھائیں گے کہ ہم اس کے اہل کے قتل کے لئے آئے ہی نہیں تھے یعنی اس طرح کہیں گے مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ یعنی مَهْلِكَه نہیں پڑھیں گے یعنی ہم قسموں میں اسلئے سچے ہوں گے کہ ہم اس کے اہل کو قتل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ صالح کے قتل کے ارادے سے آئے ہیں اور یہ ایک قسم کا حیلہ ہے جیسے اس زمانے میں بعض لوگوں کو قسم کھانے کے ایسے طریقے بتائے ہیں جس میں مدعی دھوکہ کھا لیتا ہے جبکہ قسم کھانے والا جھوٹا ہوتا ہے

اس آیت کی حکمتیں: (۱) مشرکین بھی اللہ کی قسمیں کھاتے تھے۔ (۲) حق پرستوں کے قتل کی منصوبہ بندیاں ہمیشہ مفسدین کرتے رہتے ہیں۔ (۳) قسموں میں حیلے دھوکے کرنا فسادی لوگوں کا شیوا ہے۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٠﴾

"اور انہوں نے یہ چال چلی اور ہم نے بھی اس طرح ایک تدبیر کی کہ ان کو پتا بھی نہ چل سکا" [50]۔

تفسیر 50: اس تدبیر کے بعد رات کے وقت انہوں نے صالح علیہ السلام کے گھر پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالٰی نے ملائک کے ذریعے سے صالح علیہ السلام کی حفاظت کی ابن کثیر نے اس طرح لکھا ہے اس طرح حفاظت بہت سارے موقعوں پر اللہ تعالٰی نے رسولوں کو عطا کی ہے وَمَكَرُوْا مَكْرًا یعنی اس کو بچانے اور مخالفین کو ہلاک کرنے کے لئے ہم نے تدبیر کی اللہ تعالٰی کی حکمت یہ ہے کہ اپنے نیک بندوں کو مفسدین سے چھٹکارا دلاتا ہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿51﴾

"پس دیکھ ان کی چال بازی کا انجام کیسا ہوا یقیناً ہم نے ان کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا" [51]۔

تفسیر 51: اس میں مَكْرَنَا کا بیان ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تدبیر ہوئی وہ یہ ہے کہ دَمَّرْنٰهُمْ وَ قَوْمَهُمْ الگ الگ بیان سے پتا چلتا ہے کہ ان نو افراد کے لئے الگ عذاب مقرر ہوا تھا اور باقی قوم کے لئے الگ عذاب مقرر کیا گیا تھا۔

اس آیت میں حکمتیں: (۱) جو کسی اور کے لئے چال چلاتے ہیں اس میں خود پھنس جاتے ہیں مشہور مثال ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِأَخِيْهِ فَقَدْ وَقَعَ فِيْهِ جو اپنے بھائی کے لئے کنواں کھودے گا خود اس میں گر جائے گا۔

فائدہ: آیت کے شروع میں فَانْظُرْ فرمایا اس میں ایک عظیم مقصد کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کے مخالفین کو ہلاک کیا ہے اور ایمان والوں کو نجات دی ہے۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿52﴾

"لہٰذا وہ رہے ان کے گھر جو ان کے ظلم کی وجہ سے ویران پڑے ہیں یقیناً اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے جو علم سے کام لیتے ہیں" [52]۔

تفسیر 52: خَاوِيَةً یہ حال ہے یعنی اس کے رہنے والوں سے خالی پڑے ہیں یا گرے پڑے ہیں۔ فَتِلْكَ اس کے ذریعے سے کسی محسوس اور موجود چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو حقیقتاً واقع ہو چونکہ مدائن صالح کے کھنڈرات موجود تھے لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ یہ اسلئے فرمایا کہ مکہ والوں کے قریب سے تبوک کے راستے میں آج بھی وہ کھنڈرات موجود ہیں اس آیت میں حکمت: قوموں کی ہلاکت کے بعد ان کے کھنڈرات اس لئے چھوڑے ہیں کہ آنے والی نسلیں ان سے عبرت حاصل کریں۔

وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿53﴾

"اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی کی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کر چکے تھے" [53]۔

تفسیر 53: اس آیت میں دلیل ہے کہ نجات کے لئے سبب ایمان اور تقویٰ ہے اس واقعہ میں بہت عظیم حکمت یہ ہے کہ صالحین اور اولیاء انبیاء نجات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۴﴾

"اور ہم نے لوط علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم جانتے ہوئے کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بے حیائی کرتے ہو۔

یہاں سے آیت 58 تک چوتھا قصہ ہے اس میں بہت ساری حکمتیں ہیں: سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ انبیاء کرام اور صالحین نجات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔

(۱) مردوں اور لڑکوں کو شہوت میں استعمال کرنا بے حیائی کا کام ہے۔ (۲) یہ جاہل لوگوں کا عمل ہے۔ (۳) حق پرستوں کو لوگ بستیوں سے نکالتے ہیں۔ (۴) ان کا مذاق اڑاتے رہنا یہ بھی جاہلوں کا عمل ہے۔ (۵) بے حیائی کے کام عذاب کے لئے سبب ہے۔ (۶) باطل پرست کمال کو عیب سمجھتے ہیں وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ تم جانتے ہو کہ یہ بے حیائی اور گناہ ہے یا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے بدفعلی کا ارتکاب کرتے ہو حیا بھی نہیں کرتے۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن
قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ
الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ ع
اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

"کیا تم اپنی جنسی خواہش کے لئے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس جاتے ہو؟ یقیناً تم بری جاہلیت کے کام کرنے والے لوگ ہو" [55]۔ "اس پر ان کی قوم کا اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ لوط کے اہل کو بستی سے نکال باہر کردو یہ بڑے پاکباز لوگ بنتے ہیں" [56]۔ "پس ہم نے لوط علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے جس کے متعلق ہم نے پہلے سے طے کردیا تھا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی" [57]۔ "اور ہم نے ان پر ایک زبردست بارش برسائی لہٰذا بہت بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسی جو پہلے سے ڈرائے گئے تھے" [58]۔ "اے نبی کہہ دیجئے الوہیت کی تمام صفات اللہ ہی کے لئے خاص ہیں اور عذاب اور مصیبتوں سے اللہ کی طرف سے سلامتی ان بندوں کے لئے ہے جو اللہ نے چن رکھے ہیں کیا اللہ تعالیٰ (الوہیت کے لئے) بہتر ہے یا وہ جو انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنا ڈالے ہیں" [59]۔

یہاں سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے اس میں توحید کے دونوں دعوے مذکور ہیں اور دعووں کے درمیان توحید الوہیت کی تفصیل ہے عقلی اور اعترافی دلائل کے ساتھ پھر کثیر تعداد میں زواجر کا ذکر ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور یہ دعوت کے امور ہیں پھر تخویف اخروی کو تفصیلاً ذکر کیا ہے اور آخر میں رد شرک فی العبادۃ اور قرآن کی طرف دعوت دی ہے اور تخویف دنیاوی ہے۔

---

59 اس آیت میں پہلا دعویٰ ذکر ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سلامتی اور نجات میں اللہ تعالیٰ کے محتاج بندے ہیں لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتے ہیں نیز یہ صالح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے واقعات پر تفریع کی ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ خطبہ پڑھنے کا طریقہ اس میں ذکر ہے یعنی پہلے توحید کا تذکرہ پھر انبیاء کرام پر درود وسلام پھر دلائل عقلیہ سے توحید کو ثابت کیا ہے اور یہ اس سورۃ میں نبی کو دوسرا خطاب ہے۔ اصْطَفَىٰ یہ صفا سے لیا گیا ہے یعنی انبیاء کرام علیہم

السلام عام بندوں کی طرح میل کچیل یعنی گناہوں والے نہیں ہوتے لہٰذا گناہوں سے پاک تھا خَیْرٌ یہاں تفضیل کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ مقابل میں کوئی خیر نہیں ہے یا صیغہ اسم تفضیل کو نظریہ مشرکین کی وجہ سے ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اپنے معبودوں میں خیر تصور کرتے تھے مقدر عبارت اس طرح ہے أَعِبَادَةُ اللهِ خَيْرٌ أَمْ عِبَادَةُ مَا يُشْرِكُونَ کیا اللہ کی بندگی بہتر ہے یا ان کے معبودوں کی بندگی؟ یہ استفہام تقریری ہے اسلئے کہ روایت میں ہے کہ اس آیت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلِ اللهُ خَيْرٌ وَ اَبْقٰى وَ اَجَلُّ وَ اَكْرَمُ.

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ أَإِلٰهٌ مَعَ اللهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿٦٠﴾

"بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا؟ پھر اس پانی سے ہم نے بارونق باغات اگائے تمہارے بس میں نہیں تھا کہ تم ان کے درختوں کو اگا سکتے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود برحق ہے؟ نہیں بلکہ یہ حق سے پھرنے والے ہیں" [60]۔

تفسیر 60: اس آیت سے توحید الوہیت پر دلائل عقلیہ شروع کیے ہیں اور دلائل اعترافیہ سکوتیہ ہیں کیوں کہ سوال میں استفہام ہے اور جواب مقابل کی طرف سے نہیں ہے اَمَّنْ یہ اصل میں اَمْ مَنْ ہے اور اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے سوال میں لفظ "الٰہ" سے ابتدا کی گئی ہے اس میں صفات الوہیت کی تفصیل ہے اور اس میں تین صفات مذکور ہیں اور پہلے کی طرح اس میں تقدیری عبارت ہے یعنی عِبَادَةُ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ خَيْرٌ أَمْ عِبَادَةُ مَا يُشْرِكُونَ دوسری توجیہ یہ ہے کہ مستقل سوال ہے یعنی کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے جواب کو حذف کیا گیا ہے یعنی لَيَقُولُنَّ اللهُ، ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللهِ یہ مستقل سوال ہے جب انہوں نے تسلیم کیا کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے تو کیا اس کے سوا کوئی الٰہ ہوسکتا ہے جو یہ کام انجام دے سکے اس کے بعد بھی جواب محذوف ہے یعنی لَا نہیں۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ عدول کے معنی میں ہے یعنی حق سے بغیر دلیل پھر رہے ہیں یا عدل مساوات کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور لوگوں کو برابر تصور کرتے ہیں بعد والی آیتوں میں آیت 64 تک اسی طرح تشریح ہے ان آیتوں میں اشارہ ہے کہ الٰہ وہ ذات ہے جو یہ کام انجام دے سکتا ہو جو ان پانچ آیتوں میں مذکور ہے اس کو متصرف اور کارساز کہتے ہیں معلوم ہوا کہ

ان آیتوں میں الٰہ کا معنی تصرف کرنے اور اختیارات رکھنے والے کا ہے اور یہ عام معنی ہے مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا یہ خطاب عام ہے جس میں سب مخلوق شامل ہے اولیاء وغیرہ کہ کوئی بھی درخت پودے زمین سے اگانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

"بھلا کون ہے جس نے زمین کو قرار بخشا اور اس کے بیچ میں دریا پیدا کیے اور اس کو (ٹھہرانے) کے لیے (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور دو سمندروں کے درمیان ایک آڑ (بندش) لگا دی کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود برحق ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہیں" [61]۔

تفسیر 61: اس آیت میں الوہیت کی چار صفات ذکر کیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ صفات کسی میں نہیں ہو سکتی ہیں گزشتہ آیت میں علوی اُوپر کے کاموں کا ذکر تھا تو اس میں نیچے نظام کے کاموں کا ذکر ہے لَهَا رَوَاسِیَ. لَهَا میں دلیل ہے کہ یہ پہاڑ زمین کو سہارا دینے کے لئے ہیں حَاجِزًا دونوں دونوں دریاؤں کو اپس میں ملنے سے روکنے والا اس کو برزخ بھی کہا گیا سورۃ رحمان آیت 20: فرقان آیت: 53: میں۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

"بھلا وہ کون ہے جو کہ بے قرار جب اُسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور تکلیف دور کرتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود برحق ہے نہیں بلکہ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو" [62]۔

تفسیر 62: اس آیت میں الوہیت کے تین صفات ذکر کی ہیں اور انسانوں کے بھی اس میں تین حالات کا ذکر ہے:

(۱) مجبوری کے وقت حاجت طلب کرنا (۲) تکلیف دور کرنا (۳) غالب ہونا یا اولاد دینا اَلْمُضْطَرَّ بہت ہی مجبور عاجزی کرنے والا یعنی بے قرار ہونے کی وجہ سے بہت ہی عاجزی میں دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما دیتا ہے خواہ کافر ہو یا مسلم۔ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ یہ دلیل ہے کہ مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور سورۃ انعام آیت

نمبر 17 سورۃ یونس آیت 107 میں بھی ذکر ہو چکا ہے خُلَفَآءَ الْاَرْضِ یعنی تمہیں کافروں پر غلبہ دیا ان کی زمینوں کا تمہیں مالک بنا دیا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اولاد دیتا ہے اس کو تمہارا جانشین بنا دیتا ہے۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾

”بھلا وہ کون ہے جو خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں راستہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت بارش سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے جو تمہیں (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں؟ کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود برحق ہے اللہ اس شرک سے بہت بالا و برتر ہے جو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہیں“ [63]

63 اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی دو نعمتوں کا ذکر ہے ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وہ صحرا اور آباد علاقہ جس میں پہاڑ علامات وغیرہ نہ ہوں اور سمندر کی وہ موجیں جن کے کنارے معلوم نہ ہوں ان کو ظلمات کہا گیا ہے اس میں انسان کے سفر کے حالات کا ذکر ہے اور ہواؤں کے حالات ذکر کیے ہیں جن پر انسان کی زندگی کا گزران ہے۔

اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۶۴﴾

”بھلا وہ کون ہے جس نے ساری مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق فراہم کرتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود برحق ہے؟ فرما دیجئے لاؤ تم اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو“ [64]۔

64 اس میں اللہ کی الوہیت کی تین صفات کا ذکر ہے یعنی انسان کے لئے تخلیق، دوبارہ زندہ کرنا، رزق کا بندوبست کرنا۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ صحیح بات کو واضح دلیل سے ثابت کرنا سچائی کی دلیل ہے یہ تیسرا خطاب ہے جو نبی ﷺ کو ان آیاتوں میں ہوا ہے اور ان آیتوں میں پندرہ صفات عظیمہ الٰہی بیان کی گئیں ہیں اور سب میں جواب لا نفی کے ساتھ ذکر ہوا ہے تو یہ حاصل ہوا کہ نہیں ہے مذکورہ کاموں کو کوئی کرنے والا جن کو یہ قدرت حاصل ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور یہی معنی ہے لا الٰہ الا اللہ کا ہے۔

مذکورہ آیتوں کے فواصل آخر میں مشرکین کے حالات کی ترتیب کے ساتھ ذکر ہے پہلی حالت دلیل کے بغیر منہ

پھیرنا، دوم: بے علمی اور جہالت، سوم: غفلت ضد اور عناد کی وجہ سے حق قبول نہ کرنا، چہارم: شرک کا ارتکاب کرنا پنجم: مشرک سے دلیل کا مطالبہ کرنا اور مشرک کا دلیل دینے سے عاجز ہو جانا اور اس تقسیم اور ترتیب کے فائدوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ پہلی دلیل کا جواب تو اکثر اہل عقل کو معلوم ہے کہ وہ لا ہے اور پھر بھی وہ نہیں مانتے تو یہ زجر کے مستحق ہیں دوسری دلیل میں اس قسم کے امور کا ذکر ہے جن کے علم کا وہ دعوے کرتے تھے لیکن چونکہ اس علم پر انکا عمل نہیں تھا تو اسلئے ان کو بے علم کہا گیا تیسری دلیل میں اشارہ ہے کہ جب انسان کی ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں اور مصیبتوں سے چھٹکارا پالیتا ہے تو حق کو بھلا بیٹھتا ہے اسلئے فرمایا کہ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ اور چوتھی دلیل میں اشارہ ہے کہ مشرکین سمندر کے اندھیروں میں اور خشکی کے صحراؤں اور طوفانوں ہواؤں میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت دور کر دیتا تو فوری وہ شرک کا ارتکاب کر لیتے اس لئے آیت 63 میں فرمایا تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ پانچویں دلیل میں جب حجت ان پر مکمل کی گئی تو پھر ان سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

"آپ فرما دیجئے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کسی کو بھی غیب کا علم نہیں ہے اور ان کو یہ بھی علم نہیں کہ انہیں قبروں سے کب اٹھایا جائے گا" [65]۔

تفسیر 65 اس آیت میں سورۃ کا دوسرا دعویٰ ذکر کیا گیا ہے اور یہ موسیٰ علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے قصہ سے متعلق ہے چونکہ پہلی آیتوں میں قدرت اور تصرف کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا گیا اور شرک فی التصرف کی نفی کی گئی تو اب اس آیت میں علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کیا جا رہا ہے اور شرک فی العلم کی نفی کی جا رہی ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کو چوتھا خطاب ہے الْغَيْبَ اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو کسی بھی سبب سے نہ بتائی گئی ہوں یعنی نہ تو عقل سے نہ وحی سے اور نہ ہی حواس خمسہ سے اس کو غیب حقیقی کہتے ہیں نیز امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس سے متعلق قصہ ذکر کیا ہے اور حاصل اس کا یہ ہے کہ جو چیز انسانوں کے علم میں آ جائے تو وہ غیب نہیں کہلاتی ہے مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ اس سے ملائکہ مراد ہیں نیز عیسیٰ علیہ السلام اور تمام صالحین کی ارواح علیین میں ہیں وَ الْاَرْضِ یہاں مَنْ کو اختصار کی وجہ سے حذف کیا ہے اور آیت میں علم غیب کی نفی صریح ہے ہر غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ذاتی اور اسی طرح عطائی جسمانی روحانی کی گئی ہے۔

سوال اِلَّا اللّٰهُ میں استثنیٰ منقطع یا متصل ہے دونوں حالتوں میں نصب زبر ہونا چاہئے تھا جبکہ یہاں مرفوع یعنی پیش ہے؟

جواب ۱: یہ استثنیٰ منقطع ہے جو لیکن کے معنی میں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ تو زمین اور آسمان والوں کی جنس ذات میں سے نہیں ہے اور یہ مستثنیٰ بنی تمیم کی لغت میں جائز ہے اسلئے کہ یہ مَنْ سے بدل ہے اور مَنْ رفع کے محل پر ہے اسلئے اسکا بدل بھی مرفوع ہوگا امام ابن کثیر نے یہ قول زجاج اور فراء بغوی سے نقل کیا ہے۔ جواب ۲: مستثنیٰ متصل ہے اور مستثنیٰ کا مرفوع ہونا حجازیوں کے نزدیک کلام سلبی میں جائز ہے۔ دوسرا سوال: اللہ تعالیٰ تو آسمان و زمین والوں کی جنس میں سے نہیں ہے تو استثنیٰ متصل کس طرح ہوسکتا ہے؟ جواب: اللہ پر مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کا اطلاق ہوسکتا ہے جس کے لئے قرینہ سورۃ انعام آیت 3 میں ہے اس معنی میں جو سورۃ انعام میں مراد ہے لہذا استثنیٰ متصل درست ہے تفسیر نیشاپوری۔ جواب ۲: یہ فرض وتقدیر پر مبنی ہے یعنی بالفرض اگر زمین و آسمان والے غیب کا علم حاصل کرلیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک حصہ تصور کیا جائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی الوہیت و دیگر صفات میں شریک نہیں ہے لہذا یہ بات باطل ہے تو دوسری یقیناً باطل ہے۔ تیسرا سوال: جب ایک چیز انسان سے مخفی ہو تو وہ غیب ہوگیا پھر کسی ذریعے سے اس کو وہ حاصل ہوئی خواہ وحی یا حواس خمسہ سے حاصل ہو تو اس کو علم غیب حاصل ہوگیا؟۔ جواب: یہ لغوی اطلاق تو ہوسکتا ہے لیکن شرعی اعتبار سے اس پر علم غیب کا اطلاق درست نہیں ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں لفظ غیب بطور ثبوت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے نیز لغوی اعتبار سے کسی لفظ کے استعمال سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے (روح المعانی) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کسی نبی ولی جن ملائک بزرگ کے لئے علم غیب ثابت کرتا ہو خواہ ذاتی ہو یا عطائی جسمانی ہو یا روحانی وہ شخص کافر ہے کیونکہ وہ اس صریح آیت کا منکر ہے اسی طرح شرح فقہ اکبر میں درج ہے عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح مسلم کتاب الایمان حدیث 177: میں روایت منقول ہے کہ جو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ کو کل کی خبر ہے تو وہ اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۚ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ ع

"بلکہ آخرت کے بارے میں ان کافروں کا علم بند ہے بلکہ وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں بلکہ اس سے اندھے ہوچکے ہیں" [66]۔

تفسیر 66: اس آیت میں انکار قیامت پر زجر سنائی گئی ہے آیت 63 میں شرک کرنے پر مشرکین کو تنبیہ کی گئی بَلْ یہ اپنے معنی پر ہے یا هَلْ استفہام انکاری کے معنی میں ہے اِدّٰرَكَ مفسرین نے اس کے چار معانی بیان کیے ہیں (۱) بَلْ هَلْ کے معنی میں ہے اور اِدّٰرَكَ غَابَ کے معنی میں ہے یعنی قیامت کے بارے میں ان کا علم مضبوط ہے کہ وہ نہیں آئی

گی۔ دوسرا معنی اَدْرَاكَ غَابَ کے معنی میں ہے آخرت کے متعلق انکا علم ختم ہو چکا ہے ان کے علم کی رسائی نہیں ہوتی ہے تیسرا معنی یہ ہے کہ اِدَّارَكَ. تَتَابَعَ قَوْلُهُمْ ہے یعنی قیامت کے متعلق ان کا انکار مسلسل چلا آرہا ہے چوتھا معنی یہ ہے کہ اِدَّارَكَ. تَسَاقَطَ یعنی قیامت کے متعلق ان کے علم کے اسباب ختم ہو چکے ہیں عَمُوْنَ یعنی دل کے اندھے ہیں جو کہ جہل ہے اور لفظ بَلْ تَرَقِّیْ کے لئے ہے اور اس میں مشرکین کی تین قسموں کی طرف اشارہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

"اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادے مٹی ہو چکے ہوں گے تو کیا اس وقت ہمیں نکالا جائے گا" [67]۔ "ہم سے اور ہمارے بڑوں سے اس قسم کے وعدے پہلے بھی کئے گئے تھے یہ تو صرف قصے کہانیاں ہیں جو پرانے لوگوں سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں" [68]۔

تفسیر 67: اس آیت میں انکار قیامت پر منکرین کے لئے زجر ہے اور انکار کا سبب اِسْتِبْعَادُ عَنِ الْعَقْلِ ہے یعنی دوبارہ زندہ ہونے کو عقل سے دور سمجھتے ہیں، دلیل نہیں ہے ان کے پاس دوسری آیت میں اشارہ ہے کہ یہ پرانی بات ہے لیکن یہ لوگ اس کو فرسودہ کہانیاں قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس زمانہ میں کیمونسٹ کہتے ہیں کہ قیامت کی باتیں مولویوں کے ڈھکوسلے ہیں اس طرح سورۃ مومنون آیت 82 میں گزرا ہے۔

فائدہ: اس سورۃ میں منکرین کے باپ دادوں کا ذکر بہت پہلے گزر چکا تھا اسلئے لفظ هٰذَا کو آباء کے بعد ذکر کیا جبکہ اس سورۃ میں آباء کا ذکر قریب گزرا ہے تو هٰذَا کو مقدم کیا۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

"فرمادیجئے کہ زمین میں سفر کر کے دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا ہوا ہے" [69]۔ "اور اے نبی آپ ان لوگوں پر غم نہ کریں اور یہ جس مکاری کو اپنائے ہوئے ہیں اس پر آپ گھٹن محسوس نہ کریں" [70]۔

تفسیر 69: اس آیت میں منکرین کو تخویف دنیاوی کے طریقے پر جواب دیا گیا ہے، اور اس آیت میں یہ پانچواں خطاب

ہے جو نبی کریم ﷺ سے ہوا ہے۔

[redacted] اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ منکرین مخالفین جو مکر و فریب میں مصروف ہیں ان سے صرف نظر کریں نیز اس آیت میں چھٹا اور ساتواں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے۔

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝

"اور یہ آپ سے کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورہ ہوگا اگر تم سچے ہو" [71]۔ "فرما دیجئے کچھ بعید نہیں کہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کرتے ہو اس کا کچھ حصہ تمہارے بالکل پاس آ پہنچا ہو" [72]۔

تفسیر 71 اس میں قیامت کا انکار کرنے والوں کے لئے زجر ہے۔

تفسیر 72 یہ جواب ہے تخویف دنیاوی کے ذریعے بَعْضُ الَّذِيْ سے دنیا کا عذاب مراد ہے رَدِفَ متصل آنے والے کو کہتے ہیں جیسا کہ ردیف ان دو سواروں میں سے ایک کو کہتے ہیں جو پیچھے متصل بیٹھا ہو ہو یہاں مراد جلدی آنا ہے یہ آٹھواں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

"اور یقیناً تیرا رب لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ہیں" [73]۔ "یقیناً تیرا رب وہ باتیں بھی جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چھپی ہوئی ہیں اور وہ باتیں بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں" [74]۔

اس آیت میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذاب میں ڈھیل دیتا ہے لیکن اس فضل کا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے یہ نواں خطاب نبی کریم ﷺ سے کیا گیا ہے۔

اس آیت میں دلیل عقلی ہے اور شرک فی العلم کا رد ہے اور نبی کریم ﷺ کو اس میں دسواں خطاب ہے اس میں ایک وہم کا جواب ہے کہ اگر کوئی اس اشکال میں مبتلا ہو جائے کہ شاید اللہ تعالیٰ کو ان کا علم نہیں ہے اسلئے ان سے عذاب کو موخر کیا گیا ہے تو ان آیتوں میں جواب دیا گیا ہے لہٰذا اس آیت میں خصوصی علم ذکر کیا گیا ہے اور بعد والی آیت میں عموی

علم کا ذکر ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ أَكْثَرَ

الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾

"اور آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے جو ایک واضح کتاب میں محفوظ نہ ہو" [75]۔ "یقیناً یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے وہ مسائل بیان کر رہا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں" [76]۔ "اور یقیناً یہ ہدایت اور ایمان والوں کے لئے رحمت ہے" [77]۔

تفسیر 75: اس آیت میں دلیل عقلی ہے اور شرک فی العلم کا رد ہے کِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے لوح محفوظ مراد ہے ان دلائل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مخالفین کے حالات سے خوب واقف ہے لیکن وہ عذاب دینے میں مہلت اپنے فضل کے سبب سے دے رہا ہے۔

تفسیر 76: اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور چونکہ بنی اسرائیل میں بعض غائب چیزوں میں اختلافات تھے تو اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایسی غائب چیزیں قرآن مجید کے ذریعے سے واضح ہوتی ہیں اس میں اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے واقعات بنی اسرائیل نے چھپائے تھے اور اس میں تحریف کیا تھا، اور سلیمان علیہ السلام پر جھوٹ باندھا تھا لہٰذا اس سورۃ میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

تفسیر 77: اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے اور اس میں قرآن مجید کی دو صفتیں بیان ہوئیں۔

إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾

"تمہارا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلے صادر فرمائے گا اور وہ غالب اور خوب جاننے والا ہے" [78]۔ "پس آپ اللہ پر بھروسا رکھیں یقیناً آپ واضح حق پر ہیں" [79]۔

تفسیر 78: اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور اس کا تعلق يَخْتَلِفُوْنَ سے ہے یہ گیارہواں خطاب ہے جو نبی ﷺ سے کیا گیا ہے بِحُكْمِهٖ سے مراد قرآن ہے تو یہ دنیاوی فیصلہ ہے جس میں قرآن کی طرف ترغیب ہے یا آخرت کا فیصلہ مراد ہے تو پھر مخالفین کے لئے تخویف آخروی ہے۔

تفسیر 79: اس میں نبی ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ کو مخالفین کے مقابل شجاعت کی تلقین کی گئی ہے اور اس

میں بارھواں، تیرھواں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا ہے فَتَوَكَّلْ اس میں (فا) سابقہ تین صفات پر تفریع کے لئے ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾ وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

"یقیناً آپ مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے ہیں اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جب وہ پیٹھ پھیر کر چل کھڑے ہوں" [80]۔ "اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے بچا کر (ہدایت) کے راستے پر لا سکتے ہیں آپ تو انہیں لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں پس وہی لوگ فرمان بردار ہوں گے" [81]۔

تفسیر 80، 81: اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ سے چودھواں، پندرھواں، سولھواں، سترھواں خطاب کیا گیا ہے اور اس میں اس اشکال کا جواب ہے کہ جب اس رسول کی دعوت حق ہے تو ان کافروں پر اس دعوت کا اثر کیوں نہیں ہوتا ہے جواب دیا گیا ہے کہ آپ کی نصیحت ان پر اثر انداز نہیں ہوگی اور اس کی رکاوٹ ان کی جانب سے ہے آپ کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے وہ اس طرح کے یہ مردوں کی طرح ہیں، جیسے مردے کی عقل اور اس کے تمام حواس معطل اور بے کار ہو جاتے ہیں کہ وہ نہ سن سکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے تو اسی طرح یہ مشرکین بھی ان مردوں کی مانند ہیں۔ یعنی اسباب علم، دل، کان، آنکھیں اور عقل سب معطل ہو چکے ہیں جیسا کہ سورۃ بقرۃ آیت نمبر 7 میں ہے۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ جب مردہ اور بہرہ نہ سننے کے اعتبار سے برابر ہے تو اسلئے ان دونوں کو ایک ساتھ کیا اور دونوں کے ساتھ لَا تُسْمِعُ ذکر کیا ہے یعنی کافر عنادی کی تشبیہ نہ سننے کے اعتبار سے بہروں اور مردوں کے ساتھ دی ہے اور یہ تین تشبیہات تَنَزُّل کے طور پر ہے یعنی پہلے: اعلیٰ تشبیہ ہے کیوں کہ مردوں میں کچھ بھی حس نہیں ہے جبکہ بہروں میں صرف سننے کی حس نہیں لیکن جب سن نہیں پاتے تو غور وفکر کس طرح کریں گے جبکہ اندھے میں صرف دیکھنے کی حس نہیں لہٰذا وہ غور وفکر کرنے اور سننے پر قادر ہیں۔ یا پھر یہ تشبیہ تین قسم کے منکرین کی وجہ سے ہے۔ باقی سماع موتی یعنی مردوں کے سننے اور نہ سننے کی تفصیلی بحث سورۃ روم میں آئیگی ان شاء اللہ، وَلَّوْا مزید تاکید کے لئے ہے یعنی بہرہ نہیں سنتا ہے پھر جب چہرہ پھیر لے تو بالکل نہیں سنتا ہے اس طرح کافر بھی عملاً اور ایماناً قرآن کی

طرف پیٹھ کر کے ہیں عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ بچانے کے ممکن میں ہے اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ معلوم ہوا کہ کامل فائدہ قرآن مجید سے پورا ایمان والے ہی لے سکتے ہیں اس آیت میں ایمان سے قلب کی تصدیق اور ظاہری اعمال اور اطاعت کرنا مراد ہے نیز سماع سے فائدہ دینے والا اسماع مراد ہے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

"اور جب پورا ہو جائے عذاب کا فیصلہ تو ہم ان کے لئے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بات کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے تھے" [82]۔

تفسیر 82: اس آیت میں تخویف دنیاوی ہے آیات اور قرآن پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے اور وقوع قول سے مراد اللہ کے عذاب کا فیصلہ ہے ایمان اور توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ سے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب لوگ نیکیوں کا حکم چھوڑ دیں گے اور برائیوں سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تو یہ وقت آئے گا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جب علماء دنیا سے اٹھا لیے جائیں تو یہ وقت آئے گا قرآن وحدیث کا علم باقی نہیں رہے گا جب یہ زمانہ آئے گا پھر توبہ قبول نہیں ہوگی اور مسلمان پیدا نہیں ہوں گے جیسا کہ نوح علیہ السلام کو وحی کی گئی تھی جب یہ دور آ جائے گا پھر امن نہیں ملے گا یعنی اب اس طرح کیفیت پیدا ہوگی جیسا کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ آیا تھا کہ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ اس وقت زمین سے دَآبَّة جو ایک حیوان ہے نکل آئے گا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ تین علامتیں جب آ جائینگی پھر ایمان قبول نہیں ہوگا۔ دجال کا ظہور، مغرب سے سورج کا طلوع اور زمین سے دابۃ حیوان کا نکل آنا صحیح مسلم کتاب الفتن حدیث 7214: ابن ماجہ کتاب الفتن حدیث 4041: ترمذی کتاب الفتن حدیث 2183: ابوداؤد ملاحم حدیث 4311: ایک صحیح مسلم کی اور حدیث میں علامات قیامت دس بیان ہوئی ہیں اس میں ایک علامت دَآبَّةُ الْاَرْضِ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حیوان ضرور آئے گا البتہ یہ معلوم نہیں کہ وہ حیوان کس شکل وصورت کا ہوگا یا کہاں اس کا ظہور ہوگا یہ تفصیلات حدیث میں نہیں ہیں اگرچہ تفسیر قرطبی اور دیگر مفسرین نے کچھ چیزیں نقل کی ہیں اس پر اجمالی ایمان لانا کافی ہے جنہوں نے اس سے مراد عمر فاروق رضی اللہ عنہ یا کوئی حق کا داعی لیا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ اس میں تین توجیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ اَنَّ النَّاسَ تُكَلِّمُهُمْ کے لئے مفعول ثانی ہے اور بِاٰيٰتِنَا سے بِاٰيٰتِ رَبِّنَا مراد ہے تو معنی یہ ہوا کہ یہ جانور لوگوں سے کلام کرتے ہوئے یہ کہے گا کہ لوگ

اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لائے اسلئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ تُكَلِّمُهُمْ کے لئے مفعول حذف ہوا ہے یعنی بِبُطْلَانِ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا سِوَى الْإِسْلَامِ أَوْ بِعَدَمِ قُبُوْلِ تَوْبَتِهِمْ اور یہ أَخْرَجْنَا کے ساتھ متعلق ہے تو معنی یہ ہوا کہ یہ حیوان اسلام کے علاوہ سارے ادیان کو باطل قرار دے گا صرف دین اسلام دین حق ہے یا ان کو اطلاع دے گا کہ اب توبہ قبول نہیں ہوگی اور اس حیوان کو نکال لانے کا سبب یہ ہے کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تیسری توجیہ یہ ہے کہ تُكَلِّمُهُمْ لغوی معنی مراد ہے یعنی لوگوں پر جرح تنقید کرے گا جو اس وقت موجود ہونگے کہ أَنَّ النَّاسَ الخ اٰيٰتِنَا سے مراد اٰيٰتِ رَبِّنَا ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿٨٣﴾

''اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گروہ گھیر لے آئیں گے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا پھر ان کی جماعت بندی کی جائے گی۔

تفسیر 83: اس آیت سے تخویف اخروی ہو رہی ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تھا يُوْزَعُوْنَ ایک جگہ ان کو بند کیا جائے گا پھر ان کو میدان محشر میں لے جایا جائے گا۔

حَتّٰىٓ إِذَا جَآءُوْ قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٨٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٨٦﴾

''یہاں تک جب سب آجائیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم نے میری آیتوں کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی جھٹلایا تھا یا کیا کر رہے تھے [84]۔'' اور انہوں نے جو ظلم کیا ان پر عذاب کی بات اس کی وجہ سے پوری ہو جائیگی لہذا وہ کچھ بول نہیں سکیں گے'' [85]۔'' کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے رات کو اسلئے بنایا تا کہ اس میں وہ سکون حاصل کریں اور دن کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں چیزیں نظر آئیں یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں'' [86]۔

تفسیر 84: یعنی بغیر تحقیق میری آیتوں کو کیوں جھٹلایا یہ بطور زجر ہے طریقہ تو یہ ہے کہ پہلے ایک چیز کی تحقیق کی جائے پھر اس کے متعلق قبول یا رد کرنے کا فیصلہ کیا جائے أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ یعنی آیتوں کی تکذیب کے علاوہ بھی تم بہت

ہمارے اور گناہ کرتے تھے اَمَّا اصل میں اَمْ مَا ہے۔

تفسیر 85: اس آیت میں بھی تخویف اخروی ہے وَ وَقَعَ الْقَوْلُ یعنی ان پر عذاب کا فیصلہ واجب ہو جائے گا فَهُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ وہ حجت اور دلیل پیش کرنے کی تاب نہیں رکھ سکیں گے یا مراد یہ ہے کہ ان کے سینوں پر مہریں لگا دی جائیں گی۔

تفسیر 86: پہلے منکرین قرآن کے لئے زجر اور تخویف بیان ہوئی، اب منکرین کے لئے دلائل عقلیہ کے ذریعے زجر ہے اور اس میں بعث بعد الموت کے لئے دلیل ہے۔ یُّؤْمِنُوْنَ یعنی وہ لوگ جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ تصرفات اللہ ہی کے ہیں اس آیت میں ہر جانب میں ایک ایک چیز مقدر ہے یعنی اللیل کے ساتھ ظُلْمًا اور مُبْصِرًا کے ساتھ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ مقدر ہے۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور جس دن صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے گھبرا جائیں گے سوائے ان کے جسے اللہ بچانا چاہے گا اور سب اس کے پاس جھکے ہوئے حاضر ہوں گے" [87]۔ "اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی کاریگیری ہے جس نے ہر چیز مستحکم طریقے سے بنائی ہے یقیناً تم جو بھی عمل کرتے ہو اس کی اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتا ہے" [88]۔

تفسیر 87: اس آیت سے تخویف اخروی کا شروع ہو رہی ہے اور اس آیت میں تین حالات قیامت کے ذکر ہوئے ہیں صحیح قول یہ ہے کہ نَفْخٌ فِي الصُّوْرِ دو مرتبہ ہے ایک مرتبہ دنیا کے فنا کے لئے اور ایک مرتبہ دوبارہ اٹھانے کے لئے ہے۔ فَزِعَ اور صَعِقَ ہم معنی ہے نیز اس سے مراد پہلی بار صور میں پھونکنا ہے جس سے دنیا فنا ہوگی کیونکہ اس کے بعد پہاڑوں کے حالات کا تذکرہ ہے اور اس کو فزع اور صعق کہا ہے اسلئے کہ پہلے گھبراہٹ اور بے ہوشی آئے گی اور پھر موت واقع ہوگی۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس سے شہداء مراد ہیں اور بعض نے کہا اس میں انبیاء کرام علیہم السلام بھی شامل ہیں بعض نے ملائک مراد لیے ہیں اور بعض نے کامل مومنین مراد لیے ہیں جس کے لئے آیت نمبر 89 قرینہ ہے یعنی دنیا فنا ہونے سے قبل جو گھبراہٹ اور پریشانی آئے گی تو یہ لوگ اس سے محفوظ ہوں گے یعنی بالفرض

اگر اس وقت موجود ہوں گے تب بھی امن میں ہوں گے وَ کُلٌّ اَتَوْهُ کُلٌّ جمع کے معنی میں ہے تو اسلئے اس کی طرف جمع کی ضمیر راجع کرنا صحیح ہے اس تفسیر کی بناء پر اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ سے فنا اور موت قبول کرنا مراد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ قیامت والے دن ہوگا بعث بعد الموت کے بعد اور فزع بے ہوشی کے معنی میں ہے۔

[88] قیامت کے ہیبت ناک حالات میں سے یہ چوتھا حال ہے تَحْسَبُهَا جَامِدَةً یعنی آپ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ پہاڑ بڑے مضبوط ہیں حالانکہ یہ بادلوں کی طرح اڑ جائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ آپ گمان کرتے ہوں گے کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے وجہ یہ ہے کہ جسامت والی چیز جب حرکت کرتی ہے تو محسوس نہیں ہوتا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ نے پہاڑوں کی کیفیت اس طرح ذکر کی ہے پہلا حال اِنْدِكَاكٌ یعنی فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً دوسرا حال كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ تیسری کیفیت هَبَاءً مَّنْثُوْرًا چوتھا حال نَسْف پانچواں حال مَرَّ السَّحَابِ اور چھٹا حال سراب۔ صُنْعَ اللّٰهِ یہ مفعول مطلق ہے یا پھر اُنْظُرُوْا محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کاریگری کو غور و فکر کر کے دیکھو کُلَّ شَیْءٍ یعنی پہاڑ اور اس کے ٹکڑے ہیں یا ہر چیز مراد ہے اور اَتْقَنَ سے مناسب اور حکمت سے بنانا مراد ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

"جو کوئی نیکی لے کر آئے گا اس سے بہتر بدلہ دیا جائے گا اور ایسے لوگ اس دن ہر قسم گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے" [89]۔
"اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا تمہیں کسی اور بات کی نہیں انہیں اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے رہے" [90]۔

[89] یہ بعث بعد الموت کا پانچواں حال ہے اور موحدین کے لئے خوشخبری ہے حَسَنَةٌ سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے خَيْرٌ مِّنْهَا مِنْ اجلیہ ہے یعنی توحید کے کلمہ کی وجہ سے بہترین بدلہ ہوگا مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ یہ گھبراہٹ قیامت کے دن کی گھبراہٹ سے علیحدہ ہے کیونکہ قیامت کے دن بہت ساری ہیبتیں ہیں اس میں ایک موت ذبح کرنے کی ہیبت ہے یہاں صَعْق مراد نہیں ہے اسلئے کہ قیامت کے دن قیام کے لئے صَعْق تمام ایمان والوں پر آئے گا۔

[90] اس میں تخویف اخروی ہے اور اس دن کی چھٹی حالت کا تذکرہ ہے سَيِّئَةٌ سے شرک اور کفر مراد ہے هَلْ

تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے اعمال کی طرح ان کو سزا دی جائے گی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو الٹ دیا تھا تو ان کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا اس طرح سورۃ شعرآء آیت 94 میں گزرا ہے۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَ لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ؗ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٩١﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ
الْمُنْذِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾

"(آپ کہہ دیجئے) کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت بخشی اور ہر چیز کا مالک وہی ہے اور مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں فرمان برداروں میں سے ہو جاؤں" [91]۔ "اور یہ کہ میں قرآن کو بیان کروں جو شخص ہدایت کے راستے پر آئے گا تو وہ اپنے فائدے کے لئے ہدایت پر آئے گا اور جو کوئی گمراہی اختیار کرے گا تو آپ فرما دیجئے کہ یقیناً میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں" [92]۔ "اور فرما دیجئے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا پھر تم پہچان بھی لو گے اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے" [93]۔

تفسیر 91 قیامت کی ہیبت ذکر کرنے کے بعد اس ہیبت سے بچنے کے لئے طریقہ ذکر ہو رہا ہے اسے دلائل وحی کہتے ہیں اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ یعنی مجھے توحید پر قولاً فعلاً عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یہ پہلی دلیل ہے وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یہ دوسری دلیل ہے چونکہ دو امر ہیں تو دلیلیں بھی دو ذکر کی ہیں مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ مراد یہ ہے کہ توحید کے اعمال ظاہر کرنا میری ذمہ داریوں میں سے ہیں جیسا کہ سورۃ انعام آیت 163 میں گزرا ہے بَلْدَةِ کی تخصیص اسلئے کی گئی کہ ان سب کی نظروں میں معظم اور محبوب ہے تو ظاہر ہے اس کا رب بھی ان کی نظروں میں محبوب ہو گا نیز بعض روایتوں کی بنا پر سرزمین حرم سے وہ دَآبَّةُ الْاَرْضِ نکل آئے گا اسلئے اس کا ذکر خاص کیا ہے۔ فائدہ۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس سورۃ میں خصوصی خطابات ان آیتوں 6، 62,59، 64، 69،، 73، 74، 78، 79، 80، 81 میں کیے گئے ہیں تو اس آیت کی ابتداء میں قُلْ مقدر ہے اور مذکورہ خطابات کے ساتھ متعلق ہے اور یہ اٹھارہواں خطاب ہے۔

تفسیر 92 اس آیت میں بھی دلیل وحی کا ذکر ہے اور یہ اُمِرْتُ کے تحت ہے تو یہ انیسواں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہوا ہے جس میں قُلْ مقدر ہے فَقُلْ یہ بیسواں خطاب ہے اور تلاوت سے مراد قرآن کی دعوت ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ عقیدہ توحید کی وضاحت قرآن کے بیان سے ہوتی ہے وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اس کی اصل جزا مقدر ہے یعنی فَقُلْ عَلَيْهَا نبی کریم

ﷺ کی براءت کے لئے ہے یعنی گمراہوں کی گمراہی کا وبال آپ پر نہیں ہے۔

تفسیر 93: اس میں توحید کا دعویٰ ہے اس کو بطور تشریح سابقہ انبیاء علیہم السلام کے احوال پر آیت 59 میں ذکر کیا تھا تو اب یہ آخرت کے احوال اور دلائل تفریع پر تشریح ہے لہٰذا یہ اکیسواں خطاب نبی کو ہوا ہے اٰیٰتِہٖ دنیاوی عذاب کا نمونہ ہے جو سابقہ مختلف جھٹلانے والی قوموں پر آچکا ہے وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ یہ بھی تائید ہے یا اس سے مزید توحید کے دلائل مراد ہیں اور یہ بائیسواں خطاب نبی کریم ﷺ سے کیا ہے۔

سورۃ نمل کی خصوصیات:

۱۔ فرعون اور اس کے پیروکاروں کا انکار جبکہ دل میں موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت پر یقین۔

۲۔ سلیمانؑ کے واقعے اور اس میں کثیر مسائل کا ذکر ہے۔

۳۔ قوم صالح علیہ السلام کے (9) مفسدین کا تذکرہ اور انکی حیلہ بازی۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کیلئے صفات الوھیت کا اثبات اور غیر اللہ سے نفی۔

۵۔ دابۃ الأرض کا نکل آنا۔

۶۔ علم غیب کی نفی عموماً اور تصریحاً۔

۷۔ قیامت کی فزع کا تذکرہ؟

۸۔ مردوں کے سننے کی نفی یعنی سماع موتی کی نفی۔

الحمدللہ سورۃ نمل کی تفسیر مکمل ہوئی!

آیاتھا ۸۸ ۲۸ سورۃ القصص مکیۃ ۴۹ رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

ربط: سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط کئی وجوہات سے ہیں (۱) سابقہ سورۃ میں توحید کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ثابت کیا گیا تو اب اس سورۃ میں نبی کریم ﷺ اور ایمان والوں کو تسلی اور شجاعت پہ ابھارا گیا ہے کہ اس مسئلہ کو پہنچادو اور ایمان والوں کو خوشخبری دی گئی ہے (۲) سورۃ شعراء اور سورۃ نمل میں موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ شروع سے ذکر نہیں ہے تو اس سورۃ میں ان کی پیدائش سے واقعہ بیان کیا گیا ہے (۳) اس سورۃ کے آخر میں سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ تھا تو اس سورۃ میں اس کا اظہار فرعونیوں کی ہلاکت سے کیا ہے۔

سورۃ کا بنیادی اور مرکزی مضمون: اس سورت کا مضمون دعوت توحید میں آنے والی مصیبتوں کو سہنے کے بعد اہل حق کی کامیابی اور کامرانی کے لئے تسلی ہے اس کے لئے بطور نمونہ ومثال بنی اسرائیل پر نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور دشمنان دین وتوحید یعنی فرعون ہامان، قارون کو ہلاک کر ڈالا ہے نیز سورۃ میں اثبات توحید دلائل عقلیہ سے کیا گیا ہے شرک فی الدعاء فی التصرف، فی العلم ان تینوں قسموں کا رد کیا ہے۔

خلاصہ سورۃ: یہ سورۃ تین بابوں میں تقسیم ہے پہلا باب آیت 44 تک ہے اس باب میں پہلے قرآن مجید کی طرف ترغیب ہے پھر سورۃ کا مضمون ذکر کیا گیا ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو اجمالی طور پر ذکر کیا ہے اور اس ضمن میں بنی اسرائیل پر کی گئی پانچ نعمتوں کا تذکرہ ہے جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے اور فرعونیوں پر عذاب کا تذکرہ جب انہوں نے مظالم بنی اسرائیل پر ڈھا رکھے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پانچ حصوں میں تقسیم کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾

یہ حروف: مقطعات میں سے ہیں" [1]۔ "یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو حق وباطل کو واضح کرنے والی ہے" [2]۔

تفسیر 1: یہ مقطعات میں سے ہے جو اعجاز قرآن پر تنبیہ کے لئے ہے۔

تفسیر 2: اس آیت میں قرآن کی طرف ترغیب ہے الْمُبِيْنِ میں اشارہ ہے کہ اس سورۃ میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل

سے بیان ہوا ہے۔

نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

"ہم ایمان والوں کے فائدے کے لئے تمہیں موسیٰ علیہ السلام وفرعون کے کچھ واقعات واضح طور پر بیان کرتے ہیں"[3]۔

تفسیر3: اس آیت میں سورۃ کا دعویٰ اور مضمون ذکر ہے جو کہ نبی کریم ﷺ اور ایمان والوں کے لئے تسلی ہے یعنی فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ایمان والوں کے لئے فائدے، خوشخبری اور تسلی ہے کہ تکبر بڑائی کثرت مال وجان ان کو عذاب سے نہیں بچا سکا اور حق پرستوں پر مصیبتیں آتی ہیں لیکن کامیابی ان ہی کو ملتی ہے۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

"یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی اور اس نے وہاں کے باشندوں کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کیا تھا جن میں سے ایک گروہ کو اتنا دبا کر رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا یقیناً وہ فساد کرنے والوں میں تھا"[4]۔

تفسیر4: اس آیت میں فرعون کے چھ جرائم کا ذکر ہے۔ عَلَا فِي الْاَرْضِ الوہیت و ربوبیت کا دعویٰ اور تکبر مراد ہے شِيَعًا ایسے گروہ جو آپس میں تعصب ضد رکھتے ہوں اور بعضوں کو اقتدار میں حصہ دار بنایا اور بعضوں کو خدمت گار ملازم بنایا يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ اس طرح سورۃ بقرہ آیت 49 اور سورۃ اعراف آیت 127 میں گزرا ہے الْمُفْسِدِيْنَ یعنی توحید اور اتباع رسول سے لوگوں کو منع کرتا تھا اور کفر اور شرک کا پرچار کرتا تھا۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

"اور ہم نے چاہا کہ زمین میں جن کو دبا کر رکھا ہے ان پر احسان کریں ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں کو (ملک کا) وارث بنائیں"[5]۔

تفسیر5: یہ بنی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہے ان میں سے اس آیت میں تین انعامات ذکر ہوئے ہیں اور ان کو انقلابی

انعامات کہا گیا ہے پہلا انعام ان کے ضعف کمزوری کو قوت میں تبدیل کردیں اور اس میں ان انعامات کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ بقرہ میں ذکر ہو چکے ہیں دوسرا انعام: وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً اس سے مراد دین کی طرف دعوت دینے والے ہیں جیسا کہ سورۃ الم سجدہ آیت 24 میں ذکر ہوا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ دین میں مقتدا بنائے جانا عظیم انعام الٰہی ہے تیسرا انعام: نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ اس کی تفصیل سورۃ اعراف آیت 137 میں گزری ہے۔

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

"اور انہیں زمین میں اقتدار عطاء کریں اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکر کو وہی کچھ دکھائیں جس سے بچنے کے لئے وہ تدبیریں کر رہے تھے" [6]۔

التفسیر 6: اس آیت میں دو انعام مذکور ہیں پہلا انعام یہ ہے کہ مصر کی وراثت کے علاوہ ان کو دیگر ممالک میں تسلط اور قدرت دی جیسا کہ شام میں بھی ان کی سلطنت قائم ہوئی دوسرا انعام وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ یعنی فرعون کی ہلاکت وغیرہ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ یعنی فرعون کی بادشاہت کا زوال مراد ہے جس کا سبب ایک لڑکا بنا جس کا علم انہیں بنی اسرائیل سے یا ایک خواب کے ذریعے ہوا تھا، اور فرعون نے اس خوف سے بنی اسرائیل کے کئی بچوں کو ذبح کیا تھا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

"اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا تھا کہ تم اس کو دودھ پلاتی رہو پھر جب تمہیں اس کے بارے میں خطرہ محسوس ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں اور نہ ہی صدمہ کرنا یقیناً ہم تمہارے پاس اس کو پہنچا کر رہیں گے اور اس کو پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر بنائیں گے" [7]۔

ربط: یہاں سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے کے تفصیل ہے اور یہاں سے پہلا مقام آیت نمبر 14 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر مصیبت کا ذکر اور ساتھ ساتھ بشارتیں اور کرامتیں ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے گھر تک پہنچنے اور پھر واپس اپنی والدہ کی گود میں آنے اور موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا تذکرہ ہے۔

تفسیر 7: اس آیت میں دو (اوامر) یعنی حکم دو نواہی یعنی منع اور دو خوشخبریاں ذکر ہوئیں اور وحی سے الہام مراد ہے غائبانہ طریقے یا ملک کے واسطے سے اور اس کو کرامت کہتے ہیں اس میں مصیبت اور بشارت دونوں ذکر ہیں۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝

''پس اٹھالیا اس (موسیٰ علیہ السلام) کو آل فرعون نے تا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور غم کا ذریعہ بن جائے یقیناً فرعون ہامان اوران کے لشکر بڑے خطا کار تھے'' [8]۔

تفسیر 8: اس میں اشارہ ہے کہ بعض اوقات کوئی عمل انسان کے لئے ضرر کا سبب بن جاتا ہے لِيَكُوْنَ اس کو لام عاقبت کہتے ہیں خٰطِـِٕيْنَ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی تربیت کرنے میں غلطی کر گئے یا مشرک اور گناہ گار تھے اس آیت میں ظاہری مصیبت کا ذکر ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے گھر چلا جانا والدہ کے لئے ظاہراً غم کا سبب تھا۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

''اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تمھاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو بعید نہیں کہ یہ بعض فائدے دے یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں اور انہیں انجام کا پتا نہیں تھا'' [9]۔

تفسیر 9: یہ موسیٰ علیہ السلام کو مصیبت سے نجات کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام ہے فرعون کی بیوی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کی اس عورت نے فائدہ کی امید رکھی تھی تو اسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے فائدہ عظیم پہنچایا اور وہ یہ کہ اسے ہدایت عطاء ہوئی۔ اس عورت کا تذکرہ سورۃ تحریم آیت 11 میں ہے اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا اس سے معلوم ہوا کہ اس عورت کی اولاد نہیں تھی اور یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ فرعون میں مردانگی نہیں تھی اسلئے اس مشورے پر وہ خاموش رہ گیا قُرَّتُ عَيْنٍ مراد وہ اولاد ہے جس کے نیک اعمال پر والدین خوش ہوتے ہیں جیسا کہ سورۃ فرقان آیت 74 میں ہے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اس میں فرعون کا واضح رد ہے کہ اس کو اس وقت یہ علم نہیں تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہے یا پھر یہ فرعون کی بیوی کا کلام ہے کہ اس موسیٰ علیہ السلام کو ہم اپنا بیٹا بنا لیں گے اور لوگوں کو یہ پتا نہیں ہوگا کہ یہ ہمارا بیٹا نہیں ہے۔

وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾

"موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار تھا قریب تھا کہ وہ یہ سارا راز کھول دیتی اگر ہم نے اس کے دل کو سنبھالا نہ ہوتا تاکہ وہ ایمان والوں میں سے ہو جائے" [10]۔

تفسیر 10: اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے والدہ پر آنے والی مصیبت کا اور پھر اس پر کیئے گئے انعام کا ذکر ہے جو بطور کرامت ہے اس لئے کہ ایسے موقعہ پر دلوں کا اطمینان نعمت و کرامت الٰہی سے ہوتا ہے اس طرح ربط القلب اصحاب کہف پر گزرا تھا سورۃ کہف آیت 14 مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مراد وہ لوگ ہیں جو مصیبت کے وقت بھی ایمان پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین اور بھروسہ رہے۔

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾

"اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ اس بچے کا کچھ سراغ لگاؤ چنانچہ اس نے دور سے اس بچے کو اس طرح دیکھا کہ ان لوگوں کو پتا نہیں چلا" [11]۔

تفسیر 11: موسیٰ علیہ السلام کے والدہ کو معلوم ہوا کہ میرا بچہ فرعون کے گھر چلا گیا لیکن دل ان کا مضبوط تھا، البتہ مزید حال معلوم کرنے کے لئے اس کی بہن کو روانہ کیا وہ بھی انتہائی ہوشیار و دانش مند تھی کہ قریب نہیں آئی ہے تاکہ ان کو شک نہ ہو کہ یہ لڑکے کی بہن ہے اسلئے دور سے دیکھ رہی تھی وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ان کو شعور نہیں کہ یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہے اور اس کا حال معلوم کرنے آئی ہے۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾

"اور موسیٰ علیہ السلام پر ہم نے پہلے سے عورتوں کے دودھ کی بندش لگائی تھی (کہ وہ دودھ پلانے والیاں اس کو دودھ نہ پلا سکیں) تو اس کی بہن کہنے لگی کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کی خبر نہ دوں جس کے لوگ تمہارے اس بچے کی پرورش کریں اور اس کے خیر خواہ بھی رہیں" [12]۔

تفسیر 12: اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو والدہ کی طرف واپس کرنے کے لئے حسن تدبیر ہے وَحَرَّمْنَا: یہ لغوی تحریم ہے بندش کے معنیٰ میں ہے کیونکہ ایسی کم سنی میں تحریم شرعی ممکن ہی نہیں ہے وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ یہ بھی قول ہے کہ فرعونیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس بچے کے ماں کو پہچانتی ہیں تو اس نے جواب

میں کہا کہ لَہٗ ضمیر اہل بیت کی طرف راجع نہیں ہے جسکی دلیل لَکُمْ میں موجود ہے بلکہ فرعون کی طرف راجع ہے تو وہ خاموش رہ گئے۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۳

"اس طرح ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا تا کہ ان کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غمگین نہ ہوں اور تا کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی ہے" [13]۔

تفسیر 13: اس میں اس نعمت کا ذکر ہے جو مصیبت کے وقت صبر و استقامت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے دی ہے اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ اس سے وہ وعدہ مراد ہے جو آیت 7 میں گزر چکا ہے لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی صبر کے انجام کو نہیں جانتے ہیں جس کی وجہ سے صبر نہیں کر سکتے اور نعمت کا انتظار نہیں کر سکتے ہیں جو صبر کے بعد ملنے والی ہے۔

فائدہ: مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے والدہ کے لئے ایک دینار اشرفی روزانہ کے حساب سے مقرر کر لیا جو اس کے لئے مال (فیٔ) کی صورت میں جائز مال تھا۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۱۴

"اور جب موسیٰ علیہ السلام پوری جوانی کو پہنچے اور پوری جوان ہو گئے تو ہم نے ان کو حق اور باطل کے درمیان امتیاز کرنے اور علم سے نوازا اور نیک لوگوں کو ہم اس طرح بدلہ دیتے ہیں" [14]۔

خلاصہ: یہاں سے دوسرا مقام آیت نمبر 22 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی جوانی میں آنے والی مصیبتوں اور حالات کا ذکر ہے یعنی قبطی کا غلطی سے قتل اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع عاجزی کرنا جو بطور عبادت تھا اور فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اتفاق اور موسیٰ علیہ السلام کی مدین کی طرف ہجرت ذکر ہوئی ہے۔

تفسیر 14: اس آیت میں نبوت سے قبل اللہ تعالیٰ کے احکام کا موسیٰ علیہ السلام پر تذکرہ ہے اَشُدَّهٗ اس کو صیغہ جمع کے ساتھ اسلئے ذکر کیا کہ جوانی میں ساری بدنی قوتیں پختہ مضبوط ہوتی ہیں حُكْمًا دنیاوی احکام میں سمجھ عِلْمًا اخروی احکام کا علم كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اس میں تشبیہ موسیٰ علیہ السلام کے والدہ کی اعمال سے دی گئی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حکم الٰہی پر عمل کیا مصیبتوں پر صبر کرتی رہی تو اس کو اللہ تعالیٰ نے خوشی دنیا میں بھی دی اور آخرت میں بھی یقینی ہے اور اسی طرح ہر محسن کے لئے بدلہ ہے یا تشبیہ موسیٰ علیہ السلام سے دی گئی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقے

سے بچپن میں بچالیا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ دین کے علم اور سمجھداری سے نوازتا ہے اور اس پر دین کی ذمہ داریاں ڈال دیتا ہے تو ان میں خاتم النبیین کے حال کی طرف اشارہ ہے۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

"اور وہ شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب اسکے باشندے غفلت میں تھے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی لڑ رہے ہیں ایک تو ان کی اپنی برادری کا تھا اور دوسرا اس کی دشمن قوم کا تھا جو ان کی اپنی برادری کا تھا اس نے انہیں مدد کے لئے دشمن قوم کے مقابلے کے لئے پکارا اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ایک مکا مارا جس نے اس کا کام تمام کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ شیطان کے اعمال میں سے ایک عمل ہے یقیناً وہ کھلا دشمن ہے جو غلط راستہ کی رہنمائی کرتا ہے" [15]۔

تفسیر 15 چونکہ موسیٰ علیہ السلام دین فرعون سے متنفر تھے جس کی وجہ سے اس سے الگ رہا کرتے تھے اور اس سے تعلق نہیں رکھتے تھے اتفاقاً کسی ضرورت کے تحت ظہر سے کچھ ہی قبل شدت گرمی میں بازار میں داخل ہوئے جب کہ اس وقت اکثر لوگ غفلت کی نیند سوتے یا ویسے گھروں میں ہوتے ہیں بازار میں سناٹا ہوتا ہے اور لفظ حِیْنِ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسا جان کر کیا تھا فَاسْتَغَاثَهُ کہا گیا ہے کہ قبطی فرعونی اس اسرائیلی شخص سے لکڑیوں کا گٹھا فرعون کے استعمال کے لئے لے جانا چاہتا تھا جبکہ وہ اس کے اٹھانے سے قاصر تھا فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى تمام ادیان میں مظلوم کی مدد لازم ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم کی مدد کرتے ہوئے اس قبطی ظالم کو ایک مکے سے سینہ پر مارا جس سے وہ قبطی جان بحق ہو گیا جبکہ اس کا ارادہ قتل کا نہیں تھا البتہ وہ اس اسرائیلی کو آسانی سے چھوڑ نہیں رہا تھا جسکی وجہ سے اسکو مکا مارنا پڑا فَقَضٰى عَلَيْهِ یہ عرف میں موت سے کنایہ اشارہ ہے یعنی اس کا کام پورا کر لیا یا ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس پر موت کا فیصلہ کیا هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ بعض علماء نے اس سے دلیل لی ہے کہ یہ عمل گناہ تھا اسلئے کہ اس کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ اعتراض جواب شیطان کی طرف نسبت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ گناہ ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے فرمایا کہ شیطان نے مجھ سے مچھلی بھلوا دی سورۃ کہف آیت 63 تو مراد یہ ہے کہ جس کام پر شیطان خوش ہوتا ہے تو اس وجہ سے اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ تشریح هٰذَا اشارہ اس مقتول کی طرف ہے اور عمل لشکر کو کہتے ہیں یعنی وہ

اس کے لشکر میں سے تھا۔ تیسرا جواب: اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت نہیں تھی کیونکہ مارنے کے بغیر بھی اسکوالگ کیا جاسکتا تھا لہذا یہ خلاف اولیٰ عمل صادر ہوگیا تو موسیٰ علیہ السلام نے خوف الہیٰ کی وجہ سے گناہ تصور کرتے ہوئے اس کی نسبت شیطان کی طرف کی اور یہ کامل ایمان والوں کی علامت ہوتی ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ⑯

"کہنے لگے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے تو مجھے معاف فرمادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کیا یقیناً وہی ہے جو بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے" [16]۔

تفسیر 16: نادم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع کرتے رہے جو اظہار بندگی ہے بعض علماء نے اس سے موسیٰ علیہ السلام کے گناہ کے ارتکاب پر استدلال کیا ہے ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي۔

جواب: قاعدہ یہ ہے کہ حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ یعنی عام صالحین کی نیکیاں اعلیٰ مرتبہ (مقرب) لوگوں کے لئے گناہ تصور ہوتے ہیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ظلم سے تعبیر کیا ہے اور مغفرت کی دعا مانگی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ دعا سکھائی تھی اللّٰهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِي مَغْفِرَةً الخ (صحیح بخاری کتاب الاذان حدیث 834: صحیح مسلم کتاب الصلوۃ حدیث 2075:48: ترمذی حدیث 3531:) لہذا ظلم کا لفظ گناہ پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ اس قسم کے الفاظ بطور عبادت استعمال ہوتی ہیں فَغَفَرَ لَهُ یا الہام کے ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا گیا جو نبیوں کو قبل از نبوت اس طرح الہامات ہوتے ہیں لہذا اس الہام کے ذریعے سے اس کو درگزر کا علم ہوا ہے، اگر قتل سے گناہ مراد ہو تو پھر دیت قصاص یا ورثہ کی طرف سے معافی ضروری ہے اس کے بغیر مغفرت نہیں ہوگی۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ⑰

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے رب تُو نے مجھ پر انعام کیا ہے تو آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا" [17]۔

تفسیر 17: اس آیت میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے اور آئندہ زمانہ میں وعدہ ہے پھر اس میں دو توجیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ یہ اسرائیلی ایک اعتبار سے مجرم تھا میں نے اس کی مدد کی لہذا میں اس قسم کے مجرموں کی مدد نہیں کرونگا دوسری توجیہ یہ ہے کہ اب تو مظلوم کی مدد میں مجھ سے قتل (خطاء) ہوگیا ہے جس پر تو نے میری مغفرت کی لیکن

آئندہ میں اس طرح کسی مجرم کی مدد نہیں کرونگا بلکہ مظلومین کی مدد کرتا رہوں گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دعا اور مغفرت کا انعام ہے اور دیگر نعمتوں کو وسیلہ بنایا کہ مجھے ان اعمال کے وسیلہ سے آئندہ مجرموں کی مدد سے بچائے رکھنا۔ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ظالم کے ساتھ مدد حلال نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے کاتب (منشی) بننا جائز ہے اور نہ ہی اس کا معاون اور ساتھی بنے اس کی تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی دیکھئے۔

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ⑱

"پھر وہ صبح کے وقت ڈرتے ہوئے شہر کا جائزہ لیتے رہے اتنے میں دیکھا کہ جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی وہ پھر انہیں مدد کے لئے پکار رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ معلوم ہوا کہ تم کھلم کھلا شریر آدمی ہو" [18]۔

تفسیر 18: اس طرح خوف صالحین پر آنا کوئی بعید نہیں ہے يَتَرَقَّبُ یعنی انتظار کر رہے تھے کہ میں ابھی دربار فرعون میں طلب کیا جاؤنگا یا معنی یہ ہے کہ حالات معلوم کر رہے تھے يَسْتَصْرِخُهٗ اس لفظ میں اشارہ ہے کہ اس شخص کی فریاد کل والے شخص سے زیادہ تھا اسلئے کہ اس شخص نے صرف فریاد کی تھی جبکہ اس شخص نے چیخ کر باآواز بلند مدد مانگی قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اس میں بہتر بات یہ ہے کہ لَهٗ کی ضمیر اس اسرائیلی کی طرف راجع ہے لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ یعنی کمزور ہونے کے باوجود قوی لوگوں کے ساتھ لڑتا رہتا ہے اور ان کی بات نہیں مانتا یا مطلب یہ ہے کہ تمھاری وجہ سے کل میرے ہاتھ سے بندہ قتل ہوا ہے دوسری توجیہہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ قبطی ظالم ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ⑲

"پھر جب اس نے اس شخص کو پکڑنے کا ارادہ کیا جو ان دونوں کا دشمن تھا تو اس (اسرائیلی) نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تم مجھے بھی اس طرح قتل کرنا چاہتے ہو جیسے تم نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا؟ تمہارا مقصد صرف یہی ہے کہ اپنے جبر کو قائم کرو اور تم مصلح بننا نہیں چاہتے ہو" [19]۔

تفسیر 19: اس میں دو احتمال ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا اس سے مراد اسرائیلی ہے کل کے قبطی

کا دشمن تھا اور آج کے قبطی کا بھی لیکن اس اسرائیلی نے ڈر کے مارے یہ سوچا کہ آج کہیں مجھے قتل نہ کردیں لہٰذا کل والے قتل کا راز بھی کھول دیا۔ کَمَا قَتَلْتَ اس کی جانب سے قتل کا قول یقین سے ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے قبطی مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا اور اسرائیلی کا بھی دشمن تھا اور اس نے گمان کیا کہ کل والا آدمی بھی تم نے ہی قتل کیا ہوگا موسیٰ علیہ السلام نے آج احتیاط سے کام لیا مارنے وَکْزٌ کی جگہ اَنْ یَّبْطِشَ۔ بَطْشٌ پکڑنے کو ترجیح دی کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ مومن ایک سوراخ بل سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا ہے لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَیْنِ صحیح بخاری کتاب الادب حدیث 6133: صحیح مسلم فی الزھد والرقاق حدیث 2998: جَبَّارًا اس شخص کو جبار کہتے ہیں جو اپنے اوپر کسی کا قانون نہیں مانتا ہے مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ کثرت مبالغہ کے لئے پہلے صفت ثبوتی ذکر کی ہے اور دوم صفت سلبی ذکر کی ہے۔

وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ۡ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝

"اور شہر کے دور دراز سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اس نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تمہارے بارے میں سرداران فرعون مشورہ کر رہے ہیں کہ تمہیں قتل کر ڈالیں اسلئے تم یہاں سے نکل جاؤ یقینا میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں" [20]۔

تفسیر 20 جب اس قبطی کو یقین ہوگیا کہ قتل کا ذمہ دار موسیٰ علیہ السلام ہے تو اس نے فرعون کو خبر پہنچادی تب اس کے ارکان شوریٰ نے اس کے متعلق قتل کا حتمی فیصلہ دیدیا اور یہ بات عام ہوگئی تو رجل مومن جس کا نام شمعون یا حزقیل یا شمعان تھا اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جلدی جلدی خبر پہنچادی اور اس کو خیر کے مشورے سے نوازا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ اس کے مال جان کی حفاظت کرے اور اس کو نصیحت کہتے ہیں سورۃ یٰسٓ آیت 20 میں بھی ہے اور فرق وہاں بیان ہوگا۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآىِٕفًا یَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ ع

"لہٰذا موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ہوئے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے شہر سے باہر نکل گئے کہنے لگے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا" [21]۔

تفسیر ایک عادل شخص کی خبر (اطلاع) دینے پر عمل جائز ہے خصوصا جب اس کے ساتھ سچائی کے قرینے بھی موجود ہوں پھر تو اس پر عمل لازم ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو اس خبر کے پھیل جانے کی اطلاع مل گئی جوان کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا

تو اب پختہ یقین ہوگیا کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں گے اسلئے اس خبر پر عمل شروع کیا اور خوف زدہ اس لئے تھے کہ یہ خبر صادق تھی عمل شروع کرنے اور سفر پر نکلتے وقت بھی دعا پڑھنی چاہئے اسلئے انہوں نے فرمایا رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یہ ہجرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی حفاظت کے لئے ظالم قوم سے کی ہے اور یہ بھی سنت انبیاء ہے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

"اور انہوں نے مدین کی طرف رخ کیا تو فرمایا کہ مجھے پوری امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھے راستے پر ڈال دے گا"[22]۔

اس آیت سے تیسرا مقام آیت 29 تک ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام پر آنے والے مشکلات سفر کا ذکر ہیں کہ راستہ کا خرچ زاد راہ اس کے پاس نہیں تھا اور بھوکا پریشان ہونے کے باوجود ناتواں اور کمزوری کی معاونت کرنا، پھر مزدور بن کر مدین میں رہائش پزیر ہونا پھر اس نعمت کا تذکرہ کہ ایک شخص کی بیٹی سے رشتہ استوار ہونا اور حلال رزق کا ذریعہ حاصل ہوجانا ان سب باتوں کا ذکر ان آیاتوں میں ہے۔

اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی ابتداء کا ذکر ہے جس میں زاد راہ بھی ساتھ نہیں تھا، نیز مسافت بھی بہت تھی راستہ بھی معلوم نہیں تھا، آٹھ دن کے اس سفر میں صرف توکل علی اللہ پر روانہ ہوئے تھے اور یہ توکل کا اعلیٰ درجہ ہے موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ مدین فرعون کے تسلط میں نہیں ہے دوسری بات یہ کہ اہل مدین ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور ان کے نام پر یہ شہر آباد ہوا تھا اولاد ابراہیم علیہ السلام اس میں آباد تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے نبی کی نسبت اور نسب کا نبوی تعلق ان اشتراک کی وجہ سے مدین کی طرف ہجرت کی اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سابقہ آیت میں نجات کے لئے دعا تھی اور اس آیت میں مقصد کے حصول کا ذکر ہے اور عَسٰى اسلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر مضبوط یقین ہے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۖ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۖ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

"اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ اس پر ایسے لوگوں کا ایک مجمع ہے جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دیکھا کہ دو عورتیں ان سے اپنے جانوروں کو پینے سے روک کھڑی ہیں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تم کیا چاہتی ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ ہم اپنے جانوروں کو اس وقت پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سارے چرواہے پانی پلا کر نکل نہیں جاتے اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں" [23]۔

تفسیر 23: وَرَدَ یہ وصول کے معنی میں آتا ہے اور کبھی دخول کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں پہلا معنی مراد ہے مَآءَ مَدْيَنَ مدین شہر سے باہر پانی کا کنواں واقع تھا جس سے پانی نکالنے والے ڈول کو دس افراد کھینچا کرتے تھے جب جانوروں کے لئے پانی نکالتے۔ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ موسیٰ علیہ السلام یہ منظر دیکھ کر حیران ہوئے کہ مرد حضرات جانوروں کو پانی پلا کر واپس جا رہے ہیں اور خواتین تکلیف کے ساتھ اپنے جانوروں کو روکے ہوئی ہیں جو کہ پیاسے ہونے کی وجہ سے پانی کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں ان لوگوں کا یہ حال بے غیرتی اور اہل حق سے عداوت پر دلیل ہے اور یہ ان خواتین کے ساتھ زیادتی اور بے انصافی تھی اسلئے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا مَا خَطْبُكُمَا اس لفظ سے سوال کرنا بہت اہم یا بہت بڑے کام کے بارے میں پوچھا جاتا ہے اس میں ان کا مقصد یہ تھا کہ ان خواتین کی مدد کروں ان کی طرف سے جو جواب ملا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں پانی نہیں پلانے دیتے البتہ ان سے جو پانی بچ جائے تو اس سے ہم اپنے جانوروں کو سیراب کرتے ہیں اور قوم کی دینی مخالفت کی وجہ سے ہمارے ساتھ مزدوری بھی کوئی نہیں کرتا اور امداد بھی نہیں کرتا جبکہ ہمارے والد ضعیف العمر ہیں تو مجبوراً ان جانوروں کو ہم صحرا میں لے کر آتے ہیں۔ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ اس جملہ سے اعتراض کا جواب دیا گیا کہ کہیں کوئی کہہ دے کہ نبی اپنی بیٹیوں سے صحراء میں جانوروں کو کیوں چراتے ہیں۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

"اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان کے جانوروں کو پانی پلادیا پھر مڑ کر ایک سائے کی جگہ چلے گئے اور کہنے لگے کہ میرے رب جوکوئی طعام میرے لئے بھیجتا ہے میں اسکا محتاج ہوں" [24]۔

تفسیر 24: چونکہ مظلومین کے ساتھ تعاون کرنا موسیٰ علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی تو اس موقعہ پر انہوں نے اس کا اظہار فرمایا مفسرین کی روایت کے موافق اس ڈول کے ذریعہ سے تن تنہا موسیٰ علیہ السلام نے پانی کنوئیں سے نکالا جس کو دس افراد مل کر کھینچتے تھے لہٰذا ان کے جانوروں کو سیراب کر کے رخصت کیا اور اپنی بھوک کا اظہار ان سے نہیں کیا کیونکہ کامل ایمان والے اپنی دنیاوی ظاہری ضرورتوں کی اظہار بھی مخلوق سے نہیں کرتے ہیں فَقِيْرٌ۔ یعنی میں رزق کے لئے محتاج ہوں اسلئے کہ بھوکا ہوں اور یہ بھی دعا میں تعریض ہے کہ صراحتاً سوال نہیں کیا اور یہ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں آداب ہیں۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

"تھوڑی دیر کے بعد ان دونوں عورتوں میں ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی آئی کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ کو اس کی مزدوری عطا کردیں کہ آپ نے ہماری خاطر جانوروں کو پانی پلادیا چنانچہ جب وہ عورتوں کے والد کے پاس پہنچے اور اس کو ساری سرگزشت سنائی تو انہوں نے کہا غم نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو" [25]۔

تفسیر 25: جب شعیب علیہ السلام کی دونوں بیٹیاں معمول سے پہلے آج گھر میں جانوروں کو لیکر آ پہنچیں تو والد نے سبب دریافت کیا جس پر بیٹیوں نے تفصیلی واقعہ سنایا تو شعیب علیہ السلام نے جو ان لڑکیوں کے والد تھے فراست سے یہ بات جان لی کہ یہ کوئی صالح شخص ہے جو مدین کا رہنے والا نہیں ہے اور کمزور لوگوں کا معاون ہے لہٰذا اپنی ایک بیٹی کو اسے دعوت دینے کے لئے بھیجا۔ اِحْدٰىهُمَا چونکہ جانور زیادہ تھے اور بستی سے دور لے جانا پڑتا تھا اسلئے دونوں بیٹیوں کو جانا پڑتا تھا اور جب موسیٰ علیہ السلام کو صرف دعوت دینا مقصود تھا تو اسلئے اس آسان کام کے لئے صرف ایک بیٹی کو بھیجا معلوم ہوا کہ صالحین انتہائی ضرورت کے تحت عورتوں کو باہر بھیجتے ہیں بلا ضرورت شرعی گھر سے باہر عورتوں کو نہیں بھیجتے ہیں عَلَى اسْتِحْيَآءٍ یعنی اپنے بدن کو لباس میں محفوظ رکھا تھا اور رفتار میں ناز ونخرے نہیں کرتی تھی جس طرح بے حیاء عورتیں کرتی ہیں

لفظ عَلٰی برائے تمکن ہے یعنی حیاء پر مضبوط تھی لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا یہ جملہ دعوت قبول کرنے کی تاکید کے لئے ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس ارادے سے دعوت قبول نہیں کی ہے کہ پانی پلانے کی اجرت حاصل کرے اسلئے کہ امام قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کھانا پیش کیا گیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم ایسے گھرانے والے لوگ ہیں کہ آخرت کے عمل پر اجرت نہیں لیتے ہیں یہاں تک کہ اگر ہمیں کوئی زمین بھر سونا بھی دے تب بھی ہم اسے رد کرتے ہیں شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تیرے پانی پلانے کی اجرت نہیں ہے بلکہ ہم مہمان نوازی کرنے والے لوگ ہیں تب موسیٰ علیہ السلام نے کھانا تناول فرمایا۔ الظّٰلِمِيْنَ اس سے فرعون کے لوگ مراد ہیں کیونکہ مدین میں ان کی حکمرانی نہیں تھی۔

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ ﴿٢٦﴾

"ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے کہا ابا جان آپ اسکو اجرت پر کام دے دیجئے آپ کسی سے اجرت پر کام لیں تو اس کے لئے بہتر شخص وہ ہے جو طاقت ور بھی ہے اور امانت دار بھی" [26]۔

تفسیر 26: یہ دلیل ہے کہ انہوں نے اب تک کوئی مناسب مزدور نہیں پایا تھا اور یہ بھی دلیل ہے کہ عقد اجارہ تمام ادیان میں جائز عمل رہا ہے الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ اشارہ ہے کہ مزدور میں دو صفات ضروری ہیں (1) اس کی طاقت رکھتا ہو (۲) امانت داری، ان عورتوں نے یہ دونوں صفات موسیٰ علیہ السلام میں دیکھی تھیں قوت کا مظاہرہ انہوں نے کنویں سے پانی نکالتے وقت کیا تھا کہ دس افراد جو ڈول پانی کا بھر کر کنویں سے نکالتے وہ اس نے اکیلے نکالا امانت داری یہ ہے کہ اس نے دعوت دینے والی عورت سے فرمایا کہ میرے پیچھے پیچھے آتی رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ چلنے کی رفتار تمہارا جامہ پنڈلی سے اوپر ہو جائے اور میری نظر اس پر پڑ جائے۔

قَالَ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٢٧﴾

"ان کے والد نے کہا میں چاہتا ہوں کے ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دوں بشرطیکہ آٹھ سال تک اجرت پر میرے پاس کام کرو پھر اگر تم دس سال پورے کر دو تو یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہوگا اور میرا کوئی ارادہ نہیں ہے کہ تم پر مشقت ڈال دوں اور ان شاء اللہ تم مجھے ان لوگوں میں سے پاؤ گے جو اچھائی کا معاملہ کرتے ہیں" [27]۔

تفسیر 27: اس آیت میں دلیل ہے کہ صالحین اپنی بیٹیوں کے رشتے خود پیش کرتے ہیں جب ان کو صالح انسان مل جائے اُرِیْدُ یہ اس لئے فرمایا کہ یہ نکاح پیش کرنے کا طریقہ یعنی عرض ہے عقد نہیں ہے کیونکہ عقد نکاح میں ایجاب وقبول میں صیغہ ماضی استعمال کرنا ضروری ہے دوسری بات یہ ہے کہ عقد میں لڑکی کا دونوں میں سے تعین لازم تھا جبکہ یہاں انہوں نے تعیین نہیں کی ہے عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ، علیٰ برائے عوض ہے یا برائے شرط ہے اگر برائے عوض ہو تو اس پر اعتراض آتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کس طرح بیٹی کے مہر کے حقدار بنے جبکہ حقدار تو منکوحہ یعنی لڑکی ہے جبکہ اس میں مزدوری والد کے ساتھ کی جاتی ہے اور یہ نکاح کا معاوضہ ہے؟

جواب اما یہ ان کے دین میں درست تھا لیکن یہ قول ثابت نہیں ہے۔ جواب ثانی: یہ مطلب اس وقت ہوسکتا ہے کہ تَاْجُرَنِیْ جب عوض دینے کے معنی میں ہو جبکہ یہ تو اجرت لینے کے معنی میں ہے دوسری توجیہہ یہ ہے کہ عَلٰی برائے شرط ہے اور یہ شرط نکاح کے ساتھ موافق اور مناسب ہے لہٰذا اس قسم کی شرط سے نکاح میں کوئی نقصان وفساد نہیں آتا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ میرے مزدوری کریں گے اور اس اجرت سے آپ کی بیوی کا مہر اور نفقہ پورا ہوگا تَاْجُرَنِیْ مطلب یہ ہے کہ مجھ سے اجرت کام کے بدلہ میں لینگے اجارے کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے اسلئے یہاں بھی آٹھ سال کی مدت مقرر کی ہے اور مزید دو سال موسیٰ علیہ السلام کی رضا پر موقوف تھے۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ؀ۧ　ع

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی دونوں مدتوں میں سے جو بھی مدت میں پوری کروں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور جو بات ہم کر رہے ہیں اس کا ضامن اللہ ہے" [28]۔

تفسیر 28: اس میں عقد کی قبولیت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ذکر ہے اور اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ اس میں اشارہ ہے کہ عقد آٹھ سال کا ہے اور مزید دو سال موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے رضامندی خوشی کی بنا پر ہے فَلَا عُدْوَانَ غیر لازم چیز کو لازم کرنا یعنی دونوں مدتوں میں سے کوئی بھی مدت پوری کرنے پر مزید زیادتی نہ ہوگی وَ اللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ موسیٰ علیہ السلام یا شعیب علیہ السلام کا قول ہے دونوں نے اللہ تعالیٰ کی شہادت اور وکالت پر اکتفاء کرلیا اور یہ کامل صالحین لوگوں کا مقام ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

"پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے وہ مدت پوری کرلی اور اپنی اہلیہ کو لے کر چلے تو انہوں نے کوہ طور کی طرف ایک آگ دیکھی انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا ٹھہرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لے آؤں یا تمہارے پاس کوئی انگار لیکر آؤں تا کہ تم گرمی حاصل کرسکو" [29]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 35 تک چوتھا مقام ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ملنے کا دوسرا معجزہ حاصل کرنے کا ذکر ہے اور پھر فرعونیوں کی طرف ان کی بعثت اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے اور یہ انعامات وامتحانات رب کی طرف سے ہیں۔

تفسیر 29: اَلْاَجَلَ صحیح بخاری کتاب الشھادات حدیث 2684: میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال گزارنے کے بعد چلے گئے تھے کیونکہ نبی جو کہتا ہے وہ پورا کرتا ہے وَسَارَ بِاَهْلِهٖ شوہر کو اختیار بغیر کسی گناہ کے ارادے کے بیوی کو جہاں چاہے لے جاسکتا ہے، جَذْوَةٍ آگ کے انگارے کو کہا جاتا ہے اور جب جلائی ہوئی لکڑی ہو تو اس کو قَبَس کہتے ہیں لَعَلِّیْۤ۔ سورۃ طٰہٰ اور اس سورۃ میں لَعَلَّ کے ساتھ ذکر کیا ہے یہ اسلئے کہ خبر یا چنگاری لانا لازم یقینی تھا اسلئے بطریقہ امید ذکر کیا ہے اور سورۃ نمل میں سَاٰتِیْكُمْ تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورہ نمل میں حکمتوں کا ذکر کرنا مقصود تھا اسلئے وہ تاکید کے ساتھ زیادہ مناسب تھا اور سین میں اشارہ جلدی لانے کے لئے کیا گیا ہے۔

فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

"چنانچہ جب وہ اس آگ کے پاس پہنچے تو دائیں جانب وادی کے کنارے پر جو برکت والی علاقہ میں واقع تھی درخت کی جانب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں والوں کا رب" [30]۔

تفسیر 30: الْاَیْمَنِ یہ شَاطِئِ کی صفت ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کے دائیں جانب کی طرف نسبت ہے اور دائیں جانب میں خیر وبرکت کی طرف اشارہ ہے مِنَ الشَّجَرَةِ یہ شَاطِئِ سے بدل ہے یعنی درخت کی جانب سے آواز آئی مراد یہ

نہیں ہے کہ درخت میں سے آواز آئی کہ میں اللہ ہوں یہ حلولیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں حلول کیا تھا تو اس نے آواز دی کہ میں اللہ ہوں نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ حلولیوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں بھی چاہے تو حلول کر سکتا ہے پھر وہ چیز کلام کرتی ہے پھر ہر چیز الوہیت کا دعویٰ کرتی ہے لیکن یہ عقیدہ باطل ہے اور اس عقیدہ کے کفریہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ یہ ایسا عقیدہ ہے کہ اس کے ذریعے سے مخلوق کی طرف سے عقیدہ الوہیت و ربوبیت کے لئے دروازہ کھلتا ہے اور سورۃ انبیاء آیت 29 میں ہے کہ جس نے بھی کہا میں اللہ ہوں تو اس کی سزا جہنم ہے۔ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ یہ بات قصداً یا بے اختیار زبان پر لانا ہر دو صورتوں میں کفر ہے۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کلام سنایا تو ایسے یقین ہو گیا کہ ندا دینے والی اللہ ہی کی ذات ہے یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ واضح دلیل ہے کہ جو سنا گیا تھا وہ اللہ کا کلام تھا۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓي اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝31

"اور یہ کہ اپنی لاٹھی نیچے ڈال دو پس انہوں نے دیکھا کہ وہ تیزی سے حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور مڑ کر نہیں دیکھا (کہا گیا) موسیٰ سامنے آؤ اور ڈرو مت تم امن والوں میں سے ہیں" [31]۔

تفسیر 31: اس طرح سورۃ نمل میں گزر چکا ہے یہ پہلا معجزہ ہے اس سورۃ میں نداء کو واضح ذکر کیا تو اسلئے اَقْبِلْ اضافی ذکر کیا ہے یعنی اس جگہ کے سامنے آؤ اور سورۃ نمل میں حکمتیں بیان کرنا مقصود تھی، وہاں اسلئے فرمایا لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ اس میں حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۡ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

"اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ کسی بیماری کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف دور کرنے کے لیئے اپنے بازوں کو اپنے جسم سے مضبوط ملا لو یہ دو زبردست دلیلیں ہیں جو تمہارے رب کی جانب سے فرعون اور اس کے ساتھیوں کی جانب بھیجی جا رہی ہیں وہ نافرمان تھے" [32]۔

تفسیر 32: یہ دوسرا معجزہ ہے چونکہ اس سورت میں مقصود ابتدائی حالت ذکر کرنے تھے تو اس معجزہ میں پہلی حالت مراد ہے جو کہ اُسْلُكْ میں مذکور ہے جیسا کہ سورۃ طٰہٰ آیت 22 میں گزرا ہے وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ ان کے دو معنی ہیں (۱) جب آپ پر اس روشنی سے ہیبت آجائے تو ہاتھ کو پھر گریبان میں داخل کریں تو اس کی روشنی زائل ہو جائے گی تو یہ دوسرے معجزے کے لیئے تتمہ ہو گیا (۲) جب آپ پر فرعون یا سانپ یا کسی دوسرے وجہ سے وہ رعب اور خوف طاری ہو جائے تو اپنے ہاتھ کو سینے پر کسی جگہ رکھیں تو وہ خوف ختم ہوگا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ تدبیر ہر شخص کو فائدہ دیتا ہے بُرْهَانٰنِ یہ دلیل ہے کہ معجزہ یقینی دلیل ہے جو توحید و رسالت کے لئے مثبت ہے اور یہ دلیل ہے کہ وَّ اضْمُمْ اِلَيْكَ یہ الگ تیسرا معجزہ نہیں ہے فٰسِقِيْنَ عقیدے کا فسق مراد ہے جو کہ کفر ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرے رب میں نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کریں" [33]۔

تفسیر 33: یعنی میں قبطی کو قتل کرنے کی وجہ سے ان کا مجرم ہوں لہٰذا تو مجھے ان سے بچا اور یہ موسیٰ علیہ السلام کی پہلی دعا ہے۔

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

"اور میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس لئے اس کو میرا مددگار بنا کر بھیج دیجئے کہ وہ میری تائید کرے مجھے خوف ہے وہ مجھے جھٹلا نہ دیں" [34]۔

تفسیر 34: یہ بھائی کے حق میں دوسری دعا ہے جس کی تفصیل سورۃ طٰہٰ اور سورۃ شعراء میں گزر چکی ہے۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بھائی کے ساتھ تیرے بازوؤں کو اور ہم تم دونوں کیلئے غلبہ دیں گے پھر وہ نہیں پہنچ سکیں گے تم دونوں کی طرف تم ہماری نشانیوں کے ساتھ جاؤ تم اور جس نے تمھاری پیروی کی غالب رہو گے"۔[35]۔

تفسیر 35: اس آیت میں دونوں دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہے البتہ بغیر ترتیب سے ہے یعنی دوسری دعا کی قبولیت پہلے ذکر کی ہے وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا تم دونوں بھائیوں کو وہ رعب و دبدبہ دیں گے کہ فرعونی تم سے ڈرتے رہیں گے اور تمھیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے بِاٰيٰتِنَا اس میں اِذْهَبَا مقدر ہے یعنی دونوں معجزات کے ساتھ چلے جاؤ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ اس میں تسلی کے لئے خوشخبری اور وعدہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذکر ہوا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

"چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس ہماری کھلی ہوئی نشانیاں لے کر پہنچے تو انہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے پس بناوٹی جادو ہے اور ہم نے یہ بات پچھلے باپ دادوں میں نہیں سنی ہے"[36]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 44 تک پانچواں مقام ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کی دعوت دینے کا امتحان ہے اور ان کے طرف سے قوم کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف تلبیسات یعنی دھوکا کی چال بازیاں ذکر ہیں اور ان پر دنیا و آخرت میں عذاب و لعنت نازل کرنے کا ذکر ہے اور یہ سب موسیٰ علیہ السلام اور اسکے ساتھیوں کے لئے انعامات ہیں جیسے توراۃ کا نزول انعام ہے۔

تفسیر 36: اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دعوت مختصر طور پر ذکر کی ہے اور فرعونیوں کی تکذیب (جھٹلانا) دو طریقوں سے ذکر کی ہے پہلی تکذیب معجزات کو سحر قرار دینا اور دوسری تکذیب توحید باری تعالیٰ کو ٹھکرا دینا ہے کہ هٰذَا۔ یہ توحید ہمارے بڑوں کے طریقوں کے خلاف ہے۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

"موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے کہ اس کے پاس کون ہدایت لے کر آیا ہے اور آخری کامیابی کس کو نصیب ہوگی یقیناً ظالم نجات نہیں پا سکتے ہیں" [37]۔

تفسیر 37: جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلاتے ہوئے گمراہی کی بھی نسبت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا جو اس آیت میں ذکر ہے کہ حقیقت حال گمراہی و ہدایت کی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ اس میں اجمالاً اشارہ ہے کہ فرعونیوں کے لئے ہلاکت مقدر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ گمراہی فرعونیوں کے رتی دین میں ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

"اور فرعون نے کہا کہ اے میرے درباروالو میں تو تمہارے لئے کوئی بندگی کا حقدار اپنے سوا نہیں پاتا لہٰذا اے ہامان تم میرے لئے گارے کو آگ دے کر پکادو اور میرے لئے ایک اونچی عمارت بناؤ تا کہ اس پر سے موسیٰ علیہ السلام کے اللہ کو جھانک دیکھوں اور میں تو پورے یقین کے ساتھ اس شخص کو جھوٹا سمجھتا ہوں" [38]۔

تفسیر 38: اس میں فرعون کا دعویٰ ذکر ہوا ہے کہ الوہیت تو صرف میری ہی ذات میں منحصر ہے یعنی میری ذات کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہے صرف میں ہی الٰہ ہوں جیسا کہ سورۃ اعراف آیت 127 میں گزرا ہے دوسرے الٰہ سے انکار اور موسیٰ علیہ السلام کے الٰہ کے متعلق اوپر آسمان تک چڑھنے کا دعویٰ یہ سب دھوکا اور فرعونی فراڈ تھا ورنہ حقیقت کو یقینی طور پر جانتا تھا جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل آیت 102 میں گزر چکا ہے اصل میں اپنی جاہل قوم کو بے وقوف بنانا مقصود تھا جس میں وہ عارضی طور پر کامیاب ہوا تا کہ وہ جاہل اس کے پیروکار بنیں جیسے سورہ زخرف آیت 54 میں ہے کہ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ۔

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ اس سے پختہ مٹی کے بلاک مراد ہیں اور یہ طریقہ فرعون کا ایجاد کردہ ہے پھر (صرح) بنگلہ بنانا ہے پھر اس بنگلہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے قصے ثابت نہیں وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ اس میں اشارہ ہے کہ

بلند عمارت بنانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ موسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) جھوٹا ہے۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾

"اس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں ناحق گھمنڈ کیا اور ان کا خیال تھا کہ وہ پلٹ کر ہمارے پاس نہیں آئیں گے" [39]۔

تفسیر 39: ان کی دو بیماریوں کو ذکر کیا ہے (۱) اِسۡتِکۡبَارۡ شرک وکفر جو کہ باطل چیزوں پر تکبر ہے (۲) قیامت سے انکار وَ ظَنُّوٓا سے ان کا عقیدہ مراد ہے۔

فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾

"اسلئے ہم نے اس کو اور اسکے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا دیکھ ظالموں کا انجام کس طرح ہوا" [40]۔

تفسیر 40: اس میں واضح کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو پکڑ کر ڈبو دیا ہے فَانۡظُرۡ کَیۡفَ اس میں اشارہ ہے کہ یہ ظالموں کے لئے زبردست عبرت ہے۔

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾

"اور ہم نے ان کو جہنم کی طرف دعوت کے لئے پیشوا بنایا تھا اور قیامت کے دن وہ مدد نہیں کئے جائیں گے" [41]۔

تفسیر 41: پہلے جملہ میں ان کا دنیاوی حال ذکر ہوا ہے یعنی وہ کفر وشرک کے داعی تھے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ امام کفر کے سربراہ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔

وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٤٢﴾

"اور دنیا میں ہم نے لعنت ان کے پیچھے لگادی ہے قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بری حالت ہونے والی ہے" [42]۔

تفسیر 42: اس آیت میں دنیاوی اور اخروی دونوں عذابوں کا ذکر ہے اَلۡمَقۡبُوۡحِیۡنَ ہلاک کئے گئے لوگوں میں سے ہوں گے یا بدشکل یا رحمت الٰہی سے محروم لوگ ہوں گے وَ اَتۡبَعۡنٰهُمۡ اس میں ہمیشگی کا معنی ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

"اور ہم نے پچھلی قوموں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ایسی کتاب دی تھی جو لوگوں کے (دلوں کے لئے) بصیرت کی باتوں پر مشتمل تھی اور سراپا ہدایت ورحمت تھی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں" [43]۔

تفسیر 43: فرعونیوں کی ہلاکت بہت عظیم انعام تھا اب دوسرا انعام ذکر ہوتا ہے جو کتاب الٰہی تورات ہے اور وہ تین عظیم صفات پر مشتمل ہے مِنْ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے کہ فرعون کی قوم کے بعد کسی قوم پر ایسا عذاب نہیں آیا ہے جس سے وہ قوم مکمل تباہ ہوئی ہو یعنی استیصالی عذاب البتہ ایک ایک بستی پر عذاب آیا تھا بَصَآئِرَ. اس میں دلائل اور مثالوں کی طرف اشارہ ہے وَهُدًى عقیدے اور اعمال کی طرف اشارہ ہے اور رَحْمَةً میں بشارتوں اور ثواب کی طرف اشارہ ہے۔ خلاصہ آیت 44 تک مقامات موسوی ختم ہو گئے اس آیت سے آیت 60 تک دوسرا باب ہے جس میں رسول کی رسالت اور اس کی حکمت کا ذکر کیا گیا ہے پھر کتاب اور رسول کے منکرین کے لئے زجر ہے اور قرآن کی طرف ترغیب ہے اور سابقہ اہل کتاب سے ان کی دس صفات بیان کرتے ہوئے دلیل نقلی بھی ذکر کی ہے پھر نبی سے ہدایت دینے کی نفی پر سوال کا جواب ہے پھر منکرین کے لئے زجر اور تخویف دنیاوی ذکر ہوا ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٦﴾

"اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کوہ طور کے مغربی جانب اس وقت موجود نہیں تھے جب ہم موسیٰ علیہ السلام کو احکام سپرد کرر ہے تھے اور نہ ہی آپ ان لوگوں میں سے تھے جو اسکا مشاہدہ کرر ہے ہوں" [44]۔ "بلکہ اس کے بعد ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں جن پر طویل زمانہ گزر گیا اور تم مدین والوں کے درمیان بھی مقیم نہیں تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے بلکہ تمہیں رسول بنانے والے ہم ہیں" [45]۔ "اور نہ آپ اس وقت طور کے کنارے موجود تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تھا بلکہ یہ آپ کے رب کی رحمت ہے تاکہ آپ اس قوم کو متنبہ کریں جس کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا ہے شاید وہ نصیحت قبول کرلیں" [46]۔

تفسیر 44تا46: ان آیتوں میں اثبات صدق رسول کے ساتھ ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر تفریع بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر نہ ہونے کے ثبوت کا تذکرہ ہے یعنی نبی علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ان واقعات کے وقت موجود نہیں تھے پھر بھی واقعات ہو بہو بیان کرر ہے ہیں تو معلوم ہوا نبی علیہ السلام صادق ہیں اور آپ کو وحی ہوتی ہے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی وحی کا ذکر ہے جو مدین سے واپسی پر مصر جاتے وقت انہیں ہوئی تھی جیسا کہ آیت 30 سورۃ ھذا میں گزر گیا ہے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اس میں خصوص کے بعد عموم کی نفی ہے یعنی غیبی حالات پر کسی زمانہ میں حاضر و ناظر نہیں ہیں قُرُوْنًا بہت زمانے مراد ہیں جن میں رسول نہیں آیا تھا یعنی فترۃ کا زمانہ ہے تو رسول کی بہت ضرورت تھی لہٰذا اس میں فَاَرْسَلْنَا مقدر ہے تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا یعنی استاد کا شاگرد پر پڑھنا مراد ہے یعنی آپ مدین میں رہائش پذیر نہیں تھے کہ وہاں ان سے آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات یاد کئے وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا مراد یہ ہے کہ جب ہم طور میں موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دے رہے تھے تو اس وقت بھی آپ حاضر نہیں تھے پھر بھی آپ کو ہم نے اطلاع دی اور آپ کو اپنی رحمت رسالت سے نوازا۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ

نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

''ان لوگوں پر ان کے اپنے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت آئے تو وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمارے رب! تُو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ہم بھی ایمان والوں میں شامل ہوجاتے''[47]۔

تفسیر 47: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ رسول بھیجنے کی کیا ضرورت تھی ان پر عذاب ہی بھیج دیتے تو جواب ہوا کہ رسول کے بھیجنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا عذر ختم ہوجائے۔ جیسے سورۃ طٰہٰ آیت 134 سورۃ نساء آیت 165 میں گزر رہا ہے اور آیت کے آخر میں بِمَآ اَرْسَلْنَاكَ مقدر ہے یعنی عذاب کے پہنچنے وقت بول اٹھے کہ ہم پیروی کے لئے تیار ہیں فَيَقُوْلُوْا فَنَتَّبِعَ وَنَكُوْنَ یہ پوری عبارت لَوْلَآ کے تحت داخل ہے اور اَنْ تُصِيْبَهُمْ ظرف ہے یعنی عذاب کے پہنچنے کے وقت اگر یہ تین باتیں نہ ہوتیں تو ہم ان کو عذاب دے ہی دیتے اور رسول نہ بھیجتے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

''پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آگیا تو کہنے لگے اس نبی کو اس جیسی چیز کیوں نہیں دی گئی جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی حالانکہ جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی کیا انہوں نے پہلے سے اس کا انکار نہیں کیا انہوں نے کہا یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ ہم دونوں میں سے ہر ایک کے منکر ہیں''[48]۔

تفسیر 48: اس آیت میں منکرین قرآن و منکرین رسول کے لئے زجر ہے انکار کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس رسول کو موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات اور یک مشت قرآن کا نزول کیوں نہیں ہوتا ہے ان کے انکار کا ایک اور طریقے پر رد کیا گیا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ قریش مکہ نے یہودیوں کے ایک عالم سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا کہ یہ نبی نبوت کا دعویدار ہے اور یہ توحید کا مسئلہ بیان کرتا ہے، غیر اللہ کا ذبیحہ حرام قرار دیتا ہے، اسی طرح غیر اللہ کی نذر بھی حرام قرار دیتا ہے تو اس شخص کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں تو اس یہودی عالم نے جواب میں کہا کہ یہ مسائل تو ہماری کتاب میں بھی اسی طرح ہیں تو اس پر مشرکین مکہ طیش میں آگئے اور کہنے لگے یہ دونوں جادو ہیں اور ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا یعنی

قرآن و تورات دونوں جادو کی کتابیں ہیں۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

"ان سے کہو کہ اگر تم ہو سچے تو اللہ تعالیٰ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت پر مشتمل ہو میں اس کی اتباع کرلوں گا" [49]۔

تفسیر 49: اس میں سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا کا جواب ہے یعنی جب یہ ان دونوں کتابوں سے انکار کرتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب لے آئیں جو ہدایت پر مبنی ہو اور اس میں توحید کے خلاف شرک کی دعوت ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو یہ چیلنج اور مناظرے کا طریقہ بھی ہے۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

"پھر اگر یہ لوگ آپ کے مطالبہ کو پورا نہ کریں تو سمجھ لیں کہ یہ لوگ اپنی خواہشات کے پیروکار ہیں اور اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کے پیچھے ہی چلتا ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ان ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا" [50]۔

تفسیر 50: اس میں ان کی بے بسی کا تذکرہ اپنی شرک کے ثبوت پر کوئی کتاب نہ لانے میں اور فَاعْلَمْ کے ذریعے اس پر تفریع ہے یعنی جس کے پاس دلیل شرعی نہیں ہو تو یقیناً وہ خواہش کا پیروکار ہوگا جبکہ خواہش کی پیروی گمراہی اور ظلم ہے الظّٰلِمِيْنَ اس میں اشارہ ہے کہ ظلم کے ساتھ ساتھ وہ عنادی کافر ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

"اور یقیناً ہم ان کے فائدے کے لئے مسلسل ہدایت بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں" [51]۔

تفسیر 51: اس میں خواہش پرستی کا رد کیا گیا ہے وَصَّلْنَا لَهُمُ یعنی لوگوں کے عذر ختم کرنے کے لئے ہم ہر زمانہ میں رسولوں کے ذریعے سے وحی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں یا پھر قول سے قرآن مجید مراد ہے تو معنیٰ اس طرح ہے کہ ہم نے قرآن میں وعد، وعید امثال، دعویٰ اور دلائل قصص وغیرہ ایک دوسرے سے متصل بھیجے ہیں لہٰذا اس میں مضامین قرآن

کا ذکر ہے اور ترغیب الی القرآن ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

"اور جن کو ہم نے پہلے آسمانی کتابیں دی ہیں وہ اس پر ایمان لاتے ہیں" [52]۔

تفسیر 52: اس آیت میں سابقہ علماء سے دلیل نقلی ذکر کی ہے اور ان کی دس صفات کا تذکرہ ہے جن میں ایک صفت اس آیت میں ہے بِهٖ اس میں ضمیر اَلْكِتَاب کی طرف راجع ہے یعنی وہ اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔

وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

"اور جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یقیناً یہ برحق کلام ہے جو ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے اور ہم تو اس سے پہلے بھی اس کو مانتے تھے" [53]۔

تفسیر 53: اس میں ان کی دو صفات کا ذکر ہے (۱) قرآن پر ایمان لانا (۲) اور قرآن کے نزول سے قبل اسلام قبول کرنا یہاں بِهٖ اور اِنَّهٗ کی ضمیریں قرآن کی طرف راجع ہیں اور اس سے معلوم ہوا جو لوگ پہلے گزرے ہیں اور درست ایمان لا چکے تھے وہ بھی مسلمان ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾

"ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا اور وہ نیکی کے ذریعے سے برائی کو ہٹاتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے ان میں سے خرچ کرتے ہیں" [54]۔

تفسیر 54: اس آیت میں تین صفات کا ذکر ہے صبر، برائی کو بھلائی کے ذریعے سے ہٹانا، اچھائی اور مال خرچ کرنے پر گامزن رہنا مَرَّتَيْنِ سابقہ آیتوں میں تورات اور قرآن مجید پر ایمان کا ذکر ہوا تو اسلئے ان کے لئے دوگنے اجر کی خوشخبری سنائی یعنی دو اجر ایک عمل پر ہے، تو دونوں عملوں پر چار اجر ہیں وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ یہ الفاظ عام ہیں اور بہت سارے امور پر مشتمل ہیں اَلْحَسَنَةِ میں اچھے اخلاق نرم لہجہ سے کلام، صبر و تحمل، توبہ استغفار اور توحید و سنت کی طرف دعوت وغیرہ یہ سب اس میں شامل ہیں السَّيِّئَةَ میں اَلْحَسَنَةِ کے برعکس برے اخلاق، گالم گلوچ، طعن و تشنیع، شرک و بدعات سب اس میں شامل ہیں۔

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿٥٥﴾

"اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اسے ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ہم تمہیں سلام کرتے ہیں اور ہم جاہلوں کے متلاشی نہیں ہیں" [55]۔

تفسیر 55:

اس میں چار صفات مذکور ہیں لغویات سے اعراض یہ ہے کہ ان کو جواب نہیں دیتے ہیں لغویات قبول نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں شرکت کرتے ہیں اور لغویات عام ہے یعنی طعن، گانے، غزلیں وغیرہ اس طرح سورۃ فرقان آیت 72 میں گزرا ہے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اس کو سلام متارکت کہتے ہیں یعنی ہمارا دین الگ ہے ہم تمہیں گالی گلوچ نہیں دیتے تھے نیز اگر یہ معنیٰ لیا جائے کہ ہم تم سے جنگ وجدال نہیں کرتے تو پھر یہ منسوخ ہے یہ سلام دعائیہ نہیں ہے اس طرح سورۃ فرقان آیت 63 میں گزرا ہے لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ یعنی جاہلوں کے طریقے عادات اخلاق اور ان کے ساتھ چلنا نہیں چاہتے ہیں۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

"اے نبی جسے آپ ہدایت تک رسائی چاہتے ہیں تو اُسے آپ نہیں پہنچا سکتے البتہ جس کی اللہ ہدایت تک رسائی چاہتا ہے وہی ہدایت پاتا ہے اور وہ خوب ہدایت قبول کرنے والوں کو جانتا ہے" [56]۔

تفسیر 56: اس میں سوال کا جواب ہے یعنی اگر یہ نبی صادق ہے تو اس کے اپنے رشتہ دار ایمان کیوں نہیں لاتے ہیں؟ جواب ہوا کہ ہدایت کی توفیق دربار الٰہی سے ملتی ہے یہ نبی کے اختیار میں نہیں ہے اس آیت میں شرک فی التصرف کا رد ہے کہ ہدایت کے تصرفات نبی کے اختیار میں نہیں ہیں۔ یہاں ہدایت سے مراد توفیق دینا ہے اور ہدایت تک رسائی مراد ہے اور باقی رہا ہدایت کی رہنمائی تو وہ نبی کی ذمہ داریوں میں سے اہم ذمہ داری ہے لہٰذا رہنمائی نبی کرسکتا ہے اللہ کے دی ہوئی توفیق سے مگر ہدایت نہیں دے سکتا ہے کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہے اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ ہم نے ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں اپنی زمین سے کوئی اچک لے جائے گا کیا ہم نے ان کو حرم میں جگہ نہیں دے رکھی ہے جو اتنا پر امن ہے کہ ہر طرف سے پھل کھینچے چلے آتے ہیں جو خاص ہماری طرف سے دیا ہوا رزق ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں" [57]۔

تفسیر 57: اس آیت میں زجر ہے اور اشارہ ہے کہ قریش مکہ (نبی علیہ السلام کے رشتہ دار) اسلئے قرآن و رسول سے اعراض نہیں کرتے کہ اس کو غلط اور باطل تصور کرتے ہیں بلکہ وہ لوگوں کے خوف سے ایمان لانے سے گھبراتے ہیں جیسے ہر زمانہ میں اور خاص ہمارے دور میں بھی ایسے بہت سے علماء اور عوام ہیں جو حق کو اچھی طرح جانتے ہیں لیکن لوگوں کا خوف اور دنیاوی مفادات ان کے لئے رکاوٹ ہے نُتَخَطَّفْ اس سے مراد وطن علاقہ سے جلاوطن کرنا ہے اور اس میں تشبیہ چیل سے دی گئی ہے جب وہ مرغی سے بچے اچک لے جاتی ہے اور ان کو اس قول سے جواب دیا ہے کہ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ یعنی ان پر ہم نے واضح انعامات کئے ہیں (۱) حرم میں مسکن سے نوازا ہے (۲) دشمنوں سے امن دیا ہے (۳) اور ہر قسم کے غلے پھل کا حرم کی طرف چلے آتے رہنا جو ان کے لئے رزق کا انتظام ہے جیسے سورۃ قریش آیت 4،5 میں ہے یعنی تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے کفر و شرک کے حالات میں نعمتوں سے نوازا ہے تو لوگوں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے کیا اسلام کی قبولیت کے بعد تمہیں نعمتوں کے دینے اور حفاظت کرنے پر وہ قادر نہیں ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

"اور کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو اپنی معیشت پر اتراتی تھیں ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا ان کی رہائش گاہیں اب تمہارے سامنے ہیں اور اس کے بعد نہیں رہیں گے وہ مگر بہت کم اور ہم ہی آخر مالک ہیں" [58]۔

تفسیر 58: اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تخویف دنیاوی ہے جو اپنی وسعت مال کی وجہ سے مست ہوتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہیں اور یہ بھی منکرین کے سابقہ قول کا جواب ہے یعنی مخلوق سے مت ڈرو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو، بَطِرَتْ

مَعِيْشَتَهَا زندگی کے اسباب میں حد سے آگے بڑھ گئے تھے یا اپنی معیشت کا شکر ادا کرنے سے غافل تھے پہلے معنی کے اعتبار سے فِيْ مقدر ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے فِيْ کی ضرورت نہیں ہے اِلَّا قَلِيْلًا اس سے مراد ان کا صرف وہاں جانا اور تماشہ کرنا ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

"اور تمہارا رب ایسے نہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کرے جب تک اس نے ان بستیوں کے مرکز میں رسول نہیں بھیجا جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم اس وقت تک بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں ہیں جب تک اس کے باشندے ظالم نہ بن جائیں" [59]۔

تفسیر 59: اس میں سوال کا جواب ہے یعنی جب مکہ والوں نے تکبر اور گھمنڈ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کیوں نہیں بھیجا؟ جواب ہوا کہ رسول کے آنے کا انتظار تھا کیونکہ حجت قائم کرنے اور عذر ختم کرنے سے قبل اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا ہے لہٰذا ظلم ظاہر ہوا جو عذاب کا سبب ہوتا ہے پہلے جملہ میں عذاب میں تاخیر کا سبب بیان کیا ہے اور دوسرے جملے میں عذاب آنے کے لئے سبب ذکر کیا ہے اُمِّهَا ام القریٰ اصل میں مکہ مکرمہ ہے جو عرب وعجم کے لئے مرکز ہے اس طرح سورۃ شوریٰ آیت 7 میں بھی ہے اسکو ام القریٰ اسلئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلا گھر بیت اللہ یہاں پر بنایا گیا ہے جیسے سورۃ آل عمران آیت 96 میں گزر چکا ہے حدیث میں ہے کہ زمین کو مقام حرم مکہ سے پھیلایا گیا ہے۔ قول ابن عباس تفسیر زاد المسیر۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

"اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کی پونجی اور اس کی زینت ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کئی گنا زیادہ فائدے والا اور ہمیشہ ہے کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو" [60]۔

خلاصہ: یہاں سے سورۃ کے آخر تک تیسرا باب ہے دنیا سے بے رغبتی اور دنیا پرستوں اور آخرت کے متوالیوں کا فرق موازنہ اس میں ذکر ہوا ہے پھر تخویف اخروی ہے اور اس میں تین سوالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ پھر دلائل عقلیہ کا ذکر ہے اور تخویف اخروی ہے پھر تخویف دنیاوی کے لئے واقعہ قارون کا ذکر کیا گیا ہے پھر مختلف امور کا ذکر ہے اس کے

بعد نبی کریم ﷺ کو برائے شجاعت خطابات کیے گئے ہیں اور توحید کے کلمات پر اختتام کیا گیا ہے۔

تفسیر 60: اس میں دنیا سے بے رغبتی اور دنیا کے فائدے اور آخرت کے اجر ثواب کا فرق ذکر ہوا ہے دنیا کی چیزیں دو قسم کی ہیں (ا) کھانے پینے لکڑی گھاس وغیرہ جن سے فائدہ لیا جاتا ہے پھر وہ جلد ختم ہو کر فنا ہوتی ہیں اس کو متاع کہتے ہیں اور بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا ہے صرف زینت وحسن کے لئے ہوتی ہیں ان کو زینت کا سامان کہتے ہیں۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٦١﴾

"بھلا بتاؤ کہ جس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کر رکھا ہو اور وہ اس وعدے کو پا کر ہی رہے گا کیا اس شخص جیسے ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کی پونجی اور مزوں کے لئے کچھ دنیاوی زیب وزینت دے رکھی ہے پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو قیامت والے دن گھیر لے جائیں گے" [61]۔

تفسیر 61: اس آیت میں دنیا پرستوں اور جنتیوں کا فرق بیان ہوا ہے اور یہ سابقہ آیت سے متعلق ہے اَلْمُحْضَرِيْنَ اس سے مشرکین اور نافرمان لوگ مراد ہیں اور مشرکین کے لئے تخویف اخروی ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٦٢﴾

"اور اس دن کو نہ بھولو کہ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پکارے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے" [62]۔

تفسیر 62: اس آیت میں مشرکین کے لئے تخویف اخروی ہے، نیز اس آیت میں پہلے ان کے متعلق سوال کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی پیروکاروں کو اپنے پیروی کے لئے تابع کیا تھا یعنی مشرکین مبتدعین، پیر مولوی وغیرہ تَزْعُمُوْنَ یعنی تم دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ہمارے سفارشی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حصہ دار (شریک) ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿63﴾

''وہ لوگ جن پر عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے کہیں گے اے ہمارے رب یہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا جس طرح ہم گمراہ تھے اسی طرح ہم نے ان کو بھی گمراہی کی دعوت دی ہم تیرے سامنے ان سے دست بردار ہوتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے'' [63]۔

تفسیر 63: اس آیت میں مبتدعین کا جواب نقل ہوا ہے یہ لوگ اسلئے جواب دے رہے ہیں کہ ان پر اعتراض ہو رہا ہے کہ تم لوگوں نے اپنے پیروکاروں کو کیوں گمراہ کیا تھا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو جبراً گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ ہم نے ان کو دعوت دی تھی پھر وہ اپنی مرضی سے ہماری پیروی کرتے ہوئے گمراہ ہوئے تھے حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ: اس سے ان پر عذاب کا فیصلہ مراد ہے جس طرح سورۃ ہود آیت 119 میں ارشاد ہوا ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ اَغْوَيْنَا پہلا قول برائے تسلیم ہے کہ ہاں ہم نے ان کو گمراہی کی دعوت دی تھی پھر وہ دوبارہ تفصیل کے لئے ہے کہ اَغْوَيْنَا ہم نے گمراہی کی دعوت دی تھی ۔كَمَا غَوَيْنَا تقدیری عبارت اس طرح ہے فَغَوَوْا بِاِخْتِيَارِهِمْ كَمَا غَوَيْنَا بِاِخْتِيَارِنَا وہ اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے جس طرح ہم اپنی مرضی سے گمراہ ہوئے تھے یا كَمَا میں کاف علت کے لئے ہے جیسے سورۃ صفات آیت 32 میں ہے تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ یعنی ان کی وجہ سے ہمارے اوپر کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ ہم نے ان پر جبر نہیں کیا تھا مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ انہوں نے ہماری صرف اطاعت کی تھی عبادت انہوں نے دوسرے بزرگوں کی ہے لہٰذا ان سے بھی پوچھا جائے۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿64﴾

''اور ان سے کہا جائے گا کہ پکارو ان کو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے چنانچہ وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ ان کو (واپسی) جواب نہیں دیں گے اور یہ آنکھوں سے عذاب دیکھ لیں گے وہ کہیں گے کاش وہ سمجھ لیتے (کہ یہ شریک کوئی مدد نہیں کر سکیں گے)'' [64]۔

تفسیر 64: یہ دوسرا سوال ہے اور ان بزرگوں کے متعلق ہے جن کی یہ عبادت کرتے تھے اور ان کو ان کی عبادت کا علم بھی نہیں تھا فَدَعَوْهُمْ یعنی وہ اپنے ان معبودوں کو اپنی مدد کے لئے پکاریں گے وہ کچھ بھی مدد نہیں کر سکیں گے وَ رَاَوُا

الْعَذَابَ اس میں ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا یعنی تمنی کے لئے ہے وہ ہدایت کے لئے ارمان وافسوس کریں گے یا تو لَوْ شرطیہ ہے اور اس کی جزاء مقدر ہے اور يَهْتَدُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ یہ بزرگ ہماری عبادت کی خبر نہیں رکھتے تو ان کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کرتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

"اور جس دن ان کو پکاریں گے کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا" [65]۔

تفسیر 65: یہ تیسرا سوال ہے جو اتباع رسول سے متعلق ہے جبکہ سابقہ دونوں سوالات توحید کے بارے میں تھے اَجَبْتُمْ یعنی رسولوں کی بات مانی تھی یا ان کی مخالفت کی تھی۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

"پھر تو اس دن تمام خبریں ان پر اندھی ہو جائیں گی اور ایک دوسرے سے سوال تک نہیں کریں گے" [66]۔

تفسیر 66: الْاَنْۢبَآءُ اس سے مراد وہ توجیہات اور تاویلات ہیں جو حق کے خلاف پیش کرتے تھے، اور وہ سارے بنائے گئے جھوٹے دلائل ان سے ایسے اوجھل ہو جائیں گے اور وہ اس طرح بوکھلاہٹ کا شکار ہو جائیں گے کہ ایک دوسرے سے پوچھ بھی نہیں سکیں گے۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

"البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے تو ضرور وہ نیک لوگوں میں شامل ہوں گے" [67]۔

تفسیر 67: یہ بشارت کے بعد تخویف ہے، لفظ عَسٰی یہ کریم اور شریف کی جانب سے تحقیق کے لئے آتا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

"اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اپنی مرضی چلاتا ہے ان کو کوئی اختیار نہیں اللہ تعالیٰ پاک و برتر ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ ان کے شرک سے پاک و برتر ہے" [68]۔

تفسیر 68: مشرکین کے لئے تخویف اور اہل توحید کو بشارت دینے کے بعد رد شرک اور اثبات توحید کے لئے عقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں اور آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو نہیں دیتا یہ اختیار صرف اللہ

تعالیٰ کے پاس ہے یہ پہلی دلیل ہے مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ خِیَرَۃُ سے مراد تصرف اور الوہیت کے اختیارات ہیں یہ اختیارات تمام مخلوق سے نفی کیے گئے ہیں نیز اس سے وہ اختیارات مراد نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے احکامات ماننے کے لئے دیے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مختار کل کہنا شرک کا کلمہ ہے اسلئے کہ ان کے پاس اللہ کی مخلوق کے اختیارات نہ تو ذاتی ہیں اور نہ ہی عطائی ہیں سُبْحٰنَ اللّٰهِ یہ سابقہ دلیل پر توحید کی مزید تشریح ہے۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾

"اور تمہارا رب ان باتوں کو بھی جانتا ہے جو ان کے سینے میں چھپی ہوئی ہیں اور ان باتوں کو بھی جو یہ کھلم کھلا کرتے ہیں" [69]۔

تفسیر 69: یہ دوسری دلیل نقلی ہے جو اختیارات کی صفت کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم کی دلیل ہے چونکہ مخفی علم ظاہر علم کے لئے لازم نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے بعض رکاوٹیں ہوتی ہیں تو اسلئے يُعْلِنُوْنَ کو مستقل الگ ذکر کیا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

"اللہ وہی ہے جس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ہے اسی کی تعریف دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی اور حکم اسی کا چلتا ہے اور اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے" [70]۔

تفسیر 70: اس آیت میں سابقہ دلائل پر تفریع کی تشریح کی گئی ہے اس آیت میں توحید کے چار کلمات ہیں یعنی توحید الوہیت توحید صفات توحید حاکمیت توحید جزاء وحساب، نیز بعد والے تین جملے سابقہ جملہ کے لئے علت ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾

"آپ فرما دیجئے کہ کیا اگر اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لئے تمہارے اوپر رات کو مسلط کر دے تو کوئی ہے جو تمہارے لئے روشنی لے کر آئے؟ کیا تم سنتے نہیں ہو" [71]۔

تفسیر 71: اس آیت میں تیسری دلیل عقلی ہے اور یہ اعترافی سکوتی ہے جس میں مخاطب اعتراف کرتا ہے اور اس کو الزاما خاموش کیا جاتا ہے دلیل یہ ہے کیونکہ ان سے سوال ہوا ہے پھر ان کی خاموشی نقل کی گئی ہے اس آیت میں الٰہ کی

ایک تفسیر یہ بھی ہے جو سورج میں تصرف کر سکتا ہے وہ اللہ ہے ورنہ نہیں۔جن لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ ملتان پر شمس تبریز بزرگ نے سورج نیچے کر دکھایا ہے یہ جھوٹا اور خود ساختہ قصہ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور یہ عقیدہ شرکیہ ہے کیونکہ سورج میں تصرف اختیارات چلانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے فقط۔إِنْ جَعَلَ: ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کی جزاء محذوف ہے یعنی لَاَضَرَّ ذَالِكَ بِهِمْ ان کو ضرور اس کی تکلیف ہوگی اور مَنْ اِلٰہٌ بھی جزاء ہو سکتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

" آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن کو مسلط کر رکھے تو کون تمہارا معبود ہے جو تمہارے لئے رات بھی بنائے جس میں تم سکون حاصل کر سکو؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو" [72]۔

تفسیر 72: اس میں چوتھی دلیل اعترافی حکوتی سابقہ کی طرح ہے سورج غائب کرنا اور رات سکون کے لئے لانا یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے

فائدہ: پہلی آیت میں دن رات کی ہمیشگی ذکر کی ہے اور رات کو سماع تو ہو سکتا ہے لیکن دیکھا نہیں جا سکتا ہے اسلئے اس کے ساتھ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت میں دن کی ہمیشگی اور دوام ذکر کیا ہے اور دن کو دیکھا جا سکتا ہے اسلئے اس کے ساتھ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ فرمایا۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

" اور یہ تو اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات بنائی ہے اور دن بھی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور اس میں اللہ کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرو" [73]۔

تفسیر 73: اس میں پانچویں دلیل نقلی ذکر کی ہے جس میں رات اور دن کے فوائد اور اس کا ترتیب سے نظام چلانا اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور تصرف میں ہے تَسْكُنُوْا کا تعلق رات یعنی اَلَّيْلَ، وَلِتَبْتَغُوْا کا تعلق وَالنَّهَارَ دن سے ہے اور یہ دونوں ان دونوں سے متعلق بھی ہو سکتے ہیں وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اس شکر سے توحید تسلیم کرنا مراد ہے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا

بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ع

"اور جب ان کو اس دن پکاریں گے اور کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے" [74]۔ "اور ہم ہر امت سے ایک گواہی دینے والے کو نکال لائیں گے پھر کہیں گے کہ لاؤ اپنی کوئی دلیل اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ وحدانیت کی سچی بات تو اللہ تعالیٰ ہی کی تھی اور وہ ساری باتیں جو انہوں نے گھڑ رکھی تھیں ان سے غائب ہو جائیں گی" [75]۔

تفسیر 75:74: یہ تخویف اخروی ہے اور جو آیت 63 میں گزرا ہے اس میں عقیدے کی خرابی اور فساد مراد تھا اور اس آیت میں مراد یہ ہے کہ ان کا شرک بلا دلیل ہے اور شہید سے وہ مبلغ مراد ہے جس نے ان کو دعوت حق کی تبلیغ کی تھی وہ گواہی دیگا کہ میں نے ان کو حق کی دعوت پہنچائی تھی اور ان کے انکار کرنے کی بھی شہادت دیگا۔ اَلْحَقَّ سے مراد عبادت والوہیت کا حق ہے مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ انہوں نے جو اللہ کے ساتھ شرک کے قصے اولیاء کرام کے نام سے گھڑ رکھے تھے وہ مراد تھا۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي

الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝

"یقیناً قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک شخص تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اس کی چابیاں طاقتور لوگوں کی ایک جماعت سے بھی مشکل سے اٹھتی تھیں جب اسکو اس کی قوم نے کہا تکبر مت کرو اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے" [76]۔

تفسیر 76: یہ تخویف دنیاوی کے لئے بطور مثال ہے اور آیت 60 سے متعلق ہے اور اس واقعہ میں دلیل ہے کہ کافر مشرک کے ساتھ نزول عذاب کے وقت کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا نہ ان کے معبودان باطلہ نہ مال واولاد نہ ہی خدمت گار وغیرہ جیسا کہ قارون کا حال آنے والی آیت 81 میں بیان ہوا ہے مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ مشہور قول یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام عمران بن قاہث تھا اور قارون کے والد کا نام یصہر بن قاہث تھا فَبَغَىٰ

عَلَيْهِمْ یہ ایک جامع لفظ ہے تکبر،شرک اور ظلم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے وَ اٰتَيْنٰهُ درج ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ قارون کا مال (عدد) گنتی سے تجاوز کر گیا تھا یعنی الْكُنُوْزِ، مَفَاتِحَ، تَنُوْٓاُ، عُصْبَةِ، اُولِي الْقُوَّةِ اس سے ثابت ہوا کہ ان گنت مال سے اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا کنوز میں اشارہ ہے کہ اسکے پاس خزانوں کے علاوہ مال بھی زیادہ تھا کیونکہ اس میں تو صرف چھپے ہوئے خزانوں کا تذکرہ ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ زکوٰۃ،صدقات نہیں دیتا تھا اسلئے کہ جس مال سے زکوٰۃ نہ نکالی جاتے اس کو کنز خزانہ کہا گیا ہے اور سرکشی کا اظہار اس طرح تھا اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ: مال و دولت کی وجہ سے آخرت کو بھلا دینا شرک اور کفر کا ارتکاب کرنے کو فَرِحَ بَطَرٌ کہلاتا ہے یعنی انسان آخرت کو فراموش کر دیتا ہے عذاب الٰہی کا خوف باقی نہیں رہتا ہے۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ؀

"اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا اس کے ذریعے سے آخرت کا گھر پانے کی کوشش کرو اور دنیا میں سے اپنے حصے کو نظر انداز نہ کرو اور جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی احسان کرو یقیناً اللہ تعالیٰ زمین میں فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے"[77]۔

تفسیر 77: موسیٰ علیہ السلام اور قوم کے لوگوں نے اس کو حق کی دعوت دی اس دعوت میں طرز یہ اختیار کیا تھا کہ اس کو تین کاموں سے منع کیا کہ تکبر مت کرو۔فساد سے باز آجاؤ اور دنیا کے گھمنڈ میں مست ہو کر آخرت کو مت بھلاؤ وَابْتَغِ، وَ اَحْسِنْ یہ دونوں حکم ہیں دو اس میں ترغیبات بھی ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ، وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ اس میں توحید کے تمام جوانب کی طرف اشارہ ہے اور جنت و آخرت کی طرف اشارہ ہے وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ انسان کے مال میں حصہ یہ ہے کہ اس میں کھائے پیئے پہنے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے نیز اپنی صحت قوت جوانی اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف کرے وَ اَحْسِنْ اس میں تمام نیک عمال کی طرف اشارہ ہے كَمَآ اَحْسَنَ اس میں کاف برائے تقلیل ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ مالداری جس سے دین کی خدمت کی جائے اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے ہے وَ لَا تَبْغِ الْفَسَادَ مال کی قوت کے ساتھ دنیا میں کفر شرک پھیلانا بہت بڑا فساد ہے۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوۡتِیۡتُهٗ عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ ؕ اَوَ لَمۡ یَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَهۡلَكَ مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنَ الۡقُرُوۡنِ مَنۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُ قُوَّةً وَّ اَكۡثَرُ جَمۡعًا ؕ وَ لَا یُسۡـَٔلُ عَنۡ ذُنُوۡبِهِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

"کہنے لگا مجھے یہ سب کچھ اپنے علم کی وجہ سے ملا ہے کیا اسے اتنا بھی علم نہیں تھا کہ اللہ نے اس سے پہلی نسلوں کے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر ڈالا تھا جو طاقت میں بھی اس سے مضبوط تھے اور جن کی جمعیت بھی زیادہ تھی اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق پوچھا بھی نہیں جاتا ہے" [78]۔

تفسیر 78: اس آیت میں اس کی نعمت سے انکار اور سرکشی کا ذکر ہے اور دعوت نے اس پر اثر نہیں کیا بلکہ اَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَیۡكَ اس سے انکار کیا اور کہا کہ یہ مال و دولت ہم نے اپنے ہنر سے اور تجارت سے کمایا یعنی اللہ کے مال دینے سے انکار کیا عَلٰی عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ اس سے ہنر تجارت وغیرہ مراد ہے جیسا کہ سورۃ زمر آیت 40 میں ہے مزید تشریح وہاں ہوگی۔ اَوَ لَمۡ یَعۡلَمۡ اس میں توبیخ اور قارون کے حال کی قباحت بیان کی ہے کہ باوجود اس کے فرعون سے ان سے فوج، قوت اور مال میں بڑھ کر تھا اور ان کی ھلاکت کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی عبرت حاصل نہ کر سکا وَ لَا یُسۡـَٔلُ اس میں اشارہ ہے کہ عذاب دنیا کا ہو یا آخرت کا مجرم سے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا ہے کیونکہ اس وقت اگر وہ کوئی عذر پیش کرتا تو وہ نا قابل قبول ہے۔

فائدہ: سورۃ اعراف آیت 6 سورۃ حجر آیت 92 میں سوال کا مجرمین سے ذکر ہوا ہے جبکہ سورۃ رحمٰن آیت 39 اور زیر بحث آیت میں اس کا انکار ہے اس کی ایک تطبیق تو یہ ہے کہ نفس گناہ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا اور گناہ کی کیفیت اور سبب کے متعلق سوال ہوگا۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ ذلیل اور رسوا کرنے کے لئے سوال کیا جائے گا اور علم جاننے کے لئے سوال نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم ہے۔ تیسری تطبیق عذاب شروع کرنے سے قبل حساب کے وقت سوال ہوگا اور عذاب کے آنے کے وقت سوال نہیں ہوگا تا کہ وہ کوئی عذر پیش نہ کریں چوتھی تطبیق الۡمُجۡرِمُوۡنَ سے مراد دیگر مجرمین ہیں یعنی ایک قسم کے مجرمین سے دوسرے مجرمین کے گناہ کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾

"پھر ایک دن وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا جو لوگ دنیا چاہتے تھے وہ کہنے لگے اے کاش ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطاء کی گئی ہیں یقیناً وہ بہت خوش نصیب ہے" [79]۔

تفسیر 79: اس آیت میں اس کی ایک اور بغاوت کا ذکر ہے اور وہ اپنے تکبر کا اظہار ہے جیسے اس زمانے میں بعض بادشاہوں کے جشن منائے جاتے ہیں بعض پیر اپنی زندگی میں اپنے عرس و محفلیں لگاتے ہیں اور اپنے زیب و زینت کا اظہار کرتے ہیں بڑے بڑے جبے پہن کر اپنے مریدوں یا عوام کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یہ مسلمان تھے مگر دنیا پرست، اور ناسمجھ ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ تمنا ظاہر کی اور قارون کو خوش نصیب قرار دیا جیسے اب بھی بے عقل دنیا پرست مالداروں، نوابوں، سرداروں کو دیکھ کر یہ تمنائیں کرتے ہیں اور ان کی صفتیں بیان کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَکُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

"اور جن لوگوں کو علم دیا گیا انہوں نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ کا دیا ہوا ثواب اس شخص کے لئے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح اختیار کرے اور یہ خصلت انہیں کو ملتی ہے جو صابر ہو" [80]۔

تفسیر 80: اس آیت میں ان کے لئے وعظ ہے جنہوں نے جہالت کا اظہار کیا تھا اور دنیا کی حقارت ان کے لئے آخرت کے مقابلہ بیان کی گئی ہے اُوْتُوا الْعِلْمَ اس سے معلوم ہوا کہ علم والے وہ ہیں جو دنیا کے مال کی کوئی پروا نہیں کرتے اور ان کا یقین ہوتا ہے کہ یہ فنا ہونے والی چیزیں ہیں اور قیامت پر یقین رکھتے ہیں وَیْلَکُمْ یہ لفظ تعجب اور تنبیہ کے لئے ذکر فرمایا ہے اور اس لفظ میں اشارہ ہے کہ بعد والے مضمون پر جو عقیدہ نہیں رکھے گا تو وہ ہلاک ہوگا ثَوَابُ اللّٰهِ اس سے دنیا و آخرت کے انعامات اور برکتیں مراد ہیں اور وہ ایمان اور عمل صالح سے حاصل ہوتی ہیں وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ (ھا) کی ضمیر اس نصیحت اور خصلت کی طرف راجع ہے جو گزشتہ جملے سے معلوم ہوئی ہے یعنی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف رغبت۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾

"پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر اسے کوئی ایسی جماعت میسر نہیں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکا" [81]۔

تفسیر 81: چونکہ اس کا تکبر اس کے لئے سبب زوال بنا اور وہ اپنے آپ کو برتر سمجھتا تھا تو اسے اللہ نے نیچے کر کے دکھایا اور صحیح مسلم کتاب اللباس 312؛ صحیح بخاری کتاب اللباس حدیث 5790: میں ہے کہ وہ انسان جو زمین میں تکبر کرتا تھا اور لباس متکبرانہ طور پر نیچے لٹکاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا جو قیامت تک اس میں دھنستا چلا جائے گا وَبِدَارِهٖ سے گھر اور خزانہ مراد ہے فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ اس جماعت کو فِئَة کہتے ہیں جس کی طرف انسان اپنی ضرورتوں کے لئے آتے جاتے ہیں یعنی قارون جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے یا جو اسکے نوکر فوجی وغیرہ تھے وہ تو تمیں اس کی مدد کے لئے کام نہ آئیں وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ یعنی خود طاقت نہیں رکھتا تھا کہ قوت کے ذریعے سے اپنا بدلہ لے سکے یہ اس کے اس قول کے جواب میں ہے اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ۔

فائدہ: اس واقعہ میں قریش اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ ہے کہ اگرچہ وہ پیغمبر کی آل ہے اور ان کے قریب ہے لیکن رسول کی مخالفت میں قارون کی طرح ہلاک ہوں گے اگرچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا نیز انہوں نے جو اپنے لئے مددگار روالے بنا رکھے تھے لیکن وہ مصیبت کے وقت ان کے کام نہیں آئے۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

"اور کل جو لوگ اس کی طرح ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے تعجب ہے یقیناً اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں وسعت کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا عجب ہے یقیناً کافر لوگ فلاح نہیں پائیں گے" [82]۔

تفسیر 82: یہ بھی احسان الٰہی ہے اور خوش قسمتی ہے کہ ایک برے شخص کے حال سے انسان عبرت حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے شقی انسان سے بچا لیا۔ اور یہ کوئی علامت عزت و کرامت کی نہیں ہے وَیْ برائے تعجب ہے اور (كَ) بمعنی لام ہے یعنی اس وجہ سے تعجب کرتا ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ

وَيْكَاَنَّ ۔اَلَمْ تَرَ کے معنی میں ہے مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا،مَنّ سے ایمان کی توفیق اور اتباع موسیٰ علیہ السلام مراد ہے جیسا کہ سورۃ حجرات آیت 17 میں ہے وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ یہ ان کا قول ہے یا پھر اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"وہ آخرت والا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین میں نہ تو فساد کرتے ہیں اور نہ ہی برائی چاہتے ہیں اور بہتر انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے" [83]۔

تفسیر 83 :اس میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ پر مزید تشریحات وتفریعات ہیں پہلی تفریع آیت 4 اور آیت 77 پر یعنی فرعون اور قارون کے قصص سے معلوم ہوا کہ آخرت جنت کا گھر صرف تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے اگر سرکشی تکبر سے حاصل ہوتا تو ہامان،قارون،فرعون وغیرہ حاصل کر لیتے۔

مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

"جو شخص نیکی لیکر آئے گا تو اسکو اس سے بہتر بدلہ دیا جائے گا اور جو برائی لیکر آئے گا تو ان کو بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر اس چیز کا جو وہ لیکر آئے ہیں" [84]۔

تفسیر 84 :یہ سابقہ بیان کے لئے علت ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جزاء من جنس عمل ہے یعنی تقویٰ حَسَنَةٌ ہے اور عُلُو اور فساد سَيِّئَةٌ ہے تو ہر ایک کی سزا مناسب ہے بِالسَّيِّئَةِ اس سے مراد جنس سَيِّئَةٍ ہے اسلئے بعد میں عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ کو جمع ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَاۗءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

"اے نبی یقیناً وہ ذات جس نے اس قرآن کو پہنچانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالی ہے وہ ضرور آپ کو اس جگہ پر لاکر رہے گا جو واپسی کی جگہ ہے فرمادیجئے میرا رب اس کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لیکر آیا ہے اور اس کو بھی جو کھلی گمراہی میں مبتلاء ہے" [85]۔

تفسیر 85 :اس آیت میں دو تفریعات ہیں ایک آیت 7 پر دوسرا آیت 77 پر ہے اس آیت میں نبی کریم ﷺ سے اللہ

تعالی نے خطاب شجاعت کے لئے کیا ہے تا کہ وہ دلیری سے دعوت کا کام جاری رکھ سکیں اور اس آیت سے نبی کریم ﷺ سے آٹھ خطابات میں سے پہلا خطاب ہے مَعَادٍ اس سے مراد مکہ معظمہ ہے اور اس میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ آپ اس بستی سے نکالے جائیں گے پھر فاتح کی حیثیت سے پلٹ کر آئیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ماں سے الگ کیا گیا پھر واپس والدہ کی طرف لوٹایا گیا اسی طرح مصر سے نکالا گیا پھر واپس مصر واپس کیا گیا یا مَعَادٍ سے مراد جنت ہے قُلْ رَّبِّيٓ اس میں کافروں کے طعن کا جواب ہے کہ آپ کو گمراہی کی نسبت کی تھی۔

وَمَا كُنتَ تَرْجُوٓا۟ أَن يُلْقَىٰٓ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَٰفِرِينَ ﴿٨٦﴾

"اور اے نبی آپ کو پہلے سے یہ امید ہی نہیں تھیں کہ یہ قرآن آپ پر نازل کیا جائے گا لیکن یہ آپ کے رب کی طرف سے رحمت ہے لہٰذا کافروں کے مددگار نہ بن جانا" [86]۔

تفسیر 86: اس آیت میں بھی دو تفریعات ہیں ایک آیت 7 کی وضاحت ہے دوسری آیت 17 کی ہے پہلی تشریح میں اشارہ ہے کہ نبوت رحمت الٰہی سے ملتی ہے یہ کسی اور چیز میں نہیں ہے اور دوسری تشریح میں نبی کریم ﷺ کو شجاعت پر ابھارا گیا ہے اور اس آیت میں دلیل ہے کہ کافروں کے ساتھ کسی قسم کا امداد جائز نہیں ہے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَٱدْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾

"اور جب اللہ کی آیتیں آپ پر نازل کردی گئی ہیں تو اس کے بعد یہ لوگ آپ کو روکنے نہ پائیں اور آپ اپنے رب کی طرف دعوت لوگوں کو دیتے رہیں اور مشرکین کے گروہ میں سے ہرگز نہ ہونا" [87]۔

تفسیر 87: اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو شجاعت کے ساتھ دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے اور کافروں کی مکاری سے ہوشیار کیا ہے کہ وہ آپ کو مداہنت سستی کی دعوت دیتے ہیں اور مختلف دھوکے دیتے ہیں تا کہ آپ قرآن سے رک جائیں لہٰذا ان کی باتوں چالوں کو مسترد کریں نیز اس آیت میں ایک امر اور دو نہی نبی کریم ﷺ کو ہوئی ہیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۘ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُۥ ۚ لَهُ ٱلْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

"اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبودوں کو مت پکارو اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے ہر چیز فناء ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے حکومت اسی کی ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹا دیا جائے گا" [88]۔

تفسیر 88: اس آیت میں بھی نبی کریم ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے کہ مشرکین کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاؤ اور اس

میں توحید کے پانچ کلمات مذکور ہیں (۱) ردشرک فی الدعاء (۲) ردشرک فی الالوھیت (۳) ردشرک فی الصفات (۴) ردشرک فی الحکم ہے (۵) عقیدہ بعث بعد الموت ہے جس میں توحید فی الحساب کی طرف اشارہ ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ میں تین احتمالات ہیں (1) تمام موجودات جو ممکنات ہوں یا واجب وہ فناء ہوں گی اس معنی میں اللہ بھی شَيْءٍ میں شامل ہے جیسا کہ سورۃ انعام آیت 19 میں گزرا ہے (۲) صرف تمام ممکنات مراد ہیں اور یہ شَيْءٍ کا مشہور معنی ہے (۳) تمام اعمال مراد ہیں۔

هَالِكٌ میں تین احتمال ہیں (۱) فناء ہونے والی ہیں سورۃ رحمٰن آیت 26 میں بھی اس طرح ہے (۲) مَشِيَّتْ ذات مثبت مراد ہے کیونکہ وہ ذات میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے خلاصہ یہ ہوا کہ وہ بھی محتاج اور ممکن ہے (۳) هَالِكٌ وَجْهَهُ غیر مقبول یعنی باطل ہے اور اس میں تین احتمالات ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کا چہرہ اس میں ظاہری معنی مراد ہے اور مخلوق کے ساتھ کوئی تشبیہ وتمثیل نہیں ہے اور اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہی عقیدہ سلف صالحین کا ہے (2) اللہ تعالیٰ کا چہرہ ذات سمیت مراد ہے جو بطریقہ ذکر جزء اور مراد اس سے کل ہو یہ طریقہ ممکنات میں ہے جو ہم نے بطریقہ نظیر ذکر کیا ہے (3) وہ اعمال جو خالص اللہ کے لئے کئے گئے ہوں پھر اس میں تین سوالات ہیں۔

پہلا سوال: یہ ہے کہ اس جملہ میں استثنیٰ منقطع ہے یا متصل ہے؟ جواب: یہ استثنیٰ متصل ہے اس لئے کہ شَيْءٍ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر صحیح ہے جیسا کہ گزر چکا ہے یا اس وجہ سے کہ كُلُّ شَيْءٍ سے مراد اعمال لیے جائیں اور وَجْهَهُ سے بھی مراد عمل ہو جو اللہ کے لئے ہو تو ان دونوں صورتوں میں مستثنیٰ داخل ہے مستثنیٰ منہ میں ہے تو لہذا یہ متصل ہے۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ هَالِكٌ کا معنی فناء ہونے والا ہے یعنی ہر ممکن کے لئے فناء ہے تو جنت جہنم ارواح وغیرہ بھی فناء ہوں گی؟ پہلا جواب: یہ ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ اگرچہ عام ہے لیکن دیگر نصوص کی وجہ سے آٹھ چیزیں اس میں مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ چیزیں فناء کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں ان کو مفسر سیوطی اور دیگر مفسرین نے اس شعر میں نقل کیا ہے۔

ثَمَانِيَةٌ حُكْمُ الْبَقَاءِ يَعُمُّهَا ـــــــ مِنَ الْخَلْقِ وَالْبَاقُونَ فِيْ حَيِّزِ الْعَدَمِ

هِيَ الْعَرْشُ وَالْكُرْسِيُّ وَنَارٌ وَّجَنَّةٌ ـــــــ وَعَجْبٌ وَأَرْوَاحٌ كَذَا اللَّوْحُ وَالْقَلَمُ

عجب ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں یعنی آٹھ قسم کی چیزیں عام مخلوق کی طرح نہیں ہیں کیونکہ باقی مخلوق فناء ہونے والی ہے جبکہ یہ آٹھ چیزیں باقی رہیں گی اس میں ایک عرش دکرسی جنت جہنم ہے انسان کی ریڑھ کی ہڈی کی طرح ارواح اسی طرح لوح قلم

ہے۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ کُلُّ شَيْءٍ میں استغراق حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ استغراق عرفی مراد ہے یعنی ہر وہ چیز فناء ہوگی جو فناء ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے

تیسرا سوال: وَجْهَهٗ چہرے کو کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ چہرہ فنا نہیں ہوگا باقی صفات الٰہی یعنی ید، عین، ساق وغیرہ صفات فناء ہوں گی کیونکہ یہ صفات کُلُّ شَيْءٍ میں داخل ہیں اور هَالِكٌ میں یہ شمار ہوا ہے تو یہ ناممکن ہے۔

پہلا جواب: یہ ہے کہ چہرے کا تذکرہ ہے مگر اس سے مراد پوری ذات ہے جیسا کہ گزر چکا ہے لہٰذا، عین، ید، وغیرہ وَجْهَهٗ چہرے کے حکم میں داخل ہیں۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس میں حصر حقیقی مراد نہیں بلکہ حصر اضافی مراد ہے یعنی چہرہ ذکر کرنے سے ید، عین وغیرہ سے صرف نظر مراد نہیں ہے بلکہ ہلاکت کو ممکنات میں منحصر کرنا مراد ہے لہٰذا اس جملہ کے تین معنی ہیں پہلا معنی ہر چیز اپنے وجود میں محتاج اور معدوم ہے اللہ تعالیٰ کے چہرے یعنی ذات کے سوا دوسرا معنی ہر چیز جو فناء کے لئے پیدا ہوئی ہو وہ فناء ہوگی اللہ کی ذات و چہرہ کے علاوہ تیسرا معنی یہ ہے کہ ہر عمل برباد و باطل ہے سوائے اس عمل کے جو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا گیا ہو اس آخری معنی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے پسند کیا اگرچہ دیگر مفسرین و محدثین نے پسند نہیں کیا ہے

تنبیہ: پہلے معنی سے بعض صوفیوں نے باطل استدلال کرتے ہوئے وحدۃ الوجود کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کا یہ قول باطل ہے کیونکہ جو معنی صوفیوں کے نزدیک عمومی طور پر مراد ہے جس کی رجوع حلول کی طرف ہے تو وہ کفر ہے اگر بعض صوفیوں کا معنی مراد لیا جائے کہ اصل وجود تو اللہ تعالیٰ کا ہے باقی کائنات کا وجود حقیقی نہیں ہے لہٰذا اس کا اعتبار ہی نہیں ہے معلوم ہوا کہ اصل وجود اللہ تعالیٰ کا ہے اس معنی میں وحدۃ الوجود کا مشکوک معنی پایا جاتا ہے اور یہ اصطلاح باطل ہے۔

سورۃ قصص کی خصوصیات:۔

١۔ موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ۔

٢۔ اللہ کے رسول کی صداقت کے دلائل اور ساتھ یہ کہ وہ عالم غیب نہیں ہے۔

٣۔ منکرین قیامت کی قیامت کے دن تین صدائیں مذکور ہیں۔

٤۔ توحید کے اثبات کے دلائل اعترافیہ کا ذکر۔

٥۔ قارون کا قصہ اور زمین میں اس کے دھنسنے کے اسباب کا ذکر۔

۶۔ توحید کی دعوت پر اُبھارنے و شجاعت دلانے کے لئے آیات کا ذکر۔

۷۔ مواحد علماء کے دس صفات کا ذکر۔

اللہ کے فضل و کرم سے سورۃ قصص کی تفسیر مکمل ہوئی

اٰیاتھا ۶۹ ۲۹ سورۃ العنکبوت مکیۃ ۸۵ رکوعاتھا ۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خاص اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۳﴾

سورۃ کا ربط 1: سورۃ قصص میں ایمان والوں کو شجاعت پر ابھارا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بطور نمونہ پیش کیا گیا تھا جبکہ اس سورۃ میں نوح، ابراہیم، لوط، اور شعیب علیہم السلام کے واقعات کو بطور تشجیع ذکر کیا ہے۔ ربط 2: سورۃ قصص میں جن مصائب کے آنے پر اجمالاً تشجیع تھی اس سورت میں ان مصائب کی تفصیل ہے: ربط 3: سورۃ قصص میں مسئلہ توحید کے اثبات پر عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے تو اس سورۃ میں اس کی وضاحت ایک مثال سے کی گئی ہے۔

سورۃ کا مضمون: اس سورۃ کے مضمون میں دو دعوے ہیں (۱) دعوت توحید پر مشکلات اور مصائب برداشت کرتے رہنا یہ آیت 2 میں مذکور ہے (۲) مخالفین کے لئے دنیا و آخرت میں عذاب سے چھٹکارا اور نجات نہیں ہوسکتی ہے اور یہ دعویٰ آیت 4 میں ہے اور توحید کا دعویٰ سورۃ کے درمیان بطور مثال ذکر ہوا ہے۔

سورۃ کا خلاصہ: اس سورۃ میں چار ابواب ہیں پہلا باب آیت 14 تک ہے اس باب میں دونوں دعوے ذکر ہوئے ہیں اور اس کے بعد چار ابتلاؤں کا ذکر ہے۔ آیت 6: میں کامل مجاہدے کا ذکر ہے (2) پھر والدین کی جانب سے شرک کی طرف دعوت آیت 8 میں مذکور ہے (3) عام لوگوں کی جانب سے اذیتوں کا تذکرہ آیت 10 میں ہے (4) توحید جھٹلانے والے شرک سے صرف نظر کرکے توحید کی دعوت چھوڑنے پر آمادہ کرنے والوں کا تذکرہ آیت 12 میں ہے

تفسیر 1: الٓمّٓ یہ حروف مقطعات میں سے ہے جس کی تفصیل گزری ہے۔

تفسیر 2: اس میں سورۃ کا پہلا دعویٰ ہے یعنی صرف ایمان لانا اگرچہ اخلاص کے ساتھ ہو جہنم سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ ایمان کے دعوے کے بعد مصیبتیں اور تکلیفیں ضرور آئیں گی۔ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا کا مقدر عبارت اس طرح ہے اَنۡ يُّتۡرَكُوۡا مِنَ الۡاِفۡتِتَانِ یعنی امتحان کے بغیر چھوڑے جاؤ گے وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ اس کی تفصیل ہے فتنہ وامتحان دو قسم کا ہے۔

(۱) امتحان تکوینی ہے یعنی لوگوں کی طرف سے فتوے، طعن، گالی گلوچ اور قتل کی دھمکیاں بیماریاں وغیرہ۔ (۲) دوسرا امتحان شرعی ہے یعنی عبادات، ہجرت اور جہاد وغیرہ یہ دونوں قسمیں ایمان کے لئے لازم ہیں۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝

حالانکہ ہم نے ان سب کی آزمائش کی ہے جو ان سے پہلے گزرے ہیں لہٰذا اللہ ضرور معلوم کر کے رہے گا کہ کون لوگ ہیں جنہوں نے سچائی سے ایمان لایا ہے اور وہ یہ بھی معلوم کرے گا کہ کون جھوٹے ہیں [3]۔

تفسیر 3: اس آیت میں ایمان والوں کو تسلی دی گئی ہے فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ: اس میں حکمت یہ ہے کہ سچوں اور جھوٹوں کا امتیاز ہو جائے الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سابقہ ایمان والے اور انبیاء کرام مراد ہیں خصوصاً موسیٰ علیہ السلام جن کا ذکر سابقہ سورۃ میں گزر چکا ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

جن لوگوں نے برے کام کئے کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بازی لے جائیں گے؟ ان کا یہ اندازہ بہت برا ہے جو وہ لگا رہے ہیں [4]۔

تفسیر 4: اس آیت میں سورۃ کا دوسرا دعویٰ ذکر ہوا ہے یعنی جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں اور اہل حق کے خلاف چالیں چلتے ہیں دور حق کے مقابلے کرتے ہیں کیا وہ عذاب الیما سے بچ جائیں گے ہرگز نہیں اس میں منکرین مکذبین کو ڈرایا گیا ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

جو شخص اللہ سے جا ملنے کی امید رکھتا ہو اسے یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ کی مقرر کردہ میعاد ضرور آ کر رہے گی اور وہی ہر بات کو سنتا ہے اور جانتا ہے [5]۔

تفسیر 5: یہ بطور ترغیب پہلے دعوے سے متعلق ہے یعنی جو بھی اللہ سے ملاقات کا عقیدہ رکھتا ہے اسے چاہئے کہ ڈرتے ہوئے اس کی تیاری کرے اور دنیا کی مصیبتوں پر صبر کرے۔ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ اس سے دیدار الٰہی مراد ہے جو جنتیوں کو جنت میں نصیب ہوگا یہ ظاہری معنی ہے یا لِقَآء سے مراد پھر زندہ ہونے کا عقیدہ ہے يَرْجُوْا يَعْتَقِدُ کے معنی میں ہے اور مَنْ كَانَ کی جزاء محذوف ہے یعنی فَلْيَصْبِرْ عَلَى الْبَلَايَا مصیبتوں پر صبر کرے۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ⑥

اور جو شخص بھی ہمارے راستے میں مشقت اٹھاتا ہے وہ اپنے ہی فائدے کے لئے تکلیف اٹھاتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ تو سارے عالم سے بے پرواہ ہے [6]۔

تفسیر 6: اس میں پہلے قسم کے امتحان کا تذکرہ ہے یعنی اپنے آپ کو محنت و مشقت میں ڈالنا دعوت دین ایمان توحید کے پرچار کے لئے اور یہ مالی وجانی دونوں مجاہدوں پر مشتمل ہے اس محنت و مشقت کا فائدہ اس شخص کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا محتاج نہیں ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑦

اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کئے ہیں ہم ان کی خطاؤں کو ان سے ضرور جھاڑ دیں گے اور جو وہ عمل کرتے ہیں انہیں انکا بدلہ ضرور دیں گے [7]۔

تفسیر 7: یہ بشارت اخروی ہے اور لِنَفْسِهٖ کا بیان ہے، اور اس آیت میں عمل صالح سے مذکورہ امتحانات مراد ہیں لَنُكَفِّرَنَّ میں اشارہ ہے کہ یہ لوگ جہنم سے محفوظ ہوں گے اسلئے کہ گناہوں کی تکفیر (ہٹانا) سزا سے حفاظت ہے وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اس میں جنت کی جزاء کی طرف اشارہ ہے۔ أَحْسَنَ الَّذِي مراد وہ عمل ہے جو اخلاص اور اتباع رسول پر مبنی ہو۔ نوٹ: اور یہ حسن کے مقابل نہیں ہے یا پھر احسن سے عزیمت کا اعلیٰ درجہ مراد ہے اور حسن سے درجہ رخصت مراد ہے یعنی جواز اور جزاء سے پوری جزاء مراد ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ⑧

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے اور اگر وہ تم پر جبر کریں کہ تم میرے ساتھ کسی ایسی ہستی کو شریک ٹھہراؤ جس پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہو تو ان کا کہنا مت مانو میری طرف تم سب نے لوٹ کر آنا ہے پھر تم سب کو تمہارے کیے ہوئے اعمال کی خبر دوں گا [8]۔

تفسیر 8: یہ دوسری قسم کا امتحان ہے کہ والدین اولاد کو شرک کرنے پر مجبور کرتے ہوں گے ان کو گھروں سے نکالیں گے

انہیں عاق قرار دیں گے تاکہ وہ توحید سے رُک جائیں یہ اگرچہ بڑا امتحان ہے لیکن ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے اس میں ان کا حکم قابل رد ہے اس طرح سورۃ لقمان آیت 15 میں بھی ہے وہاں (دونوں میں) فرق بیان ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور صالح اعمال کئے ہیں ہم انہیں ضرور صالحین کی جماعت میں شمار کریں گے [9]۔

تفسیر 9: یہ خوشخبری دوسرے امتحان سے متعلق ہے جب اس امتحان میں کامیابی حاصل ہو جائے تب جا کر صالحین کی جماعت میں دنیا، برزخ اور آخرت میں شامل ہو جائیں گے اور صالحین کو اسلئے ذکر کیا کہ نا سمجھ لوگ ایسے شخص کو جو ماں باپ کی شرک کے عقائد میں اطاعت نہیں کرتا نافرمان کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو صالح قرار دیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور بعض لوگوں میں سے ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں پھر جب ان کو اللہ کے راستے میں تکلیف دی جاتی ہے وہ لوگوں کے پہنچائی ہوئی اس تکلیف کو عذاب الٰہی کی طرح سمجھ بیٹھتا ہے اور اگر تمہارے رب کی طرف سے کوئی مدد آ گئی تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا اللہ تعالیٰ کو وہ باتیں اچھی طرح معلوم نہیں ہیں جو سارے جہاں والوں کے سینوں میں ہیں [10]۔

تفسیر 10: اس میں تیسرا امتحان ذکر ہوا ہے یعنی ایمان اور دعوت حق کی وجہ سے لوگ مخالف ہو جاتے ہیں تو بعض انسان منافقت کی روش اختیار کر لیتے ہیں لیکن مومن کو چاہیے کہ ہر قسم کی منافقت سے اجتناب کرے۔ فِتْنَةَ النَّاسِ لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے حق بات چھوڑ دیتے ہیں جس طرح خوف الٰہی سے بندے کو حق بیان کرنا چاہئے اور اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے تو وہ اس کے برعکس کر بیٹھتا ہے نَصْرٌ فتح، مالداری، عزت اور شہرت جب ایمان کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں تو خوب خوش رہتے ہیں اس طرح سورۃ حج آیت 11 میں گزرا ہے۔ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ اس میں ان منافقین کو تنبیہ کی گئی ہے یعنی کوئی اٰمَنَّا رضائے الٰہی کے لئے کہتا ہے تو کوئی دنیاوی مفاد کے لئے دونوں کی نیتوں پر اللہ تعالیٰ خوب علیم ہے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿11﴾

اور اللہ تعالیٰ ضرور ظاہر کرے گا ان کو بھی جو ایمان لائے ہیں اور ضرور ظاہر کرے گا ان کو جو منافق ہیں [11]۔

تفسیر 11: اس آیت میں سابقہ امتحان کا نتیجہ ہے یعنی جو مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے توحید وسنت پر قائم رہا تو وہ مومن ہے آیت 3 میں عام لوگوں کا امتحان ذکر ہوا ہے جس کے ذریعے پر صادق وکاذب معلوم ہوتا ہے اور اس آیت میں اٰمَنَّا سے متعلق امتحان ہے تو اس میں مومن مخلص اور منافق کی پہچان مقصود ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿12﴾

اور ان لوگوں نے کہا جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جنہوں نے ایمان لایا کہ تم ہمارے راستے کو اختیار کرو تو ہم تمہاری خطاؤں کے بوجھ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور یہ لوگ بلاشبہ جھوٹے ہیں [12]۔

تفسیر 12: یہ چوتھا امتحان ہے یعنی کافر، مشرک اور بدعتی وغیرہ اللہ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور حق چھپانے کی ترغیب دیتے ہیں اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کے ذمہ دار ہیں۔ مفسر زمخشری اور خطیب شربینی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ آج بھی مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے کہ گناہوں کی ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں اور حق چھپاتے اور نڈر ہو کر دوسرے کی گناہ اپنے سر لیتے ہیں۔ وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ یہ شرط کے معنی میں ہے یعنی اگر تم ہمارے نقش قدم پر چلو تو ہم تمہارے گناہوں کے ذمہ دار ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے انکار دو طریقوں سے کیا ہے پہلا طریقہ یہ ہے کہ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ جس طرح وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى سورۃ فاطر آیت 18 سورۃ نجم آیت 38 اور دوسرا طریقہ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔

وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿13﴾ ع

وہ اپنے گناہوں کے بوجھ ضرور اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی اور یہ لوگ جتنے جھوٹ گھڑتے ہیں قیامت کے دن ضرور ان سے پوچھا جائے گا [13]۔

تفسیر 13: اس میں ان کی بات کا رد تیسرے طریقے پر کیا گیا ہے اور تخویف اخروی بھی ہے اَثْقَالَهُمْ اس سے مراد ان

کے ذاتی گناہ ہیں یعنی کفر وشرک کتمان حق وغیرہ وَ اَثْقَالًا سے وہ گناہ مراد ہیں جو دوسروں کو شرک کفر وغیرہ کی دعوت دی ہے جیسے سورۃ نحل آیت 25 میں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۝

اور ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا چنانچہ وہ پچاس کم ہزار سال ان میں رہے پھر ان کو طوفان نے آ پکڑا اور وہ ظالم لوگ تھے[14]۔

خلاصہ: یہاں سے آیت 41 تک دوسرا باب ہے اس میں چار قسم کے امتحانات اور ابتلاءات کا ذکر ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام پر آئے ہیں اور یہ تشجیع کے لئے ہے پہلا امتحان دعوت کے میدان میں طویل زندگی کا ہے کہ ساتھی بھی تھوڑے ہیں اور عمر زیادہ ہے یہ نوح علیہ السلام کا ہے۔ دوسرا امتحان: توحید کی دعوت اور قوم کی طرف سے سخت مخالفت یہاں تک کہ آگ میں ڈالا گیا ہے یہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے تیسرا امتحان: قوم کی طرف سے عذاب طلب کرنے کا مطالبہ اور ساتھ میں استہزاء اور یہ واقعہ لوط علیہ السلام کا ہے۔ چوتھا امتحان: قوم کی طرف سے تکذیب اور استہزاء کرنا یہ شعیب علیہ السلام کی قوم کا ہے پھر چار قوموں کا تذکرہ ہوا ہے اور اس کا سورۃ کے دوسرے دعوے سے تعلق ہے۔

تفسیر 14: اس آیت میں نوح علیہ السلام کے واقعہ کا اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے اور اس میں اصل مقصد طویل عمر کا امتحان بیان کیا گیا ہے اس لئے اس سورت میں سیدنا نوح علیہ السلام کی عمر کا تذکرہ کیا گیا ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے لہٰذا یہ بطور امتحان یہاں ذکر کیا گیا جس کا تعلق پہلے دعوے سے ہے اور اس کی قوم کے عذاب کا ذکر کیا ہے تو اس کا تعلق سورۃ کے دوسرے دعوے سے ہے فائدہ: اس طرح کیوں نہیں فرمایا تِسْعَمِائَةَ سَنَةٍ وَّخَمْسِيْنَ اس کی چند وجوہات ہیں: (۱) اس عبارت میں اختصار ہے (۲) اس میں اس واقعہ کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے بڑے عدد کو ذکر کیا ہے پھر چھوٹے عدد کو (۳) اس عبارت میں پورا مقصد ادا کرنا مقصود ہے کیونکہ لفظ سَنَةٌ تکلیف ومشقت پر دلالت کرتا ہے اور لفظ عَامًا فراخی پر دلالت کرتا ہے یعنی زیادہ عرصہ عمر تکلیف میں اور پچاس سال فراخی میں گزر گئے۔

فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

پس ہم نے اس کو نجات دی اور کشتی والوں کو بھی اور ہم نے اس قصہ کو عالمین کے لئے سبب عبرت بنایا[15]۔

تفسیر 15: اس آیت میں نبی کریم ﷺ تابعداروں اور ان کے لئے نجات اور سلامتی کے ذریعے تسلی ہے وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ تفسیر سراج المنیر میں ایک مرفوع روایت بلا سند ذکر کی ہے کہ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سات افراد تھے وَسَفِيْنَةِ اس کشتی کو کہتے ہیں جو سمندروں میں چل رہی ہو اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ سب لوگوں کے لئے یہ واقعہ عبرت ہے یا پھر یہ کشتی عبرت کی نشانی ہے بسبب اس کشتی کی جو سورۃ یٰسٓ آیت 42 میں مذکور ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے پاس بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خالص اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرتے رہا کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو[16]۔

تفسیر 16: یہ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ امتحان کی دوسری قسم کے لئے بیان فرمایا ہے یعنی آگ میں ڈالا گیا ملک سے ہجرت کرنی پڑی صرف دعوت توحید کی وجہ سے اس آیت میں توحید کا بیان اور شرک سے منع ذکر ہوا ہے اور مختصر فائدہ بھی مذکور ہے خَيْرٌ سے دنیا و آخرت کے دونوں فائدے مراد ہیں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اس میں اشارہ ہے کہ خیر و شر کی تمیز کیلئے علم شرط ہے۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

یقیناً تم اللہ کے سوا پوجتے ہوں بتوں کو اور تم جھوٹے قصے گھڑتے ہو یقیناً جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہوں وہ تمہیں رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے ہیں لہٰذا تم رزق اللہ ہی کے پاس تلاش کرو اس کی عبادت کرو اور اس کا شکر بجالاؤ اسی کے پاس تم کو لوٹایا جائے گا[17]۔

تفسیر 17: اس آیت میں شرک کا رد تین طریقوں سے ہوا ہے اور توحید کے لئے تین اوامر ذکر کیے گئے ہیں اَوْثَانًا یعنی یہ بنائے گئے معبود ہیں لہٰذا یہ رزق کا اختیار نہیں رکھتے ہیں نیز یہ بندگی کے حقدار نہیں ہیں اصل میں وَثَن اس چیز کو کہتے ہیں

جو بنائی گئی ہو پھر اس کی بندگی شروع کی گئی ہو۔ قبر، صلیب وغیرہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اِفْكًا یعنی ان کو معبود ثابت کرنے کے لئے تم نے جھوٹے قصے بنائے ہیں رِزْقًا انسانوں کی حاجتوں میں سب سے بڑی حاجت وہ رزق ہے اور اللہ کے ماسوا کسی معبود میں یہ قوت نہیں کہ وہ رزق کا بندوبست کر سکے یہ حاجت روائی صرف اللہ ہی کرتا ہے آخری تین حکمتوں کا مطلب یہ ہے کہ رزق اور ترقی کے لئے سب اللہ تعالی کی بندگی ہے اور اس کا شکر بجالانا ہے اور ساتھ میں آخرت پر ایمان بھی رکھنا ہے۔ فائدہ: رِزْقًا: نکرہ ہے اور اَلرِّزْقَ معرفہ ہے اور یہ اسلئے کہ نکرہ جب نفی کے سیاق میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے یعنی تمہارے معبود مِنْ دُونِ اللہ کسی قسم کے رزق کی طاقت نہیں رکھتے ہیں اور معرفہ برائے کمال یعنی کامل رزق صرف اللہ تعالی کے پاس ہے۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۸

اور اگر تم مجھے جھٹلا رہے ہو تو تم سے قبل بہت ساری قومیں اس روش کو اپنا چکی ہیں اور رسول پر تو صرف یہ ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو حق واضح طور پر پہنچائے[18]۔

تفسیر 18: اس آیت سے آیت 23 تک دو احتمالات ہیں (۱) یہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں داخل ہے کچھ تو خطاب کے طریقے پر اور کچھ غائب کے طور پر اور کچھ حکایت کے طریقے سے بیان ہوئے اللہ تعالی کے قول کے طور پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو بہتر قرار دیا ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ آیتیں واقعہ ابراہیم علیہ السلام کے درمیان بطور جملہ معترضہ بیان ہوئی ہیں اور یہ اس امت کے معترضین منکرین کا حال ذکر ہوا ہے یہ قول ابن جریر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اِنْ تُكَذِّبُوْا پہلے کی بناء پر یہ ابراہیم علیہ السلام کا قول ہے کہ انہوں نے اس طرح کہا کہ وَاِنْ تُكَذِّبُوْنِیْ اگر تم مجھے جھٹلا دو اس کی جزاء مقدر ہے یعنی فَلَا اَتْرُكُ التَّبْلِيْغَ لیکن اس توجیہ پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے قبل بہت سی قومیں نہیں گزری ہیں جبکہ یہاں لفظ اُمَمٌ جمع کا استعمال ہوا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قوم نوح، عاد، ثمود وغیرہ قومیں گزری ہیں دوسرے قول کی بناء پر یہ موجودہ جھٹلانے والوں سے خطاب ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾

کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح شروع میں پیدا کرتا ہے؟ پھر دوبارہ ان کو پیدا کرے گا یقیناً یہ اللہ کے لئے آسان ہے[19]۔

تفسیر 19: توحید اور رسالت ثابت کرنے کے بعد اب بعث بعد الموت ثابت کیا گیا ہے اَوَ لَمْ یَرَوْا اس سے مراد رؤیت علم ہے اور ہر انسان کو پیدائش کا علم ہے اگرچہ آنکھوں سے نہ دیکھا ہو ذٰلِکَ پہلی اور دوبارہ پیدائش کی طرف اشارہ ہے یعنی دونوں کام اللہ پر آسان ہیں۔

قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰہُ یُنْشِئُ النَّشْاَۃَ الْاٰخِرَۃَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿ۚ۲۰﴾

فرما دیجئے زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو کس طرح ابتداء سے پیدا کیا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی آخرت والے دن مخلوق کو اٹھا کر کھڑا کریگا یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے[20]۔

تفسیر 20: اس آیت میں دیگر مخلوقات میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ ان کو ذرا دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کرتا ہے جبکہ سابقہ آیت میں اپنی ذات میں غور و فکر کرنے کا حکم تھا یعنی وہ دلیل نفسی تھی اور یہ دلیل آفاقی ہے بَدَاَ الْخَلْقَ یعنی حیوانات نباتات پودوں وغیرہ کی ابتدائی پیدائش دیکھ لو۔ فائدہ: اول آیت میں یُبْدِئُ فعل مضارع مستقبل کا ذکر ہے اور اس آیت میں فعل ماضی کا ذکر ہے یعنی بَدَاَ وجہ یہ ہے کہ انسان تو انسانوں کا علم جانتا ہے جو اس کے بعد مستقبل میں پیدا ہوئے ہیں جبکہ دیگر چیزوں میں غور و فکر کیا جا سکتا ہے جو انسان کی تخلیق سے بھی پہلے کی ہو۔

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیْہِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہ جس کو چاہے گا سزا دے گا اور جس پر چاہے گا رحم کرے گا اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے[21]۔

تفسیر 21: اس میں ماقبل بیان کے لئے نتیجہ ہے اور اس میں ترغیب اور تخویف ذکر ہوا ہے اور چونکہ کافروں کا ذکر پہلے کیا تھا تو عذاب بھی پہلے ذکر کیا اور مَنْ یَّشَآءُ مکرر ذکر کیا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا ہے تُقْلَبُوْنَ قلب کا معنی یہ ہے کہ ایسے حال کے طرف پلٹ جانا ہے جو پہلے والے حال کے علاوہ ہو اور قیامت اسی

طرح ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾

اور تم اللہ کو نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ ہی آسمان میں اور اللہ کے علاوہ نہ تمہارا کوئی بچانے والا ہوگا اور نہ ہی مددگار [22]۔

تفسیر 22: یہ ماقبل کے لئے علت ہے یعنی وہ عذاب اسلئے دے سکتا ہے کہ اس سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے وَلَا فِي السَّمَآءِ اس میں تقدیری عبارت اس طرح ہے لَوْ كُنْتُمْ فِي السَّمَآءِ یعنی بالفرض اگر تم آسمان میں چلے جاؤ یا وَمَآ اَنْتُمْ کا خطاب ہے جس میں آسمانی مخلوق بھی داخل ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں اور اس سے ملاقات سے انکار کیا ہے وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے [23]۔

تفسیر 23: یہ بھی تخویف میں داخل ہے جب توحید اور بعث بعد الموت کا تذکرہ ہوا تو اب ان لوگوں کو جو توحید یعنی اٰيٰتِ اللّٰهِ اور قیامت یعنی اَيَّامِ اللّٰهِ سے انکار کرتے ہیں ان کے لئے شدید تخویف ہے کیونکہ يَئِسُوْا میں قیامت کے دن جنت سے محرومی کا اشارہ ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ میں جہنم کے دخول کی طرف اشارہ ہے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

ابراہیم علیہ السلام کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اس کو قتل کر ڈالو یا اسے جلا ڈالو پھر اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو بچا لیا یقیناً اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں جو ایمان لاتے ہیں [24]۔

تفسیر 24: اس میں ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے عناد اور تکبر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے ساتھ کوئی جواب نہیں تھا، چاہئے تھا کہ خاموش ہو جاتے لیکن تکبر کی وجہ سے غیر جواب کو جواب بنایا اسی وجہ سے کہا گیا ہے "جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اقْتُلُوْهُ" اس میں ابراہیم علیہ السلام کے والد کے قول کی طرف اشارہ ہے جو سورۃ مریم میں گزرا ہے اَوْ حَرِّقُوْهُ یہ اس کے قوم کا قول

ہے جیسا کہ سورۃ انبیآء آیت 68 میں ہے لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اس میں بہت ساری عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اس میں بعض یہ ہیں (1) اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت اور تصرف (2) آگ کا اثر ختم کرنا (3) لکڑیوں کو جلا دینا اور ابراہیم علیہ السلام کو سلامت چھوڑ دینا (4) توحید والوں کو نجات کے لئے تسلی وغیرہ۔

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٥﴾

اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا رکھا ہے (اطاعت) کے ساتھ جس کے ذریعے سے تم نے آپس میں دنیاوی زندگی میں دوستی بنا رکھی ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہیں کوئی مددگار میسر نہیں ہوگا [25]۔

تفسیر 25: اس آیت میں عظیم دلیری وشجاعت کا تذکرہ ہے کہ آگ سے بچ جانے کے بعد توحید کو صاف صاف بیان کیا تاکہ کسی کو یہ اشکال نہ رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے امتحان سے گھبرا کر توحید بیان کرنا چھوڑ دیا آیت 17 میں رد تھا شرک بالعباد الصالحین کا اور اس آیت میں شرک بالعباد الفاسقین کا رد ہوا یعنی شرک فی التحلیل والتحریم کا یہ رد ہوا ہے جو پیروں اور مولیوں کی تقلید ہے۔ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ یعنی پیری مریدی استاد وشاگرد مقلد، مقلد تابع متبوع وغیرہ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سورۃ اعراف آیت 38 میں بھی اس طرح گزر چکا ہے اس طرح سورۃ براۃ کی آیتیں عابدین اور معبودین کے درمیان سورۃ بقرہ، سورۃ ابراہیم، سورۃ احزاب، سورۃ سباء، سورۃ صافات، سورۃ ص، سورۃ حم مومن وغیرہ میں مذکور ہیں۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٦﴾

پس اس کو لوط علیہ السلام نے ایمان ظاہر کیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر کے جا رہا ہوں وہی جو غالب اور حکمتوں والا ہے [26]۔

تفسیر 26: آگ کے امتحان کے بعد اب ہجرت کا امتحان ہے انہوں نے سواد الکوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی پھر ارض مقدس کی طرف اور لوط علیہ السلام بھی ساتھ تھے اور سارہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھی فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ یہ ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے انہوں نے ایمان کو ظاہر کیا کیونکہ نبی پہلے سے مومن ہوتا ہے وَقَالَ اس میں ضمیر لوط یا ابراہیم علیہما

السلام کی طرف راجع ہے اِلٰی رَبِّیْ لِرَبِّیْ اسلئے نہیں فرمایا کہ اس میں صرف اخلاص کی طرف اشارہ ہے اِلٰی رَبِّیْ میں لام اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ صرف اخلاص پر دلالت کرتا ہے، اور "الی میں اخلاص کے ساتھ دلالت ہے کہ مکان ہجرت بھی اللہ تعالٰی کے حکم اور رضامندی سے ہوگا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے انہیں اسحاق ویعقوب (جیسے بیٹے) عطا فرمائے ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ جاری رکھا اور انکا اجر ان کو ہم نے دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں ان کا شمار صالحین میں سے ہوگا[27]۔

تفسیر 27: اب صبر پر ان کو جو ثمرات دیئے گئے ہیں انکا ذکر ہے بیٹے اور پوتے کی بشارت دی اور پوتے کی بشارت میں ابراہیم علیہ السلام کی طویل عمر کی طرف اشارہ ہے اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ اسلئے نہیں کیا کہ سفر میں اسحاق کی والدہ محترمہ سارہ رضی اللہ عنہا بھی تھی تو یہ اس کے لئے بھی بشارت ہے، دوسرا ثمرہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت کے لئے اس کے بعد کی اولاد کو منتخب کرنا آسمانی کتب کے نزول اور نبوت ورسالت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کسی غیر کی اولاد میں نبی رسول ہی نہیں آیا نیز جو بھی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے وہ کذاب ہے مرزا غلام احمد بھی اپنا نسب نامہ ابراہیم علیہ السلام سے ثابت کرنے میں ناکام ہے، تیسرا ثمرہ: دنیا کے بعد بعض نعمتوں کی فراوانیاں ہیں رزق کی کثرت، صالح اولاد کی کثرت، آئندہ نسلوں میں نیک نامی سے تذکرہ اس کی طرف لوگوں کی نیک نامی میں نسبتیں جیسے یہود، نصاریٰ، عرب، سب نے دین ابراہیم کا دعویٰ کیا تھا، چوتھا ثمرہ: آخرت میں کامیاب اور صالح لوگوں میں سے ہونا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

اور یاد کرو لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا یقیناً تم البتہ ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے عالمین میں سے کسی نے نہیں کیا[28]۔

تفسیر 28: یہ تیسرا قصہ ہے جو تیسری قسم کے امتحان کے لئے ذکر کیا گیا ہے اور وہ لوط علیہ السلام پر قوم کی طرف سے آنے والے مصائب ہیں اور ان کی مخالفت ہے کہ استہزاء کرتے ہوئے عذاب طلب کرتے تھے جس کا ذکر سورۃ حجر، سورۃ شعراء میں گزر گیا ہے مَا سَبَقَكُمْ اس میں مزید قباحت کی طرف اشارہ ہے سورۃ اعراف آیت 80 میں اس طرح

گزرا ہے۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٩﴾

کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور راستوں میں ڈاکے ڈالتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں بدکاری کرتے ہو؟ پھر ان کی قوم کے لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ کہ لے آؤ ہم پر عذاب اگر تم سچے ہو[29]۔

تفسیر29: اس میں ان کی مزید قباحتوں کی بات ہے اس میں فاحشہ کی تفسیر ہے وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ اس سے راستوں میں ڈاکے ڈالنا اور مسافروں کو لوٹنا جس سے راستے مسدود ہو جاتے ہیں یا پھر نسل کشی مراد ہے کہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کی فاشی کرنے کا ارتکاب ہے۔ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ یہ عام لفظ ہے جو لوگوں کی موجودگی میں فحاشی کا ارتکاب ہے اور لوگوں کو پتھروں سے مارنا اور گالی گلوچ کرنا اور سیٹیاں بجانا وغیرہ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ سورۃ اعراف اور نحل میں جواب یہ تھا کہ ان کو بستی سے نکال دو اور دونوں جگہ حصر کے ساتھ ذکر ہوا ہے تو یہ ظاہری تعارض ہے پہلا سبب یہ ہے کہ یہ مطالبہ ابتدا میں کیا پھر جب دیکھا کہ یہ تو دعوت سے باز نہیں آتے ہیں تو پھر ان کو نکال دینے کی دھمکی دی دوسرا سبب یہ دونوں حصر اضافی ہے یعنی اس سورۃ میں مراد یہ ہے کہ نہیں تھا قوم کا مطالبہ اپنی ذات کے بارے میں مگر عذاب لانے کا تھا اور سورۃ اعراف اور نحل میں مراد یہ نہیں تھا اس کی قوم کا مطالبہ لوط علیہ السلام کے بارے میں مگر (اخراج) نکال باہر کرنا۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ ع۱۵

"لوط علیہ السلام نے فرمایا میرے رب ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما[30]۔

تفسیر30: قوم کے ایمان لانے سے نا امیدی کے بعد اللہ تعالیٰ سے نصرت اور قوم پر عذاب لانے کی دعا طلب کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم نے ان کو بہت اذیتیں پہنچائی تھیں اسلئے انہوں نے ان کو مفسدین کہا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوٓا إِنَّا مُهْلِكُوٓا أَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۖ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظٰلِمِينَ ۚ﴿۳۱﴾

"اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ملائک ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹا ہونے کی خوش خبری لیکر پہنچے تو انہوں نے کہا کہ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں یقیناً اس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں [31]۔

تفسیر 31: دعا قبول ہوئی اور ملائک اللہ تعالیٰ نے بھیجد ئے تو پہلے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی اور پھر لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خبر دینی تھی اور حکمت یہ ہے کہ جھٹلانے والی قوم کو ہلاک کیا جائے تو حرج نہیں ہے اسلئے کہ اس کے بدلہ میں صالح بندے پیدا کرتے ہیں بِالْبُشْرٰى ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے اسحاق علیہ السلام کی بشارت مراد ہے إِنَّا مُهْلِكُوٓا یہ تیسری بشارت ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام ابتدا میں دوسری بشارت پر خوش نہیں تھے۔

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ۚ قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَنْ فِيهَا ۖ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿۳۲﴾

"ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس بستی میں لوط علیہ السلام ہیں ملائک نے کہا ہمیں خوب معلوم ہے کہ اس میں کون ہے انہیں اور ان کے متعلقین کو ضرور بچالیں گے سوائے ان کی بیوی کے وہ ان لوگوں میں شامل رہے گی جو پیچھے رہ جائیں گے [32]۔

تفسیر 32: ابراہیم علیہ السلام کا عذاب موخر کرنے کی خواہش اس مقصد کے لئے تھی کہ شاید یہ قوم ایمان لے آئے اور چونکہ لوط علیہ السلام بھی اس بستی میں موجود تھا تو نبی کی موجودگی میں عذاب نہیں اترتا ہے لہٰذا ملائک نے جواب دیا کہ لوط علیہ السلام کو بچایا جائے گا پھر قوم پر عذاب کا نزول ہوگا۔ لَنُنَجِّيَنَّهُ چونکہ ملائک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے تھے، اور جو جس کی طرف سے آتا ہے اس کی بات کرتا ہے تو ملائک کی بات حقیقتاً اللہ کی بات ہے تو معلوم ہوا کہ نَحْنُ أَعْلَمُ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ

اَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

"اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ملائکہ لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو لوط علیہ السلام ان کی وجہ سے سخت پریشان ہوئے اور ان کی وجہ سے ان کا دل تنگ ہونے لگا ان ملائکہ نے کہا آپ مت ڈریں اور نہ ہی غم کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بچالیں گے سوائے آپ کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں شامل رہے گی [33]۔

تفسیر 33: اس آیت میں لفظ اَنْ ذکر ہے اور سابقہ آیت میں اَنْ نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اَنْ اتصال پر دلالت کرتا ہے اور ملائکہ کا پہلا قول متصل نہیں تھا اور اس کی مزید تشریح سورۃ ہود میں گزر گئی ہے لَا تَخَفْ ہمارے آنے پر مت ڈرنا وَ لَا تَحْزَنْ اور ان کے عذاب اور ہلاکت پر غمگین مت ہونا، كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ آیت 32 اور 33 میں فرق یہ ہے کہ ان کے ساتھ عقیدہ میں شریک ہے اور اس آیت میں مقصد یہ ہے کہ وہ ان کے ساتھ عذاب میں شریک ہوگی۔

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۳۴﴾

"اس بستی کے باشندے جو بدکاریاں کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے ہم ان پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں [34]۔

تفسیر 34: نجات کی خوش خبری دینے کے بعد اب قوم کو عذاب کی وعید سنا رہے ہیں رِجْزًا میں پتھروں کے عذاب اور صَیْحَةً ملائکہ کی ہیبت ناک آواز چیخ کی طرف اشارہ ہے آسمان کی طرف سے عذاب کا نزول ہوگا یا مراد یہ ہے کہ آسمان کی طرف سے مقدر کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۳۵﴾

"اور ہم نے کچھ کھلی نشانی اس بستی والوں کے لئے چھوڑ دی ہے اس قوم کے لئے جو عقل سے کام لے [35]۔

تفسیر 35: اٰیَةًۢ بَیِّنَةً اس سے وہ کھنڈرات مراد ہیں یا برسائے گئے پتھر مراد ہیں جو کافی عرصہ تک باقی رہ گئے تھے وہ کھلا پانی یعنی بحر اسود کا وہ حصہ ہے جس میں حیوان زندہ نہیں بچ سکتے ہیں۔

فائدہ: نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں قدرت کی نجات کا ذکر تھا اور لوط علیہ السلام کے واقعہ میں

قدرت کی دلیل اور ہلاکت قوم میں اشارہ ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ کی قدرت کے دلائل ہیں اور نوح علیہ السلام کے واقعہ میں عالمین فرمایا وجہ یہ ہے کہ کشتی کی مثال سارے عالم میں ہے لوگ اس سے عبرت لے سکتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں مومنین کی تخصیص کی ہے وجہ یہ ہے کہ اس میں بہادری شجاعت کی نشانیاں ہیں جو ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے اور لوط علیہ السلام کے واقعہ میں لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ فرمایا ہے وجہ یہ ہے کہ عقل ہو تو وہ اس سے فائدہ وعبرت لے سکتا ہے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾

"اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو بھیجا چنانچہ انہوں نے کہا میری قوم کے لوگو اللہ کی عبادت کرو اور آخرت والے دن پر ایمان رکھو اور زمین میں فساد مت کرو [36]۔

تفسیر 36: یہ چوتھا واقعہ ہے اور اس میں چوتھی قسم کے امتحانات کا ذکر ہے جو شعیب علیہ السلام پر مشکلات اور تکلیفیں گزری ہیں جن کا ذکر سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں تفصیل سے گزرا ہے اور اس کی قوم نے بڑی بے ادبی کے ساتھ اس کی تکذیب کی سورۃ ہود میں اس کا ذکر ہے اس کے واقعہ میں توحید اور آخرت کی طرف دعوت کا ذکر ہے اور ہر قسم فساد سے منع کیا ہے یعنی شرک، خیانت، جو وہ لوگوں کے مالوں میں کرتے تھے اور وزن ناپ تول میں جو ڈنڈی مارتے تھے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾

"پس انہوں نے اس شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا لہٰذا زلزلہ نے ان کو پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے [37]۔

تفسیر 37: رَجْفَةٌ زمین کا زلزلہ مراد ہے یا دلوں کی مصیبت مراد ہے یعنی ملائک کی چیخ زوردار آواز کی وجہ سے دل ڈھک گئے کیونکہ سورۃ ھود میں صَيْحَةٌ ذکر ہوا ہے اور سورۃ اعراف میں اور اس مقام میں رَجْفَةٌ ذکر ہوا ہے پھر چونکہ رَجْفَةٌ میں اپنی ہیبت زیادہ ہے تو اس کے ساتھ دَارِهِمْ ذکر کیا یعنی دیار جمع نہیں فرمایا کیونکہ اس کی اپنی ہیبت اتنی زیادہ ہے کہ مزید کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے اور صَيْحَةٌ کی ہیبت اس کی بہ نسبت کم ہے اسلئے اس کی ہیبت میں اضافہ کے لئے دیار جمع ذکر کیا ہے۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۗ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

"اور ہم نے عاد و ثمود کو بھی ہلاک کیا اور ان کی تباہی کے واضح دلائل ان کے گھروں سے معلوم ہوئے ہیں اور ان کو شیطان نے ان کے اعمال خوشنما بنا کر انہیں راہ راست سے روک رکھا تھا حالانکہ وہ سوجھ بوجھ رکھنے والے لوگ تھے [38]۔

تفسیر 38: اس آیت میں دو قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اور اس کا تعلق سورۃ کے دوسرے دعوے سے ہے۔ وَقَدْ تَّبَيَّنَ اس کا فاعل مقدر ہے یعنی عَذَابُهُمْ وَاَحْوَالُهُمْ یا مِنْ بعض کے معنی میں ہے اور فاعل ہے اسلئے کہ ان کے بعض کھنڈرات باقی تھے فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ یعنی شرک بدعات کا مزین ہونا توحید و سنت سے روکنے کے لئے سبب ہے۔ مُسْتَبْصِرِيْنَ اس میں ایک اشکال کا جواب ہے یعنی شیطان نے ان کو اس لئے دھوکا دیا ہوگا کہ وہ نا سمجھ لوگ ہونگے جواب ہوا کہ وہ بڑے ہوشیار لوگ تھے۔

فائدہ: عام کافروں اور مشرکین کے متعلق لَا يَعْقِلُوْنَ کہا گیا ہے جبکہ یہاں ان کو مُسْتَبْصِرِيْنَ کہا یہ تو بظاہر تعارض ہے جواب ہوشیاری دنیاوی امور میں ہے اور بے عقلی دین کے امور میں ہے جیسے سورۃ روم میں فرمایا کہ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ یعنی دنیاوی امور میں ماہر ہیں البتہ آخرت سے یہ لوگ غافل ہیں۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۗ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

"اور قارون فرعون ہامان کو بھی ہم نے ہلاک کیا موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے مگر انہوں نے زمین میں تکبر سے کام لیا اور وہ ہمارے عذاب سے بچ نہ سکے [39]۔

تفسیر 39: اس آیت میں انکار کرنے اور جھٹلانے والی قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے اور اس میں دنیا کے عذاب کا خوف دلانا مقصود ہے اس کا تعلق بھی وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ کی وجہ سے سورۃ کے دوسرے دعوے سے ہے ان کے عذاب کا سبب مالداری اور اقتدار کی وجہ سے تکبر بتایا ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ

الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿40﴾

"ہم نے ان سب کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لیا لہٰذا ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر ہم نے کنکروں کی ہوا بھیجی اور کچھ وہ تھے جن کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا اور کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ وہ جنہیں ہم نے پانی میں ڈبو دیا اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے [40]۔

تفسیر 40: اس آیت میں دنیاوی عذاب کی چار قسموں کا تذکرہ ہوا ہے حَاصِبًا وہ تیز ہوا جس کے ساتھ پتھروں کی بھی بارش ہو یہ عادیوں اور قوم لوط کی سزا تھی الصَّيْحَةُ یہ ثمودیوں اور مدین والوں کی سزا تھی خَسَفْنَا یہ قارون کی سزا تھی اَغْرَقْنَا یہ قوم نوح فرعون اور ہامان کا عذاب تھا اور سب کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ظلم عام ہے کفر شرک لوط علیہ السلام کی قوم کا فعل قوم شعیب کا عمل فرعون اور دیگر ایسے متکبرین کا تکبر سب کو شامل ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ

الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾

"جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود مددگار بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جس نے کوئی گھر بنایا ہو اور واضح بات ہے کہ تمام گھروں میں سے کمزور گھر مکڑی کا ہوتا ہے کاش یہ لوگ جانتے [41]۔

خلاصہ: اس آیت سے آیت 56 تک تیسرا باب ہے اس میں رد شرک کے لئے ایک مثال بیان کی گئی ہے اور اثبات توحید کے لئے اللہ تعالیٰ کی چار صفتوں کا ذکر ہے پھر دعوت کا طریقہ چار آداب کے ساتھ ذکر ہوا ہے پھر رسول کی سچائی چار طریقوں سے ذکر کی گئی ہے پھر زجر ہے ان لوگوں کو جو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں پھر منکرین کی چار حالتوں کا ذکر ہے۔

تفسیر 41: سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں مشرکین کے عذاب کا ذکر کیا تو اب یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے ساتھ ان کے بنائے گئے الٰہ نے کوئی مدد نہیں کی اس آیت میں ان کے معبودوں کی عاجزی اور کمزوری کا ذکر ہے جو بطور مثال ذکر کی ہے اور تمام مشرکین کا اس میں رد ہے اِتَّخَذَتْ بَيْتًا اِتَّخَذَتْ کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ یہ بیت

یعنی گھر نہیں ہے لیکن مکڑی کے گمان میں گھر ہے اسلئے نَسْجُ الْعَنْكَبُوْتِ نہیں فرمایا یعنی مکڑی کا جالا نہیں فرمایا کیونکہ جالا تو ہے مگر مکان گھر نہیں ہے مثال کی وضاحت اس طرح ہے کہ جس طرح عنکبوت مکڑی جالا ایسی غیر آباد جگہوں میں بناتی ہے جہاں صفائی کرنے والوں کے جھاڑن وغیرہ نہیں پہنچتا ہے ویران جگہ اکثر وہ جالا بنا لیتی ہے اس کے خیال میں یہ اس کا گھر ہے جو اسے گرمی سردی، بارش، دھوپ اور ہواوں سے بچالے گا لیکن دنیا میں ڈھونڈے سے بھی اتنا کمزور گھر پناہ گاہ کسی کو میسر نہیں ہوسکتا ہے اس میں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے البتہ مکھی مچھر اسمیں پھنس کر شکار بن جاتے ہیں یا خود مکڑی کبھی اس میں پھنس جاتی ہے جو اس کی موت کے لئے سبب بنتا ہے اس طرح مشرکین نے اپنے باطل معبودوں پر عقیدہ بنا رکھا ہے کہ ہم ان کو سجدے کرتے ہیں اور ان کے نام کے نذرانے پیش کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے مسائل حل کریں گے اور ہماری مصیبتوں اور تکلیفوں کو روکتے ہیں اور ہماری حاجت روائی مشکل کشائی کرتے ہیں اکثر یہ عقیدہ جاہل ان پڑھ لوگوں میں پایا جاتا ہے جو عقیدے کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے ہیں اگر تم دین اور عقیدے کے لحاظ سے خود دنیا میں تفتیش کرلو تو تم مشرک کے دین اور عقیدے سے کمزور دین و عقیدہ نہیں پاؤ گے اسلئے کہ یہ معبود اپنے عابدین سے کوئی تکلیف ہٹا نہیں سکتے ہیں اور ان کی کوئی حاجت روائی مشکل کشائی نہیں کر سکتے ہیں بلکہ اس عقیدے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا البتہ شرک کے اس عقیدہ کی وجہ سے مریدوں سے دنیا کا مال و عزت حاصل کر لیتے ہیں لیکن ان کے مالوں اور عزتوں کی قیمت تو مکھی جتنی بھی نہیں ہے اس سے بھی اللہ کے نزدیک حقیر ہے دنیا کے معمولی فائدے پر بہت بڑے فائدے ضائع کر لیتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

"یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس جس چیز کو پکارتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے [42]۔

تفسیر 42: اس میں رد شرک ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تین صفتیں بیان ہوئی ہیں اور اس آیت میں ایک اشکال کا ازالہ ہے اشکال یہ تھا کہ سابقہ مثال کو کیوں عام بیان کیا ہے بزرگوں اور ولیوں کو اس سے مستثنیٰ کرنا چاہئے تھا جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے حالات کو جانتا ہے کہ یہ تمام کمزور ہیں اور کسی کی کوئی حاجت روائی نہیں کر سکتے ہیں الْعَزِيزُ یعنی کسی معاون کی اسے ضرورت نہیں ہے الْحَكِيمُ مشیر کی بھی حاجت نہیں رکھتا ہے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾

"یہ مثالیں ہم لوگوں کے فائدہ کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں کو علم والے سمجھتے ہیں [43]۔

تفسیر 43: اس آیت میں مثالوں کے فائدوں کی طرف اشارہ ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو ان کے فائدوں سے بے خبر ہیں اور اس سے انکار کرتے ہیں انہیں جاہل کہا گیا ہے اس آیت میں دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جو قرآن کی مثالوں میں غور وفکر کرتا ہے يَعْقِلُهَا امثال جاننے کا علم یہ ہے کہ وجہ شبہ دونوں جانب میں جاننے یعنی مشبہ ومشبہ بہ اور مثال اور حکمتوں کو سمجھے اور یہ اسلئے ذکر کیا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی حقیر مثالیں کیوں بیان کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان مثالوں کے فائدوں کی طرف اشارہ کیا کہ یہ حقیر نہیں ہیں یہ تو اعلیٰ درجہ کا علم ہے۔

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾

"اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے لئے پیدا کیا ہے یقیناً اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے [44]۔

تفسیر 44: اس آیت میں بھی شرک کا رد ہے اور اللہ تعالیٰ کی چار صفات کا ذکر کیا ہے یعنی جو مثالوں کو جانتے ہیں وہ آسمان وزمین میں غور وفکر کرتے ہیں اور پھر ایمان لاتے ہیں۔

اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٤٥﴾

"(اے نبی) جو کتاب تمہارے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو یقیناً نماز بے حیائی سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ ان سب کو جانتا ہے" [45]۔

تفسیر 45: اس آیت میں بعد والی آیت سمیت دعوت کے لئے چار آداب اور اُمور کا ذکر ہو رہا ہے یعنی مثال کے ساتھ شرک کا رد کرتے ہوئے یہ اُمور بھی انجام دو تا کہ سامعین میں اثر پیدا ہو ان میں سے دو اس آیت میں مذکور ہیں اول کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کا علم اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا دوم پابندی سے نماز کا اہتمام کرنا اور پھر نماز کے فائدے بیان کئے ہیں (1) یعنی گناہوں سے رک جانا (2) نماز میں ذکر الٰہی ہے اور ذکر تمام عبادتوں سے بڑی عبادت ہے الْفَحْشَاءِ ان گناہوں کو کہتے ہیں جو عقل سے بھی برے معلوم ہوتے ہیں وَ الْمُنْكَرِ وہ جس کا گناہ ہونا شرعی دلیل

سے معلوم ہو۔ فائدہ: نماز سے مراد وہ نماز ہے جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو اور قبولیت کی شرائط پر مبنی ہو اگر نماز پڑھنے سے آدمی گناہوں سے باز نہیں آتا ہے تو ضرور اس کی نماز میں کوئی شرعی نقص ہوگا جس کی وجہ سے اللہ کے پاس مقبول نہیں ہوگی وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ اس میں کئی توجیہات ہیں پہلا معنیٰ یہ ہے کہ ذکر الٰہی اللہ کی عبادتوں میں عظیم عبادت ہے کیونکہ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو عقیدہ توحید کی بنیاد پر یاد کرنا ہے اور یہ تمام عبادتوں کی بنیاد ہے دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ نماز میں ذکر الٰہی بہت بہتر ہے اس ذکر سے جو نماز کے باہر بندہ کرتا ہے۔ تیسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تمہارا تذکرہ کرے تو یہ بہت بڑی چیز ہے اس سے کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نماز سے حاصل ہوتا ہے۔ تَصْنَعُوْنَ صنع اس عمل کو کہا جاتا ہے جو مسلسل کیا جائے اور معمول بنا کر کیا جائے۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٤٦﴾

"اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو البتہ ان میں سے جو زیادتی کریں (عناداً) اور ان سے یہ کہو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر نازل کی گئی تھی ہمارا الٰہ اور تمہارا الٰہ ایک ہے اور ہم اسی کے فرمان بردار ہیں" [46]۔

تفسیر 46: اس آیت میں دعوت کے لئے تیسرا ادب ہے اور اہل کتاب کے علماء کے ساتھ خاص ہے یعنی جب تمہارے اوپر یہ اعتراضات کریں تو انہیں الزامی اور مسکت جواب دو اور اچھا طریقہ اختیار کرو یعنی بداخلاقی اور بدزبانی سے گریز کرو بلکہ کتاب وسنت سے مزین جواب دو۔ لَا تُجَادِلُوْٓا۔ جدل سے مراد اعتراضات کے جوابات ہے۔ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ظلم سے عناد مراد ہے یعنی ان کی طرح جواب دو اگر وہ لڑنے پر آتریں تو ان سے جہاد کرو ایسا ہی امام ابن کثیر نے لکھا ہے وَقُوْلُوْٓا یہ چوتھا ادب ہے یعنی مجادلہ اور مناظرہ کے وقت فیصلہ منزل کتاب پر کرنا کیونکہ ایمان بما أنزل اللہ کے ساتھ خاص ہے اور تمام کتابوں کا مقصد توحید باری تعالیٰ ہے اسلئے بعد میں فرمایا وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ؀

"اور اے نبی ﷺ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اسلئے کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان بت پرستوں میں سے بھی کچھ لوگ ہیں جو اس پر ایمان لاتے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کافر ہی کرتے ہیں" [47]۔

تفسیر 47: اس آیت سے صدق رسول اور صدق قرآن کے چار طریقے بیان ہو رہے ہیں پہلا طریقہ یعنی سابقہ اہل کتاب کے علماء اور عوام جو موجود ہیں ان میں سے بعض اس قرآن پر ایمان لائے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن سچائی پر مبنی ہے۔ وَ مِنْ هٰٓؤُلَآءِ اس سے صحابہ کرام مراد ہیں وَ مَا يَجْحَدُ اس میں انکار کرنے والوں کے لئے وعید ہے اس میں دو توجیہات ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ قرآن کے انکار کے سبب وہ کافر ہو گئے دوسری توجیہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے توحید کے منکر کافر ہیں تو اسلئے وہ قرآن سے انکار کرتے ہیں۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ؀

"اور آپ اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست ضرور شک کرتے" [48]۔

تفسیر 48: یہ دوسرا طریقہ ہے یعنی یہ رسول سابقہ کتابوں کے پڑھنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی کتابت کر سکتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب انہوں نے اپنے پاس سے نہیں لکھی ہے بِيَمِيْنِكَ یہ اکثر عادات کے اعتبار سے ہے اس میں اشارہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے لکھنا چاہئے اِذًا لَّارْتَابَ یعنی اگر یہ نبی لکھنے والے ہوتے تو پھر ان منکرین کا کچھ شبہ پیدا ہونے کا جواز ہوتا لیکن اب تو کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے الْمُبْطِلُوْنَ وہ لوگ جو باطل شبہات کے ساتھ حق کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنی باطل سوچ اور ارادوں کے ساتھ حق کو گراتے ہیں یا مُبْطِلُوْنَ کا معنی ہے باطل پرستی کے رکھوالے ہیں۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

"بلکہ یہ قرآن کی واضح آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے اور ہماری آیتوں سے انکار نہیں کرتے مگر ظالم لوگ"[49]۔

تفسیر 49: اس آیت میں قرآن اور رسول کی سچائی کا تیسرا طریقہ ذکر ہوا ہے یعنی یہ قرآن کریم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور دیگر علماء اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے تو اس کے الفاظ کی تحریف کرنے سے ساری دنیا والے عاجز ہیں اور یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے کہ نبی کے علاوہ امتیوں کے سینوں اور حافظوں میں محفوظ ہوسکتا ہے جبکہ سابقہ کتب صرف انبیاء کرام کے حافظوں میں محفوظ ہوتی تھیں اُوْتُوا الْعِلْمَ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک قرآن والے علماء کرام ہیں۔ نیز علم فرمایا حفظ نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اصل فریضہ قرآن کا علم ہے اگر ساتھ میں حفظ بھی ہو تو اور اچھی بات ہے۔ فائدہ: آیت 47 میں اَلْكٰفِرُوْنَ فرمایا ہے کیونکہ مقابلہ میں ایمان کا ذکر ہے اور یہاں پر اَلظّٰلِمُوْنَ فرمایا ہے اسلئے کہ رسول اور قرآن کی سچائی کے دلائل بیان ہوگئے اب جو بھی ان کو رب کی طرف سے تسلیم نہیں کریگا تو وہ عنادی ظالم ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر ان کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں کی گئی ہیں آپ فرما دیجئے کہ نشانیاں صرف اللہ کے پاس ہیں اور میں تو صرف واضح طور پر ڈرانے والا ہوں"[50]۔

تفسیر 50: اس آیت میں منکرین قرآن و رسول کے لئے وعید ہے اس اعتبار سے کہ ان کے نزدیک معجزات پیش کرنا نبی کے اختیار میں ہے پہلا جواب یہ ہے کہ معجزات صرف اللہ کے اختیار و قدرت میں ہے نبی کریم ﷺ کا معجزہ لانے میں کوئی اختیار نہیں ہے اس طرح سورۃ رعد آیت 38 میں گزرا ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع

"کیا ان کے لئے یہ قرآن کی نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی رحمت ہے اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں"[51]۔

تفسیر 51: اس آیت میں سوال کا دوسرا جواب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن کامل معجزہ ہے اور تمام معجزات میں

بہتر معجزہ ہے کیونکہ یہ وقتی نہیں ہے قیامت تک دنیا والوں کے لئے باقی رہنے والا معجزہ ہے اَوَ لَمۡ یَکۡفِهِمۡ یعنی رسول کی خود اپنی ذات کی سچائی پر یہ قرآن کافی دلیل ہے جس کا اعجاز ساری دنیا نے تسلیم کیا ہے ۔ لَرَحۡمَةً اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہے یا ایمان والوں کے دلوں کے اطمینان کا سبب ہے یا رحمت کا معنیٰ رحمت خاص ہے۔

فائدہ: اسمیں واضح دلیل ہے کہ نبی کو معجزہ پیش کرنے میں کوئی اختیار ہوتا تو پھر مشرکین کا اعتراض ثابت ہوجاتا کہ یہ نبی اللہ پر اپنی طرف سے باتیں یعنی افتراء کرتا ہے لیکن قرآن بھی معجزہ ہے اور نبی کو اس میں کوئی قدرت کا عمل دخل نہیں ہے اس طرح دیگر معجزات میں بھی نبیوں کو اختیار نہیں دیے گئے تھے۔

قُلۡ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ شَهِيۡدًا ۚ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡبَاطِلِ وَكَفَرُوۡا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۝

"فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی دینے کے لئے اللہ کافی ہے اسے ان تمام چیزوں کا علم ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور جو لوگ باطل پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں سخت نقصان اٹھانے والے ہیں" [52]۔

تفسیر 52: اس آیت میں سابقہ بیان کا نتیجہ ذکر ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن و رسول کی سچائی ثابت کی ہے تو اب اس کی طرف سے اس پر شہادت ہے اور صدقِ رسول کے لئے بھی گواہی کافی ہے پھر ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ کی شہادت کے بعد بھی باطل کتابوں معبودوں اور شبہات پر یقین رکھتے ہیں اور کتاب الٰہی سے انکار کرتے ہیں تو یہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔

وَيَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَلَوۡلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الۡعَذَابُ ؕ وَلَيَاۡتِيَنَّهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝

"اور یہ لوگ آپ سے جلد بازی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں اگر عذاب کا ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر ضرور عذاب آپڑتا اور وہ آئے گا ضرور مگر اتنا اچانک کہ ان کو محسوس بھی نہیں ہوگا" [53]۔

تفسیر 53: اس آیت میں ان لوگوں کے لئے زجر ہے جو دنیوی عذاب طلب کرنے میں جلدی کر رہے ہیں اور اس کا جواب ہوا کہ عذاب ضرور اپنے متعین وقت پر آئے گا بَغۡتَةً یعنی جس کا وقت تاریخ متعین نہ ہو اور آئے بھی تو اچانک اگرچہ اس کی علامات ہوں۔

يَسۡتَعۡجِلُوۡنَكَ بِالۡعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۵۴﴾ يَوۡمَ يَغۡشٰهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ وَ يَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۵۵﴾

"یہ آپ سے عذاب طلب کرنے میں جلدی کر رہے ہیں اور یقیناً کافروں کو عذاب گھیرے میں لے گا" [54]۔ "اس دن جب ان پر عذاب اوپر سے بھی چھا جائے گا اور ان کے نیچے سے بھی اور کہا جائے گا کہ تم ان کاموں کا مزہ چکھو جو تم کیا کرتے تھے" [55]۔

تفسیر 54، 55: ان آیتوں میں بھی آخرت کا عذاب جلدی طلب کرنے میں زجر ہے یعنی ان کی چاہت ہے کہ وقت مقرر سے قبل عذاب آ جائے پھر منکرین کے چار حالات تخویف کے لئے ذکر کئے ہیں جہنم کا احاطہ، عذاب کا ڈھانپ لینا، ہر جانب سے عذاب کا گھیراؤ، ذوق عذاب کا چکھ لینا اس کی تفصیل سورۃ اعراف آیت 41 میں گزری ہے۔

يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ فَاِيَّاىَ فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو یقیناً میری زمین وسیع ہے لہٰذا خالص میری ہی بندگی کرو" [56]۔

خلاصہ: یہاں سے سورۃ کے آخر تک چوتھا باب ہے اس میں ہجرت کے امتحان کا ذکر چار طریقوں سے بیان ہوا ہے پھر تین عقلی دلائل بیان ہوئے جن میں مہاجرین کے لئے تسلی ہے اور ہر ایک دلیل میں چار چار چیزوں کا ذکر ہے پھر چار وعیدوں کا ذکر ہے اور آخر میں سورۃ کا دعویٰ ذکر ہوا ہے۔ ربط۔ جب مشرکین کے لئے کثرت سے وعیدیں اور خوف بیان ہوا تو انہوں نے ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان والوں پر ظلم کی انتہا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہجرت کی ترغیب دی۔

تفسیر 56: اس آیت میں ترغیب الی الہجرۃ کے لئے پہلا طریقہ ذکر ہوا ہے یعنی جب کسی علاقہ اور ملک میں مشرکین کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہو اور بیان توحید اور اظہار توحید پر پابندی ہو تو ایسے وطن سے ہجرت کرنا فرض ہوتا ہے یعنی وطن چھوڑ دینا لازم ہے لیکن دین چھوڑنا جائز نہیں ہے اِنَّ اَرۡضِىۡ وَاسِعَةٌ۔ اس میں اشارہ ہے کہ دین کے لئے ہجرت کرنے سے وسعت اور فراخی آتی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٥٧﴾

"ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف تم سب کو واپس لایا جائے گا" [57]۔

تفسیر 57: اس آیت میں ترغیب الی الہجرۃ کا دوسرا طریقہ ذکر ہوا ہے کہ وطن اور دوستوں رشتہ داروں سے بغیر ہجرت یعنی موت کے ذریعے سے جدا ہونے والے ہو لہٰذا اپنے اختیار میں سے اللہ کے دین کے لئے جدائی اختیار کر لو ایسا ہی سورۃ آل عمران آیت 185 میں گزرا ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٥٨﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٥٩﴾

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہیں ہم ان کو ضرور جنت میں ایسے بالا خانوں میں آباد کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے ان عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے" [58]۔ "وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کیا" [59]۔

تفسیر 58، 59: اس آیت میں ترغیب الی الہجرۃ کا تیسرا طریقہ ہے یعنی بشارت کو ہجرت کے ساتھ خاص کیا ہے الَّذِينَ صَبَرُوا یہ صبر ہجرت کی تکلیفوں پر ہے وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یہ وطن اور اہل وطن سے اعتماد ختم کرنے کے لئے ہے غُرَفًا میں اشارہ ہے کہ اگر دنیا کے مکانات رہ گئے تو اس کے بدلے میں جنت میں بلند اور عالیشان محلات مل جائیں گے۔

وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

"اور کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق لئے نہیں پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہی جو ہر بات اور ہر چیز جانتا ہے" [60]۔

تفسیر 60: اس آیت میں ترغیب الی الہجرۃ کا چوتھا طریقہ مذکور ہے کسی مومن کو یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وطن میں کاروبار زمین چھوڑ کر جب ہجرت کرے تو وہاں رزق کس طرح حاصل ہوگا جواب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کمزور جانوروں کو رزق دیتا ہے تو مہاجرین فی سبیل اللہ کو کیوں نہیں دے گا۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

"اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو تابع کر کے کام پر لگایا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے پھر آخر کہاں یہ لوگ اوندھے منہ چل پڑتے ہیں" [61]۔

تفسیر 61: اس آیت میں توحید پر دلیل عقلی اعترافی ہے اور مشرکین کے لئے زجر ہے اور اس میں چار امور کا ذکر ہے اس کی مناسبت ہجرت کی چوتھی ترغیب سے ہے یعنی رزق کو اللہ کی طرف سے سمجھو اسلئے کہ روزی کے اسباب اور تدبیر اور اس کی تقسیم اللہ کی جانب سے ہے اور مشرکین بھی ان صفات کو اللہ کے لئے تسلیم کرتے تھے اس آیت میں رزق کے لئے چار اسباب کا ذکر ہوا پہلا سبب السَّمٰوٰتِ یعنی آسمان سے رزق کے تقدیری فیصلے آتے ہیں اور اس میں بارشیں اترتی ہیں دوسرا سبب الْاَرْضَ اس میں سے رزق کے لئے پودے نکل آتے ہیں تیسرا سبب الشَّمْسَ اس کے ذریعے سے پھل اناج وغیرہ پکتے ہیں۔ چوتھا سبب الْقَمَرَ اس کے ذریعے سے اس میں ترقی آتی ہے اور اس کے رنگ بدلتے ہیں۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۲﴾

"اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کی کشادگی پیدا کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مکمل علم رکھتا ہے" [62]۔

تفسیر 62: اس آیت میں دوسری دلیل نقلی ہے اور ایک اشکال کا ازالہ ہے یعنی رزق کا خالق پیدا کرنے والا تو اللہ ہے مگر فراخی اور تنگی کے اختیار کسی اور کو دیا ہوگا۔ جواب ہوا کہ ہرگز نہیں یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور اس دلیل میں دو چیزیں مذکور ہیں یَبْسُطُ فراوانی اور یَقْدِرُ تنگی کا نظام تو علم پر موقوف ہے کہ کس کو تنگی اور کس کو فراخی دینا ہے جو اس کے لئے مفید ہے اسلئے اس کے بعد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ یقیناً وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

"اور اگر ان سے سوال کریں کہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے سے زمین کو رونق بخشی بعد اسکے کہ وہ بنجر ہوئی تھی تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ آپ فرما دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں لیکن لوگوں کی اکثریت عقل سے کام نہیں لیتی ہے" [63]۔

تفسیر 63: یہ تیسری دلیل عقلی اعترافی ہے خلاصہ یہ ہے کہ رزق میں تنگی اور فراخی اس کے اختیار میں اسلئے ہے کہ رزق کے اسباب یعنی بارشوں کے نزول اور زمین میں پودوں کے نکالنے کی قوت نباتیہ پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے ان دونوں آیتوں میں چار چیزوں کو ذکر کیا چونکہ رزق کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے تو آخر میں حمد پڑھنے کا حکم دیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ کا رزق استعمال کرنے کے بعد اللہ کی حمد پڑھنی چاہئے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

"اور یہ دنیا کی زندگی کھیل کود کے سوا کچھ نہیں ہے اور یقیناً اصل زندگی آخرت کی ہے اگر یہ لوگ جانتے" [64]۔

تفسیر 64: اس آیت سے آیت 68 تک چار وعیدوں کا تذکرہ ہوا ہے اس آیت میں دنیا پرستوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ دنیا کے فنا و زوال اور آخرت کے بقا پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔

ربط: چونکہ سابقہ تین آیتوں میں دنیا کی چیزوں کا ذکر کیا تو اس آیت میں اس کی طرف هٰذِهٖ سے اشارہ کیا لَهْوٌ وہ چیز جو صرف دل کو بہلائے یعنی ذکر الٰہی سے انسان کو مشغول رکھے وَّ لَعِبٌ وہ چیز جو بے فائدہ اور جلد فنا ہونے والی ہو اَلْحَيَوَانُ وہ حیات جو حقیقی اور دائمی ہو ہمیشہ کے لئے فنا سے اور غموں سے محفوظ ہو اور دردوں سے پاک ہو۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۗ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

"چنانچہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ صرف اس پر اعتماد کرتے ہیں پھر جب انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں" [65]۔ "نتیجہ یہ کہ ناشکری کرتے ہیں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو دی ہے چاہیے کہ مزے حاصل کریں عنقریب ان کو پتا چل جائے گا" [66]۔

تفسیر 65، 66: اس میں ان کے شرک پر دوسری وعید ہے باوجود جان لینے کے کہ مصیبتوں کو ٹال دینے والی ذات اللہ ہی کی ہے پھر بھی غیر اللہ کو پکارتے ہیں یہ ان کے جہل کی واضح دلیل ہے سورۃ یونس آیت 22 اور سورۃ بنی اسرائیل آیت 27 میں اسی طرح گزرا ہے اور اس میں دلیل ہے کہ رب کی معرفت پر فطری دلائل نفس کے اندر موجود ہیں۔ ربط چونکہ رزق کی نعمتوں کا ذکر گزر گیا تو اب ان لوگوں کے لئے وعید کا ذکر ہے جو شرک کرتے ہوئے ان نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں لِيَكْفُرُوْا یہ نَجّٰىهُمْ کے لئے وضاحت ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان کے لئے ایک پر امن شہر حرم بنایا ہے جبکہ اس کے ارگرد لوگ کا حال یہ ہے کہ اچک لیے جاتے ہیں کیا پھر بھی باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں" [67]۔

تفسیر 67: اس آیت میں تیسری وعید بیان کی گئی ہے جو ان کی ناشکری شرک کرنے پر بیان ہے یعنی تکلیف آنے پر شرک کرتے ہیں اسی حرم مکی میں اپنے باطل شرکاء کی نسبت کرتے ہوئے شرک کرتے ہیں اَفَبِالْبَاطِلِ اس سے ان کے مَعْبُوْدٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مراد ہے یعنی مشرکین مکہ امن کی نسبت لات، منات وغیرہ کی طرف کرتے تھے جیسے آج بھی کسی بستی کے امن کی اور برکت کی نسبت اس بستی کے کسی قبر والے کی طرف کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝۶۸

"اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا جب اس کے پاس حق کی بات پہنچے تو اسے جھٹلا دے کیا ایسے کافروں کا جہنم میں ٹھکانا نہیں ہوگا" [68]۔

تفسیر 68: اس آیت میں چوتھی وعید ہے مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا یعنی شرک کرتے ہوئے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہی ہمارے آباء اجداد اور کبھی کہتے ہیں وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا اللہ نے ہمیں ایسے عمل کرنے کا حکم دیا ہے بِالْحَقِّ اس سے نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید مراد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۶۹ ع

"اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہیں ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا خاص ساتھی ہے" [69]۔

تفسیر 69: یہ سورۃ کی ابتداء سے متعلق ہے اور ان لوگوں کے لئے خوشخبری (بشارت) ہے جنہوں نے گزرے ہوئے امتحانات اور مصائب پر صبر کا دامن تھام رکھا تھا جَاهَدُوْا سے مشکلات مراد ہیں جو انہوں نے مجاہدے کے ساتھ برداشت کی ہیں فِیْنَا اللہ کے راستے میں یا اللہ کی رضا کی وجہ سے اور مراد اس سے اخلاص ہے کیونکہ ہر قسم جہاد بغیر اخلاص کے قبول نہیں ہے لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جس نے علم کے راستے میں مشقت برداشت کی تو اس کو ہم عمل کے طریقے سکھا دیں گے سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت میں مشقت برداشت کی اللہ اسے اجر کے راستے دکھا دے گا۔ جس نے اخلاص کے ساتھ دعوت دین میں مشقت برداشت کی تو اسے ہم دلیل حق دکھائیں گے اور یہ بات تجربے سے بھی ثابت ہے کہ داعی حق کو اللہ تعالیٰ دلائل کا الہام فرماتا ہے اَلْمُحْسِنِیْنَ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اس سورۃ پر عمل کیا ہے۔

سورۃ العنکبوت کی خصوصیات:

(۱) چار (4) قسم کے امتحانات۔

(۲) مشرکین پر تنقید کیلئے مثال ذکر کی ہے۔

(۳) نوح علیہ السلام کی اپنی قوم میں ٹھہرنے کی مدت۔

(۴) ہجرت کی طرف ترغیب۔

(۵) قرآن مجید کی شان وعظمت کہ وہ اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہے۔

(۶) یقیناً قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر واضح معجزہ ہے۔

(سورۃ العنکبوت کی تفسیر اللہ کے فضل سے مکمل ہوئی)